لہٗ دعوۃ الحق
الکتاب المسطور
فی جواب
"سماع الموتٰی" و "تسکین الصدور"
المعروف بہ
ندائے حق
مع اضافات جدیدہ
تالیف
الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
کاوش محمد ابراہیم ملک خادم اشاعت توحید و سنت پاکستان

عظیم الشان خوشخبری

★ اب مکتبہ اشاعت آپ کے جیب میں ★

دنیامیں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاؤن لوڈ کریں

نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

نوٹ

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاً تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاً فوقتاً Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ و تفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ

WhatsApp:0320-1914145

ویب سائیٹ **maktabatulishaat.com** (مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام)

له دعوة الحق
الكتاب المسطور
فی جواب
"سماع الموتیٰ" و"تسکین الصدور"
المعروف بہ
ندائے حق
مع اضافات جدیدہ
جلد سوم
تالیف
الشیخ المحقق مولانا السید محمد حسین النیلوی
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
حال شیخ الحدیث جامعہ ضیاء العلوم سرگودھا
مکتبہ اشاعت السلام دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین السمیع البصیر القدیر المجیب ذی الطول لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر
والصلوٰۃ والسلام علیٰ افضل رسلہ خاتم النبیین وعلیٰ الہٖ واصحابہ وتبعھم اجمعین امابعد

شروع شروع میں ہندوستان میں انگریزوں کا تسلط ہوا مسلمان مجاہدین نے مقابلہ کیا انگریز تاب نہ لاسکے آخر انہوں نے دوسرا حربہ استعمال کیا کہ ان کو آپس میں لڑاؤ۔ آٹھ سو سال ہند میں مسلمان حکومت کرتے رہے تاریخ میں کہیں نہیں ملتا کہ کہیں ہندو مسلم فساد کی تحریک اٹھی ہو یا سُنی شیعہ فساد کی تحریک قائم ہوئی ہو انگریز آ گیا۔ یہ فساد بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ مزید برآں گامے اور نورے اور رضا جیسوں کو بھی اٹھا کھڑا کیا یہ پارسائی کے مدعی کیا کیا گل کھلاتے رہے۔ یہ سب فتنے تحریک آزادی کو ختم کرنے کے لئے اٹھائے گئے۔ عوام جنہیں رسم و رواج غلط طریق سے چلے آرہے تھے اور علماء حق ان کی تبلیغ میں اصلاح کرتے تھے ایسے مولوی پیدا کرکے شور بپا کیا جو عوام کی رائے کے موافق مسئلے بتائیں تاکہ عوام علماء حق سے بدظن ہو جائیں اور ان کی بات نہ مانیں اور اس غرض کے لئے ان کو کتابیں مہیا کی گئیں ان کو وظیفے دئے گئے ان کو شمس العلماء امام وغیرہ کے لقب دئے گئے اور نمک حلالی کرتے ہوئے انہوں نے علماء کو مسائل میں الجھایا ان پر مختلف قسم کے الزام لگائے اور جہاد کی حرمت پر کتابیں لکھیں اور کئی طریقوں سے علماء حق آزمائش میں گھرے

من جملہ ان کے مسئلہ حیاۃ النبی کی طرح مسئلہ سماع موتیٰ بھی تھا جس کی ابتدا فضل رسول بدایونی سے ہوئی جو بواسطہ نظام دکن کے انگریز کا وظیفہ خوار تھا۔ اس نے کسی اور آدمی کے ذریعہ حضرت امام شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے مسئلہ پچھوایا کہ بھلا اس سے یہ پوچھو کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ غرض یہ تھی کہ جب وہ جواب دیں گے تو عوام میں ان کو بدنام کرنے کا ایک اور حربہ میرے ہاتھ آجائے گا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے اور مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی بڑی احتیاط سے بتایا اور اپنے اس مسئلہ کی تائید میں کتابوں کے کچھ حوالے بھی دئے۔ پھر اسی فضل رسول نے وہی کیا جو اس کا دلی مقصد تھا عوام میں اس مسئلہ کو اور مسئلوں کی طرح خوب اچھالا اور حضرت شاہ جیؒ کے رد میں ایک مستقل کتاب بنام تصحیح المسائل

لکھ کر شائع کر دی اور کہا کہ شاہ اسحٰق سنی نہیں اہل سنت و جماعت سے خارج ہے وہابی ہے معتزلی ہے یہ مسئلہ معتزلیوں کا ہے یہ اکابر اور اولیاء کا گستاخ ہے پھر اس کے جواب میں علمائے اہل حق میں سے بہتوں نے تسلی بخش جواب دیئے جیسے صاحب سراج الایمان وغیرہ اور ان میں سے مشہور ترین اور مفید ترین کتاب تفہیم المسائل ہے جو حضرت شاہ جی کے تلمیذ رشید عالم جلیل نے تصحیح المسائل کے رد میں لکھی۔ اب پھر پاکستان میں شیطان نے پھونک مار کر اسی بجھی ہوئی آگ کو سلگایا اندازہ یہ رکھا کہ اولیاء زائرین کو جانتے پہچانتے ہیں اور ان کی فریاد سنتے ہیں اور اللہ سے مرادیں پوری کروا دیتے ہیں۔ ابھی چند سال ہوئے سماع الموتیٰ نام کی کتاب شائع ہوئی جس کے مصنف دیوبندی کہلاتے ہیں مگر پارٹ بدایونی کا ادا کیا۔ اس لیے نصرۃ دین کے لیے قلم اٹھایا گیا۔ پہلے اپنے مدعا کے دلائل ہو گئے پھر ان کے دلائل کا جواب ہو گا واللہ المستعان

دلیل نمبر ۱

انما یستجیب الذین یسمعون والموتیٰ یبعثھم اللہ تیری پکار سے ڈرانے کو وہی قبول کریں گے جو کلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور مردوں یعنی کافروں کو تو اللہ تعالیٰ قبروں سے اٹھائے گا۔ جامع البیان میں ہے الکفار الذین کالموتیٰ لا یسمعون یعنی کافران مردوں کی طرح ہیں نہیں سنتے۔ بیضاوی میں ھٰؤلاء کالموتیٰ اللذین لا یسمعون۔ جلالین میں ہے والموتیٰ ای الکفار شبّھھم بھم فی عدم السماع رازی ص۱۰۵ نے کہا ای لا سبیل الی استماعھم ابو السعود ص۱۱۶ نے بھی یہی کہا ابن جریر ۷، ص ۱۸۱ میں ہے جعلھم اللہ تعالیٰ ذکرہ فی عداد الموتیٰ الذین لا یسمعون صوتاً ولا یعقلون دعاءً ولا یفقھون قولاً؛ خازن میں ہے ج ۲ ص ۱۴ و المعنی انھم فی حال کفرھم وکذبھم کمن لا یسمع ولا یتکلم ولھذا شبّہ الکفار بالموتیٰ لان المیت لا یسمع ولا یتکلم؛ مدارک ص ۳۰۴ والموتیٰ یبعثھم اللہ ثم الیہ یرجعون فحینئذ یسمعون واما قبل ذٰلک فلا؛ نیساپوری جز ۷ ص ۱۳۶ یعنی ان الذین تحرص علی حصول ایمانھم بمنزلۃ الموتیٰ الذین لا یسمعون؛ کشاف ج ۲ ص ۱۲ بمنزلۃ الموتیٰ الذین لا یسمعون خلاصہ ان تمام عبارات کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں میں شمار کیا ہے جو حق سنتے ہیں نہ کسی کی پکار سمجھتے ہیں نہ بات سمجھتے ہیں جیسے مردہ نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے

دلیل نمبر ۲

سورۂ نمل و روم میں ہے انک لا تسمع الموتیٰ رازی نے ج۶ ص ۳۰۴ میں کہا انھم کالموتیٰ وکالصم وکالعمی فلا یفھمون ولا یسمعون ولا یبصرون ولا یلتفتون الی شیء من الدلائل؛ خازن ص۱۰۶ و معالم التنزیل ص۳۰۵ میں ہے ومعنی الآیۃ انھم لفرط اعراضھم عما یدعون الیہ کالمیت الذی لا سبیل الی سماعہ وکالاصم الذی لا یسمع ولا یفھم؛ ابن کثیر پ ۲۱ ص ۴۳۳ میں ہے بل ذٰلک الی اللہ

فانہ تعالیٰ بقدرتہ یُسمع الاموات اصوات الاحیاء اذا شاء ویہدی من یشاء ویُضل من یشاء ۔ ولیس ذٰلک لاحد سواہ :

ابن جریر ۔ ابو سعود ۳۳۵

واطلاق الاسماع من المفعول لبیان عدم سماعہم لشئی من المسموعات خلاصہ ان تمام تفسیروں کا یہ ہے کہ

کفار دعوت توحید سے اعراض کرتے ہیں ان کی مثال مردوں، بہروں، اندھوں کی سی ہے مردہ آدمی کے سننے کی کوئی صورت ہی نہیں اور بہرا آدمی بھی نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے اور نہ بلانے والے کی طرف التفات کرتا ہے اور اندھا آدمی کچھ نہیں دیکھتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں وہ تو جب چاہے مُردوں کو زندوں کی آواز سنا دے بہروں کو سنا دے۔ اندھوں کو دکھا دے۔ اور جس کافر کو چاہے ہدایت سمجھا دے اور جس کافر کو چاہے کفر کی حالت میں رہنے دے مگر یہ سب کام زندوں کی آواز مُردوں کو سنانا، بہروں کو کسی کی بات سُنا سمجھا دینا، اندھوں کو بینائی دے دینا اور گمراہ کافر کو ہدایت کرنا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے بس کے نہیں۔ مردے بہرے اندھے گونگے ویسے نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں

نیلوی کہتا ہے اب بھی اگر مخالف یہی کہے کہ مُردے سنتے دیکھتے بولتے ہیں اللہ کی قدرت کا انکار نہیں تو ہم کہیں گے کہ یہ بھی صاف صاف کہہ دو کہ بہرے سنتے ہیں اندھوں کو دکھائی دیتا ہے گونگے باتیں کرتے ہیں اللہ کی قدرت کا انکار نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو ڈاکٹر کان، آنکھ، زبان کا علاج کرنے والے سپیشلسٹ بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کر کے علاج کس چیز کا کرتے ہیں اور لوگ ہزاروں روپے ڈاکٹروں کو کیوں دیتے ہیں۔ جس کی آنکھوں پر موتیا بند آگیا ہو اور کہتا ہو کہ مجھے کچھ نہیں دکھتا اسے کہنا چاہئے کہ تو مکر کرتا ہے تجھے سب کچھ نظر آتا ہے اگر ڈاکٹر کو دینے کے لئے تیرے پاس فالتو پیسہ ہے تو لا مجھے دے دے میں کسی کام لگا دوں گا اسی طرح بہروں اور گونگوں کو بھی کہنا چاہئے۔

دلیل نمبر ۳

اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم یعنی اللہ کے سوا جن جن معبودوں کو پکارتے ہو (نوری ہو یا ناری یا خاکی) ذرا سا بھی تو اختیار نہیں رکھتے۔ تم ان کو کتنا ہی بلاؤ اول تو وہ تمہارے بلانے کو سنیں گے نہیں اور اگر بالفرض سنیں بھی تو تمہاری فریاد رسی نہ کر سکیں۔ حضرت سحبان الہند نے کشف الرحمٰن ص ۶۹۶ میں لکھا یعنی جمادات میں تو سننے کی صلاحیت ہی نہیں اور ...

صاحب ارشاد تو ان کا سننا بھی بغیر اذنِ خداوندی کے متحقق نہیں اور اگر سن بھی لیں تو وہ کام نہیں آسکتے کیونکہ وہ (ملائکہ و عیسیٰ و عزیر وغیرہ) خدا تعالیٰ کے سوا پکارنے کو پسند نہیں کرتے اور اپنے کو پکارنے پر راضی نہیں۔ رہے شیاطین تو ان میں قدرت مستقلہ نہیں لہٰذا پکارنے کے باوجود کام نہیں آسکتے الخ

سوال اگر کہا جائے کہ مشرکین تو بتوں کو پکارتے تھے تو اس کا جواب سید امیر علی صاحب ملیح آبادی سے سنئے

جواب ہاں انہوں نے طرح طرح کے خیالات فاسدہ سے بتوں کو کبھی ملائکہ کی صورت پر اپنے زعم میں بنایا اور بعض نے جن کی صورت پر اور بعض گذرے ہوئے آدمیوں کی صورت پر حتیٰ کہ نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ و مریمؑ کی صورت پر بنایا۔ اور گمان کیا کہ یہ ان کی صورت ہے پھر یہ گمان کیا کہ اس صورت کی تعظیم سے ان کو خبر ہوتی ہے پھر یہ گمان کیا کہ اس سے خوش ہوتے ہیں پھر یہ گمان کیا کہ اس کے ذریعہ سے وہ جناب باری تعالیٰ میں ہماری سفارش کرتے ہیں پھر یہ گمان کیا کہ اس کے ذریعہ ہم کو نفع و ضرر پہنچتا ہے اور اگر ہم ان کو چڑھاوا نہ چڑھا دیں تو یہ خفا ہو کر ہم کو تباہ کر دیں حتیٰ کہ اہل اسلام میں بھی بصورت کے مسلمان ہیں جو اپنے ہاتھوں سے پنّی وغیرہ لگا کر تعزیہ کا ٹھاٹھ بناتے ہیں اور اس کی نسبت بھی گمان رکھتے ہیں کہ اسی سے ہمارا نفع ہے جب کہ چڑھاوے چڑھائیں اور اس کے آگے عاجزی سے منتیں مانیں ورنہ ناخوشی کی صورت میں تباہ ہو جائیں گے حالانکہ ایسا کرنے والے مرتد ہو کر اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اور ان کے نکاح ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور مشرکوں کے یہ سارے اوہام محض باطل ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار نہیں سنیں گے الخ

ابن کثیر ج۳ ص ۵۵۶: یعنی ان الآلھۃ التی تدعونھا من دون اللہ لا تسمع دعاءکم لانھا جماد لا ارواح فیھا

روح المعانی ج۲۲ ص ۱۲۸: انہ جماد لیس شانہ السماع ہذا اذا کان الکلام مع عبدۃ الاصنام ویحتمل ان یکون مع عبدتھا و عبدۃ الملائکۃ و عیسیٰ و غیرھم من المقربین (الاحیاء) و عدم السماع حینئذ اما لان المعبود لیس من شانہ ذلک کالاصنام واما لانہ فی شغل شاغل و بعد بعید عن عابدہ کعیسیٰ علیہ السلام ولو سمعوا علی سبیل الفرض والتقدیر ما استجابوا لکم لانہم لم یرزقوا قوۃ التکلم والسماع

خلاصہ مطلب ان مفسرین کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو حاجات میں پکارتے ہو وہ تمہاری پکار اس لئے نہیں سنتے کہ وہ بے روح کے دھڑ ہیں جن کا کام سننا نہیں (خواہ وہ کسی ذی روح کی مورت ہو یا کسی بزرگ

کی قبر ہو اور فرشتے اور حضرت عیسیٰؑ اور وہ سب عنقریب زندہ بزرگ نبی ولی اس نے بھی نہیں سننے کہ یا تو نہیں
ایسی مصروفیت ہے کہ اس کی وجہ سے ان کو پکارنے والوں کی طرف توجہ ہی نہیں۔ توجہ ہوتی تو سنتے اور یا اس لئے نہیں
سنتے کہ وہ پکارنے والے سے دور رہتے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں میں ہیں اور ان کو پکارنے والا ان کو
زمین پر کھڑا پکارتا ہے۔ وہ اس کی کیا سنیں گے اور اگر فرض کر لو کہ اتفاق سے کہیں خدا کے سنانے سے وہ سن
بھی لیں تو وہ سننا تمہارے کیا کام آئے گا انہیں آگے بولنے اور جواب دینے کی جو طاقت نہیں اور نہ خود سننے کی

رازی پ۲۲ ص ۲۵۰ میں فرماتے ہیں وقال سبحانہ یسمعون کما ینطقون فانہم کانوا یقولون بان الاصنام تسمع وتعلم
ولکن ما کان یمکنہم انہم یجیبون لان ذلک انکار للحس به وعدم سماعهم انکار للمعقول بالانتزاع وان کان یقتضی المعقول
فالمکن وقوعه للحس به۔ یعنی چلو تھوڑی دیر کو مان لیا کہ جیسے یہ کہتے ہیں کہ یہ بے روح کے دھڑ سنتے جانتے ہیں مگر
وہ جواب تو نہیں دے سکتے۔ تو سننا اگر محسوس نہیں ہو سکتا تو جواب دینا تو محسوس ہونے کی چیز ہے سو وہ ناممکن ہے
جماعتہ۔ اسی طرح کچھ لوگ سننا بھی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سنانا اس کی مشیت کے ساتھ ہے

غیلوی کہتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ آسمان پر ہیں تو وہ پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے تو جن نبیوں کی ارواح
مطہرات جنت کی کوٹھیوں میں دیدار الٰہی میں مشغول ہیں وہ پکارنے والے کی پکار کو کیسے سن سکتے ہیں جب کہ وہ جہان
بھی دوسرا ہے۔ اور اجساد طیبہ طاہرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قبور عزفیہ میں مدفون ہیں وہ بھی پکار سے اتنے دور ہیں
جیسے ابو عطار سندھی نے کہا بلی کل من تحت التراب بعید جو زمین کے نیچے چلا گیا وہ دور ہی ہو گیا (دیوان حماسہ
ص ۱۳۸۔ ابو عطار سندی اسلامی شاعر ہے اموی وعباسی دور کا دیکھو حماسہ ص)

کلی الهجر انالم یضح لك امرنا — ولم یاتنا عما لدیك یقین (قالہ خلف تابعی)

جدائی کو یہ امر کافی ہے کہ تجھ کو ہمارے رنج وغم کا حال واضح نہیں ہوا ہے اور ہمارے پاس تیری کچھ بات اور کوئی خبر بھلائی
برائی کی نہیں آئی۔ اگر مردوں کے سننے کا مسئلہ صحیح ہے تو خلف تابعی کا پہلا مصرعہ غلط ہے۔

الام علی تبکیه — والمسه فلا اجده

میں اس کے رونے پر ملامت کیا جاتا ہوں۔ افسوس اس کو ڈھونڈتا ہوں سو میں اس کو پاتا نہیں ہوں۔

فان الذی تبکین قد حال دونه — تراب وابواب المقام وجول

کیونکہ وہ شخص جس کو تُو روتی ہے اس سے درے بہت سی مٹی اور ٹیڑھا مقام منہ کا تنگ اور بیچ کا چوڑا یعنی لحد حائل ہو گیا ہے (اب ملاقات اور زیارت کیسے ہو سکتی ہے) یعنی اسے تیرے رونے کی کیا خبر ہے۔

حسب الخليلين نأى الارض بينهما هذا عليه وهذا تحتها بالٍ (ابو اپنے حقیقی بھائی کا مرثیہ خوان ہے

دو دوستوں کی جدائی کے لئے ان میں زمین کی دُوری کا حائل ہونا کافی ہے یہ ایک زمین پر ہے۔ دوسرا زمین کے تلے بوسیدہ اور خاک ہو گیا ہے (اور خاک شدہ کیا خاک سُنے گا۔)

وباكية من نأى قيسٍ وقد نأت بقيس نوى بينٍ طويلٍ بعادُها جریر مرثیہ خوان قیس بن ضرار کہ بہت سی رونے والیاں قیس کی جدائی سے روتی ہیں اور حال یہ ہے کہ قیس کو ایسی جدائی نے علیحدہ کر دیا جس کی مدت دراز ہے

ایک جواب اس گذشتہ سوال کا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رہ نے الوصیۃ ص ۲۶ میں یہ دیا ہے کہ آیت اگر چہ بُوں کے بارے اتری ہے مگر لفظ تو عام ہے اور عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصِ محل کا اعتبار نہیں ہوتا

کلیات لابی البقاء ص ۳۸۰ و نووی بر مسلم ص ۱۸۱ و توضیح تلویح مصری ج ۱ ص ۱۵۱ ۳ اور البرہان فی علوم القرآن علامۃ الزرکشی ج ۱ ص ۳۲ میں بھی یہی ہے

حضرت امام رازی رہ نے اپنی تفسیر ج ۱ ص ۲۱۹ میں فرمایا کہ دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہوا جو ان چھلے ہوئے پتھروں کا پجاری ہو کیونکہ یہ سب کو علم ہے کہ یہ چھلے پتھر نہ خالق ہیں نہ رازق۔ ان مشرکین میں جب کوئی ایسا بزرگ مرجاتا تھا جس کے متعلق ان کا عقیدہ ہوتا کہ خدا کے ہاں اس کی دعا اور سفارش قبول ہوتی ہے تو اس کی شکل کا بُت بنا کر اس اعتقاد کے ساتھ اس کو پوجتے تھے کہ یہ انسان (جس کی یہ مُورت ہے) قیامت کے روز خدا کے ہاں ہماری سفارش کرے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے هٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ میں بتائی ہے

ابو السعود نے اپنی تفسیر ج ۳ ص ۲۰۰ میں لکھا مشرکین نے اپنے پیغمبروں اور اکابر کی صورتوں جیسے بُت بنا کر پوجتے تھے اور یہ سمجھتے کہ ان کی عبادت کریں گے تو یہ اکابر ہماری سفارش کریں گے

نیز ص ۲۰۰ میں لکھا کہ نضر بن حارث کہتا تھا قیامت کو لات میری سفارش کرے گا

روح المعانی ج ۳ ص ۲۴۲ میں ہے یہ بُت شفعاء نہیں بلکہ وہ مقرب ہستیاں سفارشی ہوں گی جن کی یہ مُورتیاں ہیں۔

طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۰۵ میں ہے کہ مشرک کہتے تھے کہ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہمیں مارنے جلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے،

اور وہی خالق و رازق ہے لیکن ہمارے یہ معبود خدا تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کرتے ہیں۔ اگر اے محمد! جب تو ان معبودوں کا حصہ بھی مقرر کر دے تو ہم تیرے ساتھ ہیں

بی بی لات: ابن عباسؓ، مجاہدؒ، ربیع بن انس اللّاتّ پڑھتے تھے کہ زمانہ کفر میں ایک شخص موسم حج میں اپنے رستہ پر بیٹھتا اور جتنے حاجی اُدھر سے نکلتے تھے ان کے لئے ستو گھولتا اور کھلاتا تو جب وہ مر گیا تو لاتّ اس کا نام رکھ کر اس کی قبر پر چڑھاوے چڑھانے لگے۔ رفتہ رفتہ اس کی صورت کا بت بنا کر یہ تصور باندھا کہ اس کی روح اس پتھر میں حلول کر گئی؛ امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے لئے ستو لت کرتا تھا

مجاہد سے روایت ہے کہ طائف میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک شخص کچھ بکریاں پالے ہوئے تھا وہ سال بھر ان کے دودھ کی پنیر اور مسکہ جمع کرتا جب حج کا موسم ہوتا تو سر راہ حاجیوں کو کھلایا کرتا تھا اور ستو ملا کر اس کا حلوا بناتا تھا جب وہ مر گیا تو مشرکوں نے اس کی قبر پوجنی شروع کی

منات کی قبر کی پوجا شروع ہوئی۔ اور مشرکوں میں یہ گمان جاہوا ہے کہ مورت بنانے سے وہ مورت میں حلول کر جاتی ہے چنانچہ ہندوستان کے جاہل مشرکوں میں یہ بات مشاہدہ ہے:

(مشرکوں نے) محض جہالت سے یہ خیال بھی باندھ لیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس (خانہ کعبہ) کو کسی مورت کا مٹھ ہی بنا رکھا ہے...... قریش نے اپنی جہالت کے سبب اس (کعبہ) میں مورتیں رکھی تھیں حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کی مورت اس صورت سے بنائی کہ ان کے ہاتھوں میں قریش کے فال نکالنے کی لکڑیاں تھیں الخ

محمد بن کعب قرظیؒ نے کہا ودّ سواع وغیرہ حضرت آدمؑ کے بعد اور حضرت نوحؑ سے پہلے بندگان صالحین تھے اور عبادت و زہد میں معروف تھے۔ جب وہ مرے تو ان کے پیچھے جو قوم ہوئی اس نے عبادت کرنے میں ان کا طریقہ اختیار کیا پس ابلیس نے ان سے کہا کہ اگر تم لوگ اپنے پیروں کی صورت بنا کر اپنے روبرو کر لو تو تمہارے دل میں نشاط زیادہ ہوگا اور ان کی حضوری یاد کر کے عبادت کا شوق بڑھے گا۔ ان لوگوں نے اس امر کو منظور کر لیا پھر ان کے بعد اور ایک قوم پیدا کی گئی تو ابلیس نے ان سے کہا کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ انہیں صورتوں میں فیض و برکت پاتے اور انہیں کی عبادت کیا کرتے تھے تم بھی انہی کی عبادت کیا کرو۔ اس وقت سے بتوں کی عبادت شروع ہوئی۔

بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ سب بندگان صالحین کے نام ہیں جو قوم نوحؑ سے پہلے گزرے ہیں جب وہ

مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ یہ لوگ جہاں جہاں عبادت کیا کرتے تھے وہاں ہر ایک کی مورت بنا کر قائم کر دو اور وہی نام رکھو۔ لوگوں نے یہی کیا (تاکہ یادگار قائم ہو جیسے یورپ کے ملکوں سے ہندوستان میں یہ رسم جاری ہوئی) اور ان مورتیوں کی عبادت نہیں کی گئی بلکہ بطور یادگار کے قائم تھے اور اپنے اپنے مسمی کی صورت پر تھے پھر جب وہ قومیں مر گئیں اور مدت دراز گزر گئی اور ان لوگوں میں اصلیت کا علم نہ رہا تو جاہلوں نے ان کی عبادت شروع کی۔

ابن جریر نے محمد بن قیس تابعی سے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ ود سواع وغیرہم صالحین بندے تھے جو آدم و نوح علیہم السلام کے درمیان گذرے ہیں اور ان کی زندگی میں ان کے مریدین اصحاب تھے جو ان کی اقتداء کیا کرتے تھے جب وہ لوگ مرے تو ان کے اصحاب نے کہا کہ اگر ہم لوگ اپنے شیخ کی صورت بنا کر رکھ لیں تو جب ہم دیکھ کر یاد کریں گے تو ہم کو عبادت کا شوق زیادہ ہوگا پس اس نیت سے انہوں نے صورتیں بنائیں پھر جب یہ لوگ مر گئے تو ان مورتیوں کی پوجا شروع ہو گئی

ما ھٰذہ التماثیل جمع تمثال جو جاندار کی صورت کسی چیز سے بنائی جائے

قالوا بل وجدنا... انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ یہ بت دراصل فلاں بزرگ و فلاں بزرگ کے ہیں جیسے لات و عزیٰ و منات وغیرہ اور وہ سب مر گئے ہیں اور مگر وہ ہماری مراد سنتے ہیں بلکہ یہ اقرار کیا کہ دلیل حسی یا عقلی قائم نہیں ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ اگر زید کو پکارا جائے اور وہ زندہ سامنے موجود ہے اور بہرا گونگا نہیں ہے تو دلیل حسی اس امر پر قائم ہے کہ وہ سنتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے دعا کی جائے کہ دلیل عقلی و نقلی اس پر قائم ہے کہ وہ سنتا ہے کیونکہ کمال ہے کہ کوئی ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں ہے و لہٰذا اگر نماز میں قرأت پڑھے اور وہاں کچھ غل ہو رہا ہو کہ خود پڑھنے والے نے نہ سنی تو بالاجماع کافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کچھ پوشیدہ نہیں ہے تو یہ سننا بدلیل عقلی و نقلی معلوم ہے اور زید غائب کو پکارا تو حسی دلیل نہیں کہ اس نے سنا اور نہ عقلی دلیل سے ظاہر ہے۔ مگر یہ اعتقاد کر لینا احمقوں کا کام ہے کہ وہ مرد بزرگ ہے ہمارا اس کا ایک حال نہیں تو اس نے بقوت روحی سن لیا اور اسی کو کشف ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے۔ مگر زید مر گیا ہو تو اس کی نسبت یہ اعتقاد بہت ہی عجیب ہے۔ اور تحقیق اس مسئلہ سماع موتیٰ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں اور حضرت صلعم کے پکارنے کی حدیث سے کم استدلال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ شان نبوت تھی کہ سنکر دیئے جواب دیتے تھے بالجملہ یہ مسئلہ اپنے مقام پر محقق ہے اور علمائے حنفیہ تو سب متفق ہیں کہ مُردے نہیں سنتے ہیں تو ایسی حالت میں ان عوام سے تعجب ہے کہ بت پرستوں کی طرح مُردوں سے دعائیں مانگتے ہیں اور تعزیوں سے منتیں مانتے ہیں اور وہی باپ دادوں کی تقلید کرتے کرتے آئے ہیں اگر کچھ نہ ہوتا تو وہ کیوں کرتے (موضح)

ھبل کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک آدمی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا پھر وقت مقدر پر اُسے موت دی مشرکوں نے ایک پتھر تراش کر کے رکھا اور کہا کہ یہ ہمارا ھُبَل ہے اور اپنے زعم میں کہا اے ہُبل! تم اس پتھر میں آ جاؤ اور دعویٰ کر لیا کہ وہ آگیا اور دعویٰ کیا کہ اس میں یہ قدرت ہے کہ ہم کو بیٹیا رزق وصحت وغیرہ دیتا ہے اور اگر کوئی اہم کام ہوا تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے مدد لے کر دلواتا ہے۔ ھ

نیز لکھا ہے کہ "ہبل وغیرہ جب مرے تو یہاں سے آخرت میں جہاں ان کا ٹھکانا تھا چلے گئے۔ اب کسی مخلوق میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان سے گفتگو کر سکے یا اپنی بات ان کو سنا سکے حتٰے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خیر الخلق کو فرمایا اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی الآیۃ یعنی تو مردہ لوگوں کو نہیں سنا سکتا ہے ھ یہ قول محکم آیت ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ وغیرہ علماء مجتہدین نے اسی آیت سے صریح بیان کیا۔

نیلوس کہتا ہے کہ مسلمانوں نے جب ہندوؤں پر اعتراض کیا تھا کہ ہندو بڑے کم عقل ہیں جو ان پتھروں کو پکارتے ہیں جو عاجز و بے کس ہیں اور نہ ان میں عقل ہے تو ہندوؤں نے مسلمانوں کو جواب دیا کہ ہم ان چھیلے ہوئے پتھروں کو نہیں پوجتے یہ آپ لوگوں کو غلط فہمی لگی ہوئی ہے ہم ان اکابر اور اولیاء کو پکارتے ہیں جن کی یہ مُورتیاں یادگار ہیں اور ان کی نمونہ ہیں دیکھو تحفۃ الہند ص ۵۴ ھ۔ نیز ص ۲۴۶ میں ہے کہ نارائن پر اگ میں عبادت میں مشغول ہوا۔ نارد نے پوچھا تو کس کو پوجتا ہے۔ نارائن نے کہا یہ بات کسی کو بتانے کی نہ تھی۔ خیر اب میں صرف تجھے بتاتا ہوں کہ تو میرا مخلص خادم ہے بات یہ ہے کہ ہم اس مخفی ذات کو پوجتے ہیں جو نہ پہچان میں آسکتا ہے اور نہ نظر آسکتا ہے اور اس کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں ہے اور اسی کے حکم اور اذن سے برہما اور مہادیو وغیرہ معبودوں پیروں اور دیگر اکابر کی پوجا کی جاتی ہے

نیز قبر بھی صنم، وثن اور بُت ہی ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر وثن کا اطلاق فرمایا اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد، اے اللہ میری قبر کو وثن بُت نہ بنا دینا جس کی لوگ پوجا کرنے لگ جائیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگلے زمانہ کے لوگ قبروں کی پوجا کیا کرتے تھے چنانچہ متکلم شہیر حضرت عبد الکریم صاحب شہرستانی رحمۃ اللہ کی کتاب الملل والنحل کے ذیل میں ذیلی کے مصنف نے لکھا ہے کہ مصری حکماء کی قبریں تھیں مصری ان کا حج کرتے اور ان کو مقدس سمجھتے تھے پھر یہ حکیم لوگ خداؤں کے زمرہ میں داخل کئے گئے جیسے ماہر علم ہندسہ بلند پایہ معمار ہمنوفیس

بن جانبو نامی کی عبادت دور دراز شہروں میں پھیل گئی اور اس کی قبر ان لوگوں کی قبلہ گاہ بن گئی جو درد دل سے شفا پانے کے طالب ہوتے۔

یہ بھی کہا کہ ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ بزرگ لوگوں کو مرجانے کے بعد پھر سے حیات دنیا کی ہم شکل زندہ کر دیا جاتا ہے تمام احوال میں اس کی وہ دوسری زندگی دنیا کی زندگی کی سی ہوتی ہے شکل میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان کا وطن میدان ہوتا ہے اور ان کا گھر قبر ہوتی ہے اور وہاں وہ بزرگ آدمی اپنی بیوی اور بال بچوں داروغہ کی طرح تعینات ہوتا ہے۔ اور وہاں نوکر چاکر اس کی خدمت کرتے ہیں اور جس قدر فرح و سرور کا سامان دنیا میں اس کے لئے بہم پہنچایا جاتا تھا ویسا ہی سامان اس دوسری زندگی میں مہیا کیا جاتا ہے...... اور میت کے گھر والوں پر ضروری ہے کہ اس کی خاطر تمام وہ چیزیں لے جائیں جن جن کی اس کو احتیاج ہو۔ اور میت کے گھر والے فراخ دست ان کی قبروں پر مال جمع کرتے اور ان کاہنوں کے پاس ترتیب وار رکھ دیتے تاکہ میت کی خاطر وہ قربانیاں دیں جن کا ادا کرنا لازمی ہے اور مصریوں کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ میت اندھیری قبر میں قیدی نہیں رہتا بلکہ تنگ قبر کو چھوڑ کر زمین پر جہاں چاہتا ہے سارے دن آزاد پھرتا ہے نیز کہا کہ ۴۷۹ ق م سقراط حکیم کی وفات سے گیارہ سال پہلے کونفشیوس مرگیا تھا اسے کیوہ فو "شہر میں دفن کیا اور تمام چینی لوگ اس کی عبادت اور اس کی کتابوں کو مقدس سمجھنے پر متفق ہو گئے اور کہا کہ کونفشیوش چینیوں کا نبی تھا اس کی عبادۃ چینی والوں کا دینی مذہب تھا۔ تمام شہروں اور بستیوں میں اس کو پوجنے کے لئے بڑے بڑے معبد خانے بنائے نیز کہا چین کے شہروں میں مشہور مشہور اسلاف بزرگوں کی عبادت جاپان کے شہروں میں عام ہے۔

تاریخ ملتان ج ص میں ہے کہ ملتان دراصل ایک بت کا نام تھا جو حضرت ایوب نبی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل پر بنایا گیا تھا سندھ اور ہند کے رہنے والے اس کا حج کرتے تھے اور اس کے پاس آکر اپنا سر اور داڑھی منڈا دیا کرتے تھے اور اس پر نذریں مانتے اور چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ پھر اسی بت کے نام پر شہر کا نام ملتان رکھا گیا

الحاصل

ان مندرجہ بالا بیانات سے معلوم ہو گیا کہ بتوں اور قبروں کی عبادت اس بنا پر کی جاتی تھی کہ ان مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ ان بزرگوں کی ارواح کا اس بت یا قبر کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہوتا ہے کہ وہ بزرگ اس تعلق کی وجہ سے پکارنے والے کو جان پہچان جاتے ہیں اور اس کی پکار کو سن لیتے ہیں

اسی واسطے امام رازیؒ نے اپنی تفسیر ج ۴ ص ۵۶ ۵ میں لکھا ہے کہ بُت پرستی کی نظیر اس زمانے میں یہ ہے کہ بہت سی مخلوق اپنے اکابر بزرگوں ولیوں پیروں پیغمبروں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول رہتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم ان بزرگوں ولیوں پیروں پیغمبروں کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ بزرگ خدا تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے۔

اور یہ تو ہمارا رات دن کا مشاہدہ ہے کہ ہندو اندر (گھوڑے کی شکل پہ غیاث المستغیثین اور بیچارگان کی دعائیں سننے والا مجیب دعوات المضطرین) کو پکارتے ہیں عربی میں اندر کا نام یَغُوث ہے اسی طرح شیوجی مہادیو (شیر کی شکل پہ کاشف الضرر دافع البلاء) کو پکارتے ہیں جیسے عرب یَعُوق کہتے ہیں۔ اسی طرح بِشن، وشنو (مرد کی شکل پہ محبت کے دیوتا) کو پکارتے ہیں جیسے عرب وَدّ کہتے ہیں۔ اسی طرح برہما (عورت کی شکل پہ بقا کا دیوتا مظہر الاستقرار و بقاء القیومیۃ) کو پکارتے ہیں جیسے عرب سُوَاع کہتے ہیں۔ اسی طرح ہنومان (گدھ وغیرہ پرندے کی شکل میں طلب عون وقوۃ غیبیہ کے لئے) کو پکارتے ہیں جیسے عرب نسر کہتے ہیں حالانکہ یہ پانچوں ہستیاں صالح نیک تھے حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہو گذرے ہیں...... اسی طرح مشرکین مکہ لات عزیٰ منات کو پکارا کرتے تھے۔ اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰؑ و مریمؑ و روح القدس کو پکارتے ہیں

اسی طرح یہود حضرت عزیرؑ کو پکارتے ہیں اور شیعہ لوگ یا علی یا حسن یا حسین یا محمد یا فاطمہ یا زین العابدین یا محمد باقر یا جعفر صادق یا موسیٰ کاظم یا علی رضا یا محمد تقی یا علی نقی یا حسن عسکری یا قائم آل محمد پکارتے ہیں اور بریلوی لوگ یا محمد یا رسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا یا شیخ جنید یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا خواجہ معین الدین چشتی پار کر میری کشتی۔ دم ہے اول حق۔ یا خواجہ خضر۔ اعینونی یا عباد اللہ۔ یا داتا گنج بخش یا امام بری کھوٹی کرے کھری یا بابا فرید یا سلطان باہو حق باہو بے شک باہو وغیرہ تک ہمارے اکابر بزرگ نیک پیر فقیر ولی نبی کو غائبانہ پکارتے ہیں اور اتنی تعظیم اور رعایت آداب مسجد کی نہیں کرتے جتنی تعظیم اور رعایت آداب قبروں کی کرتے ہیں۔ مسجد میں آتے ہیں تو جوتا اتار کر اپنے ساتھ رکھ لیتے ہیں مگر اولیاء اللہ کی قبروں کے پاس جب آتے ہیں تو اکثر دور قبر سے جوتا اتارنے کا حکم ہوتا ہے اور جو شخص جوتا اتار کر کپڑے میں چھپا کر بغل میں دبا کر زیارت قبر کو آئے تو وہ مورد عتاب بن جاتا ہے۔ جوتا پہن کر جانا تو بہت بڑی بے ادبی کا کام ہے۔ حالانکہ احادیث سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ کرامؓ جوتوں سمیت قبرستان میں پھرتے رہتے تھے

اتنا ہجوم مسجدوں میں نہیں ہوتا جتنا ہجوم اولیاء اللہ کی قبروں پر ہوتا ہے۔ خدا کی قسم جھوٹی کھا جاتے ہیں لیکن اگر کہا جائے فلاں پیر کی قبر پہ قسم کھا یا فلاں روضہ کی گنڈی کھول دے تو جھوٹا آدمی کبھی تیار نہ ہوگا اور ڈرے گا کہ پیر صاحب میرا بیڑا غرق کر دیں گے رات کو میری چارپائی الٹ دیں گے وغیرہ

وھم عن دعاءھم غافلون کے تحت کتاب الروح ص ۲۶۷ میں لکھا ہے والغافل لا شعور لہٗ غافل کو شعور نہیں ہوتا۔ جب شعور نہیں تو سننے، دیکھنے، جاننے، پہچاننے کی نفی ہو گئی۔ اور قدرۃ کی بھی نفی ہو گئی۔ اور علامہ نیشاپوری رحمہ نے فرمایا فاذا انتفی العلم والقدرۃ عن الجسم لم یکن الا جمادا وعبادۃ الجماد محض بالضلال جب جسم سے علم (وعلم کے اسباب سننا دیکھنا چکھنا چھونا) اور قدرت منتفی ہو گئی تو وہ جسم جماد ہوا اور جماد کو حاجات و مصائب میں پکارنا نری گمراہی ہے

اور حضرت شیخ شیخ المشایخ قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی نے آب حیات ص ۱۹ میں لکھا ہے کہ جمادات پر حی ومیت کا اطلاق نہیں کر سکتے (جیسے بت مڑھیاں قبریں صلیب تعزیے وغیرہ)

علامہ بیضاوی نے ج ۲ ص ۳۷ میں لکھا ہے کہ وہ ان کی پکار سے اس لئے غافل ہیں کہ یا تو وہ جن کو پکارتے ہیں بے جان اور جماد ہیں اور یا وہ خدا کے عبادت گزار بندے ہیں اور مسخر ہیں اور اپنے احوال میں مشغول

علامہ آلوسی نے روح المعانی پ ۲۶ ص ۷ میں لکھا ہے اس لئے وہ پکارنے والے کی پکار سے غافل ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں کہ یا تو وہ پکارے ہوئے جماد ہیں تو ان کا نہ سننا اور نہ سمجھنا تو ظاہر ہے یا وہ پکارے ہوئے ذوی العقول میں سے ہیں تو وہ ذوی العقول مقبول اور مقرب عند اللہ ہیں تو ان کا پکارنے والے کی پکار کو نہ سننا اور نہ سمجھنا اس لئے ہے کہ وہ خیر کی باتوں میں مشغول ہیں اور دنیا والوں کی پکار سے بے خبر ہیں یا وہ مقرب مقبول بندے خدا کے ایسے محل میں رہتے ہیں جہاں رہ کر پکارنے والے کی پکار کو سننا ان کی شان میں سے نہیں ہے جیسے حضرت عیسیٰؑ ...... وہ اگر مر چکا ہے تو

اس لیے پکارنے والے کی پکار سنتا سمجھتا نہیں کہ وہ اپنے بدحال اور عذاب میں مبتلا ہے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ وہ مرے ہوئے اس لیے سن سمجھ نہیں سکتے کہ وہ مرے ہوئے ہیں اور سننا مرے ہوؤں کا کام نہیں اور نہ ہی مرے ہوؤں کا سننا متحقق ہوتا ہے۔ ہاں بطور معجزہ کے مرے ہوئے سن لیں تو علٰحدہ بات ہے جیسے غزوہ بدر میں گندے کنوئیں میں پڑے ہوئے مشرک مقتولوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لی تھی۔

فائدہ شریعتِ اسلامیہ میں قبروں سے استمداد حرام ہے

تفہیم المسائل میں بحوالہ نہج السنۃ للملا عبد اللہ السمرقندی المعاصر للملا علی القاری لکھا یحرم الاستمداد بالقبور کثیر من الامور

اور بحوالہ احوال الآخرۃ لعبد الرحمن صاحب تفسیر فتح الرحمن معاصر صاحب الہدایہ لکھا یکرہ (ای یحرم) الاستعانۃ بالموتی ؛

اور بحوالہ روضۃ الہدایہ لابی العلاء اسمعیل القرشی لکھا لایجوز الاستعانۃ بالاولیاء والعلماء بعد موتہم یعنی اولیاء و نیک لوگوں کی وفات کے بعد ان سے مدد مانگنا ناجائز ہے :

اور بحوالہ نافع المسلمین لکھا یکرہ الاستفاع بالمقبرۃ یعنی قبرستان والوں سے نفع کا مطالبہ ناپسند (اور حرام) ہے

اور بحوالہ مطالب المؤمنین لکھا یکرہ الاستفاع بالقبر یعنی قبر والے سے نفع کا مطالبہ ۔

اور بحوالہ مدارج العابدین ہے من اقبح العقائد طلب الحاجۃ من الموتی والاستغاثۃ بہم فان المیت لایملک بنفسہ نفعا ولا ضرا وہو احوج الناس الی الاحیاء للدعاء والاستغفار والصدقۃ علی نہج الشرعیۃ یعنی مُردوں سے مراد مانگنا اور امداد کا مطالبہ بدترین عقیدہ ہے کیونکہ میت تو اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں بلکہ وہ زیادہ محتاج ہے زندوں کا کہ وہ اس کے حق میں دعاء اور استغفار کریں اور شریعت مطہرہ کے مطابق صدقہ کر کے اس کا ثواب میت کو پہنچائیں ۔

اور بحوالہ نتائج المرام للسید عبد الصبور دولت آبادی رح ہے قال الشیخ الامام الاجل ابو صالح محمد بن ابراہیم ما یقع فی بلاد العجم من فرش البسط وضرب الخیام عند مقبرۃ الاولیاء الکرام والعوام یستمدون بہم ویخشعون ویتضرعون الیہم فکلہ مکروہ والمکروہ الی الحرام اقرب یعنی شیخ ابو صالح نے فرمایا کہ یہ جو عجم کے ملک میں اولیاء کے مقبروں کے پاس بساطیاں بچھاتے اور خیمے لگاتے ہیں اور عوام ان اولیاء کرام سے امداد مانگتے ہیں اور ان کے آگے عاجزی اور زاری کرتے ہیں تو یہ سب باتیں شرع شریف میں ناپسند اور حرام ہیں

اور بحوالہ کاشف الاسرار مقصد ثانی لکھا قال الشیخ الامام علی بن ابی اسحاق بن منصور النیساپوری لایجوز ان یدور الرجل حول ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم ولا یمس القبر ولا یقبلہ والاستعانۃ بہم غیر مستحسن بالاجماع یعنی شیخ علی بن ابی اسحٰق رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اولیاء کرام کا قرب حاصل کرنے کیلئے ان کی قبروں کے ارد گرد چکر لگانا ناجائز ہے ان کی قبر کو ہاتھ بھی نہ لگائے اور بوسہ بھی نہ دے ۔ اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ ان اولیاء سے امداد مانگنا کوئی اچھی بات نہیں

اور بحوالہ مجالس الطالبین لکھا من القبائح طلب الحاجۃ من الموتی والتوجہ الیہم لیشفعوا یعنی مُردوں سے حاجت مراد مانگنا اور ان کی طرف توجہ کرنا کہ سفارش کریں قبیح امر ہے

اور بحوالہ تنبیہ المرام للشیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی لکھا لا یجوز الاستعانۃ باہل القبور وعلیہ الجمہور یعنی قبر والوں سے مدد مانگنا ناجائز اور ملت اسلامیہ کے جمہور اس پر متفق ہیں۔

اور بحوالہ کتاب کبیر باب الادب لابی کمال ادریس بن ابراہیم بن عیاض لکھا رایت الشیخ الامام الاجل ابا القاسم منصور بن علی البخاری فی مقبرۃ لسیدی ابی محمد عبد القادر الجیلانی طیب اللہ ثراہ رای رجلا یجئ مقبلا یقبل الارض بمرقد سیدہ طالب مغیثہ ویقول یا سیدی خذ بیدی الی حضرۃ اللہ تعالیٰ فمر الشیخ من بین یدیہ فقال الرجل یا ایہا الشیخ السلام علیک فرد السلام فقال انک مبتدع قولا وفعلا فاما قولک ہٰذا فلا یروی من اصحاب النبی واما فعلک تقبیل الارض اقرب الی السجدۃ قبیح فقلت أکفر؟ ان کانت السجدۃ علی وجہ التحیۃ؟ فقال ان کانت علی وجہ العبادۃ فلا شک فی کفرہ وان کانت علی وجہ التحیۃ لا یکفر ولکن یصیر مرتکبا للکبیرۃ یعنی میرے شیخ نے ایک آدمی کو شیخ جیلانی کی قبر کے سامنے آتا ہوا دیکھا کہ مرقد شریف کی زمین بوسہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ اے میرے آقا بارگاہ الٰہی تک میرا ہاتھ پکڑ کر لے جا۔ تو میرے شیخ اس کے آگے سے گذرے تو اس نے کہا شیخ! السلام علیکم شیخ نے جواب سلام دے کر فرمایا کہ تو بدعتی قولی اور فعلی کا مرتکب ہوا ہے۔ قولی بدعت یہ کہ تیری یہ باتیں کسی صحابی رسول سے ثابت نہیں اور یہ تیرا زمین بوسی کرنا قبیح امر ہے۔ میں نے پوچھا یہ زمین بوسی سلامی کی صورت میں کفر ہے؟ فرمایا اگر عبادت کے طور پر ہو تو اس کے کفر میں ذرا شک نہیں اگر محض سلامی کے طریق پر ہو تو کفر نہ بنا مگر گناہ کبیرہ تو ہے ہی

مجمع البحار ج ۲ ص ۴۳۷ میں ہے کہ انبیاء وصلحاء کی قبروں کی زیارت سے بعض کا مقصد ہوتا ہے ان کی قبر پہ نماز پڑھنا اور قبروں کے پاس دعا مانگنا اور حاجتیں مرادیں مانگنا اور یہ کام مسلمانوں کے علماء میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ استعانۃ اور حاجتیں مرادیں مانگنا اور عبادت ہر قسم کی ایک یگانہ اللہ کا ہی حق ہے

ومنہم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورہم ویدعو عندہا ویسئلہم الحوائج وہٰذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان الاستعانۃ وطلب الحوائج والعبادۃ حق اللہ تعالیٰ وحدہ

فتاویٰ الغرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے رأی الامام ابو حنیفۃ نعمان بن ثابت رحمہ من یاتی القبور لاہل الصلاح

فکیم ویخاطب ویتکلم ویقول یا ابن القبور ہل لکم من خبر وہل عندکم من اثر انی اتیتکم فاریکم من شہور
ولیس سوالی منکم الا الدعاء فہل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃ یقول دعویخاطبہ بہم فقال ہل اجابوا لک قال لافقلتُ
فقال لہٗ سحقالک وتربت یداک (اس کے بارے جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کے جواب کا انتظار فرمائیں)

کشف المحجوب ص ۷۰ میں حضرت علی الہجویری نے لکھا ہے استعانۃ المخلوق الی المخلوق کاستعانۃ المسجون الی المسجون
یعنی مافوق الاسباب میں مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا ایسا ہے جیسا قیدی کا قیدی سے مدد مانگنا۔

الملل والنحل ج ۲ ص ۲۵۹ میں عبدالکریم شہرستانی رح نے فرمایا طلب الحوائج منہا اثبات الالوہیۃ لہا یعنی
انبیاء و اولیاء کرام کی قبور سے حاجتیں مرادیں مانگنا یہی ان کے لئے الوہیت والی صفت ثابت کرنا ہے

مجمع البحار ج ۲ ص ۳۰۷ میں معالم التنزیل للبغوی سے لکھا کہ استعانۃ عبادت کی ایک قسم ہے یقال الاستعانۃ
نوع تعبد

استمداد کیلئے دنیا کی حیات شرط ہے کیونکہ امداد دینے کے لئے امداد مانگنے والوں کی حالت کی طرف توجہ ضروری
ہے اور وفات کے بعد ارواح طیبہ ابدان سے الگ ہو کر رب حقیقی کی عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اِس
جہانِ دنیا کی طرف توجہ نہیں رہتی تو اس صورت حال میں امداد مانگنے والوں کی طرف توجہ محال ہے اور بغیر اُن کی
توجہ کے ان سے امداد مانگنا لغو اور عبث ہے

اور انبیاء اور شہداء کی حیات میں جو فرق نہیں کرتے وہ نفسِ حیاتِ ابدی میں فرق نہیں کرتے باقی رہی اُن
دونوں کی حیات کی نوعیت اور کیفیت سو اس میں بہت بڑا فرق ہے کہاں شہداء کی حیات اور کہاں انبیاء کرام
علیہم السلام کی حیات طیبہ؛ بعض نے واقعی کہا ہے کہ انبیاء کی طرح شہداء کی حیات سلامتی ارواح وسلامتی اجساد
کے ساتھ ہے مگر یہ ان کا قول اہلِ تحقیق کے نزدیک مختار نہیں۔ تحقیق یہی ہے کہ حیاتِ انبیاء اس طرح ہے کہ ان
کے ارواح بھی سلامت اور اجساد بھی سلامت اور شہداء بلکہ تمام ماسوی الانبیاء کے ارواح سلامت ہیں اور سلامتِ
اجساد کی کوئی کارنٹی نہیں اور ان کی حیات صرف بمعنی سلامتِ ارواح کے ہے اور بدن مردہ ہے کیونکہ بدن کی زندگی
بایں صورت تھی کہ شعور و ادراک اور حرکات و تصرفات جو بدن سے ظاہر ہوتے تھے تو صرف اس وجہ سے کہ روح
کا بدن کے ساتھ تعلق اور جوڑ تھا اور وہ تعلق اور جوڑ اب روح کے جدا ہونے کے بعد رہا نہیں دیکھو تفسیر عزیزی

البلاغ المبین ص ۲۵۷ میں زیر عنوان "بزرگوں کی ارواح کو قبلۂ توجہ بنانے کا فتنہ" لکھا ہے: اور یہ جو باتیں بیان کرتے ہیں کہ

اس زمانے میں اضطراب روح کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے بزرگوں کی ارواح کو قبلۂ توجہ بنانا مباح ہو گیا ہے" غلط ہے اس لئے کہ یہ چیز شرک اور مشابہ شرک ہے۔ اور مشابہ شرک ہر ایک زمانہ میں حرام ہے اگرچہ کلمۂ شرک کو اضطرار کی حالت میں کہ جان کے ہلاک ہونے کا خوف ہو، جائز کر دیا ہے؛ لیکن اسے بھی بغیر عزیمت کے طریقہ پر مباح کیا ہے نہ کہ اس طریقہ پر ایمان لانے کو درست کہا ہے غرضیکہ اضطرار کے وقت کا ہر ایک عمل اس کے بعد حرام ہے۔ اور اضطرار یہ ہے کہ کسی غلبہ والے اور ظالم انسان سے جان کے تلف ہونے کا خوف ہو یا بغیر اس کام کے زندگی محال ہو جائے۔ علماء نے اس صورت میں حرام کام کا ارتکاب جائز کہا ہے۔ نہ اس طریقہ پر کہ کفر و شرک کو سینہ میں چھپا کر غضب الٰہی کے مستحق ہوں حق تعالیٰ فرماتا ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم (النحل) یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر کافروں کی طرف سے زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو لیکن ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ہوگی۔

غور کریں کہ اس آیت سے کیا مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور اتنی تفصیل مزید سمجھانے کے لئے میں نے پیش کی ہے ورنہ جس آیت سے تم نے استدلال کیا ہے اس کا ایک جملہ بھی مفہوم کی ادائیگی اور تمہیں شافی جواب دینے کے لئے کافی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم فان اللہ غفور رحیم (المائدہ) یعنی اگر گناہ کا قصد کرنے والا اور امر شریعت کی مخالفت کرنے والا ہے تو اس سے مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔ اب پھر سنو اور غور کے ساتھ دیکھو کہ یہ محض گمان ہے کہ کسی بزرگ کی روح انتقال کر جانے کے بعد زندہ کی تربیت و ارشاد کیلئے اس کی درخواست پر اس عالم میں متوجہ ہو اور اسے القاء ذکر اور تلقین کرے اور تعلیم فکر کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون یہ آیت کریمہ بدگمانوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے ہم تو یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں انا عند ظن عبدی بی حق تعالیٰ نے عبدی بی فرمایا ہے یہ نہیں کہا کہ میں اپنے بندہ کی قبر کے متعلق گمان کے مطابق ہوں؟

دلیل نمبر ۴ :

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی کافر قوم کی ہلاکت کے بعد فرمایا یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون الناصحین اے میری قوم! میں نے تو اپنے پروردگار کے احکام تم کو پہنچا دیئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی مگر تم پر کوئی ایسی شامت سوار تھی کہ تم خیر خواہوں کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر مولٰنا ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں "قوم کے ہلاک ہوئے پیچھے حضرت صالح علیہ السلام کا ان سے خطاب کرنا طبیعت بشری کا تقاضا ہے کہ ان کو زندہ فرض کر کے الزام دیا کہ اگر میری بات مان لیتے تو کیوں اس نوبت کو پہنچتے۔ بعینہٖ اسی طرح کا واقعہ ہمارے پیغمبر صاحب کو بھی پیش آیا کہ جنگ بدر میں جب مشرکین مکہ کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے تو آپ نے مقتولین کی لاشوں سے مخاطب ہو کر فرمایا فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔

مواہب الرحمٰن ۸ میں سید امیر علی صاحب نے لکھا ہے حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے یہ تقریع و ملامت اس قوم کو بعد ہلاک ہو جانے کے فرمائی اور قوم کے مُردے اس کو سنتے تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنگ بدر میں کفار پر مسلمان غالب ہوئے تو تین روز وہاں قیام کیا۔ پھر تیسرے دن بعد آخر رات میں اپنا کجاوہ کھنچوایا اور روانہ ہو کر قلیب بدر پر آکر کھڑے ہوئے اور یہ فرمانا شروع کیا کہ او ابوجہل بن ہشام۔ او عتبۃ بن ربیعہ۔ او شیبۃ بن ربیعہ۔ او فلانے او فلانے بھلا پایا تم نے برحق جو تم کو تمہارے رب نے عذاب کا وعدہ دیا تھا۔ اور میں نے تو جو مجھ کو میرے پروردگار نے وعدہ خیر دیا تھا برحق پایا۔ الحدیث کما فی الصحیحین وذکر فی السیرۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ بہت برے برادری والے تھے اپنے نبی کے حق میں تم نے مجھ کو جھوٹا بنایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے نکالا اور لوگوں نے مجھے جگہ دی۔ تم میرے ساتھ لڑے اور لوگوں نے میری مددگاری کی۔ پس تم لوگ اپنے نبی کے بہت بُری برادری والے تھے۔

پس ایسا ہی یہاں صالح علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ وفی البیضاوی بقرینہ ف تعقیب کے ظاہر آیت یوں ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اس قوم کو جاثمین گھٹنوں کے بل مرے پڑے دیکھ کر ان سے اعراض کیا ہے۔

اور رہا یہ قول تو شاید ان کے ہلاک ہو جانے کے بعد ان سے کہا اور وہ سنتے ہوں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے خطاب فرمایا تھا۔ یا ان لوگوں پر تحسر کے طور پر ایسا فرمایا یعنی افسوس ہے کہ تم نے اپنی یہ نوبت پہنچائی۔ اور میرا کہنا نہ مانا اور مقصود اس سے حقیقی سنانا نہیں ہوتا ہے۔ اور قتادہؒ سے روایت ہے کہ صالح علیہ السلام نے یہ بات ان سے

اس وقت کہی تھی کہ جب ان لوگوں نے ناقہ کو قتل کر ڈالا تھا۔ واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ۵

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم جب عذاب الٰہی سے ہلاک ہو چکی تو شعیب علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا ہی دئے تھے اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن تم نے نہ مانا۔

دلیل نمبر ۶

ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وہم عن دعائہم غافلون

جن مورتوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں اور اپنا دیوتا بناتے ہیں وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی پکار کو سن سکیں کیونکہ وہ محض بے جان جمادات ہیں جو اُن کی پکار سے بالکل بے خبر ہیں حالانکہ جن لوگوں کے نام انہوں نے بُت بنائے ہیں وہ اُن کی پکار کو قیامت تک نہیں پہنچ سکتے اور اُن کی پکار سے بالکل بے خبر ہیں کیونکہ اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور نہ زندوں کو مُردوں سے باتیں کرنے کی کوئی قوت نہیں اور نہ اُن کے پکارنے سے ان کو خبر ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا دے۔ تو یہ سب اسی کی قدرت ہے۔ اسی واسطے امام الفقہاء امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث سے سمجھ کر نکالا کہ جو کوئی مرجاتا ہے اگر زندہ اس کو اپنی بات سنانا چاہے تو وہ نہیں سن سکتا۔ سوائے ایسی بات کے جو اللہ تعالیٰ کو سنانی منظور ہو جیسے بدر کے کافر مقتولوں کو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ملامت کرنا سنوا دیا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ بدر میں جو کافر مارے گئے وہ بدر کے گڑھے میں گھسیٹ کر ڈال دئے گئے تھے۔ تیسرے روز جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہونے کے واسطے سوار ہوئے تو اس گڑھے پر تشریف لے گئے اور نام بنام ان کافروں کو پکار کر فرمایا کہ ہم کو جو ہمارے رب سبحانہ وتعالیٰ نے رحمت کا وعدہ دیا تھا وہ ہم نے پایا اور اب تم نے بھی وہ عذاب پا لیا جو تم کو تمہارے رب عزوجل نے وعدہ دیا تھا (الصحیح) پس رب عزوجل نے بطور معجزہ کے ان کو سنایا اور شاید اس میں نکتہ یہ بھی تھا کہ انہیں بکثرت وہ سرکش کفار تھے جنہوں نے بڑی بڑی زبان درازیوں سے حیاتِ آخرت کا انکار کیا اور مسخر سے عذاب مانگا کرتے تھے حالانکہ عوام میں یہی لوگ مُقدمہ و پیشوا بنے تھے پس ان لوگوں کو حسرت و ندامت بڑھانے کے واسطے سنا دیا کہ تمہارے عذاب کا یہ وقت تھا وہ تم کو مل گیا۔ غرض کہ جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہے تو وہ سنا دیتا ہے۔ یا جیسے[ع] مُردہ اپنے دفن کرنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے یا کافر پر عذاب ہوتا ہے اور وہ چلاتا ہے تو سوائے جن و انسان کے اس کی ہولناک آواز کو سب جانور سنتے ہیں یا مسلمانوں کے مزار میں سلام کی آواز سب

ع‍ جیسے بعض کا مسلک ہے۔

مُردوں کو پہنچ جاتی ہے پس یہ امور خاص ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ الخ۔ جس طرح مُردوں کی آواز نہیں سنتا اسی طرح وہ لوگ بھی زندوں کی پکار سے بے خبر ہیں (مواہب الرحمٰن ص ۔۔۔)

اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرے اور ان سے مرادیں مانگتا ہے جو بالفرض اگر پکارنے والوں کی پکار سن بھی لیں تو اُن کا مطلب نہ سمجھیں اور نہ مرادیں پوری کرنے کا طریقہ ان کو معلوم ہے روز قیامت تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے اور ان کو اُن پکارنے والوں کی خبر بھی نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ یا تو جمادات (یا نباتات یا جانور یا سیارے و ستارے) ہیں جو ان کی پکار کو نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ یا اللہ کے نیک بندے ہیں جو اللہ کے فرماں بردار (اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں) اور اپنے احوال میں مشغول ہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور فرشتے (علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) (ترجمہ مظہری)

اور اس سے بڑھ کر کون شخص گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کی پکار کو قبول نہ کر سکے اور اس کی پکار کو نہ پہنچ سکے۔ اور ان معبودوں کو ان مشرکوں کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو۔ یعنی اول تو اُن کو خبر ہی نہیں کہ ہم کو کون پکار رہا ہے اور اگر بفرض محال کسی طرح خبر بھی ہو جائے تو پکارنے والے کی مدد کرنے یا اس تک پہنچنے کی صلاحیت و قابلیت نہیں۔ ۔ پس ایسے عاجز اور غافل معبود کو جو پکارے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ جیسے معبود حقیقی کو چھوڑ کر تو ایسے بدبخت سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ (کشف الرحمٰن ص ۔۔۔)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی آیت سے مردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے (تفسیر کشف الرحمٰن ص ۔۔۔)

دلیل نمبر ۷

انک لا تسمع الموتیٰ

آیت کا حاصل یہ ہے کہ کافر انتہائی طور پر دعوت سے کتراتے ہیں اور بے رخی اختیار کئے ہوئے ہیں اسی لئے مُردوں کی طرح ہیں جن کو سنانے کا کوئی راستہ نہیں یا پشت پھیرے ہوئے بہروں کی طرح ہیں جن کو سنانا ممکن نہیں (ترجمہ مظہری ص ۔۔۔)

مُردوں اور بہروں اور اندھوں سے مراد کفار ہیں کہ جس طرح مُردے اور بہرے کچھ نہیں سن سکتے اسی طرح یہ لوگ بھی حق بات کو نہیں سنتے اور جس طرح اندھوں کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اسی طرح راہ حق ان کفار کو بھی نہیں سوجھتی (ترجمہ ص ۔۔۔)

غرض یہ ہے کہ کافر مُردے اور بہرے ہیں تو اُن میں سُننے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں اور نہ سُننا سمجھنا چاہتے ہیں (۱ ص ۶۵۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت سے مردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشایخ حنفیہؒ کا مسلک ہے (کشف الرحمٰن ص ۶۵۴) جس طرح مُردے میں سننے کی صلاحیت نہیں اسی طرح یہ بھی صحیح سماع سے محروم ہیں (۲ ص ۴۹۸)

دلیل نمبر ۳

ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور

آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں یعنی مُردہ ہو چکے ہیں نہیں سنا سکتے یعنی ان کو مُردہ سمجھو جس طرح مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں اسی طرح یہ بھی صحیح سماع سے محروم ہیں تو آپ ان کے سننے نہ سننے کی فکر نہ کیجئے (۲ ص ۴۹۸)، گویا مُرا برابر ہے (کشف الرحمٰن ص ۳۰۹)

اللہ بلاشبہ جس کو راہ راست پر چلانا چاہتا ہے اس کو سناتا ہے یعنی آیات کو سمجھنے اور نصیحت اندوز ہونے کی توفیق دیتا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنانے والے ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں

کفر پر جمے رہنے والوں کو مُردوں سے تشبیہ دی اور مُردے بھی جو قبروں کے اندر ہوں۔ اس ترشیح تشبیہ سے کافروں کے ایمان لانے کی امید کو پر زور طور سے منقطع کر دیا (۶ ص ۵۰۶/۲۲)

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو جانتا ہے جو اُس کی ہدایت سننے والے ہیں پس جن کے قلوب نے معرفت اختیار کی اور دنیا چھوڑ کر آخرت لی تو اللہ تعالیٰ ان میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ ان کے دل ان کے جسم میں مردہ کی طرح مدفون نہیں ہیں بخلاف کافروں کے کہ ان کے دل ان کے جسم میں مردہ ہیں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ایسے مُردوں کو کافی نہیں ہو سکتی ہے۔ لہٰذا فرمایا وما انت بمسمع من فی القبور اور تو ایسے شخص کو ہرگز سنانے والا نہیں ہے جو قبروں میں ہیں ف پس جیسے قبر کے مُردوں کو کوئی نہیں سنا سکتا ہے اسی طرح کافروں کو جن کے دل مرے ہوئے ہیں کلام حق نہیں سُنا سکتا ہے (مواہب الرحمٰن ص ۲۲۶/۲۲)

دلیل نمبر ۹

اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا او کالذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علیٰ عروشہا قال انی یحیی ہذہ اللہ بعد موتہا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام الآیۃ (یعنی اے نبی ﷺ! آیا آپ نے اس بزرگ (عزیرؑ) کے حال پر غور نہیں فرمایا جو ایک بستی (بیت المقدس) پر سے ہو کر گزرے اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔ دیکھ کر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اس بستی کو اس کے اجڑنے کے بعد کیسے آباد کریگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ کو سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم اس حالت میں کتنی مدت رہے۔ بولے کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم۔ فرمایا نہیں بلکہ تم سو برس اسی حالت میں رہے۔

حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی رح نے قال لبثت یوما او بعض یوم پر حاشیہ میں لکھا کہ "یہ جواب اس بندہ نے اپنے علم و شعور اور اپنے احساس و اندازہ کے مطابق دیا، اور بشری اندازہ و تخمین کی یہ غلطی ذرا بھی حیرت انگیز نہیں۔ جب دل و دماغ، شعور و اندازہ کی مشینوں کی حرکت ہی سرے سے باطل ہو گئی تھی تو کوئی بشر اندازہ ہی کیونکر کر سکتا ہے۔ اور یوں بھی گھنٹوں اور دنوں بلکہ مہینوں اور برسوں کی مدت کو خواب اور بیہوشی کی حالت میں ہم روزمرہ منٹوں اور سکنڈوں کے اندر سمٹے اور سمٹائے ہوئے آخر دیکھتے ہی ہیں"

اور حضرت شیخ مشایخنا شیخ الہند مولانا محمود الحسن الدیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے وہ شخص حضرت عزیر پیغمبر تھے .... حضرت عزیرؑ نے راہ میں شہر دیکھا ویران .. اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی ..... سو برس تک اسی حال میں رہے ..... پھر سو برس کے بعد حضرت عزیرؑ زندہ کیے گئے .... جب حضرت عزیرؑ مرے تھے اس وقت دن چڑھا تھا اور جب زندہ ہوئے تو ابھی شام نہ ہوئی تھی تو یہ سمجھے کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن ہوا۔ اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا!

تو معلوم ہوا کہ سو سال کے عرصہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کو وہ چیزیں محسوس نہیں ہوئیں جو دنیا میں ہوتی رہیں۔ سو سال کے عرصہ میں ۳۶۰۰۰ چھتیس ہزار بار سورج طلوع و غروب ہوا اور چاند بھی طلوع و غروب ہوتا رہا موسم سرما و گرما سو بار گزرے۔ سیکڑوں بار بارشیں برسی ہوں گی

سینکڑوں بار بادل گرجے بادلوں سے کڑا کے دار آوازیں آئیں، بھونچال آئے، آندھیاں آئیں د
مگر آپ کو ان میں سے کسی ایک چیز کا احساس نہ ہُوا۔ نہ آپ کی قوت شنوائی تھی جو اتنی آوازوں کا
احساس فرماتے۔ نہ ہی قوتِ باصرہ تھی جو دیکھنے کے قابل چیزوں کو دیکھ لیتے نہ آپ میں قوت
لامسہ تھی جو ایسی چیزوں کو محسوس کرتے جو اس قوت کے ساتھ متعلق ہیں۔ حالانکہ زمین میں
آپ مدفون بھی نہ تھے بلکہ روئے زمین پر آپ کا جسدِ اطہر صحیح سلامت قائم رہا اور دیکھنے کا
آلہ معصوم آنکھیں بھی محفوظ تھیں اور سننے کا آلہ معصوم کان بھی بدستور محفوظ تھے۔ اور آپ کے معصوم
مطہر جسد مبارک میں ذرہ بھر بال برابر تغیر نہ آیا تھا۔ مگر ان امور بالا میں سے کسی ایک کا بھی آپ
کو احساس نہیں ہُوا یہی وجہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم
یہ بات محض ظنی طور پر کہی اور اپنی اس ٹھیرنے کی مدت کو کم سمجھے

اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک کو قبض کر لیا تھا جس کی وجہ سے جسد اطہر سے
آپ کی روح نکل گئی تھی اور آپ حقیقی موت مر گئے تھے۔

اس مقام پہ مرزائی لوگ حقیقی موت حضرت عزیرؑ کی تسلیم نہیں کرتے بلکہ یہ واقعہ بھی
حضرت عزیر کی طرف منسوب نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہاں حزقیلؑ کے مکاشفہ کا ذکر ہے کیونکہ بائیبل
حضرت حزقیل کے ایک کشف کا ذکر کرتی ہے۔ اور کہا سو سال تک ایک ہی حالت میں رکھنے کو موت
سے تعبیر کیا۔ اسی طرح اصحاب کہف کے واقعہ میں اصحاب کہف کا ۳۰۹ سال تک سونے کو نہیں
مانتے اور قرآنی آیات میں ہیرا پھیری اور تحریف کرتے ہیں اور ثم بعثنا کم من بعد موتکم میں موت
کے معنے بیہوشی اور بعث کے معنے بیہوشی سے ہوش میں لانے کے کئے ہیں۔ دیکھو محمد علی لاہوری
پارٹی کے سربراہ کا لکھا ہُوا بیان القرآن اور بشیر بن گاماں کی تفسیر صغیر و کبیر

اور موت کے حقیقی معنے میرے مخدوم و محترم مولانا نے خود تسلیم کیے ہیں کہ روح کا جسد سے
الگ ہو جانا اور جب جسم سے روح الگ ہو تو نرا جسم نہیں سن سکتا جیسے حضرت شاہ عبدالقادر
صاحب محدث دہلوی نے تصریح فرمائی ہے کہ قبر میں پڑا دھڑ نہیں سکتا

تنبیہ

ہم نے عدم سماع موتی پر یہ دلیل قرآنی شفاء الصدور میں بھی ذکر کی تھی۔ مگر اپنی فہم سے نہیں (اور ہمارا فہم کس حیثیت میں ہو سکتا ہے ؟) ہمارے شیخ و پیر و مرشد راس المفسرین مولٰنا حسین علی رحمہم اللہ نے یہ آیت عدم سماع موتی کی دلیل میں پیش فرمائی تھی اور حضرت شیخ القرآن مولٰنا غلام اللہ خان صاحبؒ نے بھی جواہر القرآن صفحہ ۱۲۷ میں یہی لکھا ہے کہ اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلاف کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی انہیں بیرونی آوازیں سنائی دیں۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ ان کے ابدان مبارکہ میں موجود نہیں رہتیں اور ان کی حیات دنیوی ناسوتی نہیں ہوتی بلکہ برزخی ہوتی ہے۔

مگر میرے مکرم محترم مخدوم صاحب سماع موتی ص ۳۱۳ میں فرماتے ہیں کہ

”یہ پیر صاحب کے تفردات میں سے ہے۔ اور حجت قول و فعل مشایخ سے نہیں ہوتی بلکہ قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اقوال مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے“

نیلوی کہتا ہے کہ واقعی آپ نے بڑے گُر کی بات بیان فرمائی ہے۔ ہاں تو یہ فرمائیے کہ آپ کا یہ بیان کردہ قانون صرف اپنے پیر و مرشد مجدد مائۃ رابع عشرہ کی بات کی تزییف و تضعیف و مطرود و مردود قرار دینے کے لیے مخصوص ضابطہ ہے جو منکرین سماع کی تائید میں تھا، یا یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ اگر قاعدہ کلیہ ہے تو کیا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو قول و فعل آپ کو مل جائیگا بلا امتیاز صحت و ضعف کے اسے آپ حجت سمجھیں گے یا صرف صحیح کو حجت سمجھیں گے اگر بلا امتیاز حجت ہے تو بریلویہ و غیر مقلدین کے پیش کردہ دلائل پر آپ تنقید کیوں فرماتے ہیں اور اگر دلیل صرف وہ قول و فعل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو صحیح ہو تو آپ نے سماع الموتیٰ و تسکین الصدور میں وہ احادیث کیوں نقل فرمائی ہیں جو صحیح نہیں ہیں اور سنداً ان میں کلام ہے

نیز جب آپ سمجھتے ہیں کہ مجتہدین کے اقوال حجت ہیں تو اسی مسئلہ سماع موتیٰ کے بارے جب امام

ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے مجتہدین ائمہ کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں تو آپ ان کو کیوں مسترد فرما دیتے ہیں

نیز قول و فعل شارع م کے بعد قول مجتہد حجت ہے تو آپ نے غزالی، بیہقی، خطابی، عزالدین بن عبدالسلام، ابن دقیق العید، عراقی، مزی، سبکی، ہیثمی، قسطلانی، کازرونی، رازی، سیوطی، شاذلی ابن الجوزی، فتوحی وغیرہ کے حوالے کیوں پیش کرتے ہیں، کیا آپ کو حق پہنچتا ہے کہ ان کے اقوال حجۃ میں پیش فرمائیں جب کہ یہ لوگ مجتہد بھی نہ تھے اور آپ امام ابوحنیفہ کا مسلک بغیر دلیل کے سماع موتیٰ بتائیں تو آپ بجبر منواتے ہیں اور جو نہ مانے اس پر اعتزال کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں

ہمیں ہمارے حضرت جیؒ کے پیش کردہ آیہ قرآنیہ دربارہ عدم سماع موتی کو آپ کے تفردات میں شمار کرنے کی وجہ سے تعجب آیا مگر یہ تعجب فوراً زائل بھی ہو گیا جب ہماری نظر سماع الموتےٰ صفحہ ۲۸۲ پر ام المؤمنین استاذ الصحابۃ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے محترم نے لکھ مارا پھر جمہور امت نے بھی حضرت عائشہ رضہ کی اس رائے کی تائید نہیں کی اور ایسے ہی مقام میں ان کے بارے میں آیا ہے اما رأیہا فرأی النساء

مخدوما! اگر ہمارے حضرت مجتہد نہ تھے تو کیا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی مجتہد نہ تھیں۔ جب صدیقہ کائنات کی بات عورت کی رائے بن گئی تو ہمارے حضرت جی کا مقام کہاں؟ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی رائے سے بات نہیں فرما رہی تھیں وہ تو قرآن پاک کی آیات پڑھ رہی تھیں وہ آیات تھیں رأی النساء تو نہ تھی۔ ورنہ تو مجتہدین جب مسائل کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیات استدلال پیش کرتے رہے ہیں وہ آن مجتہدین کی رائیں بنیں گی تو حجت شرعیہ رائے مجتہد کی ہوئی نہ قرآن و سنت

اپنی رائے سے تاویل اور ہیرا پھیری کرنا اور صاف و صریح آیات قرآنیہ کو قیاس، رائے اور تاویل کی بھینٹ چڑھانا متعصب لوگوں کا کام تو ہو سکتا ہے۔ منصف مزاج ایسا نہیں کرتے۔

جہاں صریح آیت قرآن پاک کی آجائے، وہاں تاویل اور ہیرا پھیری کا کیا کام۔

سماع موتیٰ کے بارے مجتہدین صحابہ کرامؓ کا موقف

عینی شرح بخاری ج ۴ ص ۲۲۴ میں محدث کرمانی رحمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں ومذہبہا ان اہل القبور یعلمون ما سمعوا قبل الموت ولا یسمعون بعد الموت یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی کا مذہب یہ ہے کہ قبروں والوں نے مرنے سے پہلے جو سنا تھا وہ اس کو مرنے کے بعد سمجھتے ہیں اور مرنے کے بعد وہ سنتے نہیں (یعنی اہل دنیا کی باتیں نہیں سنتے)

حافظ ابن حجر رحمہ نے فتح الباری ج ۷، ص ۲۴۳ میں لکھا حضرت عائشہ رضی نے انک لا تسمع الموتی کو حقیقت پر محمول فرمایا آیت کو اصل قرار دے کر اور فرمان نبیؐ ما انتم باسمع لما اقول لہم میں تاویل کی حاجت ہوئی فحملتہ عائشہ "علی الحقیقۃ" وجعلتہ اصلا احتاجت معہا الی تاویل قولہ علیہ السلام ما انتم باسمع لما اقول لہم وہٰذا قول الاکثر اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

روح المعانی پ ۲۱ ص ۵۹ میں ہے سفارینیؒ نے البحور الزاخرۃ میں حکایت (نقل) کی ہے ان عائشہ رضی ذہبت الی نفی السماع ووافقہا طائفۃ من العلماء علی ذٰلک حضرت عائشہؓ کا مذہب نفی سماع اموات کا ہے اور علماء کا بہت بڑا گروہ اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافق ہے۔ ورجحہ القاضی ابو یعلیٰ من اکابر اصحابنا (الحنابلۃ) فی جامع الکبیر اور اکابر حنابلہ میں سے قاضی ابو یعلیٰ نے بھی اسی مسلک کو ترجیح دی ہے واحتجوا بقولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتی ونحوہ اور ان سب نے انک لا تسمع الموتیٰ سے دلیل پکڑی۔

حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری ص ۳۱۹ ج ۱ میں فرمایا منکرین سماع موتیٰ جن میں سے حضرت عائشہؓ صدیقہ وابن عباس رضی اللہ عنہم اور امام اعظمؒ ہیں انک لا تسمع الموتیٰ سے استدلال کرتے ہیں۔

عینی رحمہ نے عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۰۲ ابن التین محدث کا قول نقل کیا ہے الموتیٰ لا یسمعون بلاشک بے شک مردے نہیں سنتے

صاحب عون الباری نے صفحہ ۵۱۶ جلد اول میں لکھا کہ حضرت ابن عمرؓ کی بیان کردہ حدیث اور آیت کریمہ کے درمیان کوئی تعارض نہیں، کیونکہ واقعی اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ مردے نہیں سنتے

لیکن جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو ایسی چیز کو سنانے کا جس کی شان میں سے سننا نہ ہو تو یہ بھی کچھ محال نہیں جیسے اللہ پاک نے فرمایا انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض والجبال یعنی ہم نے آسمان زمین اور پہاڑوں پر اُن کے مناسب احکام کی ذمہ داری پیش کی الخ نیز فرمایا فقال لہا وللارض ائتیا طوعا او کرہا اللہ نے ان دونوں آسمان زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں حاضر آجاؤ خوشی سے یا دباؤ سے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضؓ بھی آیت کریمہ انک لاتسمع الموتیٰ سے یہی معنے سمجھے کہ مُردے نہیں سنتے۔ تبھی قلیب بدر والوں سے حضورؐ کو گفتگو کرتے سن کر عرض کرنے لگے کہ آپ ان دھڑوں کو خطاب کر رہے ہیں حالانکہ اللہ پاک تو فرماتا ہے انک لاتسمع الموتیٰ۔ حضرت نے فرمایا۔ آیت ٹھیک ہے البتہ اِس وقت یہ مقتولین بس میری بات سن رہے ہیں

علامہ سیوطیؒ نے در منثور میں بحوالہ ابو سہل صدی ابن سہل جنید نیشاری از طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباسؓ انک لاتسمع الموتیٰ اور ما انت بمسمع من فی القبور کا شان نزول اس طرح بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے موقعہ پہ بدر کے مشرک مقتولوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ اے فلان بن فلان اے فلان تم سے جو وعدہ تمہارے رب نے کیا تھا اب تم نے وہ وعدہ برحق پا لیا؟ کیا تم نے اپنے رب کے ساتھ کفر نہ کیا تھا۔ کیا تم نے اپنے نبی کو جھٹلایا نہ تھا۔ کیا تم نے قطع رحمی نہ کی تھی؟ یہ سن کر صحابہ کرام رضؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیا یہ مردے آپ کی بات سن رہے ہیں؟ آپؐ نے جواباً فرمایا یہ لوگ میری یہ بات تم سے زیادہ سن رہے ہیں تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی انک لاتسمع الموتیٰ اور نیز یہ آیت نازل فرمائی وما انت بمسمع من فی القبور۔

یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غزوہ میں یہ ثبوت نہیں ملتا کہ آپ نے مشرک مُردوں کو خطاب فرمایا ہو۔ حالانکہ غزوۂ بدر کے بعد کثرت سے غزوات ہوئے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف لے جاتے رہے

نوٹ یہ روایت اگرچہ کمزور ہے۔ مگر مؤید ہے اس لیے نقل کر دی گئی ہے۔

سماع موتیٰ کے بارے دیگر صحابہ کرامؓ کا موقف

حضرت سلمۃ بن یزید رضی اللہ عنہ

حضرت سلمۃ بن یزید بن مشجعہ بن المجمع بن مالک بن کعب بن سعد بن عوف بن حریم بن الجعفی ۔ ۔ ۔ نزیل الکوفہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد میں آئے تھے اور آپ سے حدیثیں سنیں اور روایت کیں من جملہ ان حدیثوں کے ایک حدیث یہ ہے کہ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہماری اماں جان ملیکہ صلہ رحمی کرنے کی عادی تھی یہ حدیث لمبی چوڑی ہے اور صحیح مسلم میں ہے وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت سلمۃ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال کیا پھر اس کے آگے پوری حدیث ذکر فرمائی۔ اور حضرت سلمۃ بن یزید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت کریب بن سلمہ بھی بڑے شریف اور معزز آدمی تھے مرزبانی فرماتے ہیں کہ سلمۃ بن یزید اور ان کے خیفی (ماں جائے) بھائی قیس سلمۃ بن شراحیل دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں شرف اسلام سے مشرف ہوئے اور نبی مردان پر قیس کو والی و عامل بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور ان کو خط بھی لکھ کر دیا۔

یہ صحابیؓ حضرت سلمۃ بن یزید اپنے حقیقی بھائی قیس بن یزید کی وفات کے بعد ایک مرثیہ پڑھتے ہیں اس مرثیہ کے شعروں میں سے چند اشعار یہ ہیں

الم تعلمی ان لست ما عشت لاقیاً	اخی ، اذ اتٰی من دون اوصالہ القبر
وہون وجدی اننی سوف اقتدی	علیٰ اثرہ یوماً و ان نفس الامر
فتی کان یدنیہ الغنیٰ من صدیقہ	اذا ما ہو استغنیٰ و یبعدہ الفقر

حافظ ابن اثیرؒ نے الاصابہ ج ۲ ص ۶۹ میں یہ بیان فرمایا ہے اور درسوں میں دیوان حماسہ سبقاً پڑھایا جاتا ہے اس میں بھی ص ۱۸۶ میں یہ شعر موجود ہیں

کیا تو نہیں جانتی کہ اب میں اپنے بھائی سے ملنے والا نہیں ہوں جب کہ قبر اس کے اعضا میں اور مجھ میں حائل ہو گئی ہے

اور میں ایک رات کی جدائی کو موت کی مانند سمجھتا تھا تو اب اس جدائی میں کیونکر گذرے گی جس کا وعدہ ملاقات روز حشر ہے اور یہ غم کو اس بات میں آسان کر دیا ہے کہ میں کچھ دیر کے بعد ایک روز اس کے پیچھے چلا جاؤں گا اگرچہ میری عمر دراز کی جائے (اور ظاہر ہے کہ دعا دور والے کو بلایا جائے تو وہ سُن نہیں سکتا اسی طرح قبر والا بھی نہیں سن سکتا اگرچہ قبر کے اوپر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے

حضرت نہار بن توسعہ عبدی رضی اللہ عنہ

ایک اور شاعر ہیں نہار بن توسعہ عبدی ان کے بارے ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں یوسف بن اسباط کے طریق سے ثوری کا بیان لکھا ہے کہ ثور بن یزید حضرت نہار بن توسعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور نہار بن توسعہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اور تفسیر محمد بن نقاش میں ان کی روایت کردہ حدیث بھی موجود ہے مگر اس کی سند نہیں لکھی (الاصابہ ج ۳ ص ۵۷۵ میں یہ باتیں لکھی ہوئی ہیں)

حماسہ ص۱۵ میں نہار بن توسعہ عبدی صحابی رضی اللہ عنہ کا شعر ہے

وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ مَرَّةً ... يُبْكَى عَلَيْكَ مُقَنَّعًا لَا تَسْمَعُ

یعنی اے کہنے والے! بخدا تجھ پر بھی یقیناً ایک دن ایسا آئے گا کہ تجھ پر رو دیا جائے گا جب کہ تیرا منہ ڈھکا ہوا ہو گا اور کچھ نہیں تو سُن سکے گا۔ یعنی تجھ پر بھی ایک ایسا دن آئے گا کہ تو مر جائے گا کفن میں تجھ کو لپیٹ دیا جائے گا پھر کئی لوگ تجھ پر روئیں گے کئی تیرے مرثیے پڑھیں گے کئی تیری تعریفیں کریں گے کئی تیرے مثالب بیان کریں گے مگر تو ایک تو کفن میں چھپا ہوا ہو گا دوسرے قبر میں دفن کر دیا گیا ہو گا اور تجھ پر ہزاروں من مٹی ڈال دی ہو گی تو ایسی حالت میں تو کچھ نہیں سُن سکیگا (دیکھو صحابی رسول اللہ نے میت کے سننے کی کیسے کھلے لفظوں میں نفی فرمائی ہے)

قتیلہ رضی اللہ عنہا

حماسہ ص۲۵ میں قتیلہ زوجہ نضر بن حارث عبدری کا شعر ہے

فَلْيَسْمَعَنَّ النَّضْرُ إِنْ نَادَيْتُهُ ... إِنْ كَانَ يَسْمَعُ مَيِّتٌ أَوْ يَنْطِقُ

یعنی اگر کوئی مردہ سنتا یا بولتا ہے تو نضر بن حارث بن کلدہ (عبدری) بھی ضرور سنے گا اگر تم اس کو آواز دو گے اور سُن کر تمہارے سلام کا جواب دے گا۔

اور ظاہر ہے کہ مردہ بولتا تو ہے نہیں تو اسی طرح سنتا بھی نہیں۔ یہ شعر قتیلہ نے اس وقت پڑھے تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتیلہ کے والد نضر بن حارث کو باندھ کر قتل کر دیا تھا۔ تو جب قتیلہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یہ شعر پڑھے تو حضرت کو رونا آگیا اور فرمانے لگے اگر تو پہلے آجاتی تو میں معاف کر دیتا۔

نیلوی کہتا ہے کہ آپ نے اس کے اس مرثیہ پر کوئی تنقید نہیں فرمائی اگر اس میں کوئی بات خلاف شرع ہوتی تو آپ اس کو ظاہر فرما دیتے معلوم ہوا کہ قتیلہ نے یہ سچی بات کہی ہے۔ نیز اگر آپ قتیلہ سے یہ فرما دیتے تو تو یوں کیوں کہتی ہے۔ ابھی اپنے ابا کی قبر پہ جا اور سلام کہہ فوراً تجھے جواب دے گا تیرا دل تسلی میں آجائے گا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

عمرو بن العاص کے برادر حقیقی ہشام بن العاص روم میں اجنادین کے مقام پر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے مسلمان جھجکے کہ ہم اگر رومیوں کو مارنے کے لیے آگے بڑھیں گے تو ہشام کو گھوڑے روندڈالیں گے، تو حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا کہ ہشام تو شہید ہو چکا ہے اور اس کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ اور یہ جو پڑا ہوا تم دیکھ رہے ہو یہ تو بے جان لاش ہے (لہٰذا اس کے روندے جانے سے مت گھبراؤ۔ تو یہ سن کر شاہسوار آگے بڑھے اور ہشام کی لاش روندی گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی (دیکھو علامہ سیوطی کی شرح الصدور)

اس سے معلوم ہوا کہ میت مسلم کی روح آسمانوں کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور زمین پر پڑا ہوا دھڑ بے حس ہوتا ہے اگرچہ وہ شہید ہو اور ضرورت اور مجبوری جہاد کے موقع پر اس کا روندنا بھی جائز ہے جب اور حواس اس دھڑ میں نہیں تو حس سامعہ بھی نہ ہوئی۔ اور یہی مذہب صحابی رسول اللہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہی مذہب تمام ان صحابہؓ اور تابعینؒ کا ہے جو اس جہاد میں موجود تھے۔ کیونکہ اگر ان کا یہ مذہب نہ ہوتا تو عمرو بن العاص کے قول کی تردید فرماتے اور ہشامؓ کی لاش کو روندتے ہوئے آگے نہ بڑھتے اور لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوتے۔

خالد بن معدان کا بھی یہی مذہب ہوا جو اس روایت کا راوی ہے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

صحابی رسول اللہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں مدینہ پاک میں بیمار پڑے تھے موت کا وقت قریب آگیا تھا۔ ان کے شاگرد رشید محمد بن منکدرؒ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری طرف سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر دینا (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ اور ان کے شاگرد رشید محمد بن منکدرؒ کا یہی عقیدہ تھا کہ زندہ کا سلام کلام ان کو نہیں سنائی دیتا جو اس عالم دنیا سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں جا چکے ہوں اگرچہ وہ منتقل ہونے والے امام الانبیاء ہی کیوں نہ ہوں جن کی قوت روحانی کا اندازہ لگایا نہیں جا سکتا اور اگرچہ سلام کہنے والے صحابی اور تابعی ہی کیوں نہ ہوں۔

اور اگر ان صحابیِ رسولؓ کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آپ زائر کا دنیا میں سلام بنفس نفیس ان عنصری گوش مبارک سے بلا واسطہ سن لیتے ہیں تو حضرت جابرؓ فرماتے اے محمد بن المنکدر تم خود روضۂ اقدس پر چلے جاؤ۔ اپنا سلام ان کو کر آؤ اور میرا سلام بھی آپؐ کو عرض کر دینا کیونکہ میں اس وقت موت سے دوچار ہوں۔ خود حاضری دے نہیں سکتا۔ اور جو شخص آپ سلام کہہ سکتا ہو وہ خود نہ جائے دوسرے کو پیغام بھیجتا ہے یہ کوئی معقول بات نہیں ہے

اور اس حدیث اور اس کے علاوہ دوسری حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالحینؒ کا یہ طریقہ تھا کہ مرنے والے سے کہہ دیتے تھے کہ میرا سلام عالم برزخ میں میرے فلاں کو کہہ دینا اور یہ سلف کا عمل بے دلیل نہ تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ برزخ والے ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں آپس میں ملتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں ایک دوسرے کی سنتے اور سناتے ہیں۔ یہاں دنیا کے اعتبار سے وہ اموات ہیں اور وہاں برزخ میں سب زندہ ہیں۔

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ

نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین (امام اول خلیفہ بلافصل ابوبکر صدیق رضہ و امام ثانی امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما) کی قبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا

فیا قبر النبی و صاحبیہ   الا یا غوثنا لو تسمعونا

پس اے نبیؐ و صاحبینؓ کی قبرو! کاش تم تینوں سنتے ہوتے اور ہماری فریاد سنتے ہوتے تو (ابوموسیٰ اشعری رضہ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اور مجھے درّے مارے ہیں۔ اس سب کی) فریاد تمہارے آگے کرتا۔ مگر تم تو سنتے نہیں ہو اب میں اپنی فریاد کس کو سناؤں؟)

(دیکھا صحابی نے رسول اللہ نبیؐ کے سماع کا انکار فرما دیا جو صریح نص ہے۔ خوب سمجھ لیں)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ   حضرت ام بشر رضی اللہ عنہا

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۴۳ میں سنن ابن ماجہ اور امام بیہقی کی کتاب البعث والنشور کے حوالہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن کعب سے روایت منقول ہے کہ جب حضرت کعب (ابوعبدالرحمٰن) رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آگیا تو ام بشر بنت البراء بن معرور ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ اے اباعبدالرحمٰن! (آپ اس دارِ دنیا سے کوچ کر کے عالم برزخ میں تشریف لے جا رہے ہو اور اس عالم میں فلاں صاحب بھی آپ سے پہلے جا چکے ہیں۔ تو) اگر ان سے آپ کی ملاقات ہو جائے تو آپ ان کو میری طرف سے السلام علیکم کہہ دینا (کہ ام بشر آپ کو السلام علیکم کہتی تھی جو ابھی دارِ دنیا میں مقیم ہے) تو حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ تجھ کو بخشے اے ام بشر! ہم تو وہاں جزا سزا کے شغل میں ہوں گے (ملاقات کیسے ہوگی؟) تو ام بشرؓ نے فرمایا اے اباعبدالرحمٰن آپؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ مؤمنین کی روحیں سبز پرندوں میں رہ کر جنت کے درختوں کے پھل کھاتے (عیش کرتے باہم ملاقاتیں کرتے) ہوں گے۔ کعبؓ نے فرمایا بیشک تو ام بشر نے کہا کہ یہی تو میں کہہ رہی ہوں تو بس میرا سلام کہہ دینا۔ (معلوم ہوا برزخ والے تو ایک دوسرے کو ملتے اور سلام کرتے ہیں۔ مگر اہل دنیا کی نہیں سنتے

بعض صحابہ مطلقاً سماعِ موتٰی کے منکر تھے اور بعض قلیبِ بدر والوں کی تخصیص کرتے تھے۔ مطلقاً سماعِ موتٰی کا قائل کوئی صحابی نہیں

دلیل اس امر کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطلقاً سماعِ موتٰی کے قائل نہیں تھے، یہ ہے کہ جنگ بدر جو سنہ ۲ ہجری میں ہوا تھا، میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سن رکھا تھا کہ یہ مُردے تم سے زیادہ سن رہے ہیں اس بات کو جو میں اس وقت ان سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہوں تو پھر بھی آپ کا عقیدہ یہی رہا کہ ان قلیبِ بدر کے سوا کوئی میت نہیں سنتا خواہ وہ میت استاذ ہو، شیخ ہو، فقیر ہو یا ولی ہو یا نبی ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق، جو سنہ ۵ھ میں ہوا، کے بعد جب ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اتر چکی تھی ۔ یہ ارشاد فرمایا اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو) آگے فرمایا وان احدالم یصلّ علیّ الا عرضت علیّ صلوٰتہ حتّٰی یفرغ منہا یعنی مجھ پر درود شریف پڑھنے والے کا درود پیش کیا جاتا ہے حتی کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔ یہ بات سن کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو تعجب ہوا کہ آپ کا ارشاد گرامی تو بظاہر اپنے عموم پر معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمان میں حیات اور بعد الممات کا کوئی فرق نہیں بتایا گیا کیونکہ قرآنی آیت پر عمل تو قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو ضروری ہے اور ہر جمعہ کو درود شریف پڑھنے کا حکم بھی سب مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تاقیامت تو نہ رہے گی، ایک نہ ایک روز آپ نے بھی مرنا ہے اور آپ کی وفات کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم باقاعدہ محکم طور پر قائم رہیگا کیونکہ حیات النبی کے دور میں تو حکم کے منسوخ ہونے کا امکان اور احتمال ہو سکتا ہے مگر جب آپ وفات پا جائیں گے تو اس کے بعد نسخِ احکام کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اب وفاتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب ہم آپ کی اس حدیث پاک پر عمل کرتے ہوئے جمعہ کے روز کثرت سے درود شریف پڑھیں گے اسی طرح ہر قعدہ اخیرہ میں درود شریف پڑھیں گے اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت درود شریف پڑھیں گے اسی طرح اور بیسیوں مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف

پڑھنے کا حکم ہے وہاں درود شریف پڑھیں گے تو آپ پر صلوٰۃ وسلام کی پیشی کس طرح ہوگی۔ اور قریب قبر کے جب ہم درود شریف پڑھیں گے تو آپ کیسے سماعت فرمائیں گے جب کہ میت جو قبر میں مدفون ہو جاتا ہے سننے کے اہل ہی نہیں رہتا ہے۔ اب ہمیں اس بات کا مطلب سمجھ نہیں آتا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے سامنے ہمارا پڑھا ہوا صلوٰۃ وسلام پیش ہوگا؟

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اظہار تعجب اس بات کی صریح دلیل ہے کہ مُردے کے سننے کے ہرگز قائل نہ تھے۔ البتہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہم کا جواب دیا جو اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز تھا اور فرمایا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ اور اس طرح اجساد انبیاء کرام علیہم السلام کو اس آیت کے عموم سے استثناء کر دیا جس میں عام اموات کے بارے قبل از بعثت عوام کا عقیدہ مذکور ہے کہ مُردے دفن کے بعد صحیح سالم نہیں رہتے بلکہ وہ مٹی ہو جاتے ہیں۔ اور یہ استثناء قرآن پاک میں اشارۃً موجود تھا آپ نے اس کی صراحت فرما دی اور سمجھا دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد مطہرہ صحیح سلامت رہتے ہیں۔

نیز ام المومنین نے جب قرآنی نص پیش کی تو رجوع کے بعد آپؓ سے کسی نے ضرور سوال کیا ہوگا کہ اماں جان آپ نے ابن عمرؓ کے حدیث کی تردید میں قرآنی آیات پیش فرمائی تھیں اب تبدیلی موقف کے بعد ان قرآنی آیات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ مگر مثبتین سماع یہ بات کبھی نہیں دکھا سکیں گے ان شاء اللہ العزیز۔ اور دکھا کیسے سکتے ہیں جب کہ اس حدیث کی سند کا وہ حال ہے جو اوپر مذکور ہوا اور یہ بھی خبر واحد جو قرآن کی نص قطعی کا مقابلہ نہیں کر سکتی پھر خبر واحد صحیح بھی ہو تو عقیدہ نہیں بن سکتی۔ اگر اس خبر کو صحیح ہی سمجھ لیں پھر بھی اس میں احتمال ہے کہ شاید ام المومنین کی مراد سماع سے علم ہی ہو جیسے فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ ای علمہ

یہ جو کہتے ہیں کہ ان کانوں سے سنتے ہیں اور ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس زبان سے بولتے ہیں یہ صریح غلط ہے کیونکہ جو آدمی زندہ ہو اور سو رہا ہو وہ تو خواب میں ان کانوں سے سنتا نہیں ان آنکھوں سے دیکھتا نہیں اس زبان سے بولتا نہیں ان پاؤں سے چلتا نہیں ان ہاتھوں سے پکڑتا نہیں ان زبان سے چکھتا کھاتا پیتا نہیں۔ اب مرنے کے بعد ان اعضاء سے کیسے کام لے سکتا ہے۔ اسی لئے میرے استاذ مفتی اعظم ہند رح نے فتویٰ دیا ہے کہ اس شخص کا یہ اعتقاد صحیح نہیں ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

تتمہ

ام المؤمنین رضؓ نے اپنے موقف عدم سماع موتیٰ سے رجوع نہیں فرمایا

۱ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۲ سحبان الہندؒ ۳ قاضی ابو یعلیٰؒ ۴ مترجم معجز نما قرآن مجید ۵ فتاویٰ دار العلوم دیوبند محشی مولانا ظفیر الدین ۶ صاحب الکافی ۷ ابن ہمامؒ ۸ صاحب کفایہ ۹ سکاکی ۱۰ عینی ۱۱ صاحب عنایہ ۱۲ ابی شرح صحیح مسلم ۱۳ شرح بخاری الکرمانی رح ۱۴ حافظ ابن حجر ۱۵ عبد الحکیم سیالکوٹیؒ ۱۶ سعید انصاری مؤلف سیر الصحابیات ۱۷ سید سلیمان ندویؒ ۱۸ صاحب مستخلص ۱۹ بریلویہ کا قائد احمد رضا خاں

ان سب نے تصریح کی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی موقف ہے اور اسی موقف کو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اور آپ کے تلامذہ نے اپنایا

اور رجوع والا قول بلا دلیل ہے جو صرف کلمۂ خطاب کے بولنے سے سمجھ لیا گیا ہے اور کلمۂ خطاب سماع کی کوئی دلیل نہیں۔ اور صریح طور پر ام المؤمنین نے کہیں نہیں فرمایا کہ مردے سنتے ہیں اور ابن حجرؒ نے مغازی ابن اسحاق کے حوالہ سے یونس بن بکیر کے طریق سے فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۳ میں اسنادِ حسن یا اسناد جید کہہ کر حدیث بیان فرمائی ہے جس سے رجوع سمجھا گیا اس پر خود ابن حجرؒ کو یقین نہیں ہے بلکہ ان کو اس حدیث کے محفوظ ہونے میں تردد ہو رہا ہے اسی لئے شک کا کلمہ لائے ان کانت محفوظۃ (اگر محفوظ ہو تب) اور خود صاحب المغازی کا مؤلف محمد بن اسحاق کذاب ہے جیسے احسن الکلام میں خود صاحب تسکین لکھ چکے ہیں پھر یونس بن بکیر وہ راوی ہے جس پر آجری، ابو داؤد، نسائیؒ، ابن ابی شیبہ، ساجیؒ، ابن مدینی وغیرہ ناقدین ائمہ نے کڑی جرحیں کی ہیں دیکھو تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۳۵، ۴۳۶۔ یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین نے اپنی کتب میں اس کا اخراج نہیں فرمایا بلکہ اس کے معارض احادیث کا اخراج کیا

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مذہب سماع موتیٰ کا تھا یہ مسند احمد کی روایت سے رفع ہو جاتا ہے جس میں تعجب کے ساتھ حضورؐ سے پوچھتے ہیں کہ آپ جو ان سے گفتگو فرماتے ہیں تو یہ دھڑ بے جان کوئی سن سکتے ہیں جب خدا بھی فرماتا ہے انک لا تسمع الموتیٰ۔ تو مردوں سے یہ گفتگو عقل سے ماوراء بھی ہے اور قرآن کے خلاف بھی پھر حضرت نے فرمایا تو سمجھ گئے کہ یہ خرقِ عادت اور معجزہ ہے

اور ابن مسعودؓ و عبد اللہ بن سیدان کی روایت کی معلوم نہیں۔ اور صرف اسناد صحیح کہہ دینا کافی نہیں۔

تابعین رحمہم اللہ کا موقف

قتادہ رح تابعی

قتادہ تابعی رح سماع موتی کے قائل نہیں کیونکہ انہوں نے قلیب بدر والی حدیث میں تاویل فرمائی ہے کہ ان مشرکین کو اس وقت زندہ کیا گیا تھا تاکہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سنیں اور نادم ہوں دیکھو صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶) اس سے بھی اُن کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ؛

حضرت محمد باقر رح

محمد باقر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کا قول عوارف المعارف برہامش احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۳۰۸ میں ہے فلا سماع للاحیاء ولا للاموات قال اللہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور (سنانا زندوں کو ہوتا ہے نہ مرے ہوؤں کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تُو قبروں میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتا۔

حضرت خلف بن خلیفہ رح

خلف بن خلیفہ تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا

کفی الهجر انا لم یضح لک امرنا   ولم یاتنا عما لدیک یقین

ہجران کے لیے یہی کافی ہے کہ ہمارا غم واضطراب پریشانی بے قراری تجھ پہ واضح نہیں اور عالم برزخ میں جو کچھ تیرے ساتھ ہو رہا ہے اس کی یقینی خبر ہم کو نہیں آتی اگر تُو سنتا ہوتا تو ہم اپنا سارا کچا چٹھا تیرے آگے سنا دیتے تو ہمارا حال تجھ پہ کھل جاتا۔

حضرت طریف بن ابی وہب علبیؒ

طریف بن ابی وہب علبیؒ اپنے بیٹے کی مرثیہ خوانی میں کہتے ہیں

فان الذی تبکین قد حال دونه   تراب وبن وراء المقام دحول

جس کو تو رو رہی ہے (بے سود ہے کیونکہ وہ تیرا رونا نہیں سن سکتا کہ اس سے درمیان مٹی حائل ہے وہاں تک تیرا رونا پہنچ نہیں سکتا۔ اور نہ ہی تیری اس سے ملاقات ہو سکتی ہے) الخ (حماسہ ص۱۰۱)

حضرت ارطاۃ ابن سُہَیّہ رح

ارطاۃ ابن سُہیّہ (بن زفر بن عبداللہ بن مالک بن سواد بن ضمرہ غطفانی مزنی رحمہ اللہ کے اشعار میں سے ایک شعر جو ابن تمام نے دیوان حماسہ صفحہ ۱۵۴ میں نقل فرمایا ہے

عن الدهر فاصفح انه غير معتب ۔۔۔ وفي غير من قد وارت الارض فاطمع

محشی رح نے لکھا ہے فان الطمع من المدفون لاینفع مدفون سے امید رکھنا بے سود ہے

ائمۂ مجتہدین اُمّتِ محمّدیّہ کا موقف

حضرت امام حنیفہ رحمہ اللہ

حضرت سید سراج الدین سہسوانی رحمہ اللہ نے سراج الایمان ص۱۶ میں لکھا ہے اور سماع اموات میں نزدیک قبر کے اگرچہ بعض علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن مذہب امام اعظم اور اکثر مشایخ ہمارے کا عدم سماع موتی ہے جیسا کہ صاحب غرائب فی تحقیق المذاہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بعینہ یوں بروایت کرتے ہیں رأى الامام ابو حنيفة رحمه الله من ياتي القبور لاهل الصلاح فيسلم ويخاطب ويتكلم ويقول يا اهل القبور هل لكم من خبر وهل عندكم من اثر اني اتيتكم وناديتكم من شهور وليس سوالي منكم الا الدعاء فهل دريتم ام غفلتم فسمع ابو حنيفة يقول يخاطبهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقا لك وتربت يداك كيف تكلم اجسادا لا يستطيعون جوابا ولا يملكون شيئا ولا يسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من في القبور انتهى

یعنی دیکھا امام ابو حنیفہؒ نے کہ ایک شخص کچھ مقابر اولیاء میں آتا ہے پس سلام کرتا ہے اور خطاب اور کلام کرتا ہے اور کہتا ہے اے اہل قبور! آیا ہے تم کو خبر اور ہے کچھ تمہارے پاس اثر کہ میں آتا ہوں تمہارے پاس۔ اور پکارتا ہوں تم کو مہینوں سے اور نہیں ہے سوال میرا تم سے مگر دعا۔ پس آیا خبردار ہو گئے یا غافل! ۔ پھر سنا

امام اعظمؒ نے کلام اور خطاب اس کے کو اہلِ قبور سے۔ پھر کہا ابو حنیفہؒ نے اس سے "آیا جواب دیا تجھ کو اس نے؟"
کہا نہیں! پھر کہا امام نے دُوری ہو جیو تجھ کو رحمتِ خدا سے اور خاک میں ملیں تیرے دونوں ہاتھ۔ کیوں کر کلام کرتا ہے
تو مُردوں سے کہ طاقت نہیں رکھتے جواب کی اور مالک کسی چیز کے نہیں اور کسی کی آواز کو نہیں سنتے اور پڑھا امام نے
وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ (یعنی تو نہیں سنا سکتا اہلِ قبور کو۔ پس زجر اور توبیخ امام ہمام کی یا شیخ عبد القادر پکارنے
والے اموات کے یاد رکھنا چاہیے۔

جس طرح حضرت سید سراج الدین صاحبؒ نے سراج الایمان میں فتاویٰ غرائب میں سے یہ حوالہ نقل فرمایا ہے
اسی طرح حضرت بشیر الدین قنوجیؒ تلمیذ خاص حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے بھی فتاویٰ غرائب کا حوالہ نقل فرمایا ہے اسی طرح
فتوٰی عدم جواز یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کے مصنف اور حضرت پیر طریقت نے بھی یہی حوالہ نقل فرمایا ہے اور نقل صحیح ہے ہمارے
حضرت محترم کے مسلک میں پس چار جید علماء کی تصحیح ہو گئی اور ابو الخیر اسدی مدظلہٗ نے بھی اپنے رسالہ میں اس کی تصحیح فرمائی ہے

حضرت امام احمد بن حنبلؒ

تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۱۸ ص ۹۰، ۱۰۹ میں کتاب الایمان میں لکھا ہے فان ناداہ بحیث یسمع
فلم یسمع لتشاغلہ او غفلتہ حنث وقد سُئِل احمد عن رجل حلف ان لا یکلم
فلانًا، فَنَادَاهُ وَالْمَحْلُوفُ عَلَيْهِ لَا يَسْمَعُ قَالَ يَحْنَثُ لِاَنَّهُ قَدْ اَرَادَ تَكْلِيْمَهُ وَهٰذَا الْكَوْنُ
ذٰلِكَ يُسَمّٰى تَكْلِيْمًا، يُقَالُ كَلَّمْتُهُ فَلَمْ يَسْمَعْ؛ وَاِنْ كَانَ مَيِّتًا اَوْ غَائِبًا اَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ اَوْ اَصَمَّ
لَا يَعْلَمُ بِتَكْلِيْمِهِ اِيَّاهُ لَمْ يَحْنَثْ، وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِ اَحْمَدَ كَالْقَاضِيْ اَبِيْ بَكْرٍ اَنَّهُ يَحْنَثُ
بِنِدَاءِ الْمَيِّتِ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَلَّمَهُمْ وَنَادَاهُمْ وَقَالَ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ
لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ، وَيَرِدُ عَلٰى هٰذَا قَوْلُهُ تَعَالٰى وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ وَلِاَنَّهُ قَدْ
بَطَلَتْ حَوَاسُّهُ وَذَهَبَتْ نَفْسُهُ فَكَانَ اَبْعَدَ مِنَ السَّمَاعِ مِنَ الْغَائِبِ الْبَعِيْدِ لِبَقَاءِ
الْحَوَاسِّ فِيْ حَقِّهِ؛ وَاِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَمْرًا اخْتَصَّ بِهِ فَلَا
يُقَاسُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ؛ مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی شخص نے قسم کھائی ہے کہ میں فلاں آدمی سے بات نہ

کروں گا۔ اب اس قسم کھانے والے نے اس سے بات تو کی ہے مگر اس دوسرے نے غفلت کی وجہ یا کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی بات سنی نہیں۔ تو اس صورت میں قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ گئی اب وہ اپنی قسم توڑنے کا کفارہ دے گا

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے اس شخص کے بارے پوچھا گیا جس نے قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی سے کلام نہ کروں گا تو پھر اس قسم کھانے والے نے اس فلاں کو آواز دی مگر اس فلاں نے اس کی آواز نہیں سنی۔ اب بتائیں اس کی قسم ٹوٹی یا نہ ٹوٹی۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی۔ کیونکہ اس قسم کھانے والے کا ارادہ یہ ہی تھا کہ اس فلاں سے کلام کرے سو اس نے اس فلاں سے کلام کر لی خواہ فلاں اس کا کلام سُنے یا نہ سُنے۔ محاورہ میں کہتے رہتے ہیں کہ میں نے تو فلاں کے ساتھ کلام تو کیا ہے مگر اس نے میرا کلام نہیں سنا؛ اور اگر وہ فلاں آدمی مُردہ ہے یا غائب ہے یا بیہوش ہے یا بہرا ہے جسے کچھ علم نہیں ہے کہ کوئی میرے ساتھ کلام کر رہا ہے تو اس صورت میں وہ قسم کھانے والے کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ البتہ قاضی ابوبکر جیسے امام احمد بن حنبل کے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ میت (مُردہ) کو آواز دینے سے اس کی قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مُردوں سے گفتگو کی تھی اور ان کو آواز دی تھی اور دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا کہ میں جو اُن سے گفتگو کر رہا ہوں یہ تم سے بھی زیادہ اچھی طرح سُن رہے ہیں۔

لیکن امام قاضی ابوبکر جیسوں کے اس قول پر دو طرح اعتراض وارد ہوتا ہے ایک تو یہ قول ان کا قرآن مجید کے خلاف ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یارسول اللہ آپؐ ان دھڑوں کو سُنا نہیں سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مرنے کے ساتھ مرنے والے کے تمام حواس بیکار ہو گئے اور اس کی جان چلی گئی تو اب اس حالت میں نفس مردہ کا سُننا بعید از عقل ہے کہ دور چلے جانے والے غائب شدہ آدمی سے بھی زیادہ کیونکہ غائب بعید کے حواس تو قائم ہیں۔

اب رہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کافر مُردوں کو آواز دینا اور ان سے گفتگو کرنا سو یہ ایک ایسی چیز ہے جو صرف آپؐ ہی کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص تھی اور آپؐ ہی کا خاصہ تھا اس لئے اس پر دوسرے لوگوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

مقلد سے اس بات کی اتمام ظاہر ہوتی ہے کہ اس کو مخصوص طور پر خاص ہوتا [illegible]

حضرت امام شافعی رح

ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف المغنی ج ۸ ص ۸۲۰ میں تحریر فرمایا ہے :-

فصل فان ناداہ بحیث یسمع فلم یسمع لتشاغلہ او غفلتہ حنث نص علیہ احمد فانہ سئل عن رجل حلف ان لا یکلم فلانا فناداہ والمحلوف علیہ لا یسمع قال ، یحنث لانہ قد اراد تکلیمہ وھذا الکون ذلک یسمی تکلیما یقال کلمتہ فلم یسمع وان کان میتا او غائبا او مغمی علیہ او اصم او لا یعلم بتکلیمہ ایاہ لم یحنث وبھذا قال **الشافعی** رحمہ اللہ تعالیٰ وحکی عن ابی بکر انہ یحنث بنداء المیت لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمھم و ناداھم وقال ما انتم باسمع لما اقول منھم ؛ ولنا قولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور و (نقلی دلیل ۱۲) لانہ قد بطلت حواسہ وذھبت نفسہ فکان ابعد من السماع من الغائب البعید لبقاء الحواس فی (عقلی دلیل ۱۲) حقہ ؛ وانما کان ذلک من النبی صلی اللہ علیہ وسلم کرامۃ لہ وامرا اختص بہ فلا یقاس علیہ غیرہ (حدیث کا جواب ۱۲) ؛ یعنی قسم کھانے والے نے جب اس فلاں کو ایسی جگہ سے آواز دی جہاں آواز سنائی دی جا سکتی ہے لیکن وہ فلاں کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے اس کی آواز نہیں سن سکا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی ۔ یہ مسئلہ امام احمد بن حنبل رح نے صراحت سے بیان فرمایا ہے کیونکہ ان سے ایسے آدمی کے بارے دریافت کیا گیا جس نے قسم کھائی ہو کہ میں فلاں آدمی سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اس کو آواز دی مگر اس فلاں نے اس کی آواز نہیں سنی تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے اس فلاں سے گفتگو کرنا چاہا اسی کو تکلیم کہتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے کہ میں نے تو اس سے کلام کیا مگر اس نے میرا کلام نہیں سنا ۔ اور اگر وہ فلاں میت (مردہ) ہو یا غائب ہو یا بے ہوش یا بہرا ہو یا اس کو یہ علم ہی نہ ہو سکا ہو کہ وہ آدمی میرے ساتھ گفتگو کر رہا ہے تو ایسی صورتوں میں اس کی قسم نہ ٹوٹے گی اور یہی مذہب ہے **حضرت امام شافعی** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اور ابو بکر قاضی (صاحب احمد بن حنبل) سے حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میت کو آواز دینے سے

قسم ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردوں سے گفتگو فرمائی اور ان کو آواز دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری یہ گفتگو تم سے زیادہ یہ مُردے سن رہے ہیں

لیکن ہمارے دعویٰ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وما انت بمسمع من فی القبور نیز دوسری یہ بات بھی ہے کہ مرنے کے ساتھ مرنے والے کے حواس بے کار ہو گئے اور اس کی جان جاتی رہی تو اندریں حالات میت کا سننا غائب بعید آدمی کے سننے سے بھی زیادہ مستبعد ہے۔ کیونکہ اس غائب بعید آدمی کے حواس تو قائم ہیں۔

اب رہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مُردوں کو آواز دے کر اُن سے گفتگو کرنا سو یہ آپؐ کا معجزہ تھا اور آپؐ ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ اس لیے اس پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا

نوٹ شافعیہ و حنابلہ نے حالف کے حانث نہ ہونے پر قرآن پاک کی آیت دلیل میں پیش فرمائی اور عقلی دلیل بھی پیش فرمائی۔ معلوم ہوا کہ مسئلہ کا ثبوت سب اہل السنۃ کے نزدیک قرآن پاک سے ہے نہ یہ کہ مدار قسم کی عرف پر ہے

اہم سوال کا جواب

السراج الوہاج ج ۱ ص ۳۰۹ میں ہے انکر الحنفیۃ سماع الاموات واثبتہ الشافعیۃ و المالکیۃ والحنابلۃ: والاحادیث وردت فی بعض الاحیان فیکون مقصوراً علی مورد ہا و لا یعم جمیع الازمان یعنی مردوں کے سننے کے حنفیہ تو منکر ہیں۔ اور شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ مردوں کا سماع ثابت کرتے ہیں (احادیث کو دیکھ کر۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیثوں میں بعض اوقات مُردوں کا سننا وارد ہوا ہے اس لئے جہاں جہاں سننا وارد ہے صرف وہیں وہیں یہ مردوں کے سننے والا حکم بند رہے گا۔ ان (خلاف قیاس وارد شدہ حدیثوں) کو دیکھ کر تمام اوقات اور ہر جگہ اور ہر میت کے سننے کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

نیلوی کہتا ہے کہ صاحب البیت ادریٰ بما فیہ (گھر والے کو اپنے گھر کی چیزوں کا جس قدر علم ہوتا ہے اس قدر دوسرے کو علم نہیں ہوتا) اس لئے جب خود صاحب مذہب (امام شافعی وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ) کا مسلک معلوم ہو گیا کہ یہ سماع موتیٰ کے قائل نہیں بلکہ منکر ہیں۔ پھر ہم کسی دوسرے کی بات کو اندھا تقلید کرتے ہوئے کس طرح مان سکتے ہیں۔ خاص کر جب ان کی بات عقل و نقل کے موافق ہے

اس سوال کا جواب کہ امام ابو حنیفہؒ سے روایۃ عدمِ سماعِ موتیٰ شاذ ہے

حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عقد الجید ص ۴۷ میں محققین فقہاء حنفیہ کا بیان کردہ قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ مسائلِ فقہی چار قسم کے ہیں اول قسم وہ ہیں جو ظاہر مذہب میں ثابت ہو چکے ہوں (اور ظاہر الروایت و ظاہر مذہب کی کتابیں یہ ہیں امام محمدؒ کی مبسوط ۔ سیر صغیر ۔ سیر کبیر ۔ جامع صغیر ۔ جامع کبیر اور زیادات) ان کا حکم یہ ہے کہ فقہاء ان کو ہر حال پر قبول کرتے ہیں خواہ وہ اصول فقہ کے موافق ہوں یا مخالف اور اسی وجہ سے تم مؤلفِ ہدایہ اور دوسرے علماء کو دیکھتے ہو کہ تجنیس کے مسائل میں فرق بیان کرنے کے لئے تکلف کرتے ہیں قسم دوم وہ مسائل ہیں جن میں روایتِ شاذ ابو حنیفہ و صاحبین سے ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو قبول نہیں کرتے مگر صرف اس صورت میں کہ اصول کے موافق ہوں۔ اور ہدایہ اور اس جیسی بہت کتابوں میں تصحیح بعض روایات شاذہ کی بہت ہے دلیل کی وجہ سے۔ اس کے بعد تیسری اور چوتھی قسم بیان فرمائی۔

اب یہ مسئلہ ہم بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ صراحۃً منصوص نہیں ہے ظاہر الروایت کی کتب میں ہاں ان کتب میں بہت سے مؤیدات و شواہدات ملتے ہیں جن سے یہ مسئلہ بلا شبہ اور بآسانی نکلتا ہے۔ اور حضرت گنگوہیؒ کے فرمان کے مطابق حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں شاذ ہیں (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۰۱)

جب ثابت ہو گیا کہ حضرت امام اعظمؒ سے شاذ روایتیں عدمِ سماعِ موتیٰ کے بارے موجود ہیں تو اب محققین فقہاء نے شاذ روایات کا جو حکم صادر فرمایا ہے وہ منظور ہونا چاہیے۔ سو شاذ روایات کا حکم گذر چکا ہے کہ شاذ روایت صرف اس وقت مقبول ہو گی جب اصول و قواعد کے موافق ہو۔ اگر قواعد کے خلاف ہو تو مردود ہوگی اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ عدم سماع موتیٰ کی شاذ روایات جو امام اعظم رحمہ اللہ سے آئی ہیں اصول و قواعد کے موافق ہیں یا نہ؟ دور کیوں جائیں۔ خود حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے پوچھ لیتے ہیں ہم بھی نہیں پوچھتے ان کے خصوصی شاگرد حضرت مفتی اعظم دیوبند مولانا عزیز الرحمٰن نے استفسار فرمایا جس کے جواب میں آپؒ نے فرمایا

مسلک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مثل طریقہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر حمل کر کے کہ اصل موضوع لہ ہے حدیث میں کہ شرح قرآن ہے تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنے حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے پس آیت انک لا تسمع الموتی قطعی اور احادیث سماع ظنی اخبار آحاد سے کس طرح تخصیص درست ہو سکتی ہے ..... الحاصل ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا مولوی سید احمد حسن امروہی حسینی صابری چشتی نقشبندی المجددی رح نے لکھا کہ جو کچھ عدم سماعِ اموات کے متعلق حضرت مولانا مولوی رشید احمد قدس اللہ سرہ العمد نے تحریر فرمایا ہے اور عدم سماعتِ اموات مذہبِ امام اعظم ارشاد کیا ہے یہی قول اور یہی مذہب قبول کرنے کے لائق اور قول عدم سماعت اموات کا فتوٰے دینے کے قابل ہے

فقہاء امتِ محمدیہ کا موقف

۱ امام محمد رح

جامع صغیر میں لکھا وکذلک الکلام لان معناہ الافہام والموت ینافیہ یعنی بات کرنے کا مطلب ہوتا ہے دوسرے شخص یعنی مخاطب کو سمجھانا اور موت اس کے منافی ہے

۲ صاحب مستخلص

مستخلص شرح کنز میں بھی اسی طرح ہے المقصود من الکلام الافہام وذا لا یتحقق فی المیت (معنے وہی ہیں)

۳ صاحب کافی

کافی شرح وافی میں ہے کسی کے بات نہ کرنے کی قسم کھائیں تو یہ اس کی حیات کے ساتھ مقید ہوگا کیونکہ مرنے کے بعد مرنے والے کے حواس نہیں رہتے اسی طرح کسی کو مارنے قتل کرنے یا کسی کے پاس نہ آنے کی قسم کھانا ہے کیونکہ مارنے کے ساتھ مُردہ کو دکھ نہیں ہوتا۔ رجل قال ان ضربتک او... کلمتک ... تتقید بالحیٰوۃ ... لان الضرب اسم لفعل مولم والمیت لا یتالم بالضرب بنی آدم ... والمقصود من الکلام الافہام و الشفقہ۔ اور صاحبِ ہدایہ نے جو عقلی دلیل بیان کی ہے صاحب کافی نے بھی وہی عقلی دلیل بیان کی ہے

نیز یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ فقہاء (خواہ حنفیہ ہوں خواہ شافعیہ ہوں خواہ حنابلہ وغیرہ) نے اس مسئلہ کی مدار صرف عرف پر نہیں رکھی بلکہ انہوں نے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیت کریمہ کو دلیل میں پیش فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ قسم کی بناء عرف پر ہوتی ہے

نیز یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ قائلین سماع کی یہ تاویل "کہ قرآن مجید میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں ہے اور اسماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں آتی" بالکل باطل عاطل و مردود و مطرود ہے۔ کیونکہ اگر یہ تاویل صحیح اور مسلّم ہوتی تو اپنے استدلال میں یہ اتنے بڑے بڑے جید علماء اس آیت کریمہ کو پیش نہ فرماتے۔ بلکہ بجائے اس کے صاف کہہ دیتے مبنی الایمان علی العرف (قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے)

اور جو قائلین سماع الاموات اپنے استدلال میں قلیب بدر کی حدیث پیش کرتے ہیں اس کو معجزہ، خصوصیت یا واقعہ حال وغیرہ پر محمول نہ کرتے بلکہ حدیث کے مفہوم کو بغیر کسی تاویل کے صحیح مان کر کہتے (جیسے قاضی ابوبکر ۱۲) کہ اس موقعہ پر یمین اور قسم کی صورت میں حدیث قلیب بدر کو پیش کرنا بے محل ہے کیونکہ یہ مسئلہ قسموں سے متعلق ہے اور قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے

نیز فقہاء شافعیہ و حنابلہ نے نقلی قرآنی دلیل کے بعد جو عقلی دلیل پیش فرمائی ہے اس میں ان لوگوں کی صریح اور صاف تردید ہے جو کہتے ہیں کہ میت سنتا دیکھتا اور پہچانتا ہے کیونکہ سننے دیکھنے اور پہچاننے کے لئے حواس کی سلامتی کی ضرورت ہے۔ جب حواس ہی بیکار ہو گئے تو پھر سننا دیکھنا پہچاننا کیسے ہوگا۔

نیز جب انہوں نے کہا ذَهَبَتْ نَفْسُہ (اس کی جان تو جا چکی ہے) تو اس میں ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ پھر سے روح جسم عنصری میں واپس آ جاتی ہے

ایک سوال کا جواب
فتاویٰ غرائب غیر معتبر ہے؟

سوال: فتاویٰ غرائب کتاب غیر متعارف اور مجہول ہے اور فقہی مسائل کا غیر متداول اور مجہول کتابوں سے نقل کرنا منع ہے

جواب: فتاویٰ غرائب وہ کتاب ہے جس کے حوالے معتبر کتب میں موجود ہیں مثلاً فتاویٰ عالمگیریہ جس کو بحکم حضرت

عالم و قاری حافظ و حاجی سلطان الہند۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ پانچ سو علماء کرام نے مل کر مرتب فرمایا تھا اس میں جگہ جگہ اس فتاویٰ غرائب کے حوالے موجود ہیں اگر یہ کتاب معتبر نہ ہوتی تو ۵۰۰ علماء اس کتاب کا حوالہ نہ دیتے۔ ہم اس بات کے مکلف نہیں کہ ہر مؤلف کے سوانح حیات سے بخوبی واقف ہوں۔ ان معتبر علماء پر ہمیں پورا اعتماد ہے کہ وہ غیر معتبر اور مجہول علماء کا فتویٰ ہم پر لاگو نہیں کرتے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں جو باتیں ہیں وہ شرع شریف کے موافق ہیں یا نہیں اگر موافق ہیں تو ٹھیک ہے خواہ اس کا مصنف کوئی ہو اور اگر اس کتاب میں ایسی باتیں ہیں جو شرع شریف کے خلاف ہیں تو غلط ہیں اگرچہ کسی بڑے مستند اور معتبر عالم نے لکھی ہو لاتنظر الی من قال وانظر الی ما قال

مجالس الابرار ایک کتاب ہے جس کے مصنف کے حال کا کچھ علم نہیں کہ کون تھا کس عہد میں ہوا ہے معتبر تھا یا غیر معتبر مگر باوجود اس کے علماء اس کتاب سے استناد کرتے ہیں اور اس کتاب کو دیکھ کر اس کے مصنف کا علو شان معلوم کیا چنانچہ حضرت امام الہند مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کے بارے تحریر فرمایا ہے کتاب مجالس الابرار کتاب مجالس الابرار فی علم الوعظ والنصیحۃ یتضمن فوائد کثیرۃ من ابواب اسرار الشرائع ومن اسباب الفقہ ومن ابواب السلوک ومن ابواب رد البدع والعادات الشنیعۃ لاعلم لنا بحال مصنفہ الا ما کشف عنہ ہذا التصنیف من تدینہ وتورعہ وتفننہ فی العلوم الشرعیۃ ونعم ما قیل لاتنظر الی من قال وانظر الی ما قال واسمع الی ما قال فانما یعرف الرجال بالحق لا الحق بالرجال ۔
(خاتمہ مجالس الابرار ۵۷۵) یعنی کتاب مجالس الابرار وعظ و نصیحت کے علم میں فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے یعنی رازہائے شرع کے باب، فقہ کے اسباب، سلوک کے ابواب، بدعات اور بدعادات کی تردید کے ابواب۔ اور اس کے مصنف کا حال ہمیں کچھ معلوم نہیں البتہ یہ تصنیف مصنف کے حال سے پردہ ہٹاتی ہے کہ اس کا مصنف ایک متدین اور متورع تھا اور علوم شرعیہ میں ماہر تھا۔ کسی نے خوب کہا کہ یہ نہ دیکھا کرو کہ کہنے والا کون ہے۔ دیکھو یہ کہ کہنے والا کوئی ہو بات کیا کہی ہے۔ اور یہ بات سچ ہے کہ بات کہی ہے کیونکہ حق کے ذریعے بندوں کی پہچان ہوتی ہے بندوں کے ذریعے حق کی پہچان نہیں کی جاتی۔

اسی طرح اگر فتاویٰ غرائب کے مصنف کے حالات اس کا سنہ ولادت، سنہ وفات، اس کے اساتذہ و تلامذہ کا حال ہم تک نہیں پہنچ سکا تو یہ کوئی عیب نہیں۔ بات جو اس نے کہی ہے وہ کھری کہی ہے دوسری کتب کے خلاف نہیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے خلاف نہیں بلکہ ان کے عین موافق ہے لہٰذا اس کا قول معتبر مقبول اور مستند ہے جس کو سوائے مبتدع روگی کے ہر سلیم العقل قبول کر لیتا ہے قال تعالیٰ وما یجحد بآیتنا الا الکافرون ۔ وما یجحد بآیتنا الا الظالمون ۔ رب نجنی من القوم الظالمین

۴ اصول الشاشی

مرنے کے بعد مُردہ کے ساتھ بات کرنے سے قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اسماع نہیں

۵ سید امیر علی ملیح آبادی رح

۶ سید امیر علی ملیح آبادی رح نے اپنی کتاب عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کتاب الجنائز ج ۱ ص میں لکھا ہے بالاتفاق ائمہ و مشایخ حنفیہ کے نزدیک مُردے بہ دلیلِ نص قرآنی نہیں سنتے ہیں۔ اور عموم نص کی تخصیص کے واسطے قطعی دلیل چاہیے اور جو حدیث ذکر کی ہے اگر وہ صحیح ہوتی تو اس دنص قرآنی) کے برابر نہ ہوتی۔ حالانکہ اس کی صحتِ اسناد میں ہنوز کلام باقی ہے۔ پس قبر کی تلقین خلافِ مذہب ہے۔

۷،۸ خرم علی و محمد احسن

مولانا خرم علی رح اور

مولانا محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ درمختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار ج ۲ ص ۴۴۵ میں فرماتے ہیں (مکمل تحقیق کر چکنے کے بعد) "بالجملہ ہم لوگ اہلِ تقلید ہیں۔ پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے۔ پھر جن فقہاء کے ہم مقلد ہیں جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں، تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم۔

۹ سید نعمان بن محمود

سید نعمان بن محمود آلوسی (صاحبزادہ مفسرِ جلیل سید محمود آلوسی رح) نے عدم سماعِ موتی پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "الآیات البینات فی عدم سماع الاموات عند الائمۃ الحنفیۃ السادات" منصف آدمی اس کا مطالعہ کرے تو باذنہ تعالیٰ اس کے تمام شکوک زائل ہو سکتے ہیں

۱۰ حبیب الرحمٰن کاندھلوی رح

حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اپنی کتاب "اصولِ فقہ" [۲۱] میں تحریر فرمایا ہے کہ جب عبداللہ بن عمر رض

نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو ایک گڑھے میں ڈال کر ارشاد فرمایا۔ هل وجدتم ما وعد ربكم حقا تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے حق پایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ بھی سنتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے! لیکن حضرت عائشہ رضؓ نے اس حدیث کا انکار فرما دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انك لا تسمع الموتى وما انت بمسمع من فى القبور یقیناً تم مُردوں کو سنا سکتے ہو اور نہ انہیں جو قبروں میں دفن ہیں" اس حدیث میں بھی حضرت عائشہ رضؓ نے پہلے اصول پر عمل فرمایا اگرچہ بعض علماء اس حدیث کو صحیح تصور کرتے ہیں۔ سماع اسماع کا فرق کیا ہے؟ اور متاخرین نے

۱۱ شاہ محمد اسحاق رحؒ

مائۃ مسائل ص ۲۳ میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ نے کافی، فتح القدیر، مستخلص، کفایہ وغیرہ کتب کا حوالہ دے کر فرمایا نزد اکثر حنفیہ سماعت موتیٰ ثابت نیست

۱۲ محمد بشیر الدین قنوجی رحؒ

محمد بشیر الدین قنوجی رح (تلمیذ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ و مصنف کشف المبہم شرح مسلم الثبوت) نے تفہیم المسائل ص ۵۰۸ میں لکھا ہے سب فقہاء کا عدم سماع موتیٰ پر اتفاق ہے

۱۳ مولوی محمد ابراھیم دھلوی رحؒ

مولوی محمد ابراہیم دہلوی نے کشف المغالطات ص ۱۴۶ میں لکھا ہے مذہب حنفیہ میں سماعتِ موتےٰ ثابت نہیں ہے۔

۱۴ مولٰنا رشید احمد الگنگوھی رحؒ

الحاصل ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد۔ پس احادیثِ سماع میں تاویل مناسب ہے۔

۱۵ مفتی عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دار العلوم دیو بند

مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے اصحاب کا عدم سماع اموات کا ہے

وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت قال اللہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسماع کو سماع لازم ہے اسی لئے عدم سماع کی دلیل قرآن مجید کی یہی آیت بیان کیا۔

۱۶ فقیہ ابو اللیث

۲۳ فقیہ ابو اللیث نے انک لا تسمع الموتیٰ کی تفسیر فرمائی کہ کفار کو مثال دی کہ جیسے مردہ کو تو سنا نہیں سکتا ایسے ہی کفار کو تو سمجھا نہیں سکتا۔ ذا مثل ضربہ للکفار فکما انک لا تسمع الموتیٰ کذلک لا تفقہ کفار مکۃ (عمدۃ القاری ص۳۳۲ ج۳)

۱۷ ابن الھمام

ابن ہمام رح نے فتح القدیر ج ص ۴۶۱ میں لکھا ہے۔ لانہ لا یسمع فلا یفہم میت تو کچھ نہیں سنتا اس لئے اس کا فہم بھی نہیں ہے اور ج ۱ ص ۴۶۹ میں کہا عند اکثر مشایخنا ہو ان المیت لا یسمع علی ما صرحوا فی کتاب الایمان ہمارے اکثر حنفی مشایخ کے نزدیک مردہ نہیں سنتا چنانچہ انہوں نے کتاب الایمان میں اس مسئلہ کو صراحت سے بیان کیا ہے

۱۸ صاحب کفایہ

کفایہ میں ہے ان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت یعنی کسی سے بات کرنے سے مقصد ہوتا ہے اس کو سمجھانا۔ اور سمجھانا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ سُنے۔ اور مرنے کے بعد مُردے کا سننا متحقق نہیں ہے (کفایہ جلد ۲ ص ۱۴۲)

۱۹ صاحب عنایہ

عنایہ میں یہی ہے لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ کسی سے گفتگو کرنے کا مقصد ہوتا ہے اس کو سمجھانا اور موت اس کے منافی ہے

۲۰ عینی

عینی نے شرح کنز میں لکھا ہے کلام سمجھانے کے لئے ہوتی ہے سو یہ بات میت میں متحقق نہیں ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے والکلام للافہام فلا یتحقق فی المیت اور شرح ہدایہ میں لکھا ان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باہل للاسماع الا ترنی الی قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ والی قولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور مقصد گفتگو کا ہوتا ہے دوسرے کو سنانا اور میت اس کا اہل ہی نہیں دیکھو قرآن کی یہ آیتیں۔

۲۱ مجمع الانہر

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں لکھا ہے والمقصود فی الکلام الافہام والموت ینافیہ (ج ۱ ص ۵۵۱)

۲۲ ابن نجیم

ابن نجیم نے بحرالرائق ج ۴ ص ۳۶۳ میں لکھا ہے المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ

۲۳ شرنبلالی

شرنبلالی نے مراقی الفلاح ص ۳۴۲ میں لکھا ان المیت لایسمع عندہم حنفیہ کے نزدیک مُردہ نہیں سنتا۔

۲۴ طحطاوی

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح کے حاشیہ میں امام طحطاوی نے لکھا ہے کہ ان المیت لایسمع عندہم یعنی حنفیہ کے نزدیک میت کچھ نہیں سنتا (ص ۳۴۳) طحطاوی بر درمختار ص ۳۸۳/۲ المیت لایسمع ولایفہم (ص ۱۱۱)

۲۵ شامی

شامی ج ۳ ص ۱۷۰ میں ہے المیت لایسمع (میت نہیں سنتا) اور بعض مطبوعوں میں صفحہ ۱۸۰،

۲۶ میر سید سند

میر سید سند نے شرح مواقف مصری ج ۴ ص ۱۶۳ میں لکھا ہے لانزاع فی ان المیت لایسمع یعنی کسی کا اس مسئلہ میں کوئی نزاع جھگڑا ہے ہی نہیں کہ مردہ نہیں سنتا۔

۲۷ فتاوی غرائب

فتاوی غرائب قلمی ورق ۷۶، ص ۱ میں ہے استماع المیت محال مُردہ کا سننا محال اور ناممکن ہے

۲۸ الفصول

الفصول فی علم الاصول میں ہے مرنے کے بعد مردہ میں افہام والی صورت نہیں پائی جاتی

۲۹ نظم الدلائل

نظم الدلائل میں ہے ان الذین فی القبور لایسمعون بایکونون موتی قبروں میں مدفون لوگ اس لئے نہیں سنتے کہ وہ مرچکے ہیں

۳۰۔ صاحب ھدایہ

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے وکذا الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ یعنی مخاطب سے بات کرنے کا مقصد ہوتا ہے مخاطب کو سمجھانا اور موت اس کے منافی ہے

۳۱۔ کشف الحقائق شرح کنز الدقائق ص ۵۷،۲ پر علامہ عبد الحکیم دمشقی حنفی نے حنفیہ کا مذہب عدم سماع موتی آیت کریمہ سے ثابت کر کے قلیب بدر والی حدیث کا جواب دیا اما کلامہ علیہ السلام اہل القلیب فقد کانت معجزۃ لہ علیہ السلام یعنی قلیب بدر میں ڈالے گئے مُردوں سے آپ کا باتیں کرنا یہ آپ کا معجزہ تھا

۳۲۔ ملا مسکین شرح کنز الدقائق صفحہ ۳۴۲ میں ملا مسکین نے بھی حنفیہ کا مذہب عدم سماع موتی آیت کریمہ سے ثابت کیا

۳۳۔ ابو السعود نے حاشیہ میں حدیث بالا کا جواب دیا ولئن ثبت فھو مختص بہ علیہ السلام اول تو اس حدیث کا یہ مطلب ہی نہیں جو تبادر ذہن سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر اس حدیث کا مطلب یہی ثابت ہو تو یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ (اس پر دوسرے مُردوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا)

۳۴۔ علامہ شامی نے بھی فرمایا کہ یہ کلام کرنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انہی کے ساتھ مخصوص تھا اور یہ آپ کا معجزہ تھا

۳۵۔ طحطاوی نے در مختار کے حاشیہ میں لکھا کہ یہ بہترین جواب ہے کہ یہ آپ کا معجزہ تھا احسن ما اجیب بہ انہ کان معجزۃ لہ علیہ السلام

۳۶۔ مستخلص شرح کنز میں بھی یہی جواب ہے قد تکلم اصحاب القلیب ۔۔۔۔ فھو معجزۃ لہ

۳۷۔ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ص ۳۲۶ بھی ہے واجابوا بانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام

۳۸۔ اکمل رح کا جواب علامہ عینی رح نے بنایہ شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اکمل رح چونکہ سماع موتی کے قائل نہیں ہیں اس لیے قلیب بدر والے مُردہ مشرکوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہونے

کے بارے جو اشکال وارد ہوتا ہے اس کا جواب دیتے ہیں احباب الاکمل بان کان معجزۃ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ یہ آپ کا معجزہ تھا۔

۳۹ سکاکی نے بھی یہی جواب دیا کہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان من خصوصیاتہ معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم
۴۰ صاحب عنایہ نے بھی یہی جواب دیا کان ذلک معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم
۴۱ النہر الفائق میں ہے احسن ما اجیب بہ انہ کان معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بہترین جواب ہے کہ یہ آپ کا معجزہ تھا۔

۴۲ کفایہ ج ۲ ص ۴۶۲ میں ہے اگر حدیث کا یہی مفہوم صحیح ہو تو آں حضرت کا معجزہ ہے ثم لو صح کان ذلک معجزۃ لہ صلے اللہ علیہ وسلم

۴۳ ابن الہمام نے بھی فتح القدیر میں کئی جوابوں میں سے ایک جواب یہ دیا و بانہ مخصوص باولئک
۴۴ بھجۃ المحافل ص ۱۰۷ میں تذکرہ میں سے قرطبی کا قول نقل کیا ما انتم باسمع من ہؤلاء لما اقول منہم (ماننے میں کچھ اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت سن لیتے ہوں کیونکہ عام کو خاص کرنا ممکن ہے اور صحیح ہے بشرطیکہ کوئی مخصص دلیل موجود ہو اور اس جگہ مخصص موجود ہے یعنی حدیث قلیب بدر)

۴۵ قرطبی اپنے مسلک میں رہ کر بات کر رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک عام ادلۂ ظنیہ میں سے ہے جس کو خبر واحد اور قیاس سے تخصیص کرنا جائز ہے دیکھو توضیح ج ۱ ص ۲۰۱۔

لیکن ہمارے نزدیک عام غیر مخصوص منہ البعض قطعی ہوتا ہے اور قطعی کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے ناجائز ہے دیکھو توضیح ج ۱ ص ۲۰۴۔

۴۶ مصنف مجموعہ رسائل ص ۳۸۵ نے لکھا المیت غافل عاجز لا یسمع ولا یبصر یعنی مردہ اہل دنیا کے حالات سے بے خبر ہے اور عاجز و بے بس ہے وہ اہل دنیا کی نہ کوئی بات سنتا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھتا ہے۔
۴۷ علامہ عبد الحکیم دمشقی نے کشف الحقائق شرح کنز الدقائق ص ۲۷۵ میں لکھا واما نداءہ علیہ السلام اہل القلیب فقد کانت معجزۃ لہ علیہ السلام مردے نہیں سنتے البتہ حضور علیہ السلام کا اہل قلیب والوں سے کلام کرنا جو تھا وہ آپ کا معجزہ تھا۔

۴۸ مصنف النہر الفائق نے لکھا ہے احسن ما اجیب بہ انہ کان معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلب یہ ہے کہ مردے سنتے تو نہیں اور بدر کے مقتولوں کے بارے احسن جواب یہ ہے کہ ان کا سننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔

۴۹ تفہیم المسائل صفحہ ۵۰۸ میں ہے فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فقہاء کا مذہب عدم سماع موتی ہے اور فقہ کی اکثر کتب سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ عدم سماع متفق علیہ (اور اجماعی) قول ہے۔

مفسرینِ کتابِ مبین کا موقف

۱ خفاجی رحمہ نے بیضاوی کی تفسیر ج ۷، ص ۱۲۰ کے حاشیہ میں لکھا ہے اکثر مشایخنا علی ان المیت لا یسمع یعنی ہمارے اکثر مشائخ اسی عقیدہ پر رہے ہیں کہ مردہ کچھ نہیں سنتا۔

۲ امام رازی رحمہ اللہ شافعی المذہب نے اپنی تفسیر کبیر ج ۶ ص ۴۰۱ میں لکھا والمیت لا یدرک شیئا مردہ کسی چیز کا کچھ ادراک نہیں کر سکتا۔ اور ج، ص ۲۹ میں لکھا اما الاحیاء والاموات فالتفاوت بینھما اکثر اذ ما من میت یساوی فی الادراک حیا من الاحیاء فذکر ان الاحیاء لا یساوی الاموات یعنی مردوں اور زندوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ کوئی مردہ ایسا نہیں جو ادراک میں کسی ایک زندے کے مساوی ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ زندے مردے مساوی نہیں ہیں

۳ زمخشری نے کشاف جلد ۲ صفحہ ۱۲ میں کہا الموتی لا یسمعون مردے نہیں سنتے

۴ علامہ نیشاری نے اپنی تفسیر جلد ۷، ص ۱۲۰ میں یہی لکھا

۵ جامع البیان صفحہ ۲۱۱ میں یہی لکھا ہے

۶ علامہ بیضاوی رحمہ نے پارہ ۲۰ صفحہ ۱۸۶ میں

امام رازی نے تفسیر جلد ۴ ص ۵۳ و پارہ ۲۰ صفحہ ۴۴۰ میں

۷ مفسر ابوالسعود نے جلد ۴ صفحہ ۵۰۸

۸ مفسر خازن نے جلد ۲ صفحہ ۱۴ ان المیت لا یسمع ولا یتکلم میت نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے

۹ بغوی نے معالم التنزیل پارہ ۲۰ صفحہ ۳۰۵ المیت الذی لا سبیل الی سماعہ میت وہی جس کے سننے کی کوئی صورت نہیں

۱۰ مفسر نسفی حنفی نے مدارک التنزیل صفحہ ۲۰۳ میں لکھا واما قبل ذلک فلا یعنی قیامت سے پہلے پہلے تو میت سن نہیں سکتا۔

۱۱ مفسر ابن کثیر نے تفسیر جلد ۹ صفحہ ۶۱۵ میں لکھا لا تتحرک ولا تسمع ولا تبصر مرنے کے بعد مُردے نہ حرکت کر سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں

۱۲ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح نے تفسیر مظہری جلد ۷ صفحہ ۲۵۳ میں لکھا کہ مُردے سنتے تو نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہے زندوں کا کلام مُردوں کو سنا دے۔ یہ اس کی مرضی ہے۔

۱۳ علامہ آلوسی رح نے تفسیر جلد ۲۶ صفحہ ۷ میں لکھا المیت لیس من شانہ السماع ولا تحقق منہ السماع الا معجزۃ کسماع اہل القلیب۔ سننا میت کا کام نہیں اور میت کا سننا متحقق ہے البتہ بطور معجزہ کے (یا کرامت کے) میت سن لے تو وہ اور بات ہے جیسے بدر میں گندے کوئیں میں پڑے ہوئے مشرک مقتولوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سن لیا تھا۔

۱۴ مفسر ابن جریر رح جلد ۲ صفحہ ۱۱ میں الموتی الذین لا یسمعون صوتا ولا یعقلون دعاء ولا یفقھون قولا۔ مردے جو نہ آواز سنتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا ادراک کر سکتے ہیں اور نہ کسی کی بات سمجھ سکتے ہیں۔

۱۵ صاحب قاموس نے تنویر المقباس صفحہ ۶۸۷ پارہ ۹ میں لکھا لا یسمعوا ولا یجیبوا لانھم اموات غیر احیاء وہ جن کو تم پکارتے ہو نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ اموات (مُردہ) ہیں زندہ نہیں ہیں؛

۱۶ ابن جزی کلبی محمد بن احمد نے کتاب التسہیل لعلوم التنزیل جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ میں لکھتے ہیں۔ النائم کالمیت فی کونہ لا یبصر ولا یسمع یعنی نہ سننے اور نہ دیکھنے میں سونے والا بھی میت کی طرح ہی ہوتا ہے۔

۱۷ صاحب المنوذج جلیل نے صفحہ ۳۰۹ میں لکھا کہ قوم صالح ؑ جب رجفہ کے عذاب سے ہلاک ہو گئی تھی تو صالح ؑ ان ہلاک شدہ مردہ کفار کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بھائیو! میں نے تو اپنے رب کے احکام تم کو پہنچا دیے تھے اور تمہاری خیر خواہی کی تھی مگر تم پر کچھ ایسی شامت سوار تھی کہ تم خیر خواہوں کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتے۔ اس مقام پر اگر کوئی سوال اٹھائے کہ زندہ آدمی کا مرے ہوئے لوگوں کو خطاب کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے کیونکہ یہ بے سود ہے کہ مردے سنتے نہیں پھر ان سے گفتگو

کرنا چہ سود؟) تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام کا یہ کلام عرف اور محاورہ کے موافق ہے کیونکہ جب کوئی آدمی کسی کو نصیحت کرے اور وہ نہ مانے حتیٰ کہ قتل ہو جائے یا سولی چڑھا دیا جائے اور اس جگہ سے وہ نصیحت کرنے والا گذرے اور کہے میں نے تجھے کس قدر نصیحت کی تھی۔ مگر تُو نے میری ایک نہ سُنی حتے کہ اب تجھے یہ تکلیف پہنچی (تو اس گفتگو کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مقتول یا مصلوب اس کی یہ گفتگو سُن سمجھ رہا ہے بلکہ) اس کی اس گفتگو کا فائدہ ہوتا ہے زندہ سننے والے حاضرین کو نصیحت ماننے پر برانگیختہ کرنا کہ اے زندہ حاضر لوگو! تم اب میری نصیحت سے روگردانی نہ کرنا ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا جو اِن کے ساتھ ہوا۔

جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں تراویح کی نماز با جماعت پڑھنے والوں کو دیکھ کر فرمایا اے عمر بن الخطاب! اللہ تیری قبر کو منور کرے جیسے تُو نے ہماری مسجدوں کو منور کیا (دیکھو سیرت حلبیہ) تو یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنانا نہ تھا۔ بلکہ آپ کا مقصد تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرنا اور سامعین کو اس نیک عمل کی ترغیب دینا

اسی طرح حضرت شعیبؑ کا اپنی کافر قوم کی ہلاکت کے بعد حضرت صالحؑ کی طرح گفتگو کرنا اس مردہ قوم کو سنانے کے لیے نہ تھا بلکہ حاضرین کو سمجھانا مقصود تھا

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب انموذج جلیل کا بھی یہی مسلک ہے کہ مُردے نہیں سُنتے۔

۱۰ علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی جلد ۶ صفحہ ۴۵۵ میں لکھا ففیہ تنبیہ قوی علی ان الاصل فی الموتی انہم لایسمعون پس اس عبارت میں قوی تنبیہ ہے اس امر پر کہ موتیٰ کے بارے اصل تو یہی ہے کہ وہ نہیں سُنتے۔

۱۱ عبدالحق بن غالب ابن عطیہ محاربی غرناطی فقیہ مفسر (متوفی ۵۴۲ھ) کا قول تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۲۳۲ میں منقول ہے کہ واقعہ بدر میں (اہل قلیب کا سننا) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اگر آپؐ یہ نہ فرماتے کہ یہ مُردے سُن رہے ہیں تو ہم آپؐ کی ندا کا یہ مطلب لیتے کہ یہ باقی ماندہ کافروں کی توبیخ ہے یا مؤمنین کے دل کو تسلی ہے عبارت یہ ہے فیشبہ ان قصۃ بدر خرق عادۃ لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی ان رد اللہ الیہم ادراکا سمعوا بہ مقالتہ ولولا اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسماعہم لحملنا نداءہ ایاہم علی

متنی الا تبیخ لمن بقی من الکفرۃ وعلی معنی شفاء صدور المؤمنین

۲۰ صاحب فتح البیان نے کہا ہے کہ سماع موتیٰ کی نفی کے ظاہر سے تو عموم معلوم ہوتا ہے۔ مولانا عبدالستار محدث دہلوی نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۴۹۷ میں اسی طرح لکھا ہے۔

مترجم معجز نما کلاں قرآن مجید ص ۵۳۵ میں ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں"۔ اور اسی قرآن پاک کے مقدمہ ص ۱۴۱ میں ہے "حضرت عائشہ رض و دیگر بعض صحابہ رض اور نیز امام اعظم ابوحنیفہؒ اہلِ قبور کے سننے کے قائل نہیں ہیں"

۲۲ سحبان الہند مولانا احمد سعید ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند رحمہ اللہ کشف الرحمٰن ص ۶۵۴ میں فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت (ما انت بمسمع من فی القبور سے مُردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے۔ اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے

نیز ۲ ص ۵۰۸ میں لکھتے ہیں مُردے میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

اور اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا کہ سویا مُرا برابر ہے (یعنی عدم ادراک میں)

۲۰ جامع القرآن کے مصنف مفسر نے کہا الکفار کالموتیٰ لا یسمعون کفار بھی ان مُردوں کی طرح ہیں جو سنتے نہیں ہیں اس تفسیر کا حوالہ تفہیم المسائل ص ۹۲ میں محمد بشیر الدین قنوجی رح نے دیا ہے

۲۳ ابن حیان اندلسیؒ نے البحر المحیط جلد ۴ صفحہ ۱۱۷ و ۱۱۸ میں لکھا ہے انما یستجیب الذین یسمعون یعنی الذین تحرص علی ان یصدقوک بمنزلۃ الموتیٰ الذین لا یسمعون وانما یستجیب من یسمع کقولہ انک یعنی جن لوگوں کے بارے آپ کو حرص ہے کہ وہ آپ کے مسئلہ توحید کی تصدیق کریں وہ تو بمنزلہ موتیٰ (مُردوں) کے ہیں جو نہیں سنتے اور مانتے وہی ہیں جو سنیں۔ آگے فرمایا موتیٰ (سیاں مراد) کفار ہے۔ کفار کو موتیٰ اسی طرح کہا گیا ہے جس طرح کفار کو بہرے اور گونگے کہا گیا اور کفار کو موتیٰ سے تشبیہ اس لیے ہے کہ میت روح سے خالی ہوتا ہے

۲۱ نواب قطب الدین (تلمیذ شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ ومؤلف مظاہر حق شرح مشکوٰۃ) نے جامع التفاسیر سورۃ فاطر ص ۱۱۰ میں لکھا ہے۔ مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع ہے بدلیل آیت انک لا تسمع الموتیٰ

۲۶ جمل نے جلالین کی شرح پارہ ۲۴ صفحہ ۶۰۳ میں لکھا موت کی حالت میں توفی النفس کی صورت یہ ہے کہ موت پیدا کرتا ہے اور ہر قسم کی حس کلی طور پر زائل کر دیتا ہے اس میں حس سننے اور دیکھنے اور بولنے وغیرہ کی سب ہی آگئیں

۲۷ تفسیر مراغی پارہ ۲۴ صفحہ ۱۱ میں ہے موت کے ساتھ قبض روح ہوتا ہے تو جسم سے اس کا تصرف کرنے والا تعلق کٹ جاتا ہے (اور پھر روح اس جسم میں واپس نہیں آتی) جب روح نہ ہو تو سننا کیسے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ) پارہ ۲۲ صفحہ ۱۲۳ میں کہا کہ مشرکوں کی مثال بیان کی اور ان کو مردوں جیسے بتایا کہ وہ نہیں سنتے

۲۸ تفسیر قاسمی مسمی بہ محاسن التاویل صفحہ ۵۱۴۳ میں فیمسک التی قضی علیہا الموت کا مطلب بتایا ای فلا یردہا الی بدنہا الی یوم القیٰمۃ قیامت تک بدن کی طرف روح کو واپس نہ کرے گا۔ (اور ظاہر ہے کہ جب اس جسد عنصری میں روح قیامت تک نہ آئے گی تو یہ بڑا دھڑ کیا سنے گا؟)

۲۹ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے ولا یردہا الی البدن حتی ینفخ نفخۃ البعث اللہ اس بدن کی طرف روح کو واپس نہ کرے گا حتیٰ کہ بعث کے وقت نفخ صور ہو گا۔

۳۰ علامہ قرطبیؒ نے لا یسمعوا دعاءکم مفہوم صفحہ ۵۴۱۰ میں لکھا وہ تمہاری پکار اس لیے نہیں سنتے کہ لانہا جمادات لا تبصر ولا تسمع وہ بے جان ہیں۔ نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ آیت بتوں کے حق میں وارد ہوئی ہے اس کا جواب دیا ثم یجوز ان یرجع ہذا الی المعبودین مما یعقل کالملائکۃ والجن والانبیاء والشیاطین ای یجحدون ان ما فعلتموہ حقا وانہم امروکم بعبادتہم کما اخبر من عیسیٰ بقولہ ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ ویجوز ان یندرج فیہ الاصنام ایضا ای یحییہا اللہ حتی تخبر انہا لیست اہلا للعبادۃ مطلب یہ ہے کہ الذین تدعون من دونہ سے مراد عقلمند معبود بھی لے سکتے ہیں جیسے فرشتے جن نبی (ولی) شیاطین ..... الخ

۳۱ صفوۃ التفاسیر پارہ ۲۴ صفحہ ۸۲ میں محمد علی صابونی نے فیمسک کا مفہوم لکھا فلا یردہا الی البدن

۳۲ جامع البیان جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ میں کہا ای لا یردھا الی جسدھا
ان سب کا مطلب یہی ہے کہ قیام قیامت تک روح اس بدن عنصری کی طرف واپس نہیں لوٹائی جاتی اور اگر روح اس بدن عنصری کی طرف واپس آجائے تو دوبارہ بدن میں جان پڑنے سے بندہ زندہ ہو جائے اور اسی کو بعث کہتے ہیں اور قیامت سے پہلے بعث نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون پھر تمہارے مرنے سے کافی مدت بعد تمہارا زندہ اٹھا کھڑا کرنا صرف قیامت کے روز ہی ہوگا اس سے پہلے بعث نہیں ہوگا۔

۳۳ علامہ مفسر سہانگی رح نے تفسیر تبصیر الرحمٰن ج ۲ ص ۱۰۹ میں لکھا ہے حین موتہا ای مفارقتہا الابدان بابطال تصرفہا بالکلیۃ (موتِ نفس کے وقت یعنی جب ارواح بدنوں سے جدا ہو جاتے ہیں تو ارواح کا بدنوں سے کلی طور پر تصرف ختم ہو جاتا ہے (تو کان آنکھ وغیرہ سب بے کار ہو جاتے ہیں)

۳۴ مولانا ذوالفقار احمد صاحب نے ترجمان القرآن بلطائف البیان ج ۲۲ صفحہ ۱۰۹ میں لکھا ہے کہ جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا وہ تمہاری پکار کو سنتے نہیں ہیں اس واسطے کہ وہ جماد ہیں۔ ان میں روحیں نہیں ہیں

سونے والے کو میت سے تشبیہ

۱ محمد علی صابونی نے صفوۃ التفاسیر پارہ ۲۴ صفحہ ۸۲ میں لکھا لان النائم کالمیت فی کونہ لا یسمع ولا یبصر نہ سننے اور نہ دیکھنے میں سویا ہوا بھی مرے ہوئے کی طرح ہے

۲ تفسیر ابوالسعود میں ہے علی طریقۃ التمثیل المبنی علی تشبیہ الانامۃ الثقیلۃ المانعۃ عن وصول الاصوات الی الاذان بضرب الحجاب علیہا یعنی اس قدر گہری نیند سلانا جو کانوں تک آواز پہنچنے سے مانع ہو

۳ تفسیر بیضاوی جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ میں ہے ای ضربنا علیہم حجابا یمنع السماع بمعنی انمناھم انامۃً لا تنبہھم فیہا الاصوات یعنی ہم نے ان پر ایسا پردہ ڈالا جو سننے سے مانع ہو یعنی ہم نے ان کو ایسا سلایا جس میں آوازیں ان کو نہ جگا سکیں۔

۴ سید امیر علی ملیح آبادی نے مواہب الرحمٰن پارہ ۱۵ صفحہ ۲۲۱ میں فضربنا علیٰ اذانھم فی الکھف کے معنے لکھے ہم نے ان کو کہف میں سُلا دیا۔ گویا ان کے کانوں کو آوازیں سننے سے بند کر دیا جو گہری نیند میں ہوتا ہے۔ تو یہ کنایہ ہے کہ ان کو گہری نیند سے سُلا دیا

۵ امام رازی نے اپنی تفسیر پارہ ۱۵ صفحہ ۱۸۱ میں لکھا تقدیر الکلام انہ تعالیٰ ضرب علیٰ اذانھم حجابا یمنع من ان تصل الیٰ اسماعھم الاصوات الموقظۃ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر ایسا پردہ ڈال دیا جو اُن کے کانوں تک جگا دینے والی آوازوں کے پہنچنے سے مانع ہو۔

۶ عبدالماجد دریا بادیؒ نے تفسیر ماجدی ص ۸۰۰ میں لکھا "اور بعض محققین نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ تسمیع باب افعال سے ہے یعنی تم ان میں قوت سماع نہیں پیدا کر سکتے۔ اور سماع عادی جو نام ہے تصادم صوت و سامعہ کا وہ ظاہر ہے کہ مُردوں میں مفقود ہے۔

محدثین کرام کا موقف

امام عزالدین بن عبدالسلام بھی اجساد کے سماع کا قائل نہیں بلکہ ارواح کے سماع کا قائل ہے چنانچہ انہوں نے امالی میں لکھا انا امرنا بالسلام علی القبور ولولا ان الارواح تدرک لما کان فیہ فائدۃ یعنی ہمیں قبروں پر سلام کہنے کا حکم ملا ہے اگر روحیں ادراک نہ کرتی ہوتیں تو سلام کہنا بے سود ہوتا اور شارع ایسے بے سود حکم دینے سے منزہ اور پاک ہیں۔

۲ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۳۰۰ میں کتاب المغازی کے حوالے سے محدث بیہقی رحمہ اللہ کا مسلک لکھا علم سماع کو نہیں روکتا۔ اور آیت کریمہ کا جواب یہ ہے کہ مُردے مُردہ ہونے کی حالت میں نہیں سنتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کا کلام سن لیا جیسے قتادہؓ نے فرمایا ہے

حضرت محمد باقر تابعی محدث

حضرت محمد باقر بن زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے مرسلاً صحیح الاسناد روایت علامہ عینی رحمۃ اللہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۵۵ میں نقل فرمائی ہے کہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یسب قتلی بدر من المشرکین قال علیہ السلام لا تسبوا ھؤلاء فانہ لا یخلص الیھم شئ مما تقولون وتؤذون الاحیاء یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرک مقتولوں کو گالی دینے سے منع فرمایا تھا جو بدر کے میدان میں مارے گئے تھے اور فرمایا کہ تمہاری بات ان تک تو پہنچ نہیں سکتی (خواہ ان کی قبروں کے پاس جاکر کہو) البتہ ان گالیوں سے ان کے اعزہ واقارب اور دوستوں کو ایذا رسانی ہوگی۔

۲۔ محدث سہیلی رح

امام سہیلی رحمہ اللہ کا قول حافظ ابن حجر عسقلانی رح نے فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۳ میں نقل فرمایا ہے ان فی نفس الخبر ما یدل علی خرق العادۃ بذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لقول الصحابۃ رض لہ صلی اللہ علیہ وسلم اتخاطب اقواما قد جیفوا یعنی بدر کے کنوئیں میں مردہ پڑے ہوئے مشرکوں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے کی جو حدیث ہے اس میں اس امر پر یہ دلیل قائم ہے کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جو عام عادت کے بالکل خلاف تھا۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ صحابہ رض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقتولین بدر سے براہِ راست خطاب فرماتے ہوئے دیکھ کر بڑے متعجب ہو کر آپ سے یہ دریافت کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ آیا آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہو رہے ہیں جو مر چکے ہیں اور مرنے کے بعد ان کے اجساد سے تعفن اور سڑاند پھیل رہی ہے۔ (ایسوں میں روح کہاں ہے اور بغیر روح کے یہ سن کیسے سکتے ہیں)

۳۔ محدث مازری رح

علامہ محدث مازری رح کا قول محدث نووی رح کے حوالہ سے علامہ طیبی رح نے صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۶ کے حاشیہ پر نقل فرمایا ہے کہ بعض کا خیال ہے کہ اس حدیث (قلیب بدر والی) کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ میت سنتی ہے مگر یہ خیال منظور فیہ ہے کیونکہ یہ سننا صرف انہی

مردوں کے ساتھ مخصوص ہے جو قلیب بدر میں ڈالے گئے تھے قیل ان المیت لیسمع عملا بظاہر ہذا الحدیث وفیہ نظر لانہ خاص فی حق ہؤلاء معلوم ہوا کہ ما زریؒ بھی عدم سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں

حسین بن عبداللہ بن محمد طیبی رح شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں ان المانع من العرض والسماع ہو الموتُ یعنی دنیا والوں کا میت کو صلوٰۃ وسلام پیش ہونے اور دنیا والوں کا کلام وسلام میت کو سننے سے روکنے والی چیز موت ہے (جو حشر و نشر تک قائم رہے گی)

علامہ تورپشتی رح بھی شرح مشکوٰۃ میں بعینہ وہی عبارت لکھتے ہیں جو طیبیؒ نے لکھی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۰ میں شیخ ابن ہمام رح کا حوالہ دے کر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اکثر مشایخ حنفیہ بر آن اند کہ میت نہ شنود۔

مولنا عبدالحی صاحب لکھنوی رح نے مجموعۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۳۴ میں لکھا ہے "فقہائے حنفیہ ما دریں بارہ مختلف اند۔ اکثر قائلِ عدمِ جواز اند بنا برین کہ سماعِ موتیٰ ثابت نیست چنانکہ در کتاب الایمان فتح القدیر حاشیہ ہدایہ و در مستخلص شرح کنز وکفایہ شرح ہدایہ و درمختار و دیگر فتاویٰ صراحۃً واشارۃً نوشتہ است ہر کہ خواہد بہ بیند۔ و واضح باد کہ ہمیں مذہب اکثر فقہاء قابلِ فتویٰ زمانۂ ما است۔ چرا کہ دریں احتیاط است۔ یعنی ہمارے حنفی فقہاء اس بارے میں مختلف ہیں۔ اکثر عدمِ جواز کے قائل ہیں اس لئے کہ سماعِ موتیٰ ثابت نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ واضح ہو کہ یہی مذہب اکثر فقہاء کا ہمارے زمانہ میں فتویٰ کے لائق ہے۔ کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔

شیخ عبدالرؤف مناوی شافعی رح نے فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ان المیت اذا دفن لیسمع خفق نعالہم اذا ولوا منصرفین پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے وعورض بقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور واجیب بان السماع فی حدیثنا مخصوص باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال" یعنی یہ حدیث قرآن کریم کے خلاف ہے تو اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث میں سماع صرف اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے جو وقت منکر نکیر کے سوال کی خاطر قبر میں رکھنے کا ہوتا ہے۔ ورنہ تو اس خاص وقت کے ماسوا مردے نہیں سنتے (الآیات ص ۹۸) اجیب سے اشارہ کیا کہ یہ جواب ضعیف ہے۔ اصل جواب گنگوہیؒ کا ہے

۱۰۔ حضرت ابن ہبیرہؒ

ابن ہبیرہ (یحییٰ بن ہبیرۃ بن محمد بن ہبیرۃ الذہلی وزیر عون الدین (مولود ۴۹۹ھ متوفی ۵۶۰ھ) حنبلیؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ سوال رُوح ہی سے ہوگا اور روح اس جسدِ عنصری کی طرف واپس نہیں آتا۔
اور ظاہر ہے کہ قبر میں پڑا ہوا ہے جہاں دھڑ نہیں سنتا۔ (الآیات البینات ص ۹۲)

۱۱۔ حضرت زرقانیؒ

علامہ زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا امام مالکؒ کی شرح میں فصل جامع للوضوء ج ۱ ص ۶۳ میں ابوہریرہؓ کی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون کے تحت لکھا ہے قال الباجی وعیاض یحتمل انہم اُحیوا له حتی سمعوا کلامه کاهل القلیب ویحتمل ان یسلم علیهم مع کونهم امواتا لامتثال امته ذلك بعده. قال الباجی (فی المنتقی ج ۱ ص ۶۹) وهو الاظهر یعنی ہو سکتا ہے کہ قلیبؔ والوں کی طرح انہیں بھی زندہ کیا گیا ہو اور ممکن ہے کہ امت کو سمجھانے کے لیے ہو۔ باجی و قاضی بھی قتادہ کے ہمنوا معلوم ہوتے ہیں

۱۲۔ حضرت باجیؒ

سلیمان بن خلف ابوالولید باجی قرطبی اندلسی فقیہ محدث مالکی (متوفی ۴۷۴ھ) اور

۱۳۔ حضرت قاضی عیاضؒ

قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ مغربی مالکی رحمہ اللہ ہر دو نے اس حدیث کی تاویل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف نکلتے وقت ان الفاظ کے ساتھ دعاء فرمائی تھی جن میں خطاب کے صیغے استعمال فرمائے جن سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں دفن شدہ مُردے آپ کا کلام سنتے تھے اور وہ دو طرح کی تاویلیں ہیں ایک تاویل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ قلیب بدر والے مشرکین مقتولین کی طرح ان قبرستان والوں کو محض آپ کی خاطر زندہ کر دیا گیا ہو تاکہ آپ کا کلام سن لیں دوسری تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قبرستان والے میت ہی ہیں (جو آپ کا سلام نہیں سنتے) مگر باوجود اس کے آپ نے تعلیم امت کے لئے ایسا کیا تاکہ میرے بعد میری امت قبرستان والوں کو اس طرح سلام کیا کریں۔ تاویل اسی واسطے کی کہ ان دونوں کا مذہب ہی یہی تھا کہ مُردے نہیں سنتے ورنہ تاویل کی کیا ضرورت تھی خاص کر ایسی تاویلیں جو کہ کمزور قسم کی ہوں۔

۱۴۔ ابن حزم ظاہریؒ

علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی قرطبی حافظ الحدیث بھی عدم سماع موتیٰ کا قائل ہے اسی لئے نہ تو وہ تلقین میت کا قائل ہے اور نہ جسدِ عنصری کی طرف قیامت سے پہلے پہلے عودِ روح کا قائل۔

شرح صحیح مسلم ص ۲۰ میں نووی نے لکھا ہے ان الحیاۃ شرط فی السمع والمیت غیر حی فلا یسمع یعنی سننے کے لئے حیاۃ شرط ہے اور مردہ میں تو حیات ہے نہیں اس لئے مردہ نہیں سنتا

کمال الدین زملکانی رح کا مذہب بلفظ قوۃ المغتذی بر حاشیہ جامع ترمذی صفحہ ۱۹۸ میں منقول ہے کہ حدیث ان ارواح المومنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ میں اس امر کی دلیل ہے کہ روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور جسم فنا ہو جاتا ہے اور اکثر اس کو مٹی کھا جاتی ہے (جب جسم کو مٹی کھا گئی تو نہ کان رہے نہ کان کی قوت سماعت' نہ آنکھ رہی نہ آنکھ کی قوت بصارت' نہ زبان رہی نہ زبان کی قوۃ گویائی، نہ دل رہا نہ دل کی قوۃ فہم و ادراک وغیرہ وغیرہ۔ پھر اس روح کو واپس اس جسم عنصری کی طرف قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوٹائے گا جیسے موطا امام مالک صفحہ ۸۲ میں ہے

عابد الرحمٰن صدیقی مترجم صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۲۷۸ کتاب الزکوٰۃ کے باب وصول ثواب الصدقۃ عن المیت الیہ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت نہیں۔ چنانچہ کافی شرح وافی 'فتح القدیر' عینی شرح کنز' اور کفایہ شرح ہدایہ میں یہ امور صراحۃً مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ اور کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے"

میاں نذیر حسین صاحب (پھاٹک حبش خان دہلی) نے فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۴۳ میں لکھا ہے اما سماع موتیٰ پس ائمہ حنفیہ متفق اند بر نفی آن (مردوں کا اہل دنیا کا کلام و سلام سننے کے بارے تمام حنفیہ کا اس کی نفی پر اتفاق ہے۔ (اور ان حنفیہ کو جو سماع کے قائل ہیں درخور اعتنا نہیں سمجھا)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۷۰ میں لکھا ہے۔ مُردے اجسام بے جان ہوتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے انک لا تسمع الموتیٰ یعنی تیری آواز مُردے نہیں سن سکتے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور

فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۷۱ میں ہے

سوال اولیاء اللہ کے گنبد کے پاس جا کر ان سے دعا کروانا جائز ہے یا نہ ؟

جواب: جائز نہیں کیونکہ وہ سنتے نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ یعنی جن بزرگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔ پھر ان سے دعا کیسی؟ اور کیا فائدہ؟

اور دیگر اکثر محدثین بھی عدم سماع موتٰی کے قائل ہیں اگرچہ قاضی ابوبکر حنبلیؒ جیسے بعض سماع کے قائل ہیں مگر

علماء علم عقائد کا موقف

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۵۹ میں کہا ان المیت لایسمع بنفسہ مُردہ اپنے آپ کچھ نہیں سنتا

علامہ تفتازانیؒ نے شرح المقاصد جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ میں لکھا لانزاع فی ان المیت لایسمع اس بات میں تو کسی ایک کو بھی نزاع اور جھگڑا نہیں ہے کہ مُردہ نہیں سنتا۔

میر سید سندؒ نے شرح مواقف طبع مصر جلد ۴ صفحہ ۱۶۳ میں لکھا ہے لانزاع فی ان المیت لایسمع اس مسئلہ میں کسی ایک کو بھی نزاع اور جھگڑا نہیں کہ مُردہ نہیں سنتا

سراج الایمان صفحہ ۲۱ میں ہے مذہب امام اعظم و اکثر مشایخ ہمارے کا عدم سماع موتٰی ہے و مشکٰوۃ فی صفحہ

مولوی احمد دین بگویؒ نے (تلمیذ شاہ محمد اسحاق رحؒ) دلیل المشرکین ___ میں لکھا ہے والحق ان من انکر السماع انکر الاستمداد عند حضور القبر و من اثبت اثبت والحنفیۃ قائلون بالاول یعنی حق بات یہ ہے کہ قبر کے پاس قبر والے سے مدد مانگنے کا انکار وہی کرتا ہے جو سماع موتٰی کا منکر ہے اور جو سماع موتٰی کو ثابت کرتا ہے وہ قبر کے پاس قبر والے سے مدد مانگنے کا جواز بھی ثابت کرتا ہے۔ اور حضرات حنفیہ پہلی بات کے قائل ہیں یعنی حنفیہ کہتے ہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔

حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی رحؒ نے صراط مستقیم صفحہ ۵۱، ۵۲ میں لکھا ہے قدرتے و قوتے کہ احیائے این عالم را حاصل ہست ایشان (مُردگان) را ہرگز حاصل نیست و اگر فی الواقع ہمیں قسم قوت و قدرت متحقق می بودے و در عبادت مزارات مدعا حاصل می شد، تمام عالم قصد مدینہ منورہ می کرد و سلسلہ تربیت و ارشاد لنوعہ حاصل می شد یعنی دنیا کے زندوں کو جو قدرت اور طاقت ہے وہ قدرت اور طاقت مُردوں کو ہرگز حاصل نہیں۔ اور اگر واقع میں اسی قسم کی قوت

اور طاقت ان مُردوں کو متحقق اور مزاروں کے پڑوس میں مدعا حاصل ہو سکتا تو تمام روئے زمین کے لوگ مدینہ منورہ پہنچنے کا قصد کرتے اور دوسرے مشایخ سے تربیت اور ارشاد کا سلسلہ فضول اور لاحاصل ہوتا۔

عدم سماع موتیٰ پر عقلی دلیل

حضرت مولٰنا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ نے الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ کے ص ۱۹ تا لکھا ہے نمبر ۲ ۔ دلیل عقلی و نقلی میں تعارض کی چار صورتیں عقلاً محتمل ہیں ۱ ایک یہ کہ دونوں قطعی ہوں ۔ اس کا کہیں وجود نہیں ۔ نہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ صادقین (دو سچوں) میں تعارض محال ہے ۲ دوسرے یہ کہ دونوں ظنی ہوں وہاں جمع کرنے کے لئے گو ہر دو میں صرف عن الظاہر کی گنجائش ہے مگر لسان (زبان بولی) کے اس قاعدے سے کہ اصل الفاظ میں حمل علی الظاہر ہے نقل کو ظاہر پر رکھیں گے اور دلیل عقلی کی دلالت کو حجت نہ سمجھیں گے ۳ تیسرے یہ کہ دلیل نقلی قطعی ہو اور عقلی ظنی ہو یہاں یقیناً نقلی کو مقدم رکھیں گے ، ۴ چوتھے یہ کہ دلیل عقلی قطعی ہو اور نقلی ظنی ہو ثبوتاً یا دلالۃً یہاں عقلی کو مقدم رکھیں گے نقلی پر ۔ نقلی میں تاویل کریں گے ، پس صرف یہ ایک موقع ہے درایت کی تقدیم کا روایت پر ۔ نہ یہ کہ ہر جگہ اس کا دعویٰ یا استعمال کیا جائے

شرح

دلیل عقلی کا مفہوم ظاہر ہے اور دلیل نقلی مخبر صادق کی خبر کو کہتے ہیں ...... اور تعارض کہتے ہیں دو حکموں کا ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح خلاف ہونا کہ ایک کے صحیح ماننے سے دوسرے کا غلط ماننا ضروری ہو جیسے ایک شخص نے بیان کیا کہ آج زید دس بجے دن کو دہلی کی ٹرین میں سوار ہو گیا ۔ دوسرے نے بیان کیا کہ آج گیارہ بجے زید میرے پاس میرے مکان میں آکر بیٹھا رہا ۔ اس کو تعارض کہیں گے ، چونکہ تعارض میں ایک کے صحیح ہونے کے بعد دوسرے کا غلط ہونا لازم ہے اس لئے دو صحیح دلیلوں میں کبھی تعارض نہ ہوگا ۔ اور جب دو دلیلوں میں تعارض ہوگا اگر وہ دونوں قابل تسلیم ہیں تب تو ایک میں کچھ تاویل کریں گے یعنی اس کو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا دیں گے اور اس طور سے اس کو بھی مان لیں گے اور دوسری کو اس کے ظاہر پر رکھ کر اس کو مانیں گے ، اور اگر ایک قابل تسلیم اور ایک غیر قابل تسلیم ہے تو ایک کو تسلیم دوسرے کو رد کریں گے مثلاً مثال مذکور میں اگر ایک راوی معتبر دوسرا غیر معتبر ہے تو معتبر کے قول کو تسلیم اور غیر معتبر کے قول کو رد کریں گے ، اور اگر دونوں معتبر ہیں تو دوسرے قرائن سے جانچ کر کے ایک کے قول کو مانیں گے دوسرے کے قول میں کچھ

تاویل کریں گے مثلاً اور شاہد دونوں سے بھی ثابت ہوا کہ زید دہلی نہیں گیا تو یوں کہیں گے کہ اس کو شبہ ہوا ہوگا یا سہو
ہوکر پھر واپس آگیا ہوگا اور اس کی واپسی کی اطلاع نہیں ہوئی وغیرہ ذالک۔

جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھنا چاہیئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلیل نقلی و عقلی میں ظاہراً تعارض ہوتا ہے تو اسی
کے قاعدہ کے موافق یہ دیکھیں گے کہ (الف) دونوں دلیلیں قطعی و یقینی ہیں (ب) دونوں ظنی ہیں یا (ج) نقلی قطعی
ہے اور عقلی ظنی یا (د) عقلی قطعی ہے اور نقلی ظنی خواہ ثبوتاً یا دلالۃً یعنی نقلی کے ظنی ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ
ثبوتاً ظنی ہو (یعنی مثلاً کوئی حدیث ہے جس کا ثبوت سند متواتر یا مشہور سے نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ دلالۃً ظنی ہو
گو ثبوتاً قطعی ہو۔ یعنی مثلاً کوئی آیت ہے کہ ثبوت تو اس کا قطعی ہے مگر اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں اور ان میں سے
جس معنے کو بھی لیا جائے اس آیت کی دلالت اس معنے پر قطعی نہیں۔ یہ معنے ہیں دلالۃً ظنی ہونے کے
یہ چار صورتیں تعارض کی ہوئیں پس صورت (الف) کہ دونوں ثبوتاً و دلالۃً قطعی ہوں اور پھر متعارض
ہوں اس کا وجود محال ہے۔ کیونکہ دونوں جب یقیناً صادق ہیں تو دو صادق میں تعارض کیسے ہو سکتا ہے جس
میں دونوں کا صادق ہونا غیر ممکن ہے۔ کوئی شخص قیامت تک اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتا

اور صورت (ب) میں چونکہ دلیل نقلی مظنون الصدق کے ماننے کے وجوب پر دلائل صحیحہ قائم ہیں جو اصول و
کلام میں مذکور ہیں اور دلیل عقلی مظنون الصدق کے ماننے کے وجوب پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں اس لئے اس وقت
دلیل نقلی کو مقدم رکھیں گے اور دلیل عقلی کو غلط سمجھیں گے اور اس کا مظنون ہونا خود یہی معنے رکھتا ہے کہ ممکن ہے
کہ غلط ہو تو اس کے غلط ماننے میں بھی کسی حکم عقلی کی مخالفت نہیں کی گئی اور اگرچہ اس صورت میں دلیل نقلی کے
ماننے کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ اس کے ظاہری معنے سے اس کو پھیر لیتے مگر چونکہ تاویل بلاضرورت خود
ممنوع ہے اور یہاں کوئی ضرورت تھی نہیں اس لئے اس طریق کا اختیار کرنا شرعاً ناجائز اور بدعت اور عقلاً غیر
مستحسن ہے جیسا اوپر غیر مستحسن ہونے کی وجہ بیان کر دی گئی لقولہ اس کا مظنون ہونا الی قولہ مخالفت نہیں کی گئی
اور صورت (ج) کا حکم بدرجۂ اولیٰ مثل صورت (ب) کے ہے کیونکہ جب دلیل نقلی باوجود ظنی ہونے کے عقلی
ظنی سے مقدم ہے تو دلیل نقلی قطعی تو بدرجۂ اولیٰ عقلی ظنی پر مقدم ہوگی

اور صورت (د) میں دلیل عقلی کو تو اس لئے نہیں چھوڑ سکتے کہ قطعی الصحۃ ہے اور نقلی گو ظنی ہے مگر
چونکہ نقلی ظنی کے قبول کے وجوب پر دلائل صحیحہ قائم ہیں جیسا صورت (ب) میں بیان ہوا اس لئے اس کو

بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ پس اس صورت میں نقلی ظنی میں تاویل کرکے اور عقل کے مطابق کرکے اس کو قبول کرینگے اور یہی خاص موقع ہے اس دعویٰ کا کہ درایت مقدم ہے روایت پر اور صورت (ب) و (ج) میں اس کا دعویٰ واستعمال جائز نہیں جیسا کہ مدلل ومفصل دونوں صورتوں میں اس کا بیان ہو چکا

اور ایک پانچویں اور چھٹی صورت اور نکل سکتی تھی کہ دلیل نقلی ظنی اور عقلی وہمی وخیالی ہو یا دلیل نقلی قطعی اور عقلی وہمی وخیالی ہو، مگر ان کا حکم بہت ہی ظاہر ہے کہ نقلی کو مقدم اور عقلی کو متروک کیا جاوے گا۔ کیونکہ جب عقلی باوجود مظنون ہونے کے مؤخر ومتروک ہے تو وہمی وخیالی تو بدرجۂ اولیٰ متروک ہو گی

اس کی نظیر صورت (ج) کے حکم میں بیان ہوا ہے۔

نیلوی کہتا ہے

اب ما نحن فیہ میں نقلی قطعی دلیل اور عقلی قطعی دلیل ہر دو متحد ہیں اس فیصلہ پر کہ مُردے نہیں سنتے اور نقلی قطعی دلیل قرآنی آیت ہے اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر تم ان مرے ہوئے بزرگوں کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ مرے ہوئے نہیں سنتے کیونکہ ہر ایک دانا جانتا ہے کہ موت کے معنے زوال الحیات کے ہیں خواہ ان کا باہم علاقہ تقابل تضاد کا ہو یا ایجاب سلب کا ہو یا عدم ملکہ کا ہو متقابل متقابل یکجا بیک وقت ایک ہی جہت سے جمع نہیں ہو سکتے اور حیات میں حساس قوت ہوتی ہے اور موت میں حساس قوت منقطع ہو جاتی ہے جب عقل کہتی ہے کہ مرنے کے بعد سارے حواس ظاہریہ (سمع۔ بصر۔ شم۔ ذوق۔ لمس) اور باطنہ (حس مشترک خیال وہم حافظہ قوت متصرفہ) جاتے رہتے ہیں پھر کہنا کہ مُردے سنتے بولتے جانتے پہچانتے ہیں عقل کے نزدیک ممکن نہیں اور دلیل برہانی کی اقسام شستہ میں سے ایک قسم مشاہدات ہے جن میں سے قوت بصر ہم دیکھتے ہیں کہ میت کے جسدِ عنصری میں نہیں ہے اس کی آنکھوں کو مرنے کے بعد بند کر دینے کا حکم ہے زندہ انسان جب آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اس کو کچھ نہیں نظر آتا پھر جب موت کے وقت اس کی روح نکل رہی ہو تو آدمی کی نگاہ اس کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئے ہوتی ہے حتیٰ کہ ساری روح جسم سے نکل جاتی ہے اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اب اس مرنے والے کے جسم میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو اس کی کھلی ہوئی آنکھوں اور کھلے ہوئے منہ کو بند کر دے اب اوپر والے بندوں کو حکم ہے کہ اس کا منہ اور اس کی آنکھیں بند کر دو۔ اگر یہ لوگ منہ اور آنکھیں اس کی بند

نہ کریں اور یوں ہی دفن کر دیں تو میت کے منہ اور آنکھیں کھلی کی کھلی ہی رہیں نہ وہ خود اپنے منہ اور آنکھوں کو بند کر سکتا ہو اور نہ وہ منہ میں جانے والی کسی چیز کو ہٹا سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو دیکھ سکتا ہے اگر کفن چور اس کا کفن اس کے بدن سے کھینچ لیتا ہے تو اُسے ہٹا نہیں سکتا اور اگر کوئی جانور اس کے جسد عنصری کو پھاڑ کھانے کے لئے آتا ہے تو یہ مُردہ نہ خود اسے اٹھ کر ہٹا سکتا ہے اور نہ چیخ چلا کر شور مچاتا ہے تاکہ لوگ اسکی آواز سُن کر اُس موذی جانور کو اُس سے ہٹائیں نہ اس کے آنکھوں میں سے آنسو آتے ہیں نہ کسی کا مارنا اس کو محسوس ہوتا ہے زندہ آدمی اس میت کے ساتھ جو کارروائی کرے اسے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اب جب اس کی آنکھیں بھی بند ہوں پھر اُن پر کفن کا کپڑا بھی لپیٹ دیا جائے پھر اس پر منوں مٹی ڈال کر اُسے بند کر دیا جائے تو اس حالت میں عقل کبھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ اُس میت کو قبر کے پاس آنے والا آدمی نظر بھی آجائے اور وہ اسکو پہچان بھی جائے اور اس کی آواز بھی سُن لے اور وہ مرا ہوا آدمی اس کی آواز کا جواب بھی دے مگر نہ قبر کے پاس آنے والا چلتا پھرتا جیتا جاگتا آدمی باوجود تمام ہوش و حواس اُس مُردہ کو نہ دیکھ سکتا ہو اور نہ اس کے جواب کو سُن سکتا ہو اور جو اُمور مشاہدات کے قبیلے سے ہوں وہ یقینی ہوتے ہیں لہٰذا عقلاً یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ جب زندہ آدمی جو حواس ظاہرہ و باطنہ کے ساتھ متصف ہے وہ قبر میں مدفون کو دیکھ نہیں سکتا اور اس کا جواب نہیں سُن سکتا تو اندر قبر میں مدفون آدمی جس میں حواس ظاہرہ و باطنہ میں سے ایک بھی نہیں ہے سب مفقود ہیں تو وہ دوسرے دنیا میں رہنے والے لوگوں کو کیسے دیکھ پہچان سکتا ہے اور کیسے ان کی آواز سُن سکتا ہے۔

اب رہی وہ حدیث جس سے ثابت ہوتا ہے کہ میت قبر کے اندر سے آنے والے زائر کو دیکھ پہچان بھی سکتا ہے اور زائر کا سلام سن بھی لیتا ہے اور اس کا جواب بھی دیتا ہے یہ حدیث نقلی ظنی الثبوت ہے تو اس قاعدہ کی رو سے کہ "دلیل عقلی قطعی ہو اور دلیل نقلی ظنی ہو ثبوتاً یا دلالۃً تو عقلی کو مقدم رکھیں گے۔ نقلی میں تاویل کریں گے" یہاں بھی دلیل عقلی قطعی کو جو مشاہدات پر مبنی دلائل برہانیہ سے ثابت ہے مقدم رکھیں گے۔

اور دلائل نقلیہ ظنیہ کے متعلق تو اصولِ حدیث میں بھی قاعدہ ہے کہ جو صریح عقل کے خلاف ہو وہ حدیث مقبول نہیں ہوتی۔

نیز یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے اور اس پر سب کا ایمان ہے قرآن پاک کی آیات و احادیث متواترہ و اجماع سے ثابت ہے اور عقلاء کا قول ہے کہ لذات باطنیہ یا تکلیفات باطنیہ لذت و تکلیف حسیہ خارجیہ کی نسبت کہیں زیادہ قوی ہیں جن کے ہوتے ہوئے یہ سب خارجیہ لذات و تکالیف ایسی مستور اور غائب ہو جاتی ہیں جیسے سورج کی روشنی میں

ستاروں سے غائب اور مستور ہو جاتے ہیں۔ اب جب ایک نیک آدمی جنت برزخیہ کی راحت میں ہے اور وہاں کی لذتوں سے محظوظ ہو رہا ہے تو دنیا کے باشندے جب اس کی قبر کے پاس آکر سلام کہیں گے تو اس طرف کیا خیال ہوگا۔ اسی طرح جب ایک بدؔ عذاب میں مبتلا ہے تو اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا چیخ پکار میں دوسرے کی کیا سنے گا۔ اور دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر کیا دیکھے گا اور اسے کیسے فرصت ہوگی کہ دوسرے کے کلام و سلام سنے۔

سماع موتیٰ کے متعلق مولانا کا تردد شدید

نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

۱ ا۔ امام سیوطیؒ: مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے اس سلسلہ میں کئی کتابوں کی حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں (سماع الموتیٰ ص۱۰۱)

۲ سننے کا امکان ہے یا تو اپنے سر کے حسی کانوں سے (جمہور)

۳ 〃 〃 روح کے کانوں سے (بعض) سماع الموتیٰ ص۲۱۴)

۴ مردہ کبھی کلام کرنے والے کی بات کو سنتا ہے (〃 ص۲۱۵)

۵ مردہ کسی وقت سنتا ہے نہ ہر وقت کیونکہ مومن نم کنومۃ العروس کا مزہ بھی تو لیتے ہیں اور کسی وقت ان کی توجہ صرف اللہ کی طرف ہوتی ہے اور وہ بھی بعض مردے نہ ہر مردہ پھر بعض باتیں نہ ہر بات (〃 ص۱۹۳)

۶ مردے سنتے ہیں جب اللہ چاہتا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں یہی بات مختار ہے (طیبی) (سماع الموتیٰ ص۲۱۳) مُردے اس وقت سنتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے (〃 ص۲۱۴)

۷ قلیب بدر کے مشرکین نے حضورؐ کی بات سنی اور ہر مُردہ مسلمان سلام سنتا ہے باقی کلام مُردہ سنتا ہے یا نہیں سنتا۔ چونکہ اس بارے میں احادیث ساکت ہیں اس لئے ہم بھی خاموش رہے۔

مسلکِ اہلِ حق

ہم سماع الموتیٰ کو ممتنع الوقوع نہیں سمجھتے بلکہ سوائے معجزہ و کرامۃ و ثبوت کے غیر ثابت الوقوع کہتے ہیں۔ اور جہاں دلائل قطعیہ سے ثابت ہو جائے مان لیں گے ورنہ اصل عدم ہے۔ نیز حضرت مفتی صاحب کی عبارت مندرجہ امداد المفتین سے یہ ثابت ہو گیا کہ جب تک دلیل نہ ملے گی ہم خاموش رہیں گے اور سماعِ موتیٰ کا قول نہ کریں گے یعنی نفی سماع کی دلیل نہ دیکھیں گے بلکہ ثبوت کی دلیل نہ ملنے پر چپ رہیں گے۔ جیسے علماء فقہاء اصولیین و متکلمین و مفسرین کا طرز و طریق ہے جیسے علامہ تفتازانی رح نے تلویح حاشیہ توضیح میں فرمایا ہے ص ۳۹۲ ج ۱

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کا مسلک

حضرت نانوتوی رح اپنی کتاب آبِ حیات (ص ۲۹) میں فرماتے ہیں

۱۔ "بعد مرگ جسدِ مردہ من جملہ جمادات ہو جاتا ہے" (نوٹ: یہ فقرہ بار بار پڑھیے اور منکرین کی تعزیر بھی پڑھیے)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۸ پر فرماتے ہیں

۲۔ "لیکن ہر چہ باداباد بعد موت نہ ارواحِ شہداء کو ان ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے اور نہ ارواح اور مومنین کو ...... بہرحال ابدانِ دنیا سے دونوں (شہداء اور مومنین) کو کچھ تعلق نہیں رہتا ہے"

جمالِ قاسمی ص ۱۲ میں ارشاد ہے

۳۔ "اگر اس زمانہ میں اس امکانِ استماع کا بھی چرچا کیا جائے تو اس عمل سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں، البتہ قوتِ مضامینِ شرکیہ کا گمانِ غالب ہے۔ اس لئے یوں مناسب ہے کہ عوام کو فقط طریقۂ مسنونہ زیارتِ قبور تعلیم کیا جائے اور اس سے زیادہ کوئی اطلاع نہ ہونے دے۔ ورنہ اس علمِ امکانی سے ترقی مدارج تو معلوم، کیونکہ ضروریاتِ دینی میں سے نہیں، البتہ مواخذہ نقصان مذکور کا احتمال ہے"

یہ عبارت بالکل واضح ہے اس میں حضرت نانوتوی رح نے سماعِ موتیٰ تو درکنار امکانِ سماع کی بحث کو بھی بے فائدہ شور و غل اور مضامینِ شرکیہ کی تقویت کا باعث قرار دیا ہے۔ اور عوام کے سامنے اس مسئلہ کے ذکر تک کی اجازت نہیں دی۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں

۴۔ ان (شہداء) کا سماع اور ان کی قبور سے استفاضہ زیادہ مستبعد ہے۔

اس کے بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں

اس بدن کے اعتبار سے دونوں (شہداء و مؤمنین) کی موت برابر ہے۔ یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں (نوٹ: فیمسک التی قضی علیہا الموت کی تفاسیر بھی سامنے رکھ لیجیے۔ ناقل)

اِن عبارتوں سے حضرت نانوتویؒ کا مسلک بالکل عیاں ہے کہ ان کے نزدیک شہداء اور مؤمنین کی روحیں ان کے دنیوی ابدان سے بے تعلق ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا سماع اور ان کی قبور سے استفاضہ بعید از قیاس ہے۔

باقی رہی یہ بحث کہ آیا سماعِ موتیٰ کا کوئی عقلی امکان ہے یا نہیں۔ تو یہ ایک بے فائدہ شور و غل ہے جس میں دینی نفع تو کوئی نہیں۔ البتہ اس سے مضامینِ شرکیہ کی تقویت اور اس پر مؤاخذۂ آخرت کا احتمال ضرور ہے۔

اب آپ خود ہی غور فرمائیں۔ کیا ایسا مسلک "دیوبندیت" کا معیار ہو سکتا ہے؟ (سجاد بخاری)

۲ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا مسلک

حضرت گنگوہیؒ ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں۔

۱۔ بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن احوط کو اختیار کرتا ہوں۔ فقط۔ واللہ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ دہلی ج ۱ ص ۳۳)

اور ایک استفسار کے جواب میں یوں ارشاد فرمایا

۲۔ بندہ کے نزدیک مختلف فیہا مسائل میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ احوط کو پسند کرتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

روز سہ شنبہ ۲ صفر از گنگوہ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۹۱)

مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ نے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک اشکال لکھ بھیجا کہ آیہ کریمہ انک لا تسمع الموتیٰ (بیشک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا) اور قلیب بدر والی حدیث کے درمیان بظاہر تعارض ہے کیونکہ آیت سے سماعِ موتیٰ کی نفی ہوتی ہے۔ اور حدیث سے سماعِ موتیٰ کا ثبوت مفہوم ہوتا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اس کا جواب یہ تحریر فرمایا۔

۳۔ الجواب: مسئلہ سماعِ موتیٰ کا قرنِ اول میں مختلف ہوا ہے۔ اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں۔ مگر تقلید اپنے مجتہد کی کوئی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ سو مسلک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مثل طریقہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے یہ ہے کہ ایک آیہ قطعی کو اپنی حالت پر رکھ کر اور معنی حقیقی پر حمل کر کے کہ اصل موضوع لہ ہے حدیث کہ شرحِ قرآن ہے، تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے۔ پس آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی قطعی خاص اور احادیثِ سماع ظنی اخبار آحاد سے تخصیص کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات و صُمّ سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنے وجہ شبہ کے حقیقۃً ہوتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ میّت اور اَصَمّ میں صلاحِ سماعت نہیں۔ لہٰذا معنے عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا۔ البتہ مشبہ میں یہ ہی مراد ہے۔ لہٰذا حسبِ قاعدہ مرجّح جانب عدم سماع ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ فخرِ عالم کی زبان سے مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ سنا تھا تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی۔ سو جو کچھ معنے انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں ہو سکتا ہے۔ ورنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو خود حدیث میں تاویل کی اور آیت کو بحالِ خود رکھا اور جمع کر دیا۔ (اگر حضرت جی کی نظر میں مسند احمد کی یہ حدیث ...

الحاصل راجح مذہب عدم سماع کا ہے حسبِ قواعد۔ پس احادیثِ سماع میں تاویل مناسب ہے۔ ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے۔ اور زیادہ بسط کی گنجائش نہیں۔ اگر بغور مطالعہ فرماؤ گے تو توقع ہے کہ اصل مراد کو آپ تصدیق فرما دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (لطائف رشیدیہ مطبوعہ دار المعارف گوجرانوالہ ص ۱۵)

قلیب بدر والی حدیث کا جواب دیتے ہوئے حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں۔

۴۔ وَالْجَوَابُ اَنَّ الْمُرَادَ بِہٖ یَعْلَمُ لِکَوْنِ السَّمْعِ اَحَدُ اَسْبَابِہٖ۔ وَمَعْنیٰ قَوْلِہٖ وَلٰکِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ عَلیٰ ھٰذَا التَّقْدِیْرِ اَنَّھُمْ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَی الْجَوَابِ اِذَا بَلَّغَتْھُمُ الْمَلَائِکَۃُ مَقَالَتِیْ ھٰذِہٖ وَذٰلِکَ لِشِدَّۃِ مَا ھُمْ فِیْہِ (لامع الدراری علیٰ جامع البخاری ج ۲ ص ۱۲۳، ۱۲۵)

ترجمہ: اور جواب یہ ہے کہ اسمع (سمع) سے مراد علم ہے۔ کیونکہ سمع (سننا) علم کا ایک سبب ہے۔ اس صورت میں آپ کے قول وَلٰکِنْ لَا یُجِیْبُوْنَ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب فرشتوں نے میری یہ بات ان کو پہنچائی وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ جس عذاب میں مبتلا ہیں وہ نہایت سخت ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں

۵۔ فَسَّرَتْہُ بِذٰلِکَ عَائِشَۃُ رض فَلَا یَکُوْنُ دَلِیْلًا عَلَی السَّمَاعِ۔ فَالظَّاہِرُ اِنْکَارُ السَّمَاعِ، وَہُوَ الْاَصَحُّ عِنْدَنَا۔

(الکوکب الدری علی جامع الترمذی ج ۱ ص ۲۱۹)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع کی تفسیر علم سے کی ہے۔ اس لئے یہ حدیث سماع موتٰی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس لئے ظاہر عدم سماع ہی ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی یہی (عدم سماع) زیادہ صحیح ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عوام کے سوالوں کے جواب میں انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن علماء کے سامنے عدم سماع کو راجح اور زیادہ صحیح قرار دیا۔ نیز فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب کو حق اور دوسری کو باطل قرار دیا جائے۔ فتاویٰ میں اور لطائف رشیدیہ میں اسی کی نفی فرمائی۔ اور ایک ہے اپنے میلان قلب اور رجحان طبع کا معاملہ اور تحقیق واستدلال کا مسئلہ، تو اس کی لطائف رشیدیہ اور الکوکب الدری میں تصریح فرمادی کہ میرے نزدیک عدم سماع ہی راجح ہے۔ اور یہی قواعد شرعیہ کے مطابق ہے۔

۳۔ مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کا مسلک

۱۔ سماع موتٰی ثابت نہیں، بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ؕ وَقَالَ تَعَالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳ ص ۹۶ بحوالہ اقامۃ البرہان ص ۴۳)

۲۔ سماع موتٰی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حنفیہ سماع موتٰی کا انکار کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں الخ

(فتاویٰ دارالعلوم مدلل ومکمل بہ ترتیب مولانا ظفیر الدین دیوبندی ج ۵ ص ۴۴۱)

۳۔ ان قصوں میں نہ پڑیں اور اس کو کسی عالم سے سمجھ لیں اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن شریف میں سماع موتٰی کا انکار کیا گیا ہے۔ لہٰذا حدیث شریف میں تاویل کرنا مناسب ہے۔ فقط ایضاً ص ۴۶۷) اور ص ۴۴۱ میں ہے سماع موتٰی مختلف فیہ مسئلہ ہے حنفیہ سماع موتٰی کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ کا یہی مذہب ہے اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں۔ اور ص ۴۳۴ میں ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وغیرہ نصوص سے عدم سماع موتٰی ظاہر ہے

[illegible]

فَاِنَّ عَدَمَ الْاِسْمَاعِ یَسْتَلْزِمُ عَدَمَ السَّمَاعِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَقِّقِي الْحَنَفِيَّةِ فقط اور ص ۳۴۴ میں مولانا ظفیر الدین صاحب دیوبندی نے شرح فقہ اکبر ص ۱۵۹ کا حوالہ دے کر لکھا لِاَنَّ الْمَیِّتَ لَا یَسْمَعُ بِنَفْسِهِ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ سَوَاءٌ (یعنی میت تو خود نہیں سنتا ہے نزدیک سے اسے بلانا اور دور سے بلانا یکساں ہے کسی حال پر میت نہیں سنتا۔

فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی دیوبند شائع شدہ در المفتی ماہ صفر ۱۳۵۶ھ ص ۱۴ ج ۳

سماع موتی ابو حنیفہ رہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔۔۔۔ فقط عزیز الرحمن عفی عنہ

اور فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی دیوبند شائع شدہ المفتی ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ ج ۳ ص ۹۶

یہ واضح رہے کہ حد سے زیادہ جو امر تجاوز کرتا ہے وہ ممنوع ہو جاتا ہے جیسا کہ تعظیم قبور کا رواج ہو گیا ہے یہاں تک کہ ان پر غلاف اور چادریں ڈالی جاتی ہیں۔ اور یہ امور اکثر مفضی الی الشرک ودواعی شرک ہو جاتے ہیں کما ہو مشاہد اور سماع میت ثابت نہیں ہے بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے قال اللہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ وقال تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وقد اجاب فی الفتح وغیرہ عن الحدیث الوارد فیہ ای حدیث اھل قلیب بدر واؤلو احادیث سماع قرع النعال بانہ مخصوص باول الوضع فی القبر فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح عدم سماع ہے اور وہ عدم سماع کو قرآن کا منطوق قرار دیتے ہیں۔

عارف ربانی حضرت مولانا حسین علیؒ کا مسلک

سورۂ روم کی آیۃ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں فرماتے ہیں

۱۔ "اور تحقیق سماع موتی کے متعلق یہ ہے کہ بدن نہیں سنتے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے اور باقی آیات بھی دال عدم سماع موتی پر ہیں۔ اور روح زندہ ہے وہ سنتا ہے جب قریب ہو" (بلغۃ الحیران ص ۲۵۷)

دوسری جگہ فرماتے ہیں

۳۔ فَالْقَوْلُ الثَّابِتُ اَنَّ اَجْزَاءَ الْبَدَنِ مِنَ الْمَیِّتِ لَا سِمَاعَ لَهَا وَلَا شُعُوْرَ وَلَا فَرَحَ وَلَا سُرُوْرَ فِی الْبَرْزَخِ (تحریرات حدیث ص ۲۱۰)

ترجمہ: پختہ بات یہ ہے کہ بدنِ میت کے اجزاء میں سننے کی صلاحیت نہیں اور نہ برزخ میں ان کو شعور اور فرح اور سرور حاصل ہے۔

۵۔ حافظ الحدیث حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا مسلک

آپ فرماتے ہیں کہ ضابطہ تو یہی ہے کہ مُردے نہیں سنتے اور وہ مواقع اس ضابطہ عدمِ سماع سے مستثنیٰ ہیں جن میں نصوص سے مُردوں کا سُننا ثابت ہے۔

۱۔ اِنَّ الضَّابِطَةَ اِنَّمَا هُوَ عَدَمُ السِّمَاعِ لٰكِنَّ الْمُسْتَثْنَيَاتِ فِیْ هٰذَا الْبَابِ كَثِيْرَةٌ

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: بیشک ضابطہ تو یہی ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔ لیکن مستثنیات اس باب میں بہت ہیں۔

۶۔ فقیہ الامت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کا مسلک

۱۔ شرک فی السمع والبصر: یعنی خدا تعالیٰ کی صفتِ سمع یا بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں۔ یا ہمیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں۔ سب شرک ہے۔ (تعلیم الاسلام ج ۴ ص ۲۱)

کفایت المفتی ج ۴ ص ۳۹ کتاب الجنائز میں ہے۔

سوال (۱)…… (۲) مُردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں یا اور جواب دیتے ہیں یا کہ نہیں؟

جواب (۱)…… (۲) مُردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں!

سوال مردے کو دفن کے بعد تلقین جائز ہے کہ نہیں اور اہلِ سنۃ والجماعۃ کا کیا مسلک ہے اور معتزلہ کا کیا؟

جواب حنفیہ تو تلقین کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سماعِ موتیٰ ثابت نہیں۔ جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کے

نزدیک تلقین مفید ہے الخ۔

نیز لکھا۔ تلقین بعد الدفن حنفیہ کے نزدیک معمول و متوارث نہیں ہے اور حنفیہ کے اصول کے ساتھ بے او فق ہے
حضرت مفتی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔
۲۔ حنفیہ تو تلقین کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت نہیں۔ جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تلقین مفید ہے۔ اور اگر کوئی کرے تو اسے روکنا بھی نہیں چاہئے۔ معتزلہ کے نزدیک چونکہ مُردوں کا زندہ ہونا ہی صحیح نہیں ہے اس لئے وہ بھی تلقین کے قائل نہیں۔ حنفیہ باوجود عدم سماع اموات کے قائل ہونے کے تلقین کے فائدے کے قائل ہیں۔ خواہ مُردہ سُنے یا نہ سُنے یعنی اسے ذکر کا فائدہ پہنچ سکتا ہے"
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۶۳)

مدرسہ امینیہ، دہلی کے نائب مفتی مولانا حبیب المرسلین صاحب نے ایک سوال کے جواب میں تلقین میت بعد الدفن کو اہلِ سُنت کے نزدیک مشروع بلکہ مستحب لکھا تھا۔ یہ فتویٰ کفایت المفتی جلد چہارم کے صفحہ ۶۴، ۶۵ پر موجود ہے۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مفتی مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ نے مفتی کفایت اللہؒ کی خدمت میں اس فتویٰ کے خلاف شکایت کی۔ اور نائب مفتی کو بدعتی قرار دیا۔ اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحبؒ نے نائب مفتی کی طرف سے صفائی پیش کی (کفایت المفتی ج ۴ ص ۶۱، ۶۰)
مفتی عبدالکریم صاحب نے اس فتویٰ اور صفائی کا مفصل جواب لکھا جو کفایت المفتی ج ۴ میں ص ۶۵ تا ۶۷ پر موجود ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا حسبِ ذیل جواب دیا۔
۳۔ تلقین بعد الدفن حنفیہ کے نزدیک معمول و متوارث نہیں ہے اور حنفیہ کے اصول کے ساتھ بے او فق ہے (کیونکہ وہ سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں۔ سجاد) لیکن چونکہ کوئی دلیلِ حرمت یا کراہت بھی نہیں ہے اس لئے اسے متاخرین حنفیہ نے منع نہیں کیا۔ اور یہی مسلک کہ عمل نہ کیا جائے اور کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے راجح ہے۔
(محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ، مدرسہ امینیہ دہلی۔ (کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۶۷)

حضرت مفتی صاحبؒ کی ان عبارتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ خود بھی سماعِ موتیٰ کے قائل نہیں اور عدمِ سماع ہی کو حنفیہ کا مسلک قرار دیتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا مسلک

حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا

بعض جگہ دستور ہے کہ جب مُردہ کو نہلا کر کفن پہنایا جاتا ہے اس وقت اس مُردے کے کان میں کہتے ہیں کہ میرا سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہنا۔ یہ کیسا ہے؟

حضرت تھانویؒ نے اس کا حسب ذیل جواب دیا۔

۱۔ بعض سلف سے ثابت ہے کہ مُرنے کے ہاتھ برزخ والوں کو سلام کہہ دیتے تھے۔ اس بنا پر جائز ہے۔ مگر ایسی حالت میں ہو سکتا ہے جب مُردہ (قریب الموت) ذی۔ ناقل) بات سُننے سمجھنے کے لائق ہو۔ یعنی موت کے قبل ہوش میں ہو۔ نہ کہ کفنانے کے بعد کہ محض مہمل ہے۔ (فتاویٰ امدادیہ تتمہ جلد اول ص ۷۴)

دوسری جگہ سماع موتیٰ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

۲۔ غرض اس طرح جانبین میں کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے۔ البتہ عوام کا اعتقاد اثبات کہ اس کو حاضر ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں یہ صریح ضلالت ہے۔ اگر اس کی اصلاح بدون انکارِ سماع کے نہ ہو سکے تو انکارِ سماع واجب ہے۔ (التکشف عن مہمات التصوف ص ۲۲۷)

حضرت تھانویؒ کی پہلی عبارت سے معلوم ہوا کہ مُردہ دفن سے پہلے اپنے کان میں کہی ہوئی بات بھی نہیں سُن سکتا۔ تو مسنون مٹی کے نیچے دفن کیا ہوا مُردہ تو بطریقِ اولیٰ نہیں سُن سکتا۔ دوسری عبارت سے معلوم ہوا کہ سماع موتیٰ کا عقیدہ کوئی ضروری اور بنیادی عقیدہ نہیں بلکہ بضرورتِ اصلاح مفاسد سماع موتیٰ کا انکار واجب ہے۔

نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ

حضرت نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی مصنف مظاہر حق اپنی تفسیر جامع التفاسیر مطبوعہ نظامی پریس دہلوی پارہ ۲۲ سورۃ الفاطر ص ۱۱۰ میں لکھتے ہیں:

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ سماع اموات میں اگرچہ بعض علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن مذہب امام اعظمؒ کا اور اکثر مشائخ حنفیہ کا عدم سماع ہے بدلیل آیت وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ

۸۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا مسلک

حضرت شیخ الاسلام سورۂ روم کی آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی تفسیر میں رقم طراز ہیں

۱۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سُنا دو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے ـــــ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مُردہ سُن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماع موتیٰ کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے"

۲۔ اور فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔

۲۔ وَالْاَحَادِیْثُ اِنَّمَا اَثْبَتَتْ سَمَاعَهُمْ بَعْضَ الْاَشْیَاءِ فِیْ بَعْضِ الْاَحْیَانِ وَلِهٰذَا یَجِبُ اَنْ یُقْتَصَرَ عَلٰی اِثْبَاتِ السَّمَاعِ فِیْ مَا ثَبَتَ بِالنَّصِّ وَلَا یُتَجَاوَزَ عَنْهُ وَهٰذَا مَعْنٰی مَا قَالَهُ الشَّیْخُ الْاَنْوَرُ اِنَّ الضَّابِطَةَ اِنَّمَا هُوَ عَدَمُ السَّمَاعِ لٰكِنَّ الْمُسْتَثْنَیَاتِ فِیْ هٰذَا الْبَابِ كَثِیْرَةٌ الخ (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)

ترجمہ: اور حدیثیں مُردوں کا صرف بعض چیزوں کو اور وہ بھی بعض اوقات میں سُننا ثابت کرتی ہیں اس لئے جہاں جہاں نصوص سے سماع موتیٰ ثابت ہے اس کو انہی مواقع میں بند رکھنا اور ان سے تجاوز نہ کرنا واجب ہے حضرت شیخ انورؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "ضابطہ تو یہی ہے کہ مُردے نہیں سنتے لیکن اس باب میں مستثنیات بہت ہیں" اس کا مطلب یہی ہے۔

یہ دونوں عبارتیں اپنے مفہوم میں واضح ہیں۔ اور کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ جو لوگ سماع موتیٰ کی بنیاد پر مزارات اولیاء اللہ پر دعا کی درخواست کرتے ہیں وہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ فعل کسی بھی نص سے ثابت نہیں۔

ملا علی قاریؒ

عقائد کی کتاب فقہ اکبر جس کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی جاتی ہے اس کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے[۱۵۹] یہ لکھا ہے اِنَّ الْمَیِّتَ لَا یَسْمَعُ بِنَفْسِهٖ یعنی اس میں شک نہیں کہ میت بذاتِ خود کچھ نہیں سُن سکتا۔

۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مفتی اعظم پاکستان کا مسلک

حضرت مفتی صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

۱۔ اس طرح اور اس عنوان سے توسل بزرگوں کے ساتھ جائز ہے، مگر اہلِ قبر کو خطاب اگر سماع موتٰی کے اعتقاد پر مبنی ہے تو درست نہیں۔ اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضائقہ نہیں گر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے۔

(فتاویٰ امداد المفتین مطبوعہ کراچی ص ۲۹۱، ۲۹۲)

ایک اور سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں۔

۲۔ اعدل الاقوال اور اصح و مختار یہ ہے کہ جن جن مواضع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں تو بلا تامل یقین کیا جائے۔ باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں کہ ضرور سنتے ہیں۔ لیکن نہ سننا بھی ضروری نہیں۔ اگر حق تعالیٰ چاہیں تو سنا دیں۔ غرض ایسی حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریان عادت سننا ضروری ہوتا ہے۔ ہذا ہو التحقیق

(فتاویٰ دار العلوم امداد المفتین ص ۲۹۱) یعنی مُردوں کا سننا اگر ثابت ہے تو بطور خرقِ عادت جو معجزہ یا کرامت کہلاتا ہے

حضرت مفتی صاحبؒ کا مسلک ان دونوں عبارتوں سے بالکل واضح ہے۔

۱۰۔ حضرت مولانا علامہ محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا مسلک

"حضرت امام ابو حنیفہؒ سماعِ اموات کے منکر ہیں۔ ...... ہمارے اکابر علماء حضرت امام اعظمؒ اور جمہور کی طرح حضرت ام المؤمنین (عائشہ صدیقہؓ) کے مسلک کو راجح اور قوی سمجھتے ہیں ...... آج کل کے اہلِ بدعت بھی (باوجود ادعائے حنفیت) چونکہ سماعِ موتٰی کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے یہ بھی ایک شاخسانہ نکالا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ اور مشائخ حنفیہ بھی سماع کے قائل ہیں۔ یہ ان کی صریح جہالت ہے یا منہ زوری۔ ورنہ کتب حنفیہ اس کی تصریحات سے پُر ہیں۔ استاذ الفقہاء حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ مائۃ مسائل میں سوال نمبر ۳۶ کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"نزد اکثر حنفیہ سماعت موتٰی ثابت نیست" (دستہ ضروریہ ص ۳۶ بحوالہ شفاء الصدور)

مولانا نعمانی مدظلہ کی عبارت سے امور ذیل معلوم ہوئے۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماعِ موتٰی کا انکار کرتی ہیں (اس پر قائم رہیں رجوع نہیں کیا)

۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی سماعِ موتٰی کے منکر ہیں۔

۳۔ اکثر مشائخ حنفیہ بھی سماعِ موتٰی کے قائل نہیں ہیں۔

۴۔ جمہور علمائے امت کے نزدیک انکارِ سماع کا قول راجح اور قوی ہے۔

۵۔ اکابر علمائے دیوبندؒ بھی انکارِ سماع ہی کو راجح اور قوی سمجھتے ہیں۔

اس تفصیل سے سماعِ موتٰی کے بارے میں اکابر علمائے دیوبندؒ کا مسلک بالکل واضح ہوگیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سماعِ موتٰی کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں سے نہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص سماعِ موتٰی کو "دیوبندیت" کا معیار قرار دے تو اس کا خدا ہی حسیب ہے، وہ کسی کے سمجھانے بجھانے سے بالاتر ہے۔

اب ضرورت تو نہیں تھی۔ لیکن اتمامِ فائدہ کے لئے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رح کی ایک اور عبارت پیشِ خدمت ہے۔

وَاسْتَدَلَّ الْمُنْكِرُوْنَ وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ رض ـــــ وَابْنُ عَبَّاسٍ رض وَمِنْهُمُ الْإِمَامُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ لَمَّا شُبِّهَ الْكُفَّارُ بِالْاَمْوَاتِ فِيْ عَدَمِ السَّمَاعِ عُلِمَ اَنَّ الْاَمْوَاتَ لَا يَسْمَعُوْنَ وَاِلَّا لَمْ يَصِحَّ التَّشْبِيْهُ (الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی ج ۱ ص ۳۱۹)

ترجمہ: منکرینِ سماع نے جن میں حضرت عائشہ رض، حضرت ابن عباس رض، اور امام اعظمؒ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے استدلال کیا ہے کیونکہ جب کافروں کو مُردوں سے عدمِ سماع میں تشبیہ دی گئی تو معلوم ہوا کہ مردے نہیں سنتے۔ ورنہ تشبیہ صحیح نہیں ہوگی

اس عبارت میں حضرت گنگوہیؒ نے انکارِ سماع کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امامؒ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک بھی قرار دیا ہے

مولوی محمد ابراہیم دہلوی نے کشف المغالطات[۲] میں کہا کہ حنفی مذہب میں سماعِ موتٰی ثابت نہیں، عبدالستار محدث دہلوی نے تفسیر[۳] میں کہا کہ فتح البیان والے نے کہا کہ سماعِ موتٰی کی نفی کے ظاہر سے تو عموم معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوٰے

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ اپنے مجموعۃ الفتاوٰی کے ص۳۴۴ میں تحریر فرماتے ہیں

فقہائے حنفیہ ما دریں بارہ مختلف اند اکثر قائل عدم جواز اند۔ برایں بنا کہ سماعِ موتٰی ثابت نیست چنانکہ درکتاب الأیمان فتح القدیر حاشیہ ہدایہ و در مستخلص شرح کنز و کفایہ شرح ہدایہ و درمختار و دیگر فتاوٰی صراحۃً و اشارۃً نوشتہ است ہر کہ خواہد بہ بیند۔ و واضح باد کہ ہمیں مذہب اکثر فقہاء قابلِ فتوٰی زمانۂ ما است۔ چرا کہ دریں احتیاط است (مجموعۃ الفتاوٰی بر خلاصۃ الفتاوٰی)

ہمارے حنفی فقہا اس بارہ میں مختلف ہیں اکثر عدم جواز کے قائل ہیں اس لئے کہ سماعِ موتٰی ثابت نہیں ہے چنانچہ فتح القدیر و مستخلص و کفایہ و درمختار و دیگر فتاوٰے کے کتاب الایمان میں صراحۃً و اشارۃً لکھا ہے جو چاہے دیکھ لے۔ واضح ہو کہ یہی مذہب ہے اکثر فقہاء کا ہمارے زمانہ میں فتوٰے کے لائق۔ کیونکہ اسی میں احتیاط ہے۔

حضرت سحبان الہندؒ

حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحبؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلماء ہند رحمہ اللہ کشف الرحمٰن ص۵۵ میں فرماتے ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے اس آیت (ما انت بمسمع من فی القبور) سے مُردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے۔ اور ص۲۹ میں ہے مُردے میں سننے کی صلاحیت نہیں اور ص۲۹ میں یہ بھی ہے سو یا مرا ہوا برابر ہے

فتوٰی محدث ابن التینؒ

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری پارہ ۵ ص۲۰۳ میں فرماتے ہیں قال ابن التین..... ان الموتٰی لا یسمعون بلا شک لکن اذا اراد اللّٰہ اسماع ما لیس من شانہ السماع۔ ابن التین نے فرمایا کہ مُردے بلاشک نہیں سنتے ہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ چاہے تو سنا دے۔ علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری ص۲۰۲ میں یہی لکھا۔ عون الباری شرح بخاری ص۴۲۶ میں بھی یہی لکھا

فتویٰ پیر طریقت سہروردیؒ

عوارف المعارف ص۳۲ میں سہروردیؒ نے محمد بن علی بن حسینؓ کا قول لکھا کہ سننا زندوں کو ہوتا ہے نہ مردوں کو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وما انت بمسمع من فی القبور

امام الاولیاء حمید الدین ناگوریؒ

امام الاولیاء حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التوشیح میں فرماتے ہیں منہم الذین یدعون الانبیاء و الاولیاء عند الحوائج والمصائب باعتقاد ان ارواحہم تسمع النداء وتعلم الحوائج ذلک شرک قبیح وجہل صریح قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیمۃ وہم عن دعاءہم غافلون یعنی بعض وہ ہیں جو حاجات ومصائب کے وقت نبیوں اور ولیوں کو یہ عقیدہ رکھ کر پکارتے ہیں کہ ان نبیوں اور ولیوں کی روحیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری حاجات کو جانتی ہیں۔ یہ تو قبیح شرک اور صریح نادانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو اس کی پکار کا جواب روز قیامت تک نہ دے سکیں اور جواب دینا تو درکنار ان کو تو ان کی دعا تک کی بھی خبر نہیں

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ

شمائم امدادیہ ص۷۲ میں حضرت پیر طریقت قطب عالم حضرت مولانا شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی میں نفی حواس ظاہرہ سے مراد ہے

تو اس فرمان ذی شان سے معلوم ہو گیا کہ مُردے اپنے ان کانوں سے نہیں سنتے نہ اس زبان سے بولتے ہیں اور نہ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

علامہ سفارینی و قاضی ابو یعلیٰ

علامہ سفارینیؒ نے بحور زاخرہ میں لکھا ہے کہ قاضی ابو یعلیٰ جو ہمارے حنبلی اکابر اصحاب میں سے ایک بزرگ ہیں اپنی کتاب الجامع الکبیر میں اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مُردے نہیں سنتے جیسے حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے اور علماء کا ایک گروہ ان کے موافق اور انک لا تسمع الموتی وغیرہ دلیل پیش کرتے ہیں (روح المعانی پارہ ۲۱ ص ۲۹)

مفسرین کرامؒ

زمخشری نے کشاف ص۲؍۱۲۳ میں نیشاپوری نے اپنی تفسیر کے ص۱۳۷ میں صاحب جامع البیان نے ص۱۱۲ میں بیضاوی نے ص۱۰۸ میں فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر کے ص۵؍۳۳ میں اور ابوالسعود نے اپنی تفسیر کے ص۵؍۴۶ میں فرمایا الموتٰی لایسمعون یعنی مُردے نہیں سنتے

تفسیر خازنؒ والے نے اپنی تفسیر میں لکھا ص۱۴؍۱ المیت لایسمع ولایتکلم یعنی میت نہ سنتا ہے ... نہ بولتا ہے۔

امام بغویؒ نے تفسیر معالم التنزیل ص۳؍۵۰۶ میں لکھا المیت الذی لاسبیل الیٰ سماعہ میت کے سننے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

مفسر نسفی حنفیؒ نے مدارک التنزیل ص۳؍۲۰ میں کہا کہ قیامت سے پہلے تو مُردے نہیں سنتے واما قبل ذٰلك فلا

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر کے ص۶؍۹۲ میں لکھا میت نہ بول سکتا ہے اور نہ سن دیکھ سکتا ہے المیت لاتحرك ولاتسمع ولاتبصر

قاضی پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری ص۷؍۲۵۵ میں کہا مُردے نہیں سنتے لیکن اللہ جب چاہے تو زندوں کا کلام مُردوں کو سنا دیوے یہ اس کی مرضی لکن اللہ یُسْمِعُ الموتٰی کلامَ الاحیاء اذا شاء

سید احمد حسن امروہیؒ

سید احمد حسن صاحب امروہی حسینی صابری چشتی نقشبندی مجددی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ المشائخ مولٰنا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے فتوی کی تصدیق ان الفاظ کے ساتھ فرماتے ہیں

فَمَا حَقَّقَهُ الْمُحَقِّقُ الْكَامِلُ الْمُحَدِّثُ الْفَقِيهُ وَالْفَاضِلُ النَّبِيهُ شَيْخُ الْوَقْتِ مَوْلَانَا رَشِيدُ اَحْمَد اَمْطَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ شَآبِيبَ الرَّحْمَةِ هُوَ الْاَحَقُّ بِالْقُبُوْلِ وَهُوَ الْاَوْفَقُ بِالْمَذْهَبِ وَالْاَلْيَقُ بِالْاِفْتَاءِ یعنی جو کچھ عدم سماعتِ اموات کے متعلق حضرت مولٰنا مولوی رشید احمد قدس اللہ سرہ العزیز الصمد نے تحریر فرمایا ہے عدم سماعتِ اموات مذہب امام اعظم کا ارشاد فرمایا ہے یہی قول اور یہی مذہب قبول کرنے کے لائق اور قول عدم سماعت اموات کا فتویٰ دینے کے قابل ہے۔

یاد رہے کہ یہ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ براہ راست شاگرد رشید ہیں حضرت قاسم العلوم والخیرات مولٰنا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز کے اور بہت بڑے عالم اکمل اور فاضل اجل تھے ان کے اولاد امجاد سرگودھا میں آباد ہیں

اس فتویٰ پر بہت سے علماء کے دستخط اور مواہیر ثبت ہیں۔ ذیل میں ملاحظہ ہوں

۱۔ مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا عدم سماع اموات ہے اور باعتبار روایت و درایت کے یہی راجح ہے۔ جیسا کہ حضرت رأس المحققین مولانا رشید احمد محدث گنگوہی کی تحقیق سے ثابت ہے حیث قال رحمۃ اللہ لہٰذا مذہب قاعدہ مرجح عدم سماع ہے۔ فقط واللہ اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند

شیخ الہند

۲۔ مہر حضرت ملک العلماء و سلطان الاتقیاء سرتاج فقہاء و محدثین حضرت مولانا مولوی محمود حسن صاحب۔ (المعروف بہ شیخ الہند) لازالت ارشاداتہ الی قیام القیامۃ باقیۃ (محمود حسن)

۳۔ دستخط مولانا و اولنا حضرت مولوی (سید) محمد انور شاہ صاحب (کشمیری) فاضل بے بدل عالم بے مثل سلمہ اللہ (محمد انور شاہ)

مواہیر و دستخط حضرات علماء کرام و بزرگان عظام مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

۱۔ الجواب صحیح (عبد الوحید عفی عنہ)

۲۔ دستخط حضرت سلطان المناظرین افضل الفقہاء والمحدثین نائب سید المرسلین حضرت مولانا مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی مصنف بذل المجہود شرح ابی داؤد، ادام اللہ فیوضہم العمد (خلیل احمد)

۳۔ دستخط مولوی مفتی مولانا محمد یحییٰ صاحب خلف الصدق حضرت مولانا مولوی محمد اسماعیل جھنجانوی قدس سرہ العزیز (محمد یحییٰ عفی عنہ) صح الجواب

۴۔ الجواب صحیح دستخط مولانا مولوی عبد اللطیف صاحب مدرس مدرسہ سہارنپور (عبد اللطیف عفی عنہ)

۵۔ الجواب صحیح (محمد الیاس) مدرس مدرسہ سہارنپور (بعد میں تبلیغی جماعت کے بانی ہوئے۔)

۶۔ دستخط مولانا مولوی (ثابت علی) صاحب مدرس مدرسہ سہارنپور

۷۔ دستخط مولانا مولوی (ظفر احمد) صاحب تھانوی

۸۔ دستخط مولانا مولوی (عنایت الٰہی) صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

علامہ احمد دین بگوئیؒ

علامہ احمد دین بگوئیؒ نے دلیل المشرکین ص۔ میں کہا کہ منکرین سماع قبر کے پاس قبر والے سے استمداد کے منکر ہیں اور حنفیہ اسی کے قائل ہیں والحق ان من انکر الاستمداد عند حضور القبر انکر للسماع ومن اثبت اثبت والحنفیۃ قائلون بالاول

علامہ مازریؒ

علامہ مازریؒ نے فرمایا بعض لوگ ظاہر حدیث کو دیکھ کر میت کے سماع کے قائل ہیں مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ بدر کے مشرک مُردوں کا سننا انہیں کے ساتھ مخصوص تھا (طیبی بر حاشیہ بخاری ص۵۶۶)

شاہ محمد اسحاق

شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی نے مائۃ مسائل میں فرمایا نزد اکثر حنفیہ سماع موتیٰ ثابت نیست

فتویٰ شہاب الدین خفاجیؒ

شہاب الدین خفاجی حنفی رحمہ اللہ نے تفسیر بیضاوی کے حاشیہ ص۱۳۵ میں لکھا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ رحمہم اللہ کا یہ مسلک ہے کہ میت نہیں سنتا واکثر مشایخنا علی ان المیت لا یسمع

فتویٰ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ

فقیہ ابو اللیث سمرقندی حنفی رحمہ اللہ کا قول علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری ص۲۲۵ میں نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی تو مطلب یہ ہوا کہ جیسے تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا ایسے ہی مکہ کے کافروں کو تو سمجھا سکتا نہیں۔ ھذا مثل ضربہ للکفار فکما انک لا تسمع الموتیٰ کذلک لا تفقہ کفار مکۃ

شیخ عبد الحق دہلویؒ

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۰ میں لکھا و شیخ ابن الہمام در شرح ہدایہ گفتہ کہ اکثر مشایخ حنفیہ بر آن اند کہ میت نمی شنود

فتویٰ سید محمود آلوسیؒ

حضرت سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی پ ۲۱ میں فرمایا سننا میت کی شان نہیں اور بغیر معجزہ کے میت سے سننا متحقق نہیں ہوتا جیسے بدر کے گڑھے میں پڑے ہوئے مشرکین کے بے جان دھڑوں کا سننا کلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزہ کے طور پر تھا۔ المیت لیس من شانہ السماع ولا یتحقق منہ السماع الا معجزۃ کسماع اھل القلیب

سید نعمان بن محمود الآلوسیؒ

صاحب روح المعانی سید محمود الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحب زادہ حضرت سید نعمان بن محمود الآلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے عدم سماع اموات پر مستقل رسالہ لکھا جس کا نام ہے "الآیات البینات فی عدم سماع الاموات عند الائمۃ الحنفیۃ السادات" وہ قابل دید ہے اس کا مطالعہ کرنے سے شکوک زائل ہو جاتے ہیں باذنہ تعالیٰ بشرطیکہ تعصب کو بالائے طاق رکھا جائے۔

سید امیر علیؒ

مولانا سید امیر علیؒ نے عین الہدایہ کتاب الجنائز میں لکھا ہے "بالاتفاق ائمہ و مشایخ حنفیہ کے نزدیک مُردہ بدلیل نفی قرآنی نہیں سنتے ہیں اور عموم نص کی تخصیص کے واسطے قطعی دلیل چاہیے۔ اور جو حدیث ذکر کی ہے اگر وہ صحیح ہوتی' تو اس نص قرآنی کے برابر نہ ہوتی حالانکہ اس کی صحتِ اسناد میں ہنوز کلام باقی ہے۔ پس قبر کی تلقین خلافِ مذہب ہے۔

صاحب نظم الدلائل

نظم الدلائل میں ہے کہ قبروں والے چونکہ مُردہ ہوتے ہیں اس لئے نہیں سنتے ان الذین فی القبور لا یسمعون بما یکونون موتی

۷

مواہیر و دستخط علماء گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

۱۔ مذہب امام اعظم امام الائمۃ امام ابو حنیفہ رح سماع موتی ثابت نہیں ہے العبد غلام نبی عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

۲۔ الجواب صحیح محی الدین احمد مہتمم و مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاؤٹھی

۳۔ والجواب المذکور حق والحق احق ان یتبع بندہ کریم بخش عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر

۴۔ دستخط عالم اکمل فاضل اجل جامع معقول منقول مولنٰا مولوی ماجد علی صاحب مدرس مدرسہ قصبہ میندھو لازالت انوار شمسیہ طالعۃ علینا الی یوم القیامۃ

مواہیر و دستخط علمائے شہر میرٹھ

۱۔ ارقمہ المجیب اللبیب فہو انسب واصوب واللہ تعالیٰ اعلم محمد اسحٰق عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ شہر میرٹھ

مواہیر و دستخط علمائے ضلع سورت

۱۔ محمد حسن ناظم از مدرسہ تعلیم الدین واقع سورت

۲۔ بندہ محمود احمد عفی عنہ خادم اہل وطن

۳۔ احمد حسن مہتمم مدرسہ تعلیم الدین احمد۔

مواہیر و دستخط علمائے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۔ دستخط فاضل اجل عالم باعمل مولنا مولوی شاہ اشرف علی صاحب تھانوی لازالت انوار شمسہ طالعۃ الی یوم القیام

مولٰنا خرم علی و محمد احسن صدیقی

مولانا خرم علی صاحب اور مولانا محمد احسن صاحب صدیقی نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ در مختار کے ترجمہ غایۃ الاوطار ج ۳

ص ۴۳۵ میں فرماتے ہیں

میت محل ایلام اور تادیب نہیں۔ اور میت کو جو عذاب قبر میں ہوتا ہے تو اس کو جمہور علماء کے نزدیک زندگی ملتی ہے بقدر دریافت کرنے درد کے۔ اور بدن کا ثابت رہنا شرط نہیں اہل سنت کے نزدیک۔ بلکہ اجزاء متفرقہ میں ایسی حیات مخلوق ہوتی ہے جو ہم سے معلوم نہیں ہو سکتی......

اور کلام سے غرض افہام ہے اور موت اس کے منافی ہے اور دخول سے مراد یا اکرام ہے یا اہانت یا زیارت۔ اور بعد موت کے یہ کوئی بات حاصل نہیں

اور فتح القدیر میں مذکور ہے کہ میت کو سماعت نہیں، تو فہم بھی نہیں اور بعد موت کے میت کی قبر کی زیارت ہوتی ہے بہ نیت کی۔ اور یہ جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مقتولوں کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈلوا کر اس سے فرمایا کہ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا یعنی شکست کفار، اس کو تم نے سچا پایا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ مُردوں سے کلام کرتے ہیں یا رسول اللہ! تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ تر نہیں سنتے ہو" اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی معارض صحیح بخاری میں دوسری حدیث ثابت ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس روایت کو قرآن مجید کی دو آیتوں سے رد کیا۔ اول آیت یہ ہے کہ مَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ یعنی تو سنا نہیں سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں۔ اور ثانی آیت یہ ہے إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ یعنی مقرر تو سنا نہیں سکتا مُردوں کو! اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطریق ضرب المثل تھا زندوں کی نصیحت کے واسطے۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ قبرستان میں جا کر فرمایا کہ تمہاری عورتوں کے نکاح ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے اور تمہارے مکانات میں اور لوگ ساکن ہوئے۔ یہ خبر تمہاری ہے ہمارے پاس ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ تکلم اور سماع ہونی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے بنا بر اعجاز کے تاکہ کافروں کو حسرت زیادہ ہو۔ اور وہ جو صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ اس کو دفن کر کے پھرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء دفن کا یہ سماع اور فہم مقدمہ ہے جواب ہی سوال منکر اور نکیر کا۔ اس خصوصیت کی وجہ

مواہیر و دستخط علمائے دہلی

۱۔ ما اجاب بہ خاتم المحققین سند المحدثین مولانا رشید احمد المحدث قدس سرہ ہو الاوفق بمذہب حنفیہ والراجح بحسب الدلیل واللہ اعلم کتبہ العبد المسکین (محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ) مدرس المدرسۃ الامینیہ

۲۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا جواب بہت درست ہے (محمد قاسم عفا عنہ) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی واقع سنہری مسجد دہلی۔

۳۔ الجواب صواب (عبداللہ) مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی

۴۔ الجواب صحیح (انظار حسین عفی عنہ) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

۵۔ الجواب صحیح (عبدالغنی عفی عنہ)

۶۔ الجواب صواب بلا ریب (ضیاء الحق عفی عنہ) مدرسہ امینیہ دہلی

۷۔ عدم سماعت موتی کو ترجیح ہے (محمد عبدالغفور دہلوی)

۸۔ ما قال ملک العلماء سلطان الاتقیاء زین المفسرین راس المحدثین مولانا رشید احمد گنگوہی طاب اللہ ثراہ ہو الاصح وہو مذہب اکثر مشایخنا رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین (بندہ احمد سعید عفا اللہ عنہ) واعظ دہلوی۔

۹۔ الجواب صحیح (بندہ ظہیر الدین عفا اللہ عنہ نگینوی) مقیم در مسجد اونچی محلہ تیلی واڑہ

۱۰۔ ما حکم و اجاب بہ راس المحدثین تاج الفقہاء والمفسرین مولانا رشید احمد علیہ الرحمۃ من اللہ الصمد ہو الحق بحسب الدلائل الراجحۃ ہو الاوفق بمذاہب الحنفیۃ والحق احق بالاتباع لان الحق یعلو ولا یعلیٰ حررہ العبد الراجی الیٰ رحمۃ اللہ المنان (محمد حبیب الرحمٰن عفی عنہ دہلوی)

۱۱۔ فی الواقع عدم سماع اموات کو مذہب حنفیہ میں ترجیح ہے (محمد عبدالعلی عفا اللہ عنہ) ؤ شیخ الادب والحدیث مدرسہ عبدالرب کشمیری گیٹ دہلی۔ استاذ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی التھانوی ۔ نیلوی)

۱۲۔ الجواب صواب (محمد میاں) مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی۔

۱۳۔ فاضل مجیب نے جس قید کے ساتھ مولوی محمد کرامت اللہ خان صاحب کے رسالہ کا جواب دیا نہایت صحیح ہے۔ (عبدالسلام دہلوی)

مواہیر و دستخط علمائے کرام امروہہ ضلع مرادآباد

۱۔ دستخط و مہر عمدۃ الخلف بقیۃ السلف عالم اکمل فاضل (سید احمد حسن) صاحب امروہی ان کی عبارت پہلے درج ہو چکی

۲۔ صح الجواب بلا ارتیاب (محمد عبدالعزیز) مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ

۳۔ الجواب حق والحق احق بالاتباع (رضا حسن) مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ

۴۔ الجواب صحیح (محمد امین) مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ

مواہیر و دستخط علمائے بریلی

۱۔ قد صح ما اجاب شیخ المحدثین مولانا رشید صاحب (محمد ناصر الدین) مہتمم مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی۔

۲۔ میرے نزدیک عدم سماعت کا قول معتمد اور محتاط اور قابل تعامل ہے (محمد اشرف علی) مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی

۳۔ واقعی جو جواب حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا واجب التسلیم ہے اور اکثر محققین بھی اسی طرف گئے ہیں اور حضرت مولانا مولوی محمد قاسم نانوتویؒ کا بھی یہی مسلک ہے (عبدالکریم) مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی

۴۔ (حمید الدین) الجواب صحیح

۵۔ (سجاد علی خان بریلوی) الجواب الصحیح

۶۔ (عبدالعزیز خان) الجواب صحیح

۷۔ (محمد عبداللہ عفی عنہ) الجواب صحیح

۸۔ لاریب جمہور حنفیہ کرام کے نزدیک سماع موتیٰ ثابت نہیں ہے (محمود عفی عنہ)

یہ ہے۔ تاکہ حدیث اور آیتوں کے مضمون میں اتفاق ہو جائے تعارض نہ باقی رہے۔ اس واسطے کہ دونوں عدم سماع موتی کی مفید ہیں۔ انتہی کلام الشیخ۔

شرح الفائق میں کہا کہ جواب ثالث نہایت خوب جواب ہے یعنی حضرت کا تکلم اور اسماع بطریق معجزہ تھا۔ تو اس سے عموم سماع موتی ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بنا بر اعجاز کے حضرت سے شجر اور حجر نے بھی کلام کیا ہے حالانکہ شجر اور حجر محل کلام نہیں اور صحیح مسلم کی روایت کے جواب کی تقویت دوسری حدیث صحیح سے ہو سکتی ہے کہ جب منکر اور نکیر مومن سے جواب معقول سنتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ یعنی اب آرام سے سو جیسے دولھا سوتا ہے۔ ظاہراً یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن کامل عالم سے غافل ہو جاتا ہے جیسے سوتا آدمی غافل ہوتا ہے اور کلام نہیں سنتا۔

بالجملہ ہم لوگ اہل تقلید ہیں پایۂ اجتہاد کا نہیں رکھتے۔ پھر جن فقہا کے ہم مقلد ہیں جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم

صاحب مواہب الرحمٰن

مفسر قرآن بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تفسیر مواہب الرحمٰن پارہ ۲۱ سورۂ روم ص ۷۰ میں لکھا ہے "مترجم کہتا ہے کہ یہاں ایک مسئلہ ہے کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے ہیں۔ پس امام[عہ] شافعی اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ مُردہ سنتا ہے۔ اور ان کی حجت وہ حدیث ہے کہ جب بدر کی لڑائی میں ابوجہل وغیرہ کفار مشرکین مارے گئے اور وہ ایک گڑھے میں ڈال دئے گئے۔ اور تیسرے دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر اس مقام پر تشریف لائے اور خطاب فرمایا کہ ہم نے تو اپنے پروردگار عز و جل کا وعدہ حق پایا اور تم نے بھی آخر وعید عذاب کو سچا پایا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس قوم سے خطاب فرماتے ہیں جو گندے مُردار ہو چکے۔ پس آپ نے فرمایا کہ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ جو میں کہتا ہوں اس کے سننے میں تم لوگ ان سے بڑھ کر نہیں ہو۔ لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے ہیں (کما فی الصحیح) اور حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ جو کوئی بندہ اپنے بھائی مسلمان کی قبر پر گذرا جس کو دنیا میں پہچانتا تھا پس اس پر سلام کیا تو یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح اس میں پھیر دیتا ہے حتی کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے (رواہ ابن عبد البر وقال صحیح) لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ

عہ یہ قول بنا بر مشہور کہا گیا ہے ورنہ امام شافعیؒ بھی عدم سماع موتی کے قائل ہیں کما مر ۱۲ نیلوی

المُوتٰی دلیس مردہ نہیں سنتا ہے) اور واقعہ بدر کی حدیث میں حضرت عائشہؓ نے یہ تاویل فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جواب ... میں ان لوگوں نے اب جان لیا۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو آخرت کی زندگی اتنی دیدی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام شریف جو اُن کے حق میں بطور جھڑکی و ملامت تھا سن لیا۔

اسی واسطے امام ابو حنیفہؒ و صاحبینؒ و تمام فقہائے حنفیہ و جماعت علماء کا یہی قول ہے کہ مُردے نہیں سنتے ہیں اور کسی شخص کو یہ طاقت نہیں ہے کہ مُردے کو اپنا کلام سُنا دے' ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے چاہے کہ کوئی بات مُردہ سُنے تو اس کو اپنی قدرت کا اختیار ہے۔ اسی واسطے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے کلام کیا تو یہ وجہِ الٰہی عزوجل تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ ان کو سُنایا۔ اور اسی طرح مُردے سلام کرنا اور اس کا جواب دینا بقدرتِ الٰہی عزوجل ہے (اگر اس حدیث ابن عباسؓ کو صحیح تسلیم کریں۔ نیلوی) حتیٰ کہ سوائے سلام کے کسی دوسری بات کے واسطے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا کہ وہ بھی مردہ سنتا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ آج کل جو لوگ حنفی مقدمین حتیٰ کہ تقلید کے واسطے دوسروں کی تکفیر تک نوبت پہنچاتے ہیں ان سے نہایت عجب ہے کہ وہ بزرگوں کے مزاروں پر جا کر اپنی باتوں کی داستانیں سناتے ہیں حالانکہ امام ابو حنیفہؒ و تمام ائمہ حنفیہ سے قاطبۃً مخالف ہے۔ اور اس مقام پر وہ قطعی غیر مقلد بن جاتا ہے پس ان نفس کے بندوں کا ظاہر احال یہ ہے کہ وہ تقویٰ و تدین کے واسطے حنفی نہیں تھا۔ بلکہ اسلام میں فساد و رخنہ ڈالنے کے لئے کبھی مقلد بنتا ہے اور کبھی غیر مقلد ہو جاتا ہے تاکہ اسلام میں باہم نزاع و پھوٹ ڈالے اور باہمی اختلاف جو مسلمانوں میں فرض ہے اس کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ ہم کو و سب مسلمانوں کو ایسی معصیت سے بچائے اور ایمان و اسلام پر ثابت قدم رکھے آمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

ایک مشہور سوال اور اس کا مسکت جواب

سوال ہم تمہارے شائع کردہ ان فتووں کو کیسے تسلیم کریں جب مطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ میں صاف تمہارے خلاف فتوے لکھے ہوئے موجود ہیں

جواب ہم خود اپنی طرف سے اس سوال کا جواب نہیں دیتے۔ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے امداد المفتین فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد دوم ص۸۵ میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم کا پہلا دور فتاویٰ رشیدیہ

الغرض فتاویٰ دارالعلوم کا ابتدائی دور فتاوائے رشیدیہ سے شروع ہوتا ہے لیکن نہایت حسرت کا مقام ہے کہ حضرتِ ممدوح کے فتاوے کی نقول محفوظ رکھنے کا شروع میں تو کوئی انتظام ہی نہ تھا۔ پھر کچھ مختصر اور ناتمام سا انتظام ہوا بھی مگر اُن کے ضبط و اشاعت یا حضرت ممدوح کی نظرِ ثانی کا کوئی موقع نہیں آیا۔ ان کی اشاعت حضرت کی وفات کے بعد مختلف اطراف میں گئے ہوئے خطوط کو جمع کر کے کی گئی۔ اور ان میں ایک اختلاط یہ بھی پیش آگیا کہ سنہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ظاہری بینائی نزولِ ماء سے جاتی رہی تھی (تذکرۃ الرشید ج ۱) خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تھے اُس وقت اکثر خطوط اور فتاوے کا جواب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمایا کرتے تھے جن میں کبھی تو حضرت بطورِ املاء کے الفاظ لکھواتے تھے اور کبھی مضمون بتلا دیا کہ یہ لکھ دیں۔ اس لیے جو استناد و اعتماد کا درجہ حضرت ممدوح کے فتاویٰ کو ہونا چاہیے تھا وہ اس میں ایک حد تک کمی رہ گئی۔ فتاوائے رشیدیہ کے نام سے جو تین حصے شائع ہوئے ہیں ان میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مخصوص تلامذہ و مریدین و خلفاء حضرت فتاویٰ شائع شدہ فتویٰ کے خلاف نقل کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اُن میں ابتداً حضرت گنگوہی کا وہی فتویٰ ہو جو شائع ہوا۔ لیکن آخر تک حاضرِ خدمت رہنے والے اکابر علماء نے جو نقل کیا وہ ہی آخری فتوے اور راجح قول شمار ہوگا۔

مثلاً دیوانی دارالحرب کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قولِ مشہور کے موافق دارالحرب میں سود لینے کو جائز لکھا ہے مگر حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعدد خلفاء اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بارہا سنا کہ حضرت گنگوہیؒ کا فتوے اس باب میں صاحبینؒ اور جمہور کے موافق تھا اور اسی وجہ سے حضرت ممدوح نے حضرت حکیم الامت کے رسالہ تحذیر الاخوان پر دستخط نہیں فرمائے کہ اس کے مضمون سے حضرت کو اختلاف تھا۔

اسی طرح سماع موتیٰ کے مسئلہ میں جو مضمون فتاوے رشیدیہ میں طبع ہوا ہے استاذی و سیدی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف نقل فرماتے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

چودہ صدیوں میں عدمِ سماعِ موتیٰ کے قائلین کے اسمائے گرامی

۱ خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (مسند احمد ج۳ ص ۲۸۷)
۲ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رض (بخاری ۵۶۷)
۳ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (درمنثور)
۴ سلمۃ بن یزید رضی اللہ عنہ (الاصابہ ج۲ ص ۶۹)
۵ نہار بن توسعہ رضی اللہ عنہ (〃 ج۳ ص ۵۷۵)
۶ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (شرح الصدور ص ۹۳)
۷ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (〃)

مع جمیع مجاہدین اجنادین من الصحابۃ والتابعین

۸ نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ (کلام الملوک)
۹ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ
۱۰ ابو عبدالرحمٰن کعب رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ
۱۱ ام البشر رضی اللہ عنہا (مشکوٰۃ
۱۲ قتیلہ رضی اللہ عنہا (مشکوٰۃ
۱۳ قتادہ تابعی رح (صحیح بخاری ج۲ ص ۵۶۶)
۱۴ ارطاۃ بن سمیہ مخضرمی تابعی (الاصابہ ج۱ ص ۱۴۱)
۱۵ محمد بن المنکدر تابعی (مشکوٰۃ ص)
۱۶ خلف بن خلیفہ تابعی (دیوان حماسہ ۱۵۳)
۱۷ طریف بن وہب عنبی (دیوان حماسہ ص ۱۸۴)
۱۸ زین العابدین علی بن الحسین (مصنف ابن ابی شیبہ)
۱۹ محمد باقر رح (عمدۃ القاری ج۴ ص ۲۵۵)
۲۰ جریر بن عطیہ تابعی (دیوان حماسہ ۱۵۳)
۲۱ امام ابوحنیفہ رح (فتاویٰ غرائب)
۲۲ امام شافعی رح (مغنی ابن قدامہ
۲۳ امام احمد بن حنبل رح (مغنی
۲۴ علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل (ہدایہ ۱۵۸، ۴۸۳)
۲۵ صاحب فتاویٰ بزازیہ
۲۶ صاحب فتاویٰ عالمگیریہ ۲۸۶
۲۷ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص ۱۴۲)
۲۸ صاحب جامع صغیر امام محمد رح
۲۹ صاحب الفصول فی علم الاصول
۳۰ صاحب اصول الشاشی
۳۱ صاحب نظم الدلائل
۳۲ طحطاوی (حاشیہ مراقی الفلاح الارواح ۳۰۴

۳۳ صاحب الکافی (بحوالہ بہجۃ المحافل ص ۱۸۴/۱)
۳۴ صاحب فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴۶، ۴۴۷
۳۵ صاحب المستخلص ۱۷۸
۳۶ محدث ابن التین (عمدۃ القاری ص ۲۰۳/۸)
۳۷ ابن قدامہ صاحب المغنی
۳۸ علامہ زیلعی
۳۹ صاحب جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۳)
۴۰ صاحب کفایہ ج ۱ ص ۶۸ و ج ۳ ص ۴۶۳)
۴۱ شارح مختصر وقایہ ص ۳۵۹
۴۲ عینی ص ۱۰۷۱
۴۳ ابن نجیم صاحب البحر الرائق ج ۴ ص ۴۶۳
۴۴ مفسر نیشاپوری ج ۷ ص ۱۳۷
۴۵ صاحب جامع البیان ۱۱۴
۴۶ بیضاوی ۸ ص ۱۸۶
۴۷ رازی امام ج ۷ ص ۵۳، ۳۹ و پ ۳۳۰/۲۰
۴۸ ابوالسعود ج ۴ ص ۵۸
۴۹ ابن حیان اندلسی
۵۰ خازن ج ۲۰ ص ۵۳۹
۵۱ بغوی صاحب معالم التنزیل ج ۲۰ ص ۳۰۵
۵۱ امام نسفی صاحب مدارک ص ۴۰۳
۵۲ ابن کثیر ج ۶ ص ۶۱۵، ۶۸۷

۵۳ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی ۲۲/۱۶، ۱۴۳
۵۴ قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۵۴
۵۵ سیوطی صاحب جلالین ۱۱۲
۵۶ صاحب جامع القرآن (بحوالہ تفہیم المسائل ۹۲)
۵۷ محمد بن علی صابونی صاحب صفوۃ التفاسیر
۵۸ مہائمی صاحب تفسیر تبصیر الرحمٰن ج ۲ ص ۱۰۹
۵۹ ذوالفقار احمد صاحب ترجمان القرآن ج ۲۲ ص ۱۰۹
۶۰ مفسر قرطبی ص ۵۴۱۸
۶۱ صاحب تفسیر قاسمی ص ۵۱۴۳
۶۲ مفسر مراغی پارہ ۲۲ صفحہ ۱۱
۶۳ جمل 〃 〃 ۶۰۳
۶۴ صاحب جامع البیان ج ۲ ص ۳۹۴
۶۵ ابن جریر ج ۷ ص ۱۱۸
۶۶ صاحب تنویر المقیاس ص ۶۸۷
۶۷ ابن جزی کلبی صاحب کتاب التسہیل لعلوم التنزیل ص ۱۹۶/۴
۶۸ صاحب الانموذج الجلیل ص ۹۴
۶۹ خفاجی ج ۷ ص ۱۲۸
۷۰ زمخشری صاحب کشاف ج ۲ ص ۱۳
۷۱ عبدالحق بن غالب ابن عطیہ محاربی غرناطی (قرطبی ۲۳۲/۱۴)
۷۲ سکاکی
۷۳ قاضی ابو یعلیٰ حنبلی (روح ص ۷۹/۲۱)

۷۴ الاکمل

۷۵ صاحب عوارف المعارف (ج۲ ص ۳۸)

۷۶ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (البلاغ المبین ص۱۶)

۷۷ کمال الدین زملکانیؒ (حاشیہ موطا مالک ص۴۲)

۷۸ صاحب نفع قوت المغتذی (بر جامع ترمذی ص۱۹۰ ج۲)

۷۹ صاحب مجمع الانہر ج۱ ص ۴۵۵

۸۰ شرنبلالی صاحب مراقی الفلاح ص ۳۳۶

۸۱ شامی ج۳ ص ۲۰۱

۸۲ فقیہ ابواللیث (عمدۃ القاری ص۲۲۵ ج۳)

۸۳ صاحب الغنایہ

۸۴ سید نعمان بن محمود آلوسی صاحب الآیات البینات

۸۵ عبدالحکیم دمشقی صاحب کشف الحقائق ۲۷۵

۸۶ صاحب النہر الفائق

۸۷ صاحب بہجۃ المحافل ۱۸۷

۸۸ ملا مسکین شرح کنز

۸۹ ابوالسعود محشی بر شرح ملا مسکین

۹۰ صاحب مجموعہ رسائل ۳۸۵

۹۱ صاحب فتح البیان

۹۲ عبدالستار محدث دہلویؒ ۲۹۷

۹۳ مترجم معجز نما قرآن مجید کلاں ۵۳۵

۹۴ صاحب عون الباری ج۱ ص ۵۱۶

۹۵ ملا علی القاری (شرح فقہ اکبر ۱۵۹)

۹۶ علامہ تفتازانی (شرح مقاصد ج۲ ص ۲۲۱

۹۷ میر سید سند (شرح مواقف

۹۸ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ (صراط مستقیم

۹۹ شاہ محمد اسحاقؒ (مأۃ مسائل

۱۰۰ شاہ عبدالقادرؒ صاحب موضح قرآن

۱۰۱ محمد عبدالحی لکھنویؒ (مجموعۃ الفتاوی ص۲۴۲ ج۱)

۱۰۲ خرم علی } غایۃ الاوطار ص۴۴۵ ج۲

۱۰۳ محمد احسن صدیقی نانوتوی

۱۰۴ مازری (حاشیہ بخاری ص۵۰۶ ج۲

۱۰۵ طیبی "

۱۰۶ تورپشتی

۱۰۷ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (شمائم امدادیہ ص۴۲)

۱۰۸ نواب قطب الدین دہلویؒ (جامع التفاسیر

۱۰۹ مولنا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند (کشف المغالطات

۱۱۰ مولنا رشید احمد گنگوہیؒ (لطائف رشیدیہ)

۱۱۱ سید امیر علی ملیح آبادیؒ صاحب مواہب الرحمٰن

۱۱۲ محمد بشیر الدین قنوجیؒ صاحب تفہیم المسائل

۱۱۳ مولوی محمد ابراہیم دہلویؒ

۱۱۴ اُبّی شارح صحیح مسلم

۱۱۵ عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دار العلوم دیوبند

۱۱۶ عابد الرحمٰن کاندھلوی شارح صحیح مسلم

۱۱۷ حبیب الرحمٰن کاندھلوی صاحب اصول فقہ ح۲

۱۱۸ مولٰنا شیخ الہند رح (کشف المغالطات)

۱۱۹ مولٰنا محمد یحییٰ تلمیذ حضرت گنگوہی رح (کشف المغالطات)

۱۲۰ مولٰنا حسین علی 〃 〃 (تحریرات حدیث)

۱۲۱ مولٰنا خلیل احمد انبیہٹوی رح (کشف المغالطات)

۱۲۲ ماجد علی مدرس مدرسہ قصبہ جینڈھو (〃 〃)

۱۲۳ سید محمد انور شاہ صاحب دیوبند (〃 〃)

۱۲۴ عبد الوحید مدرس مظاہر العلوم 〃

۱۲۵ عبد اللطیف 〃 〃

۱۲۶ محمد الیاس 〃 〃

۱۲۷ ثابت علی 〃 〃

۱۲۸ عنایت علی مہتمم 〃 〃

۱۲۹ سید احمد حسن امروہی تلمیذ حضرت نانوتوی رح 〃

۱۳۰ محمد عبد العزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ امروہہ 〃

۱۳۱ رضا حسن 〃 〃 〃

۱۳۲ محمد امین 〃 〃 〃

۱۳۳ محمد یٰسین مہتمم مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی 〃

۱۳۴ محمد اشرف علی مدرس مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی (کشف المغالطات)

۱۳۵ عبد الکریم 〃 〃 〃 〃

۱۳۶ حمید الدین 〃 〃 〃

۱۳۷ سجاد علی خان 〃 〃 〃

۱۳۸ عبد العزیز خان 〃 〃 〃

۱۳۹ عبد اللہ 〃 〃 〃

۱۴۰ محمد اسحاق مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ شہر میرٹھ 〃

۱۴۱ محمد اسحاق ناظم مدرسہ تعلیم الدین سورت 〃

۱۴۲ محمد احمد مدرس مدرسہ تعلیم الدین سورت 〃

۱۴۳ احمد حسن مہتمم 〃 〃 〃 〃

۱۴۴ مولٰنا محمد اشرف علی تھانوی رح تھانہ بھون ضلع مظفر نگر 〃

۱۴۵ استاذی المحترم مولٰنا مفتی محمد کفایت اللہ صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

۱۴۶ مولٰنا محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ دہلی 〃

۱۴۷ مولٰنا انظار حسین 〃 〃 〃 〃 〃

۱۴۸ 〃 ضیاء الحق (استاذی) 〃 〃 〃 〃 〃

۱۴۹ 〃 محمد عبد الغفور 〃 〃 〃 〃

۱۵۰ 〃 عبد الغنی 〃 〃 〃 〃

۱۵۱ 〃 عبد اللہ مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی 〃

۱۵۲ 〃 محمد میاں 〃 〃 〃 〃

۱۵۳ 〃 محمد عبد العلی شیخ الادب والحدیث مدرسہ عبد الرب دہلی 〃

۱۵۴ ظہیر الدین نگینوی مسجد دینجی محلہ تیلیاں اٹاوہ دہلی (تحفۃ المناظر)

۱۵۵ سحبان الہند احمد سعید واعظ دہلی 〃

۱۵۶ محمود 〃 〃 〃 〃

۱۵۷ غلام نبی مدرس مدرسہ اسلامیہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر 〃

۱۵۸ محی الدین احمد 〃 〃 〃 〃

۱۵۹ کریم بخش 〃 〃 〃 〃 〃

۱۶۰ محمد منظور نعمانی مدظلہٗ (ستہ ضروریہ)

۱۶۱ احمد دین بگوی تلمیذ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ (دلیل المشرکین)

۱۶۲ میاں نذیر حسین محدث پھاٹک حبش خان دہلی (فتاویٰ نذیریہ)

۱۶۳ ثناء اللہ امرتسریؒ اہل حدیث (فتاویٰ ثنائیہ)

۱۶۴ محمد یعقوب علی مدرس خیر نگر (رسالہ تحفہ ندا یا شیخ)

۱۶۵ رحیم بخش 〃 〃 〃

۱۶۶ نظیر حسین چاندپوری مدرس خیر نگر 〃

۱۶۷ عبدالرزاق 〃 〃 〃

۱۶۸ محمد طیب 〃

۱۶۹ محمد حبیب الرحمٰن دہلوی 〃

۱۷۰ عبدالسلام 〃 〃

۱۷۱ سید سراج احمد سہسوانی 〃

۱۷۲ محمد بشیر سہسوانی 〃

۱۷۳ عبدالفتاح مدرس خیر نگر 〃

۱۷۴ سید ولایت علی مدرس خیر نگر (رسالہ حرمت ندا یا شیخ)

۱۷۵ عبدالحکیم 〃 〃 〃 〃

۱۷۶ ناظر حسین 〃 〃 〃 〃

۱۷۷ محمد حفیظ اللہ مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ بمبئی 〃

۱۷۸ مفتی ظفیر الدین دیوبندیؒ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

۱۷۹ مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (〃 〃 〃)

۱۸۰ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (فتح الملہم)

۱۸۱ محمد ناصر الدین الالبانی سعودی عرب (الآیات البینات)

۱۸۲ پیر طریقت حضرت حماد اللہ ہالیجویؒ (الیاقوت والمرجان)

۱۸۳ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رئیس عام للدعوۃ والارشاد

۱۸۴ عبداللہ بن زید آل محمود رئیس المحاکم الشرعیہ دوحہ قطر

۱۸۵ شیخ احمد بن حجر قاضی المحکمۃ الشرعیہ۔ دوحہ قطر

۱۸۶ قاضی خان صاحب الفتاوی

۱۸۷ عبدالرحیم صاحب فصول عمادیہ

۱۸۸ صاحب روح البیان

۱۸۹ ابوالحسن داہری

اُولٰئِکَ اٰبَآئِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِہِمْ
اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعُ

رد قول المجہول

بنفی السماع المقبول

قائلینِ سماع ایک اور طریق پر بھی اس آیت کو حل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں کہ اول تو آیت میں سماع کی نفی نہیں ہے اِسماع کی نفی ہے۔ دوسرے اگر بالفرض والتقدیر اس بات کو تسلیم ہی کر لیا جائے کہ نفی سماع کی ہے تو پھر کہتے ہیں کہ سماعِ مطلق کی نفی نہیں ہے بلکہ سماعِ قبول یا سماعِ نافع کی نفی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار وعظ ونصیحت نہیں سنتے یعنی قبول نہیں کرتے اس سے نفع نہیں اٹھاتے چنانچہ سماع الموتٰی ص ۲۶۹ میں ہے

"مُردوں سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اس سماع کی نفی کی گئی ہے جو سماعِ مفید اور نافع ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زندہ کفار سے جو مشبّہ ہیں جس سماع کی نفی کی گئی ہے وہ سماعِ قبول اور نافع ہے سو اسی طرح مُردوں سے بھی جو مشبّہ بہ کے درجہ میں ہیں نفی مطلقاً سماع کی نہیں بلکہ اس سماع کی نفی ہے جو مفید اور نافع ہے" الخ

الجواب

جواب حضرت جناب محترم مولانا صاحب نے اس مقام پر کمال ہی کر دیا کہ مشبّہ کو مشبّہ بہ بنا دیا اور مشبّہ بہ کو مشبّہ بنا دیا کافروں کو جو مشبّہ ہیں مشبّہ بہ بنا دیا اور مُردوں کو جو مشبّہ بہ ہیں مشبّہ بنا دیا جیسے کوئی کہے زید کالاسد زید شیر کی مانند ہے۔ زید کی شیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی شجاعت میں۔ زید انسان ہے مشبّہ ہے اور شیر جنگلی جانور مشبّہ بہ ہے۔ اب محترم جناب مولانا صاحب کے تقریری انداز میں یوں اگر کوئی تقریر کرے کہ شیر کے لئے مطلقاً شجاعت کو ثابت نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس شجاعت کو ثابت کیا گیا ہے جس کے ساتھ نماز روزہ اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہو کیونکہ زید کے لئے جو مشبّہ ہے جو شجاعت ثابت ہے وہ نماز روزہ جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مقرون ہے سو اسی طرح شیر جنگل کے لئے بھی جو مشبّہ بہ کے درجہ میں ہے وہی شجاعت ثابت ہے جو نماز روزہ جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مقرون ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ زید شجاع ہے نمازی، روزہ دار اور مجاہد ہے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر یہ تقریر غلط ہے تو آپ کا الکفار کالموتٰی میں یہ بیان غلط ہوگا اور اگر الکفار کالموتٰی میں آپ کا

تقریر صحیح ہے تو زید کا لاسہ میں بھی ہماری تقریر بلاد درست ہوگی لیکن اس میں تو کچھ شک نہیں کہ زید کا لااسکی تقریر بلاشبہ غلط ہے پس ثابت ہوا کہ الکفار کالموتیٰ کی تقریر جو محترم مولٰنا صاحب نے بیان کی ہے بلاشبہ غلط ہے۔

۲ نیز جس طرح کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اسی طرح کفار کو اندھوں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب کہ وہ بقید حیات ہیں وہ ویسے تو دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھیں موجود ہیں، مگر تفسیر حضرت شیخ الہندؒ اندھے ہیں جو اپنے نفع ونقصان کو نہیں دیکھتے۔ تو یہاں جیسا کفار سے جو مشبہ لی ہے بینائی اور دیکھنے کی نفی کی گئی ہے وہ وہ دیکھنا ہے جس سے نفع ونقصان نظر آئے اسی طرح اندھوں سے بھی جو مشبہ کے درجہ میں ہیں نفی مطلقاً دیکھنے کی نہیں۔ اندھوں کو نظر تو آتا ہے اندھے اپنی ان آنکھوں سے دیکھتے تو ہیں مگر اندھا اس طرح کا نہیں دیکھتے جس سے انہیں نفع ونقصان نظر آئے"۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر موتیٰ کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے تو اندھوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اور اگر وہاں تقریر صحیح اور یہاں تقریر غلط ہے تو وجہ فرق کی بتائی جائے

۳ اسی طرح کفار کو جس طرح مردوں اور اندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے کفار کو گونگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو محترم جناب مولٰنا صاحب کی تقریر کے مطابق نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب کہ وہ بقید حیات ہیں ویسے تو وہ بولتے ہیں اور ان کی زبان بھی موجود ہے گونگے تو نہیں مگر بہ تفسیر حضرت شیخ الہند رح گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے۔ تو یہاں فصیح بلیغ منطیق کفار سے جو مشبہ ہیں جس گویائی کی نفی کی گئی ہے وہ وہ گویائی ہے جو سچ کے ساتھ متصف ہو اسی طرح گونگوں سے جو مشبہ بہ کے درجے میں ہیں مطلقاً بولنے کی نفی نہیں گونگے بولتے تو ہیں مگر سچ نہیں بولتے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے اگر موتیٰ کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے جو محترم جناب مولٰنا صاحب نے بیان فرمائی ہے تو گونگوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی۔ اگر وہاں صحیح اور یہاں غلط ہے تو وجہ فرق کی کیا ہے؟

۴ اسی طرح کفار کو جیسے مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کفار کو بہروں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے تو محترم جناب مولٰنا صاحب کی تقریر کے مطابق نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب بقید حیات ہیں ویسے تو وہ سنتے ہیں اور ان کے کان بھی موجود ہیں مگر بہ تفسیر حضرت شیخ الہندؒ بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے تو یہاں بظاہر ان کفار کے کان بالکل درست ہیں تو سو فرنتے تو ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے اسی طرح بہرے جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہیں ان سے مطلقاً سننے کی نفی نہیں بہرے سنتے تو

ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر مردوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے جو محترم جناب مولنا صاحب نے بیان فرمائی ہے تو بہروں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہو گی اور اگر وہاں صحیح ہو اور یہاں غلط ہو تو ان دونوں تشبیہوں میں فرق کی وجہ مطلوب ہے۔

تحقیق حضرت گنگوھیؒ دربارہ تشبیہ

ناظرین کی توجہ کے لئے ایک بات عرض کی جاتی ہے کہ محترم جناب مولنا صاحب کی تقریر دربارہ تشبیہ آپ نے ملاحظہ فرما لی ہے اب آپ کے سامنے ان کے استاذ الاستاذ قطب العالم محدث اعظم حضرت مولنا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کی تقریر دلپذیر بھی پیش کر دیتا ہوں تاکہ شیخ خود باتوں کو تولیں گے اور سوچیں گے کہ کس کی بات وزنی ہے اور علم کی بات کون کرتا ہے۔

حضرت قطب العالم نے لطائف رشیدیہ میں فرمایا ہے

پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات اور صُم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں وجہ شبہ کی حقیقۃً ہوتی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاحِ سماعت نہیں۔ لہٰذا معنے عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہو گا۔ البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہٰذا حسب قاعدہ مرجّح عدم سماع ہے۔

دیکھا حضرت گنگوہیؒ مُردوں میں سماعِ نافع یا قبولیت والا سماع مراد لینے کو غلط فرماتے ہیں اور سماعِ نافع یا سماع قبول صرف مشبہ یعنی کفار کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں اور سماع الموتٰی کے مصنف دونوں میں مجازی معنے مراد لیتے ہیں

نتیجہ

اب قواعد پر نظر کی جائے تو حضرت گنگوہیؒ کی تقریر قواعدِ عربیت کے مطابق ہے اور مصنفِ سماع الموتٰی کی تقریر قواعدِ عربیت کے سراسر خلاف ہے لہٰذا مولنا قطب العالم گنگوہی رحمۃ اللہ کی تقریر ہی مسموع مقبول معتبر اور معتمد علیہ اور راجح سمجھی جائے گی اس پر کسی دوسرے اعلیٰ سے اعلیٰ عالم کی بات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی جبکہ قواعد بھی اس سے آئی ہو یعنی جب آیت انک لا تسمع الموتٰی میں استعارہ مصرحہ ہے اور استعارہ مصرحہ میں وجہ شبہ کا مشبہ بہ میں اقویٰ ہونا صحتِ استعارہ کیلئے شرط ہے۔ جب مشبہ اور مشبہ بہ ہر دو میں یکساں طور پر نفیِ سماعِ نافع مراد لئے جائیں تو استعارہ باطل ہو جائیگا اور قرآنی فصاحت و بلاغت اور اعجاز میں فرق آجائے گا اور اصطلاحِ اہلِ عربیت اور اہلِ علمِ بیان کے خلاف بھی ہو گا۔

اور اگر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر دیکھیں تو بات نہایت ہی سہل ہے یعنی لفظِ اموات میں عدم سماع مطلق مراد لیا جائے اور کفار میں عدم قبول مراد لیا جائے تب استعارہ بھی درست ہو جائے گا اور بلاغتِ قرآنی بھی اپنی جگہ قائم رہے گی اور قواعدِ عربیت کے خلاف بھی کچھ لازم نہ آئے گا۔

اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ یہ استعارہ مصرحہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ ان آیات میں کفار کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ صرف موتیٰ کا ذکر ہے مشبہ کا ذکر نہ کرنا اور مشبہ بہ کا ذکر کرنا اور مشبہ بہ سے مشبہ مراد لینے کو اصطلاحِ علمِ بیان میں استعارہ کہا جاتا ہے۔ حضرت علامہ سید سند شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے وعرف الاستعارۃ بان تذکر احد طرفی التشبیہ وتریدبہ ای بالطرف المذکور الآخر ای الطرف المتروک مدعیا دخول المشبہ فی جنس المشبہ بہ کما تقول لقیت فی الحمام اسدا وانت تریدبہ الرجل الشجاع وقسمہا الی المصرحۃ والمکنی عنہا وعنی بالمصرح بہا ان یکون الطرف المذکور من طرفی التشبیہ ہو المشبہ بہ یعنی استعارہ مصرحہ اس کا نام ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں سے مشبہ بہ کا ذکر کیا جائے اور مشبہ کا ذکر چھوڑ دیا جائے گویا مشبہ مشبہ بہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے جیسے کوئی کہے حمام میں شیر ہے اور شیر سے مراد لیا ہو بہادر آدمی۔ تو اسی طرح ان آیات میں مشبہ بہا موتیٰ کو ذکر کیا ہے اور اس سے کفار مراد لئے ہیں تو مشبہ بہ میں تو یہ استعارہ مصرحہ ہوا۔ اور استعارہ مصرحہ میں بقاعدۂ علمِ بیان صحتِ استعارہ کے لئے شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وجہِ شبہ کی اقوی ہو ورنہ استعارہ باطل ہوگا۔ چنانچہ حضرت علامہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے وکون وجہ الشبہ اقوی شرط فی الاستعارۃ المصرحۃ۔ اور علامہ دسوقی رحمہ اللہ نے مختصر المعانی کے حاشیہ میں لکھا ہے وتوضیح ذلک ان الاستعارۃ تعتمد التشبیہ والتشبیہ الذی بنی علیہ الاستعارۃ یقتضی قوۃ المشبہ بہ عن المشبہ فی وجہ الشبہ یعنی وجہِ شبہ میں مشبہ بہ مشبہ سے قوی ہوتا ہے اور مختصر معانی میں علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو لکھا والجامع یجب ان یکون فی المستعار منہ اقوی اس کی شرح میں حضرت ابراہیم دسوقی رحمہ اللہ نے لکھا وقولہ اقوی ای من نفسہ حال کونہ فی المستعار لہ وانما وجب ذلک لتکون الاستعارۃ مفیدۃ پس لفظ موتیٰ آیتِ کریمہ میں مشبہ بہ ہے اور کفار مشبہ ہے اور وجہِ شبہ کی عدمِ سماع ہے پس موتیٰ میں یہ وجہِ شبہ کی اقوی اور اکمل ہونا شرط ہے ورنہ استعارہ باطل ہوگا اور بلاغتِ قرآنی میں نقص لازم آئے گا۔

امید ہے کہ علمی ذوق رکھنے والے اس بات پر بخوبی غور فرمائیں گے۔ اور میرے محترم مخدوم کی بات کو اندھی تقلید کی نذر نہ فرمائیں گے۔ ؎ گاہ باشد کہ کودکے ناداں :: بہ غلط بر ہدف زند تیرے

مولانا شاہ راہِ بریلویہ پر

نیز محترم جناب مولانا صاحب نے جو قلبِ موضوع کا ارتکاب فرمایا ہے جو کسی طرح کسی فن میں جائز نہیں ہو سکتا نہ کوئی عالم ایسا کر سکتا ہے وہ یہ کہ علمِ بیان میں تو یہ قاعدہ صراحت سے ذکر ہے کہ استعارہ مصرحہ میں مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا اقوی ہونا صحتِ استعارہ کے لئے شرط ہے واجب اور لازم ہے۔ مگر آپ نے الٹا مشبہ بہ یعنی اموات میں وجہ شبہ کی کم اور مشبہ یعنی کفار میں وجہ شبہ کی اقوی ثابت کی ہے کیونکہ جب وجہ شبہ کی عدمِ سماعِ قبول ہے تو مشبہ بہ یعنی اموات میں نہایت کم ہے کیونکہ آپ سماع الموتٰی ص ۲۴۳ میں یہ بات کرتے ہیں کہ اموات قبروں میں قرآن مجید کو بڑی رغبت سے سنتے ہیں۔ قرآن حکیم کی آواز سے مانوس ہوتے ہیں خوش ہوتے ہیں قبروں پر ذکرِ الٰہی کرنے سے مُردوں کو انس ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اور بخلاف اس کے کفار کی حالت یہ تھی کہ صوتِ قرآن (قرآن کی آواز) سے سخت متنفر ہو کر اپنے کانوں میں انگلیاں دیتے تھے۔ قرآن پڑھنے کی جگہ سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ قرآن پڑھنے والوں کو قتل کر دیتے تھے۔ قرآن مجید کی بے عزتی کرتے تھے خدا معلوم اور کیا کیا ادھم مچاتے تھے۔ بہرحال وجہ شبہ کفار میں جو مشبہ ہیں کس قدر قوی کامل بلکہ اقوی و اکمل موجود ہے اور اموات و اہلِ قبور میں کس قدر کمزور بلکہ قریب نادر کے ہے۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ اموات (مشبہ بہا) میں وجہ شبہ کی اقوی و اکمل ہوتی اور کفار (مشبہ) میں کم ہوتی۔ اور یہاں اس کے برعکس ہے اور یہی ہے قلبِ موضوع جس کا ارتکاب محترم جناب مولانا صاحب نے کیا ہے

نیز آپ کی یہ تقریرِ تشبیہ والی تمام فقہائے حنفیہؒ کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے انک لا تسمع الموتٰی میں اموات اور کفار ہر دو میں وجہ شبہ کی مساوی رکھی ہے اپنے زعم کے بموجب یعنی عدمِ سماعِ قبول یا عدمِ سماعِ نافع۔ لیکن تمام فقہائے حنفیہؒ بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس بات کو واضح فرماتے ہیں کہ اموات میں جو مشبہ بہ ہیں عدمِ سماعِ مطلق ہے اور کفار میں جو مشبہ ہیں عدمِ سماعِ قبول مراد لیا ہے چنانچہ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے "تو التشبیہ بحال الکفار فی عدم انتفاعہم للحق بحال الموتٰی و ہو یفید تحقیق عدم سماع الموتٰی اذ ہو فرعہ یعنی یہ حال کفار کو حال موتٰی کے ساتھ ان کا حق بات کو تصدیق نہ کرنے کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ یہ بات سمجھاتی ہے کہ واقعی مُردے نہیں سنتے اور یہ تشبیہ اسی پر متفرع ہے۔

علامہ عینیؒ

علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی شرح بخاری ج ۴ ص ۲۲۵ میں لکھا ہے قال الفقیہ ابو اللیث السمرقندی

رحمہ اللہ تعالیٰ اذ ہو مثل ضربہ للکفار فکما انک لا تسمع الموتیٰ فکذٰلک لا تفقہ کفار مکہ یعنی فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرمایا کہ یہ کفار کو مثال دی گئی ہے کہ جس طرح تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا اسی طرح مکہ کے کافروں کو بھی تو نہیں سمجھا سکتا۔ اور اسی قاعدہ کے مطابق کہ نقل تصحیح ہوتی ہے علامہ عینی نے بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی

دیگر فقہاء احناف

دیکھ لیا کہ میت مشبہ بہ کی جانب عدم سماع مطلق ہے کیونکہ نکرہ سیاق نفی میں فائدہ عموم کا دیتا ہے اور کفار مشبہ کی جانب عدم سماع قبول ہے جس کو فقاہت کے ساتھ تعبیر کیا۔ اسی طرح عامہ کتب حنفیہ میں ہے اور حضرت قطب العالم فقیہ النفس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو خوب واضح فرمادیا ہے۔ اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار حاشیہ در مختار اور حضرت ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اور دوسرے فقہاء نے بھی بیان فرمایا ہے

ایک سوال

نیز ہمارا ایک سوال ہے کہ قبروں میں پڑے ہوؤں کو قرآن مجید پڑھنے سے انس جو ہوتا ہے اس انس کے ساتھ مسلمان موتیٰ مخصوص ہیں یا کفار بھی شامل ہیں۔ اگر کہو کہ کفار بھی اس انس میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرنے کے بعد کفار کو قرآن خوانی کا فائدہ ہوتا ہے اور ان کو ثواب پہنچتا ہے پھر لازمی بات ہوگی کہ ان کے حق میں استغفار کی جائے تو مفید رہے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے حق میں استغفار کرنے سے نبی پاک کو بھی منع فرمادیا ہے اور تمام مومنین کو بھی۔ چنانچہ فرمایا ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین الاٰیۃ اس لئے قرآن پڑھنے سے انس اگر ہو سکتا ہے تو مسلمان کو ہی ہو سکتا ہے اب جب مسلمان میت قرآن مجید سے مانوس ہوتا ہے تو آپ غور فرمائیں کہ انک لا تسمع الموتیٰ میں جب سماع نافع کی نفی مان لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ کفار کو مومن میت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو آپ کے تشبیہی قانون کے مطابق کفار اور مومنین کی باہم مساوات ثابت ہوگئی وہ کیا تم نے۔

الحاصل

بہرحال موتیٰ سے یہاں مجازی طور پر کفار مراد ہیں حق اور اسلام اور قرآن مجید سے اعراض کرنے کی وجہ سے جیسے حافظ ابن حجر کنانی عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳، ص ۲۳۴ میں لکھا ہے قیل ہو مجاز والمراد بالموتیٰ وبمن فی القبور الکفار شبہوا بالموتیٰ وہم احیاء مگر اس مسلک کو قیل کے لفظ سے تعبیر کیا جو اشارہ ضعف کی طرف ہوتا ہے۔ اب مسلک قوی کونسا ہے اس کے لئے تتبع کیا تو اسی صفحہ پر حافظ صاحب فرماتے ہیں وقد اختلف اہل التاویل فی المراد فی قولہ تعالیٰ انک لاتسمع الموتیٰ وکذا انک المراد بمن فی القبور فحملتہ عائشۃ علی الحقیقۃ وجعلتہ اصلاً احتاجت معہ الی تاویل قولہ علیہ السلام ما انتم باسمع لما اقول منہم وہذا قول الاکثر یعنی انک لاتسمع الموتیٰ اور من فی القبور سے کیا مراد ہے اسمیں اختلاف ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اکثر اہل اسلام علماء کرام آیت کریمہ انک لاتسمع الموتیٰ میں حقیقی معنے یعنی مُردے ہی مراد لیتے ہیں (اور مجازی معنے کفار مراد نہیں لیتے) اور یہی مذہب ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا اور یہی مذہب ہے جمہور اور اکثر علماء اہل اسلام کا اور اصول فقہ حنفی کے موافق بھی یہی ہے کہ حقیقۃ متعذر ہو اور مہجور نہ ہو تو حقیقۃ مستعمل ہی مراد کے لئے متعین ہوتی ہے پس موتیٰ کو اپنے حقیقی معنی موضوع لہ پر ہی قائم رکھا جائے گا اور لفظ موتیٰ سے دوسرے معنے جو مجازی ہیں اور بطور استعارہ کے ہیں یعنی کفار مراد نہ لئے جائیں گے۔ اور یہی مذہب جمہور کا ہے

لیکن بعض علماء نے انک لاتسمع الموتیٰ میں تشبیہ کو تسلیم کیا ہے تو وہ مشبہ بہ یعنی موتیٰ میں مطلق سماع کی نفی اور مشبہ یعنی کفار میں سماع قبول کی نفی مراد لیتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا مدلل جواب

سوال تفسیر مدارک میں ہے شبہ الکفار بالموتیٰ حیث لاینتفعون بمسموعہم یعنی کفار کو مُردوں کے ساتھ مثال تشبیہ دی گئی ہے کہ مُردوں کو ان کی سنی ہوئی بات سے کچھ نفع نہیں ہوتا

جواب: سوال میں ترجمہ غلط کیا گیا ہے کہ لاینتفعون میں ضمیر مرفوع متصل غائب اور بمسموعہم میں ضمیر مجرور متصل غائب موتیٰ کی طرف راجع کی گئی ہے حالانکہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع کفار ہے نہ موتیٰ اور حقیقت ہے کہ واقعی کفار نصائح وغیرہ سے نفع نہیں اٹھاتے

دلیل اس امر کی کہ صاحب مدارک یہ دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع فرماتے ہیں یہ ہے کہ آپ نے سورۂ نمل کی آیت انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بہادی العمی عن ضلالتہم الآیہ کی تفسیر میں فرمایا ہے لما کانوا لا یعون ما یسمعون ولا ینتفعون بہ شبہوا بالموتیٰ وہم احیاء

اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ ان دونوں کا مرجع کفار ہے نہ موتیٰ

پھر صوفی صافی خازن شافعی مذہب والے نے تو صاف فیصلہ ہی کر دیا فرمایا انک لا تسمع الموتیٰ یعنی موتی القلوب وہم الکفار ومعنی الآیۃ لفرط اعراضہم عما یدعون الیہ کالمیت الذی لا سبیل الیٰ سماعہ۔ یعنی چونکہ کفار نہایت درجہ قرآن سے، اسلام سے، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے اعراض کرتے ہیں درگذر موڑتے ہیں اسی وجہ سے کہ شدت کے ساتھ اعراض کرتے ہیں کفار کو میت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس میت کے لئے سننے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا۔

دوسری دلیل اس امر کی کہ لا ینتفعون اور مسموعہم کی ضمیریں کفار کی طرف ہی راجع ہوتی ہیں موتیٰ کی طرف راجع نہیں ہوتیں یہ ہے کہ اگر یہ ضمیریں موتیٰ کی طرف راجع ہوں تو وہ روایتیں غلط قرار دی جائیں گی جن میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ مردہ قبر میں قرآن کی آواز سے انس حاصل کرتا ہے ہری گھاس کی تسبیح سے انس حاصل کرتا ہے ذکر الٰہی سے انس کرتا ہے وغیرہ وغیرہ کیونکہ جملہ فعلیہ حکم میں نکرہ کے ہوتا ہے اور نکرہ سیاق نفی میں فائدہ عموم کا دیتا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مسموعات اموات کا ہر ایک قسم کا نفع اموات سے منتفی ہوگا۔ حالانکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ مردوں کو مسموع قرآنی وغیرہ نفع بخش ہیں۔ پس ان دونوں ضمیروں کا کفار کی طرف راجع کرنا ضروری ہوگا

سوال نمبر ۲ مع جواب

سوال: حلبی نے لکھا ہے واجیب ایضاً من طرف المثبت...... والسماع المنفی فی ہٰذہ الآیۃ ونحوہا ہو السماع وقد اشار الیٰ ذلک الجلال السیوطیؒ فقال سماع الموتیٰ کلام الخلق حق الخ

جواب یہ کلام کسی شافعی مذہب والے کا ہے سیوطیؒ بھی شافعی ہے اور اس قول پر جو اعتراض وارد ہوتے ہیں وہ ہم نے بیان کر دئے ہیں ان کا حل مطلوب ہے بعض اقوال الرجال کی بھرتی کوئی سودمند نہیں ہے خاص کر کے جب ایسے رجال کی بات اپنے صاحب مذہب کے خلاف ہو۔ تو اس کو کون تسلیم کرنے کو تیار ہوگا۔

سوال نمبر ۳ مع جواب

سوال: تفسیر بیضاوی میں ہے وانما شبہوا بالموتٰی لعدم انتفاعہم باستماع ایتلیٰ

جواب: یہ ضمیریں بھی کفار کی طرف راجع ہیں ان دلائل کی وجہ سے جو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ نیز یہاں ایک تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر کفار کی طرف ضمیر راجع نہ کریں تو انتشار فی الضمائر لازم آئے گا۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ سورۂ روم کی تفسیر خود بتا رہی ہے کہ یہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے۔ پانچویں وجہ یہ بھی ہے کہ مصنفین کی عادت ہے کہ اِنَّمَا کے لفظ سے کلام شروع کرتے ہیں جہاں کسی سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں اور یہاں بھی جب کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی تو سوال ابھر سکتا ہے کہ کفار کو مُردوں سے کیسے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ مُردوں میں تمام حواس مفقود ہوتے ہیں اور کفار تو زندہ ہیں ان میں تمام حواس موجود ہیں تو جواب دیا اِنَّمَا کے ساتھ کہ بیشک کفار میں تمام حواس قائم ہیں بولتے دیکھتے سنتے ہیں مگر جو مقصد تھا کہ ان حواس سے کام لیں حق بات بولیں مصنوعات کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں خدا کی قدرت کا اقرار کرتے ہوئے توحید کے قائل ہو جائیں اور قرآن پاک سن کر کفر شرک سے باز آ جائیں جب وہ کافر ان خداداد حواس سے کام نہیں لیتے تو یہ مُردوں کے حکم میں ہوئے ان کا سننا نہ سننے کے حکم میں ہے ان کا دیکھنا نہ دیکھنے کے حکم میں ہے ان کا بولنا نہ بولنے کے حکم میں ہے گویا یہ مُردے ہیں یا گویا یہ لوگ گونگے بہرے اندھے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مُردے سنتے بولتے دیکھتے جانتے اور پہچانتے ہیں یا گونگے بولتے ہیں بہرے سنتے ہیں اور اندھے دیکھتے ہیں مگر ان کو بولنے سننے اور دیکھنے کا فائدہ نہیں ہے۔

سوال نمبر ۴ مع جواب

سوال روح البیان میں ہے وانما شبہوا بالموتٰی لعدم انتفاعہم بما تتلٰی علیہم من الآیات

جواب: یہاں بھی ضمیریں کفار کی طرف راجع کیا۔ دلائل بھی وہی جو اوپر ذکر ہو چکے ہیں۔ نیز روح البیان ج ۴ ص سورۂ فاطر میں ہے وما انت بمسمع من فی القبور شبہ اللہ من طبع علی قلبہ بالموتٰی فی عدم القدرۃ علی الاجابۃ فکما لا یسمع اہل القبور ولا یجیبون کذلک الکفار لا یسمعون ولا یقبلون الحق یعنی جن کے دل پر مہر لگ چکی ہے ان کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اس بات میں کہ حق قبول کرنے پر انہیں قدرت نہیں تو جس طرح کہ قبروں والے نہیں سنتے اور نہ ہی جواب دیتے ہیں اسی طرح یہ کافر لوگ بھی حق بات نہ سنتے ہیں اور نہ ہی قبول

کرتے ہیں۔ دیکھا روح البیان والے نے کیسے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جس طرح قبر میں پڑے ہوئے مُردے نہ سنتے ہیں اور نہ جواب دیتے ہیں اسی طرح کافر لوگ حق بات نہ سنتے ہیں اور نہ قبول کرتے ہیں

سوال نمبر ۵ مع جواب

سوال اگر آیت کریمہ کا منطوق مطلق عدم سماع موتیٰ ہو تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز مؤکد بقسم نہ کرتے نہ فرماتے والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول لھم کیا آپؐ والعیاذ باللہ قرآن شریف کے خلاف فرما رہے ہیں اور وہ بھی تب جبکہ یہ آیات تو مکی ہیں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک ہجرت الی المدینۃ المنورہ کے بعد دوسرے سال جنگ بدر کے موقعہ پہ ہوا۔

جواب انک لا تسمع الموتیٰ اور ما انت بمسمع من فی القبور میں عادت اور تشریع کا انکار ثابت کیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں خرق عادت معجزہ یا کرامت کا ابطال نہیں کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پیغمبر کا معجزہ بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ عامہ علماء و فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سب متفق اللفظ ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین مشرکین کو خطاب کرنا اور آپ کے خطاب کو ان کا سن لینا بطور معجزہ کے تھا اور ان سے مخصوص تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بعض کفار اور ان کے دلوں کو پتھروں سے تشبیہ دی ہے ثم قست قلوبکم من بعد ذٰلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ کفار پتھر کی طرح حق کی جانب سے سخت اعراض کرنے والے ہیں۔ اس آیت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اعجاز پتھروں میں جاری نہیں ہو سکتا۔ بلکہ پتھروں میں واقعۃً اعجاز ظاہر ہوا چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مؤکد بقسم ہے واللہ انی لاعرف حجرًا بمکۃ کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفہ الآن (صحیح مسلم) اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ پتھر عام طور پر ناقابل ہوتے ہیں ان میں انفعالی مادہ نہیں ہوتا اسی طرح کفار کے دل بھی حق کو قبول کرنے والے نہیں ہیں مگر بعض پتھر بطور ارہاص یا اعجاز کے آپؐ کو سلام کرتے اور آپ پر ایمان لاتے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ اعجاز یا ارہاص کا انکار آیت کریمہ سے نہیں نکلتا

سوال نمبر ۶ مع جواب

سوال: قلیب بدر والوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب ہونا اور ان کا آپ کا کلام سن لینا معجزہ نہ تھا کیونکہ معجزہ تو اس وقت دکھایا جاتا ہے جب کہ کفار کی طرف سے مسلسل انکار ہو۔ نبوت کے ثبوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور

معجزہ بطورِ سند ثبوت پیش ہوتا ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کفار موجود ہیں نبی کی نبوت پر ایمان لائیں اور عذاب سے
بچ جائیں۔ مقتولین بدر کے خطاب میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ نہ کسی نے مطالبہ کیا نہ کفار مخاطبین
اس حالت میں تھے کہ حضورؐ کا خطاب سُن کر ایمان لا سکیں اور عذاب سے بچ سکیں پھر اس کو معجزہ قرار دینا کیونکر درست ہے۔

جواب: سچے دعویٰ نبوت کے ہاتھوں خدا کی قدرت سے جو امر خلافِ عادت ظاہر ہو اُسے معجزہ کہتے ہیں اس خرقِ
عادت امر کے ظاہر ہونے کے لئے کفار کی طرف سے مطالبہ ہونا شرط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ اظہار معجزہ کفار ہی کے
لئے ہو۔ کیا مومنوں کے لئے معجزہ ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ورنہ فرقہ معتزلہ کی طرح معجزاتِ کثیرہ کا انکار کرنا ہوگا۔ مثلاً
ہمارا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے تھوڑے سے حصے میں بنفس نفیس بذاتِ خود بجسدہ و روحہ
مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے اور جنت میں بھی تشریف لے گئے
اور دوزخ بھی دیکھا اور اپنے رب کی بڑی بڑی آیات دیکھیں یہ بہت بڑا جلیل القدر معجزہ ہے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا مگر کفار نے نہ اس معجزہ کا مطالبہ کیا تھا اور نہ اس رات کو کفار مکہ ابوجہل وغیرہ آپ کے پاس موجود تھے۔ اگر معجزہ
کی یہ شرط مانیں جو سوال میں درج ہے تو معجزہ اسراء و معراج کا انکار لازم آئیگا جو کفر ہے۔ اسی طرح حضرتؐ نے بکری کے
تھنوں کو معصوم ہاتھ لگائے تو دودھ اتر آیا حالانکہ اس کے تھنوں میں دودھ نہ تھا۔ آپؐ نے جنگ بدر میں جنگ سے پہلے نشان
دہی فرمادی تھی کہ فلاں مشرک یہاں گر کر مرے گا اور فلاں مشرک یہاں گر کر مرے گا۔ ایک صحابیؓ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی
آپؐ نے اس پر معصوم ہاتھ پھیرا، ٹانگ درست ہو گئی۔ آپؐ نے آٹے اور ہنڈیا میں لب مبارک ڈالی تو دس آدمیوں کا
کھانا ہزار صحابہؓ کیلئے کافی ہوگیا سب کا پیٹ بھر گیا۔ لوٹے میں تھوڑا سا پانی تھا آپؐ نے اپنا معصوم ہاتھ لوٹے میں ڈالا آپؐ کی
معصوم انگلیوں میں سے پانی فوارہ کی طرح ابلتا تھا ڈیڑھ ہزار صحابہؓ نے پانی پیا اور اس سے وضو بھی کیا۔ حدیبیہ کے
کنوئیں میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا آپؐ کنوئیں کے کنارہ پر بیٹھ کر ایک برتن کے پانی سے وضو فرمایا دعا فرمائی اور
کلی کا پانی کنوئیں میں ڈال کر فرمایا تھوڑی دیر ٹھیرو پھر چودہ پندرہ سو بندے خود بھی سیر ہوئے اور سواریاں بھی سیراب
ہوئیں۔ تب وہاں سے کوچ کیا۔ ایک عورت اپنے اونٹ پر پانی کے پکھال لاد کر جارہی تھی صحابہؓ نے اسے حضرتؐ کی
خدمت میں پیش کر دیا آپؐ نے برتن منگوایا کر پکھال کے دونوں دہانوں میں سے اس برتن میں پانی ڈالوا اور سب کو آواز
دیدی کہ پلاؤ ایک دوسرے کو اور اپنی ضرورت کے مطابق پانی لو پھر چالیس بندے تھے سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی اپنی

نکلیں چھاگلیں اور دوسرے برتن بھی بھر لئے اور کچھال پہلے سے بھی زیادہ بھری ہوئی لگتی تھی۔ حضرت ایک جنگل بیابان میں رفع حاجت کے لئے تشریف لے جاتے ہیں کوئی پردہ کی جگہ نہیں وہاں دو درخت تھے ایک کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا باذن اللہ میرا حکم مان لے جیسے اونٹ کی نکیل پکڑ لیتے ہیں اور وہ پیچھے پیچھے چلا آتا ہے ایسے ہی وہ درخت آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا ایسے ہی دوسرے درخت کی شاخ پکڑ کر فرمایا وہ بھی آگیا پھر فرمایا تم آپس میں مل کر باذن اللہ مجھ پر سایہ کرو۔ وہ دونوں مل گئے آپ نے رفع حاجت فرمائی پھر دونوں درخت چل کر اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلمۃ بن الاکوع کی پنڈلی میں چوٹ لگی اس قدر شدید زخم ہوا کہ لوگوں نے سمجھا مر گیا آں حضرت ص نے زخم کی جگہ تین بار پھونک مارا۔ سب دکھ جاتا رہا اور خیر بن کر آیا۔ آپ اس پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے تو جس تنہ کھجور کے ساتھ تکیہ لگا کر اس سے پہلے خطبہ دیا کرتے تھے وہ رونے لگ گیا حضرت کے فراق سے تو آپ نے منبر سے اتر کر اس تنہ کو اپنے معصوم ہاتھوں سے پکڑا اور تسلی دینے کے لئے اس کو اپنے گلے سے لگا تو جیسے چپ کراتے وقت بچہ آواز رونے کی بدلتا ہے اسی طرح وہ تنہ بھی آواز کرنے لگا یہاں تک کہ آرام پکڑ گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگریزوں کی مٹھی لی تو وہ سنگریزے آپ کے مبارک ہاتھوں میں تسبیحیں پڑھتے تھے۔ حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ ہم نے خود ان کی تسبیح سنی۔ اسی طرح بے شمار معجزات ہیں۔ اگر وہ شرائط مانیں جو سوال میں درج ہیں تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی ہوگی والعیاذ باللہ یا تو ان سب کو معجزہ نہ مانیں اور انکارِ معجزہ کر کے معتزلہ کا مذہب اختیار کریں یا پھر نعوذ باللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو منکرِ نبوت قرار دیا جائے۔ پھر اس انکار و مطالبہ صحابہ کے بعد صحابہ کو معجزہ دکھایا گیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں امر غلط ہیں،

پس معجزات کے شرائط جو سوال میں درج ہیں وہی غلط ہیں

۲ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر حضرت کا خطاب اور قلیب بدر والے مشرکین کا سننا معجزہ نہ ہوتا تو محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو معجزات کے باب میں کبھی نہ لاتے۔ مشکوٰۃ شریف ہی اٹھا کر دیکھ لیں باوجودیکہ یہ حدیث ایک دفعہ پہلے بھی گزر چکی ہے پھر دوبارہ باب المعجزات میں لے آئے ہیں اور ان لوگوں کے زعم کی تردید فرما دی جو یہ سمجھے ہیں کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہ تھا۔

۳ تیسری بات یہ ہے کہ اکابر فقہائے عظام حنفیہ کرام اس کو معجزہ قرار دیتے ہیں اب اس کو معجزہ نہ مانیں تو ان تمام اکابر احناف کے خلاف کسی شافعی مسلک والے کی تقلید میں محاذ قائم کرنا ہے۔ اور جو لوگ معجزہ مانتے ہیں وہ اپنے اکابر احناف

کی بات بتاتے ہیں اپنی رائے سے بات نہیں کرتے

۴ چوتھی بات یہ ہے کہ کئی آیتیں تین سو صحابۂ کرام نے یاد کر رکھی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انہیں میں تھے جیسے دیگر اشکالات حضرت عمرؓ کے ذریعے حل ہوتے تھے ایسے ہی یہ اشکال بھی حل ہوا کہ خدا نے تو اپنے کلام پاک میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مُردے نہیں سنتے اب آپؐ ان مُردوں کو کیسے خطاب فرما رہے ہیں بظاہر یہ خطاب بے سود سا معلوم ہوتا ہے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو بے سود کام کرنے سے منزہ ہیں اب ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ آپؐ ان مردوں کو کیسے خطاب فرما رہے ہیں جن کی روحیں تین روز ہوئے نکل چکی ہیں اب یہ کنوئیں میں پڑے ہیں بے جان بدبودار جُثّے ہیں یہ کیا سنیں گے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ہی سے پوچھ لیا جس کا جواب آپ نے یہ فرمایا کہ یہ (قلیب بدر میں پڑے ہوئے بے جان بدبودار جُثّے) یقیناً اس وقت ان سے جو بات میں کہہ رہا ہوں تم سے بھی زیادہ سُن سمجھ رہے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ (تین سو افراد) رضی اللہ عنہم سب کے سب اہل لسان تھے انہیں ہماری طرح گرامر پڑھنے کی ضرورت نہ تھی وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بچی تلی فصیح بلیغ عبارت سُن کر بات سمجھ گئے کہ قرآن پاک کا فرمان بھی برحق ہے اس میں شک نہیں۔ اور یہ خطاب وقتی طور پر انہیں کیلئے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کے کلام کو انہیں سنا دیا۔ سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپؐ کا یہ جواب سُن کر مطمئن ہو گئے۔ نہ قرآن کی آیات میں انہیں الجھن ہوئی نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے انہیں اشکال ہوا جیسے صحابۂ کرامؓ آپؐ کے دیگر معجزات دیکھ کر ایمان لاتے تھے ایسے ہی یہ معجزہ دیکھ کر بھی آپ سمجھ گئے کہ یہ نبوۃ کی دلیل ہے۔

۵ پانچویں بات یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کے اس قول کی کہ کیف تکلم اجسادًا لا ارواح فیہا کی تردید فرماتے اور فرماتے ان فیہا الارواح (ان جسموں میں ارواح ہیں) جو مختصر بھی اظہر بھی اور مطلوب پر ادل بھی تھے اور زیادہ اہم بھی تھا کیونکہ اس وقت تک کسی صحابی کو یہ علم نہیں تھا کہ دفن کے بعد روح واپس آ جاتی ہے کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو راوی ہیں عود روح کے وہ بدر میں شریک نہ تھے شاید اسلام بدر کے بعد لائے ہوں۔ اگر اعادۂ روح کا مسئلہ حق تھا اور حضرت عمرؓ نے غلط بات کی تھی تو جیسے آپ نے دوسروں کو تعلیم دی من رای منکم منکرا فلیغیرہ آپؐ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تغییر منکر پر پورے پابند تھے فرما دیتے کہ اب ان اجساد میں رُوح واپس آ چکی ہے۔ لیکن آپ نے یہ مختصر سی عبارت بولنے کی بجائے لمبی چوڑی عبارت ارشاد فرمائی ما انتم باسمع لما اقول منہم غیر انہم لا یستطیعون ان یردوا علیّ شیئاً حالانکہ اتنی کلام سے بھی یہ مطلب حل نہیں ہوتا کہ ان اجساد میں روح آ چکی ہے بلکہ تبادر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن بے روح کے دھڑوں کے ساتھ

براوین ۱۱

خطاب کرنے سوال ہوا ہے اسی سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ یہاں بے روح کے دھڑ تم سے زیادہ سُن رہے ہیں مگر یہی فرما کر سکوت نہیں فرمایا بلکہ فرمایا وہ بات سُن رہے ہیں جو اسی وقت خاص میں خود میں آپ جو ان سے کہہ رہا ہوں۔ یعنی صرف میری بات سن رہے ہیں تمہاری نہیں سنتے اور میری بھی صرف وہی بات سن رہے ہیں جو اس وقت میں ان سے کہہ رہا ہوں۔ کسی دوسرے وقت میں میں خود بھی گفتگو کروں تو نہ سنیں گے۔ پھر سُن بھی رہے ہیں تو صرف یہی قلیب بدر والے اگر کسی اور میت سے میں آپ گفتگو کروں تو وہ بھی نہ سنیں گے۔ قرآن پاک بلاشبہ معجزہ ہے اس کے اتارنے کا مطالبہ کرنا

سوال نمبر ۷ مع جواب

سوال: علامہ مازرتی فرماتے ہیں کہ اس قول سے اختصاص کا مفہوم لینا جمہور کے قول کے خلاف ہے

جواب ایسی واضح بات کا انکار علامہ مازرتی نہیں کر سکتے کسی نے ان کی طرف غلط نسبت کی ہے یا علامہ کی بات سمجھ نہیں سکے فہم کسی کی حجت نہیں اگر انہوں نے فرمایا بھی ہو تو بھی مخالف قواعد ہونے کی وجہ سے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا ہے بذل المجہود ج ۲ ص ۱۰۳ میں ہے جیسے ذلک لاتخشی علی القواعد یہ سب قواعد کے خلاف ہے

سوال نمبر ۸ مع جواب

سوال توحید کے مدعیوں کا دعویٰ کہ مُردے سنتے نہیں غلط ہے نیز ان کا دعویٰ کہ قرآن مجید میں ہے کہ مُردے نہیں سنتے سراسر جھوٹ ہے قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے کہ مُردے نہیں سنتے

جواب: قرآن مجید میں ہے والذین تدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئا وہم یخلقون اموات غیر احیاء (یہ کافر خدا کے سوا جس کی عبادت کرتے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کوئی چیز بھی نہیں پیدا کر سکتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں وہ مُردے ہیں زندہ نہیں ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا شاید یہ ان کو فرمایا جو مرے ہوئے بزرگوں کو پوجتے ہیں اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ لوگ وَدّ سواع یغوث یعوق نسر کو پوجتے تھے جو نیک اور عبادت گزار انسان تھے اسی طرح لات وغیرہ اور پھر فرمایا والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر ان تدعوھم لا یسمعوا دعاءکم اور اللہ کے سوا جن (مرے ہوئے بزرگوں) کو تم پکارتے ہو تو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سن ہی نہیں سکتے۔ (جب مرے ہوئے بزرگ بھی نہیں سُن سکتے تو دوسرے مُردے کیسے سن سکتے ہیں) قرآن آیات سے بات واضح ہو گئی کہ جب مرے ہوئے بزرگوں کو پکارا جاتا ہے تو وہ بھی پکار نہیں سُن سکتے تو دوسرے

مُردے تو بطریق اولیٰ پکار نہیں سن سکتے۔ پس یہ کہنا کہ قرآن مجید میں کہیں نہیں کہ مُردے نہیں سنتے یہ سراسر غلط ہے

نیز علماء کرام یہی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں صاف ظاہر ہے کہ نہیں سنتے۔ چنانچہ سب سے پہلے تمام مومنین کی اکرم عزیز اماں جان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت سے مردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے (کشف الرحمٰن ص ۶۵۳)

اور حضرت سید محمد انور شاہ صاحب محدث دیوبندی رحمۃ اللہ عرف شذی ص ۲۸۶ ۳ میں فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ عدم سماع موتی کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور نواب قطب الدین دہلوی نے بھی مردے نہیں سنتے اس کی دلیل یہی آیت بیان کی ہے انت بمسمع من فی القبور۔ مفتی عزیز الرحمٰن نے تو عزیز الفتاویٰ ج ۳ ص ۷۶ ۹ میں صاف لکھ دیا سماع میت ثابت نہیں ہے بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے قال اللہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور و قال تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ۔ اسی طرح تمام منکرین سماع موتیٰ نے استدلال میں یہی آیات پیش فرماتے ہیں پھر یہ کہنا کہ قرآن مجید میں کہیں نہیں کہ مُردے نہیں سنتے صریح غلط ہے۔ یا پھر کچھ ان حضرات پر بے اعتمادی ہے جو آپ کو حق پہنچتا ہے اور ان حضرات پر بے اعتمادی کر کے بھی آپ دیوبندیت سے نہیں نکل سکتے

سوال نمبر ۹ مع جواب

سوال: قیامت کے دن جن وانس شجر حجر بلکہ ہر شے کا اذان کے متعلق گواہی دینا ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے اذان سنی اور یہ سمجھا کہ یہ اذان ہے اس لئے انسان کا وجود مرنے کے بعد جو شکل بھی اختیار کرے گا بہرحال وہ ایک شے ہوگا لہٰذا انسان کے متعلق یہ کہنا کہ سنتا نہیں عقلاً محال ہے۔

جواب: معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد میت ہر حال میں سنتا ہے میت میں اعادہ روح کی کوئی ضرورت نہیں پھر اعادہ روح والی حدیثوں کی تفصیم پر زور دینا بے کار ہے۔ نیز جب سائل کا یہ مسلک ہے کہ جو چیز عدم سے وجود میں آئی ہے وہ مخلوق ہے اس کا وجود میں آنا زندہ ہونے کی دلیل ہے جب زندہ ہے تو کلام کرتی ہے سنتی ہے دیکھتی ہے بولتی ہے سمجھتی ہے شعور ہر قسم کا رکھتی ہے

اسی طرح جس جسم سے روح نکل گئی ہے تو روح بھی ایک مخلوق ہے وہ زندہ ہے کلام کرتی ہے بات سنتی ہے اور دیکھتی بھی ہے اور ہر قسم کا شعور بھی رکھتی ہے اسی طرح جسم بھی مخلوق ہے۔ اس کا وجود میں آنا زندہ

ہونے کی دلیل ہے لہٰذا وہ مجسم نیز دخول روح کے سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے قدرت بھی رکھتا ہے ارادہ بھی رکھتا ہے اس میں ڈر خشیت خوف بھی ہے محبت و بغض کا مادہ بھی ہے پھر کیسے درست ہے یہ کہنا کہ الجماد لا حس لہ (تلخیص منصور تفذیہ (عبدالحکیم پرخیالی ص۳۱) ، یعنی پتھر میں احساس نہیں تو اس کو عذاب دینے کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے جب کہ سائل کے نزدیک معتزلہ کا فرقہ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے کا منکر ہے۔ نیز سائل لکھتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے خواہ کسی حالت میں ہو اور خارجی اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ میت نہیں سنتا یعنی عدم سماع کے قائل ہیں ، انسان مر کر مٹی ہو گیا تو ایک شے سے دوسری شے میں بدلا مگر شے سے خارج نہ ہوا لہٰذا اس حالت میں بھی حیات شعور ادراک کلام کرنا اور سننا ثابت ہوا

فائدہ

نیلوی کہتا ہے جب یہ بات تسلیم کی جائے کہ مخلوق کا وجود میں آنا زندہ ہونے کی دلیل ہے جب زندہ ہے تو کلام کرتی ہے سنتی ہے دیکھتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ بہرے بھی سنتے ہیں گونگے بھی کلام کرتے ہیں اور اندھے بھی دیکھتے ہیں یا بہرے گونگے بہرے اندھے زندہ نہیں ہیں یا مخلوق یا خود نہیں ہیں نیز ماننا پڑے گا کہ خدا کے کلام میں نعوذ باللہ نقص کذب ہے کیونکہ خدا پاک نے فرمایا ہے کہ کافر جن کو پوجتے ہیں وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو فرمایا تھا یا أبت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر (اے ابا جان تو ایسی مخلوق کی پوجا کیوں کرتا ہے جو نہ سن سکتی ہے نہ دیکھ سکتی ہے) اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق ایسی بھی ہے جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے۔ قرآن پاک تو برحق ہے اللہ سچا ہے اس واسطے سائل کا یہ کلیہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ جو زندہ ہے وہ سنتا دیکھتا ہے اور بولتا ہے کیونکہ اس بات کو ماننے سے قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے جو کفر ہے۔ نیز اس کے اپنے کلام میں کئی طرح کے تعارض اور تدافع لازم آتے ہیں جو کسی عقل مند کے شایان شان سے نہیں چہ جائیکہ عالم ہو۔

نیز اگر یہ بات تسلیم کر لیں کہ ہر مخلوق زندہ ہے اور ہر شے بولتا دیکھتا ہے اور ساتھ یہ بھی تسلیم کر لیں کہ موت مخلوق بالمعنی المتعارف ہے تو موت و حیات کے درمیان ما بہ الامتیاز کیا چیز ہے بلکہ موت کے بعد آپ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احساس بڑھ جاتا ہے کہ تحت الثریٰ سے سن بھی لیتا ہے اور آنکھیں بند ہونے اور کفن اور مٹی کا پردہ ہونے کے باوجود دیکھ پہچان سکتا ہے حالانکہ دنیوی زندگی میں اس طرح نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ پہچان سکتا ہے پھر تعجب ہے کہ یہ بھی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ ما بعد الموت کی حیات ناقص ہے اور دنیوی زندگی میں حیات کامل ہے کیونکہ وہ دنیوی میں اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا دیکھتا سنتا بولتا پکڑتا مارتا چلتا پھرتا ہے حالانکہ دنیوی زندگی میں جب کئی روز خورد و نوش کی کوئی چیز انسان کو نہ ملے تو اس کی آنکھوں کے آگے پردہ سا

غافل ہو جاتا ہے اس کو کچھ نہیں دکھتا وہ لوگوں سے کچھ سنائی نہیں دیتا اس کے منہ سے بات نہیں نکلتی لیکن مرنے کے بعد جب انسان زندگی ملتی ہے تو سب احساسات تیز ہو جاتے ہیں لیکن قبر کے اوپر کھڑے ہونے والے دنیوی زندگی سے متصف زائرین باوجود دنیاوی زندگی کے اس قدر کمزور احساس والے ہیں کہ اگر ہائی پاور کے لاؤڈ اسپیکر کا مائکروفون قبر میں مدفون میت کے منہ کے ساتھ لگا کر اس کی بات یا جواب سلام سننے کی کوشش کریں گے تب بھی یقیناً نہیں سنیں گے الا ان یکون کرامۃ لولی

نیز ایک طرف تو حدیثیں پیش کرتے ہیں جن کا صاف مفہوم ہے کہ میت کا اصول ہے کہ جب بھی زائر سلام کہتا ہے تو میت فوراً اس کے سلام کا جواب دیتا ہے دوسری طرف سخت متردد ہیں کبھی کہتے ہیں فی الجملہ سماع موتی ہے کبھی کہتے ہیں صرف سلام سنتے ہیں کبھی کہتے ہیں کلام اور تلاوت قرآن سنتے ہیں کبھی کہتے ہیں بات سنتے ہیں کبھی کہتے ہیں جب خدا چاہے سنا لے چاہے تو سنائے کبھی کہتے ہیں مردہ توجہ کرے تو سنتا ہے نہ توجہ کرے تو نہیں سنتا

پھر میت کی حیات میں بھی بڑے متردد ہیں کبھی کہتے ہیں کہ حقیقی زندگی اسے کہتے ہیں جس کے بدن میں روح ہو کبھی کہتے ہیں حیات کیلئے روح کا بدن میں داخل ہونا ضروری نہیں پھر کہاں سے اس میں بھی متردد ہیں کبھی کہتے ہیں سارے بدن میں کبھی کہتے ہیں نیچے والے آدھے دھڑ میں کبھی کہتے ہیں دل میں کبھی کہتے ہیں کفن اور بدن کے درمیان کبھی کہتے ہیں افق قبر پر کبھی کہتے ہیں علیین و سجین میں

سوال نمبر ۱۰ مع جواب

سوال: بعض کتابوں میں ہم نے پڑھا ہے کہ تمام اہل سنت کا سماع موتی پر اجماع ہے اور خارجیہ و معتزلہ فرقہ سماع موتی کا منکر ہے۔ نوٹ جن کا یہ قول نقل کیا گیا ہے اب وہ عالم قبر میں تشریف لے گئے ہیں سائل اللہ دتا

جواب: محترم جناب مولانا صاحب نے سماع الموتی میں یہ دعویٰ فرمایا ہے مگر پھر بھی اس امر کو تسلیم فرماتے ہیں کہ سماع موتی اہل سنت کے مابین اختلافی مسئلہ ہے۔ پھر بھی اگر کوئی نہ مانے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن الہمام اور ابن تیمیہ اور مفتی عزیز الرحمن دیوبندی اور نعمان بن محمود آلوسی بشیر الدین قنوجی شاہ محمد اسحق صاحب مفتی محمد کفایت اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ سب کے سب والعیاذ باللہ اہل سنت سے خارج تھے اور فرقہ خارجیہ و معتزلہ کے پیشوا تھے یا پھر ان لوگوں کو جھوٹا کہنا پڑے گا جنہوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف عدم سماع کی نسبت کی ہے یا کم از کم یہ کہنا ہوگا کہ ان سب کو دھوکا ہوا ہے اور یہ سب غلط فہمی کے شکار ہوئے ہیں جنہوں نے

بغیر کسی تحقیق کے خارجیہ و معتزلہ کا مسلک اکثر حنفیہ کے سر تھوپ دیا لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں پس ثابت ہوا کہ اہلِ سنت کے متعلق یہ کہنا کہ سماع موتیٰ پر ان کا اجماع ہے اور عدم سماع معتزلہ اور خارجیہ کا مسلک ہے یہ صریح غلط ہے اگر غلط نہیں تو ان سب اکابر پہ سے اعتماد اٹھتا ہے! کیا ان اکابر کے قول پر آپ کو اعتماد نہیں؟

نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر کا جواب

نعیم الدین مراد آبادی نے بھی ص ۱۳۰ ص ۵۵۵ ترجمہ قرآن پاک کے حاشیہ میں لکھا۔ جو لوگ اس آیت سے مردوں کے نہ سننے پر استدلال کرتے ہیں ان کا استدلال غلط ہے۔ چونکہ یہاں مردہ کفار کو کہا گیا ہے اور ان سے بھی مطلقاً ہر کلام کے سننے کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ پند و موعظت اور کلام ہدایت کے بسمع قبول سننے کی نفی ہے اور مراد یہ ہے کہ کافر مردہ دل ہیں کہ نصیحت سے منتفع نہیں ہوتے۔ اس آیت کے معنے یہ بتانے کہ مردے نہیں سنتے بالکل غلط ہے۔ صحیح احادیث سے مردوں کا سنا ثابت ہے۔ اور ص ۱۳۳ میں لکھا معنے یہ ہیں کہ کفار غایۃ اعراض و روگردانی سے مردے اور بہرے کے مثل ہو گئے ہیں کہ انہیں پکارنا اور حق کی دعوت دینا کسی طرح نافع نہیں ہوتا۔

پھر پ ۲۱ ص ۵۹۳ میں لکھا اس آیت سے بعض لوگوں نے مُردوں کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے مگر یہ استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں مُردوں سے مُراد کفار ہیں جو دنیوی زندگی تو رکھتے ہیں مگر پند و موعظت سے منتفع نہیں ہوتے اس لئے انہیں اموات سے تشبیہ دی گئی ہے جو دار العمل سے گذر گئے اور وہ پند و نصیحت سے منتفع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آیت سے مُردوں کے نہ سننے پر سند لانا درست نہیں۔ اور بکثرت احادیث سے مُردوں کا سننا اور اپنی قبروں پر زیارت کے لئے آنے والوں کو پہچاننا ثابت ہے۔ پھر پ ۲۲ ص ۶۳۳ میں لکھا اس آیت میں کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح مُردے سُنی ہوئی بات سے نفع نہیں اٹھا سکتے اور پند پذیر نہیں ہوتے۔ بد انجام کفار کا بھی یہی حال ہے کہ وہ ہدایت و نصیحت سے منتفع نہیں ہوتے۔ اس آیت سے مُردوں کے نہ سننے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ آیت میں قبر والوں سے مراد کفار ہیں نہ کہ مُردے۔ اور سننے سے مراد وہ سننا ہے جس پر راہ یابی کا نفع مرتب ہو رہا مُردوں کا سننا وہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

نعیم الدین نے بڑی جرأت سے کہا ہے کہ اس آیہ سے مُردوں کے نہ سننے پر استدلال کرنا غلط ہے ایک عامی بھی غیر مجتہد بھی گور پرست چودھویں صدی والے کو یہ علم نہیں ہے کہ میں کس ہستی کی تغلیط تردید اور ابطال پر قلم اٹھا رہا ہوں رافضی تو کہتے ہی تھے اب

بریلویوں کو بھی ہم نشینیِ اہل تشیع کا موقع مل گیا اور کہنے لگے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرآن مجید کا منشا ہی نہیں سمجھتی تھیں
اب چودھویں صدی کے ہندیوں کو سمجھ آگیا

اہل سنت کا اہل بدعت سے سوال

اور یہ جو کہا کہ سماع سے مراد سماع نافع ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب کو سمجھانے کے لئے اتری تھی
تو انہوں نے اس آیت سے کیا سمجھا ہوگا آیا یہ مطلب سمجھا کہ ہم کفار کو جو قرآن مُردوں سے تشبیہ دے رہا ہے وہ تشبیہ
اس بات میں ہے کہ جیسے دوسرے مُردے مطلب سنتے تو ہیں مگر ان کو سننا مفید اور نافع نہیں اسی طرح ہمارا حال بھی
ہے کہ ہم بھی سنتے ہیں مگر اس سے منتفع نہیں ہوتے یا اُن نے یہ مطلب سمجھا کہ مُردے تو واقعی نہیں سنتے مگر ہم قرآن
کی نصیحت کی طرف ذرا توجہ نہیں کرتے تو گویا ہم بھی مجبو مُردہ ہی ہوئے۔

اگر پہلی بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرف عام میں ہر مومن و کافر مُردے کا سماع مانتا ہے صرف
سماع نافع نہیں ہوتا۔ پھر آپ کی توجیہ کرنا قسم والے مسئلہ میں کہ چونکہ قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے اس واسطے اس کی
قسم مُردہ کے ساتھ بات کرنے سے نہیں ٹوٹتی جس نے قسم کھائی ہو کہ میں فلاں سے بات نہ کروں گا پھر وہ فلاں مرگیا اور
قسم کھانے والے نے اس سے مرنے کے بعد بات کی۔ کیونکہ عرف عام میں لوگ یہی کہتے ہیں کہ مُردے نہیں سنتے۔ یہ توجیہ صحیح
نہیں ہو سکتی۔ اور

اگر دوسری بات ہے تو اس کا یہ مطلب یہ ہوگا کہ کفار کو عار دلائی جا رہی ہے کہ تم بھی اعراض کرتے کرتے ایسے ہی
بن گئے جیسے کہ کوئی مُردہ ہو جو نہ سنتا نہ سمجھتا ہے تو تم نے قرآن کے منشا کے خلاف وہ تاویل کی جو اہل لسان بھی نہ سمجھیں
اور ایسی تاویل از خود کرنا جو اہل لسان بھی نہ سمجھیں کہاں تک درست ہو سکتی ہے۔ قرآن کا منشا تو ہے کفار عرب کو سمجھانا
اور عرب لوگ عہد جاہلیت میں بھی اور عہد اسلام میں بھی یہی سمجھتے تھے کہ مُردے نہیں سنتے نہ سماع نافع نہ غیر نافع۔
اگر قرآن کا منشا سماع نافع کی نفی کرنا ہوتا تو ضرور کفار کو سمجھانے کے لئے نافع کی قید لگاتا۔
نیز انک لاتسمع الموتیٰ کے ساتھ ہی متصل ولاتسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین بھی لگا ہوا ہے یہاں بھی سماع نافع کی
قید لگاتے ہو۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ بہرا سنتا تو ضرور ہے مگر اس بہرے کو سننا سود مند نہیں۔ لیکن یہ بات اگر عوام کو سمجھاؤ گے
تو تعلقا نہیں مانیں گے۔ قبر تو یہ دہ بنا ہوا ہے عوام کہیں گے ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی مگر مولوی صاحب جھوٹ تو نہیں بولتے

نہ چاہو مُردے سنتے ہوں گے لیکن بہرے میں آپکی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ کفار کو بہروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ بہرے سنتے تو ہیں مگر ان کو سننا نفع مند نہیں اسی طرح کفار بھی سنتے تو ہیں مگر ان کو سننا سود مند نہیں۔

پھر اسی کے ساتھ فرمایا وَمَا اَنْتَ بِہَادِی الْعُمْیِ یعنی نہیں ہیں آپ اندھوں کو راہ دکھانے والے۔ یہاں کفار کو اندھوں سے تشبیہ دی گئی تو آپ کی تشریح کے مطابق مطلب یہ ہوگا کہ اندھوں کو راستہ تو نظر آتا ہے اور اندھے راہ بخوبی دیکھتے ہیں مگر اندھوں کا راہ دیکھنا اندھوں کو سود مند نہیں ہے۔ اسی طرح کفار بھی راہِ حق بخوبی دیکھتے ہیں مگر کفار کو اس کا فائدہ کچھ نہیں ہے۔ نیز مسلمان بھی بہرے گونگے اندھے ہوتے ہیں کیا وہ بھی غیر نافع طریق سے سنتے بولتے دیکھتے ہیں؟

مُردوں کے سننے کا نامعقول دھوکہ کا سبب کیوں ہے؟

سماعِ موتیٰ کا مسئلہ عوام اس لئے مان لیتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ عالمِ غیب کا مسئلہ ہے اور ایمان بالغیب ایمان کی شرطوں میں سے ہے جیسے اللہ خود غیب ہے فرشتے جنت دوزخ وزنِ اعمال ترازو دو پلڑوں والا پل صراط وغیرہ سب غیب ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے۔ لیکن اس کو تو کوئی مان نہیں سکتا کہ چھوڑ دے اور چلے جانے والا بہرا آدمی سنتا ہے یا اندھا آدمی دیکھتا ہے۔ یہاں اگر تاویل کی بھی جائے تو عوام یہی کہیں گے کہ مولوی صاحب کی دماغی توازن درست نہیں لہٰذا ان کو معذور سمجھیں۔

مولوی سرفراز خان صاحب کو الزامی جواب

مؤلفِ ندائے حق پر تو مولانا نے اعتراض فرمایا کہ صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی توہین کر دی کہ جنگلی کہہ دیا لاحول ولا قوۃ الا باللہ حالانکہ میں نے اپنی پہلی کتاب میں حضرت بلال مزنی رضی اللہ عنہ کا نام تک نہیں لیا اور نہ ان کو خاکم بدہن جنگلی کہا خدا اس کو بُری موت مارے جس نے یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی توہین کی ہو۔ جنگلی کی نسبت آپ نے طرف کی۔ اعرابی کا ترجمہ جنگلی کیا ہے مگر یہ کہنا کہ وہ اعرابی بلال مزنی رضی اللہ عنہ تھے یہ آپ کا فہم ہے اور مؤلف ندائے حق کے لئے آپ کا فہم ناپ حجت نہیں۔ اور اعرابی کا ترجمہ میں نے تو جنگلی کیا ہے آپ خفا ہو گئے اب قرآن پاک کے ترجمے اٹھا کر دیکھو تو آپ اعرابی کا ترجمہ گنوار پائیں گے۔ اب فرمائیں کہ جنگلی زیادہ سنگین ہے یا گنوار۔

خیر یہ بات تو ہوئی علٰحدہ اب حضرت مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی یہ سمجھائیں کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین کو کافر کہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رئیس المفسرین رحمۃ اللہ علیہ کو کافر کہا اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسی ہستی کو کہ آپ خود بھی مقلد ہیں کافر کہا آپ پر کیا فتویٰ لگنا چاہئے آپ کو کافر کہا جائے یا رافضی بے ایمان کہا جائے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سوائے اربعہ کے مرتد قرار دیتے ہیں

تفصیل اس کی یہ ہے

صورت اس کی یہ ہے کہ آپ نے سماع الموتیٰ ص۱۵ میں تحریر فرمایا ہے "اور جو حضرات سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (بحوالہ کوکب دری اور آپ کے قاعدہ کے مطابق کہ نقل صحیح ہے) پھر اسی رسالہ سماع موتیٰ ص۲۹۵ میں لکھا "حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی بھی شخص سماع موتیٰ کا منکر نہیں ہے۔"

اب عوام کو پوچھنے کا حق ہے کہ جب آپ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ تین ہستیاں (حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ اور حضرت رئیس المفسرین عبداللہ بن عباس اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) سماع موتیٰ کے منکر ہیں اور ادھر آپ کا فتویٰ ہے کہ کوئی مسلمان سماع موتیٰ کا منکر نہیں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ ان تینوں کو مسلمان نہیں سمجھتے جب مسلمان نہیں تو یہ تینوں آپ کے نزدیک کافر ہوئے کیونکہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک اسلام اور کفر کے درمیان کوئی اور برزخ نہیں ہے جو شخص دائرہ اسلام سے نکلا سو فوراً کفر کے دائرہ میں داخل ہو گیا انا للہ و انا الیہ راجعون پھر ضدی بھی کہتے ہیں میں نے تو کسی قائل سماع کو کافر نہیں کہا۔ آپ نے تو منکرین کو کافر کہہ دیا یا پھر آپ معتزلی ہیں جن کا مسلک ہے بین الایمان والکفر منزلۃ

ایک اور بات

ادھر سماع الموتیٰ ص۱۵ کا حوالہ تو پڑھ ہی لیا اب اس سے پہلے اسی رسالہ کا ص۱۶ نکالیں لکھا ہے "کہ سماع موتیٰ کے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے ان کی بات غلط ہے" اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یا تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خاکم بدہن امام ہی نہیں جو سماع موتیٰ کے منکر ہیں کیونکہ اماموں کا اس مسئلہ سماع موتیٰ میں کوئی اختلاف ہی نہیں سب سماع موتیٰ میں متفق ہیں۔ تو سماع موتیٰ کا منکر بھی اماموں کے زمرہ

سے خارج ہوا امام کہلانے کا حق دار نہیں چہ جائے کہ امام اعظم کا لقب دیا جائے۔

یا پھر یوں کہو کہ امام اعظم سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں جنہوں نے ان کی طرف نفیِ سماع کی نسبت کی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں اور وہ سب امام ابوحنیفہؒ پر بہتان باندھتے ہیں مثلاً مولانا عزیز الرحمٰن مفتی دارالعلوم دیوبند قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سید امیر علی صاحبؒ نہایۃ الاوطار صاحب سراج الایمان و مولانا محمد ثناء اللہ امرتسریؒ و میاں نذیر حسین دہلوی چنانچہ لکھا

١ مردے نہیں سن سکتے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے (فتاویٰ ثنائیہ ص ۳۴ ج ۱ باب اول عقائد و مہمات دین)

٢ اما سماعِ موتیٰ پس ائمہ احنفیہ متفق اند بر نفی آں (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۴۴ ج ۱) ائمہ حنفیہ میں امام ابوحنیفہؒ سرِ فہرست ہیں۔

٣ مذہب امام اعظم اور اکثر مشایخ ہمارے کا عدم سماعِ موتیٰ ہے (سراج الایمان از سید سراج احمد سہسوانیؒ ص ۶)

٤ حضرت عائشہؓ کی رائے کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہؒ سماعِ موتیٰ کے منکر ہیں (مترجم معجز نما کلاں قرآن مجید ص ۵۲۵)

٥ حضرت عائشہؓ و بعض دیگر صحابہؓ اور نیز امام اعظم ابوحنیفہؒ اہلِ قبور کے سننے کے قائل نہیں ہیں (مقدمہ ص ۳۱)

٦ امام ابوحنیفہؒ و صاحبینؒ و تمام فقہائے حنفیہ و جماعتِ علماء کا یہی قول ہے کہ مردے نہیں سنتے (مواہب الرحمٰن ص ۳۴ پ ۲۱ سورہ روم)

٧ امام ابوحنیفہ اور معتزلہ نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے (لغات الحدیث از وحید الزمان ج ۲ سل ص ۱۵۰ طبع نور محمد کراچی)

٨ مذہب امام اعظم کا اور اکثر مشایخ ہمارے کا عدم سماع ہے (جامع التفاسیر سورۃ فاطر ص ۱۱ از نواب قطب الدین حنفی صاحب مظاہر حق)

٩ مذہب امام اعظم امام الائمہ امام ابوحنیفہؒ سماعِ موتیٰ ثابت نہیں (مولانا غلام اللہ گکھڑوی) کشف المغالطات

١٠ مذہب حنفیہ میں سماعتِ موتیٰ ثابت نہیں ہے (کشف المغالطات ص ۱۶)
کشف الرحمٰن ص ۳ ۶۵

١١ یہی سماعِ موتیٰ اکثر مشایخ حنفیہ کا مسلک ہے

اس طرح اور بہت سے علماء نے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک عدمِ سماعِ اموات بتایا ہے اب مولانا صاحب کا فرمانا کہ امام اعظمؒ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں اور عدمِ سماع کا قول اور اُن کی طرف عدمِ سماع کی نسبت بہتان ہے محض سینہ زوری ہے اور ان بزرگوں کی تحقیق پر اپنی تحقیق کو ترجیح دینا اور ان کی تحقیق کو لا یعبأ بہ کا درجہ دینا ہے محض ان تقریروں کی بناء پر جو حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے اپنے درس میں بیان فرمائیں اور لکھنے والوں نے جمع کر لیا اور آپ خود ہی ایسی تقریروں کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے چنانچہ الکوکب الدری ص ۳۹۹ ج ۱ و تقریر الجنجوہی علی مسلم ص ۲۲۳ کے حوالہ کا جواب اپنے رسالہ سماع الموتیٰ ص ۱۹۱ پر یہی کہہ کر دیتے ہیں

مولوی سرفراز خان اور الکوکب الدری و تقریر الجنجوہی کی حیثیت

جواب : علم حدیث پڑھنے اور پڑھانے والے جانتے ہیں کہ حدیث پڑھاتے وقت اساتذہ کرام اختلافی مسائل میں ہر مسلک اور ہر گروہ کی عقلی و نقلی دلیل کو تفصیلاً یا اجمالاً بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے بھی مسلم اور ترمذی کے درس کے موقع پر حضرات منکرین سماع موتیٰ کی طرف سے یہ معنےٰ بیان کیا ہوگا کہ وہ اس حدیث کی تصریح ان جیسے لفظ تشریح پر بیان کیا کرتے ہیں جس کو لکھنے والے حضرات نے اپنی بیاض میں جمع کر لیا ہے۔ لیکن اس سے قطعی طور پر یہ ثابت کرنا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ مردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کے سماع کے کلیۃً منکر ہیں بالکل غلط ہے"

نیلوی : اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ فیض الباری و عرف الشذی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی خود نوشت کتابیں نہیں۔ الکوکب الدری اور تقریر الجنجوہیؒ کی طرح ان کو بھی جامعین نے ہی جمع کیا ہے۔

جامعین الکوکب الدری و جامعین فیض الباری کے مابین تفاوت عظیم

پھر حضرت گنگوہیؒ کی تقاریر جمع کرنے والوں اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تقاریر جمع کرنے والوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی تقاریر جمع کرنے والے حضرت مولانا حسین علیؒ حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب کاندھلویؒ اور حضرت مولانا شیخ شیخی سیف الرحمٰن صاحب قندھاریؒ جیسے ماہرین کتاب دان علماء ذہین و ذکی تھے ان کا مقام اور پایہ یقیناً بہت بلند تھا اور یہ مقام یقیناً نہ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب مدظلہ العالی کا ہے اور نہ ہی مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ کا ہے۔ اور اس بات کو شاید آپ تسلیم نہ کریں گے مگر خود حضرت مولانا محمد چراغ صاحب بلاشبہ میری تصدیق فرمائیں گے۔ اور مجھے میرے اساتذہ نے بجائے دیوبند بھیجنے کے ڈابھیل اور امینیہ میں سے منتخب کرنے کو فرمایا۔ میں نے عرض کی آپ خود ہی انتخاب فرمادیں تو میرے لئے انہوں نے مدرسہ امینیہ واقع کشمیری گیٹ دہلی منتخب فرمایا جو میرے لئے کئی وجوہ سے بہترین رہا الحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً اگر میرے بعض کئی رفقاء نے ڈابھیل کو ترجیح دی وہاں بعض اسباق حدیث حضرت مولانا بدر عالمؒ رحمہ اللہ کے پاس ہوتے تھے مگر انہی شریف کے فارغ شدہ کتاب دان طلباء ان کے اسباق پر خوش نہیں ہوتے تھے جن کے متعلق خود حضرت شاہ صاحبؒ نے بایا انہی دحضرت شیخ مشفق مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کے تعزیتی خط میں لکھا تھا کہ اس درسگاہ کے فارغ شدہ طلباء میں میری بات سمجھنے کی قابلیت بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہوتی تھی۔ اب مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ کو ان اکابر کا مقام دے کر ان کی جمع کردہ تقاریر کو حضرت مولانا حسین علی و غلام یحییٰ رحمہما اللہ کی جمع کردہ تقاریر پر

ترجیح دینا انصاف کا تقاضا تو نہیں۔ اُن کے فہم کے ساتھ ان کا فہم مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پھر آپ کا ضمیر بھی کہتا ہوگا کہ جو مقام حضرت شیخ الاسلام مولنا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ کا تھا وہ مقام مولنا بدر عالم رحمۃ اللہ کا ہرگز نہیں مگر آپ نے ص۱۷۹ میں فیض الباری کی تقریر کو اصل قرار دیکر شیخ الاسلام کی فتح الملہم ص۳۷۹ ج۲ والی عبارت کے متعلق لکھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس بیان اور تقریر کو جسے مولنا بدر عالمؒ نے فیض الباری کے نام سے جمع کیا ہے اور جیسے سمجھا اپنی سمجھ کے مطابق لکھا ہے پیش نظر رکھتے ہوئے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فتح الملہم کی اس عبارت میں ان کا صحیح مفہوم نہیں ادا کیا جاسکا۔

حالانکہ حضرت شیخ الاسلامؒ فتح الملہم حضرت شاہ صاحبؒ سے اشکالات حل کروا کر اور ہر قسم کے عقلی و نقلی اعتراضات اُن سے دُور کروا کے لکھتے تھے اور خود بھی بفضلہ تعالیٰ نہایت ذہین تھے اور جب حضرت شاہ صاحبؒ اس عالم سے رخصت ہوگئے فتح الملہم بھی وہیں رُک گئی اور پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد حضرت شیخ الاسلام تقریباً ۱۸ سال بقید حیات رہے۔

اور فیض الباری مجموعۂ تقاریر ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد لکھی گئی اور اس میں کئی چیزیں ایسی ہیں جن پر علماء اعتراض کرتے ہیں۔

درس ترمذی از مولوی تقی عثمانی مدظلہ العالی ص ۱۴۰

۱۴ الکوکب الدری علی جامع الترمذی: یہ حضرت مولنا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی تقریر ترمذی ہے جسے ان کے شاگرد رشید حضرت مولنا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے ضبط کیا ہے اور ان کے صاحبزادے شیخ الحدیث حضرت مولنا محمد زکریا صاحب مدظلہ نے اس پر مفید حواشی لکھے ہیں

"بلاشبہ حلِ ترمذی کے نقطۂ نظر سے یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے اس میں مختصر جامع اور تشفی بخش تشریحات بھی ہیں، اور علم و معرفت تحقیق و تدقیق کے خزانے بھی۔ یہ ترمذی کی انتہائی بہترین اور مختصر شرح ہے۔ اس کا صحیح اندازہ جب ہوتا ہے جب انسان مطولات کے مطالعہ کے بعد اس کا مطالعہ کرے۔ خاص طور پر حضرت مولنا محمد زکریا صاحب مدظلہم کے حواشی نے اس کے منافع کو دوچند کر دیا ہے۔

۱۵ العرف الشذی تقریر جامع الترمذی: یہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی تقریر ترمذی ہے جسے مولنا چراغ محمد صاحب نے درس میں ضبط کیا ہے۔ اگرچہ یہ خاصی جامع تقریر ہے لیکن اس میں ضبط کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کیونکہ حضرت شاہ صاحب . . . . اس پر نظر نہ فرما سکے۔ اسی لئے اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کا احاطہ نہیں ہو سکا

کئی مقامات پر علماء کرام نے بلا تحقیق دعویٰ تواتر کا کر دیا

تعجب ہے کہ ص۱۵۱ میں فرمایا کہ سماع موتیٰ کی احادیث متواتر ہیں مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس طرح کئی علماء نے اپنے ہونے کو زور دار بنانے کے لئے تواتر کا دعویٰ کیا ہے

صرف یہ کہہ دینا کہ تواتر سے ثابت ہے ثبوتِ تواتر کے لئے کافی نہیں ہے کئی مقامات پر دعویٰ تواتر کا کر دیا جاتا ہے مگر وہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا جیسے بذل المجہود ص۱۱ میں ہے کہ بیہقی نے جو اقوال پر دعویٰ اجماع کا کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

نیز ص۱۱ میں اتفق الحفاظ علیٰ ان قولہ "ثم لا یعید" مدرج فی الخبر الخ مگر حضرت شیخ الشیخ نے اس کی تردید فرمائی۔

اسی طرح ص۱۱ میں ہے تواترت الاخبار فی الرفع کثیرا۔ اس کے بعد حضرت شیخ الشیخ نے اس کی تردید فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ کہہ دینا کہ رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رفع یدین کرنا متواتر طریق سے ثابت ہے یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح ص۳۲۵ میں لکھا ہے اجمع الحفاظ علی خطاہٖ ہذہ اللفظ یعنی محدثین کے تمام حافظوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "واذا قرأ فانصتوا" کا لفظ خطا اور غلطی ہے۔ اسی طرح ص۳۳ میں ہے: امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔ اس پر حضرت شیخ الشیخ نے رد فرمایا کہ امام نوویؒ کا یہ قول صحیح نہیں ہے

مستدرک ص۶۰۲ میں الحاکم نے فرمایا قَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وُلِدَ مَسْرُوْرًا مَخْتُوْنًا یعنی متواتر حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ایسی حالت میں ہوئی تھی کہ آپ کی ناف مبارک بھی کٹی ہوئی تھی اور آپ کا ختنہ بھی ہوا ہوا تھا مگر حاکم صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا (اس دعویٰ تواتر پر تنقید کرتے ہوئے) کہ میں اس حدیث کو صحیح ہی نہیں سمجھتا۔ تواتر کیسے ہو گیا۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو متضاد نظریوں والے اپنے اپنے دعوے کے بارے کہتے ہیں کہ میرا دعویٰ متواتر احادیث سے ثابت ہے مثلاً حضرت حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت روح کا بدن کی طرف عود کرنے کے بارے متواتر حدیثیں ہیں دیکھیں شرح الصدور ص۵۱ پھر اسی کی تائید میں ابن قیم، سیوطی، و نواب صدیق حسن خان بھی ہیں

لیکن ابن حزم نے فرمایا کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت مُردوں کی ارواح کا ان کے اجساد کے طرف واپس آنے کے ایک

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کسی صحیح حدیث میں نہیں آئی (کتاب الروح ص۶۵) یہی قول ہے ابن عقیل اور ابن جوزی اور ابن ہیسرہ اور ابن قیم وغیرہ کا (شرح الصدور)

یاد رہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے تحفہ اثنا عشریہ (قلمی ورق ۳۹۰) میں ابن حزم کو علمائے اہل سنت سے شمار کیا ہے۔

حاشیہ ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹ ۲۹ میں ہے وقال ابوحنیفۃ رح یجب (الاضحیۃ) الاغنی من یملک نصابا والجمہور علی انہ سنۃ مؤکدۃ ۱۲ کذا فی مرقاۃ علی ق یعنی حضرت امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ قربانی صرف اسی شخص پر واجب ہے جو مالک ہو نصاب کا۔ مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ واجب نہیں ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا "اجمع المسلمون علی ان الوتر حق واجب" اور امام طحاویؒ نے فرمایا فیہ اجماع السلف" وتر واجب ہیں سب مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ امام طحاویؒ نے فرمایا وتر کے واجب ہونے پر سلف کا اجماع ہے اور یہ دونوں ہستیاں جھوٹ نہیں بولتے بذل المجہود ص۳۲۱ ج۲ میں ہمارے شیخ الشیخ فرماتے ہیں ومثلہما لا یکذب (ان جیسی ہستیاں جھوٹ نہیں بولا کرتیں) مگر مع ہذا اجماع سلف کے بعد امام شافعیؒ وغیرہ وجوب وتر کے قائل نہیں بلکہ سنیۃ کے قائل ہیں اب آپ یہاں بھی ۵۳ سماع الموتیٰ والی بات چسپاں فرمائیں

اور سنئے بذل المجہود ص۳۳۵ ج۲ میں ہے قد انعقد الاجماع علی الایتار بثلاث (تین رکعت وتر پر اجماع ہوچکا ہے مگر باوجود اس کے حضرت امام شافعیؒ ایک وتر کے قائل ہیں یہاں بھی وہی عبارت چسپاں فرمائیں

ص۱۱۱ میں ہے اجمع الناس علی تشہد ابن مسعودؓ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد پر اجماع کر لیا ہے مگر مع ہذا بعد کے مجتہدین کا اس میں اختلاف ہے یہاں بھی وہی عبارت فٹ کریں۔

نیلوی کہتا ہے کہ اسی قبیل سے ہے یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ "ارواح کا افنیہ قبور پر ہونا تواتر سے ثابت ہے (اخبار زنجیہ ص۱۹۱) اسی طرح یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ جسم کی طرف روح کا واپس عود کرنا نکیرین کے سوال کے وقت احادیث متواترہ سے ثابت ہے (تسکین الصدور طبع ۲ ص۱۳۰ نقلاً عن نواب صدیق حسن خان)

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ فرمانا عذاب اور راحت روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اتفاق ہے (تسکین الصدور طبع ۲ ص۱۳۱ ص۱۳۸)

بذل المجهود ج۱ ص۸ میں ہے ادعی الخطابی الاجماع علی نفی عدم حرمۃ استقبال البیت المقدس یعنی خطابی نے دعویٰ کیا ہے کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حرام نہ ہونے پر سب کا اجماع و اتفاق ہے

بذل المجهود ج۱ ص۱۰۹ میں ہے کہ امام مسلم کا دعویٰ ہے کہ ایک راوی کا دوسرے راوی سے لقاء کا امکان اتصال کے لئے کافی ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک عالم کا دعویٰ اجماع اور دوسرے کا دعویٰ کہ یہ قول بعض کا ہے

تسکین ط۲ ص۱۸۱، ۳۳۸: بعض علماء نے آیت کے معنے میں کہا ہے کہ مراد سماع منفی سے سماع نافع ہے

نیلوی: معلوم ہوا کہ ص۳۷۹ میں بحوالہ ابن کثیر جو لکھا ہے "کہ سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے" یہ غلط ہے اگر وہ صحیح ہے تو حضرت تھانویؒ پر اعتراض آتا ہے کہ ابن کثیر کے خلاف بعض کیوں لکھا اگر کہو کہ سلف میں تو اجماع تھا۔ بعض نے ان کے بعد اختلاف کیا تو یہ بات کام کی نہیں کیونکہ اجماعِ سلف کے بعد اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے اگرچہ اشارۃً ہی ہو

امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب سماعِ موتیٰ تھا؟

یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سماع موتیٰ کے قائل ہیں یہ غلط ہے۔ چنانچہ سید نعمان بن محمود آلوسیؒ نے الآیات البینات صفحہ ۹۹ میں لکھا کہ بعض بے سمجھ حنفی کہلانے والوں پر تعجب ہے کہ وہ عوام میں یہی مشہور کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں سب کا اجماع ہے کہ مردے سنتے ہیں اور یہی مذہب ہے امام اعظم کا اور ان کے متقدمین و متاخرین اصحاب کا۔ اور یہ اس خیال سے کہتا ہے کہ امام اعظم نے فرمایا ہے کہ اذا صح الحدیث فھو مذہبی اور یہاں بھی چونکہ سماع کی حدیث صحیح مل گئی لہٰذا سماع موتیٰ امام اعظم کا مذہب ہے۔ اور یہ بے سمجھ اتنا نہیں سمجھا کہ امام اعظمؒ اور ان کے اصحابؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ و دیگر صحابہؓ کرام کی طرح قرآن کی آیتوں سے سماع موتیٰ کی نفی پر دلیل پکڑی ہے اور احادیث واردہ میں انہوں نے تاویل فرمائی ہے۔

شاید یہ بے سمجھ حنفیت کا دعویٰ کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے مذہب میں بغیر دلیل

کے نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہے اور بغیر فاتحہ کے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب صحیح حدیث وارد ہے اور بغیر نیت کے وضو نہیں ہوتا کیونکہ انما الاعمال بالنیات صحیح حدیث موجود ہے اور اس مدعی حنفیت کو اتنا علم نہیں کہ جن احادیث کو یہ صحیح کہتا ہے امام اعظم اور ان کے اصحاب کو ان احادیث کا علم ہے مگر اصولی طور پر ان پر بحث کرتے ہیں اور اصول کے تحت بعض کو مخصوص سمجھتے ہیں بعض کو منسوخ بعض کو مؤول اور بعض کو آیات واحادیث مشہورہ کا معارض سمجھ کر تمسک کرتے ہیں

اور یہ کہنا کہ ملا علی قاری رح نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے سو یہ ان کا اپنا خیال ہے حضرت مولانا عبدالحیؒ و مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور دیگر اکابر نے ایسے نقل فرمایا ہے اور یہ محترم مخدوم مدظلہ نے اور امام ملا علی قاری کا خود اعتراف فرمایا ہے

تتمہ فلاسفہ، اطباء، وغیرہ کا موقف

فلسفہ والے جسم عنصری کا کیفیات محسوسہ سے تعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

کیفیات محسوسہ پانچ ہیں باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ

ہر عنصری جسم پہلی چار کیفیتوں سے خالی ہو سکتا ہے لیکن لامسہ سے خالی ہو سکتا ہے اس لیے کہ حواس ماسوا لامسہ کے اپنے محسوسات کو ایسے جسم کے ذریعہ سے احساس کرتے ہیں جو حاسہ اور محسوس کے درمیان واسطہ ہو۔ مثلاً قوت سامعہ اور باصرہ اور شامہ کا احساس ہوا کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح قوت ذائقہ کو پانی کے ذریعہ سے مذوقات کا احساس ہوتا ہے

طب اکبر باب سوم امراض گوش صفحہ ۱۰۵ میں ہے

کان ایک عضو غضروفی اور گوشت سے اور عصب حساس سے مرکب ہے۔ اور ان کی منفعت یہ ہے کہ ہوا موج مارتی ہوئی اس میں جمع ہو کر عظم حجری کے سوراخ میں نفوذ کرے اور جب اس عصبے میں جو کان کے سوراخ میں بچھ رہا ہے۔ اور قوت سامعہ اس میں رہتی ہے، جا کر ٹکرائے تب آوازوں کا ادراک حاصل ہو۔

پھر صفحہ ۱۶۴ میں لکھا

سامعہ کا ایجاد کرنا طاقت بشری سے ناممکن اور محال ہے۔ مگر اللہ جل شانہ کے اذن سے۔ اور یہ معجزات سے مخصوص ہے۔ اور ارسطو اور بقراط کے عقول اس کو ادراک نہیں کر سکتے

آگے چل کر لکھا: بہت عمر اور بڑھاپا آنے کے سبب بہراپن عارض ہوتا ہے اس لیے کہ قوتیں ضعیف ہو جائیں۔ اور سردی اور خشکی اعضائے اصلیہ پر غلبہ پائیں

نیلوی کہتا ہے کہ جب ضعف قویٰ سے بہراپن عارض ہو جاتا ہے تو پھر سلب قویٰ کے بعد قوتِ سامعہ کیسے عود کرے گی۔

قبض الباع

عن

الفرق بین السماع والاسماع

آیتِ قرآن کی تاویل ایک اور رنگ میں

شافعیہ اگر حدیث پاک دیکھ کر قرآن مجید کی آیت کی تاویل کریں تو وہ ان کا اپنا اصول ہے۔ مگر تعجب ہے ان احناف پر جو اپنا قاعدہ اصول اور قانون بالائے طاق رکھ کر شافعی مذہب کے مقلدین کی کتب میں آگے رکھ کر ان میں لکھی ہوئی بات پر ایسے پختہ ہو جاتے ہیں کہ مد مقابل کو نازیبا الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور دعوے حنفیت کا کرتے ہیں: چنانچہ من جملہ ان تاویلوں کے ایک تاویل یہ کرتے ہیں

قرآن میں اسماع موتی کی نفی ہے۔ سماعِ موتی کی نفی کہیں نہیں یعنی قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔ اور محل نزاع سماع ہے نہ اسماع

الجواب بعون الوہاب

جواب: سماع فرع ہے اسماع کی۔ جب انسان کی طرف سے بالکلیہ اسماع نہیں ہے تو سماع جو اسماع کی فرع ہے وہ بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اصل ہی ثابت نہ ہوگی تو فرع کہاں سے ثابت ہوگی۔ جب جڑ نہیں تو ٹہنیاں کہاں پیدا ہوں گی

پس اتنا تو مسلم ہوا کہ انسان بذاتِ خود اپنے کلام و سلام کو بغیر کسی کے واسطے کے میت کو نہیں سنا سکتا۔ یہ خاص نوع کا اسماع یعنی اسماعِ انسانی بالکل نابود ہے اور جس قسم کا اسماع نادر ہوگا اس خاص قسم کا سماع بھی معدوم ہونا لازم ہوگا۔

اب رہی اس کی دوسری صورت کہ انسان جو مُردوں سے یا قبر والوں سے کلام کرتا ہے وہ انہیں خود تو نہیں سنا سکتا۔ مگر اس اسماع اور سماع کے درمیان اللہ تعالیٰ کا واسطہ ہو کر مردوں کو سنا دیتا ہے یہ البتہ ممکن ہے تو جب یہ صورت ممکن ہوئی تو آیت شریفہ سے مُردوں کے سننے کی نفی ثابت نہ ہوگی

لیکن سوال یہ ہے کہ اس واسطہ کے دائمی ثبوت کی کیا دلیل ہے۔ اگر کہو کہ انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء یہ دلیل اس مسئلہ کی نظیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرتؐ کا کسی کی ہدایت کے چاہنے کو خدا کا چاہنا لازم ہے جیسے ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود میں طلوعِ شمس کو وجودِ نہار لازم ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت ہی شفیق تھے وہ تو سارے جہان کو مسلمان کر دینا چاہتے تھے مگر خدا پاک نے نہ چاہا نہ ہوئے خصوصاً اپنے چچا ابو طالب جو کافی کچھ آپ کا تعاون کرتا رہا اور آپ نے بہت کچھ کوشش بھی کی کہ کسی طرح مسلمان ہو جائے مگر خدا پاک کی مشیت نہ تھی مسلمان نہ ہوا۔ کفر کی حالت میں مرا۔ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے آکر خبر دی ان عمک الشیخ الضال قد مات (یا رسول اللہ! آپ کا بوڑھا گمراہ چچا مر گیا ہے) بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیتِ ہدایت کو خدا پاک کی مشیتِ ہدایت لازم نہیں ہے۔ خدا پاک اپنے فعل میں خود مختار ہے خواہ وہ کسی کی ہدایت کو چاہے خواہ نہ چاہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارا کسی کی ہدایت کا چاہنا جدا چیز ہے جس کا کچھ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا ہمارے چاہنے سے کوئی ہدایت پر نہیں آتا۔ اور خداوند تعالیٰ کا چاہنا جداگانہ چیز ہے جس پر فی الفور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ مگر خدا کی مشیت نامعلوم ہے ہم کو اس کی خبر نہیں ہے۔ جیسے خدا کی باتیں معلوم نہیں ہو سکتیں۔ مثل مشہور ہے کہ "خدا کی باتیں خدا ہی جانے" پس ہمارا کسی کی ہدایت کو چاہنا ایک محض نیک امید اور تمنا ہی تمنا ہے۔ اسی طرح ہمارا مُردوں سے یا قبر والوں سے کلام کرنا خطاب کرنا سلام کرنا پھر یہ خیال کرنا کہ وہ سنتے ہیں محض ایک امید ہی امید ہے خالی تمنا ہی تمنا ہے۔ کیونکہ سماعِ اموات موقوف ہے مشیت ایزدی پر اور مشیتِ ایزدی کا ہمیں علم نہیں ہے نہ ہی اس کے علم حاصل کرنے کا ہمیں کوئی طریقہ حاصل ہے۔ بس جس کا موقوف علیہ غیر معلوم ہے اس کے موقوف کا بھی معدوم

ہونا لازم ہے۔ پس اس نظیر والی آیت سے بھی عدم سماع اموات ہی ثابت ہوا نہ سماع۔

اسماع انسانی منفی، اسماع خدائی مقید بالمشیئۃ جس سے انسان ناواقف ہے

اب زیر بحث آیت کریمہ کو دیکھیں اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ اس میں سب مانتے ہیں کہ انسانی اسماع کی لازمی طور پر نفی ہے ہاں خداوندی اسماع اس آیت میں متوقع ہو سکتا ہے۔ لیکن خداوندی اسماع مطلق نہیں ہے۔ بلکہ معلق اور مقید ہے بقید مشیئت اور معلق بالمشیئۃ کا مسئلہ علم عقائد میں مصرح موجود ہے ان شاء فعل و ان شاء لم یفعل اسی طرح کتب فقہ میں ہے انت طالق ان شاء اللہ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ شرط (مشیت ایزدی) کا علم نہیں۔ لہٰذا اصل چونکہ عدم طلاق تھی ابھی تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے ہدایہ اولین ج ۲ ص ۳۷۰ میں ہے وانہ (التعلیق) اعدام قبل الشرط والشرط لا یعلم ہہنا فیکون اعداما من الاصل یعنی شرط سے پہلے تو وہ طلاق نہ تھی اور اب شرط کا علم ہو نہیں سکتا ہے اس لئے طلاق بھی سرے سے معدوم ہی رہی اس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ حاصلہ ان الجزاء معدوم قطعا لان الجزاء معدوم عند عدم الشرط وہہنا لم یعلم تحققہ فیبقی علی عدمہ الاصلی اسی طرح کنز ص ۱۳۶ میں ہے ولو وصل باقرارہ ان شاء اللہ بطل اقرارہ یعنی اگر کسی نے کسی کے حق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرے ذمہ اس کا ہزار روپیہ ہے ان شاء اللہ تو پس اس کا اقرار بے کار و باطل ہو گیا اسی طرح کنز ص ۷۶ میں ہے ولو وصل بحلفہ ان شاء اللہ بر اور اگر قسم کھانے کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہہ دیا تو اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا اسی طرح کنز ص ۱۲۸ میں ہے وبطل الصک بان شاء اللہ چیک لکھ کر ساتھ ہی ان شاء اللہ لکھ دیا وہ چیک بے کار ہو گیا اور مختصر طحاوی ص ۳۶۸ کے حاشیہ میں اس کا اصول اور قاعدہ تحریر فرمایا والاصل فی ہذا انہ متی علق بمشیئۃ من لا تظہر مشیئتہ فانہ یلغو کلہ یعنی یہاں اصل یہ ہے کہ جب ایسے شخص کی مشیت کے ساتھ کوئی کام معلق کیا جائے جس کی مشیت معلوم اور ظاہر نہ ہو سکے تو سب لغو اور بے کار ہو جاتا ہے۔

اصولی بحث کا نتیجہ

اب اس قاعدہ اصول کے تحت آیت ان اللہ یسمع من یشاء کے معنے ہوئے من شاء اللہ اسماعہ اسمعہ ومن لم یشاء اسماعہ لم یسمعہ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے گا سنا دے گا اور جس کو سنانا نہ چاہے گا نہ سنائے گا۔ تقلیل

سماعتِ اموات کی خود آیت کریمہ کے لفظ مشیۃ نے پیدا کردی بلکہ نفیِ سماع کی دلیل بن گئی۔ جیسے ان شاء اللہ کہنے سے طلاق نہیں پڑتی۔ اقرار بے کار ہوجاتا ہے چیک کا اعتبار نہیں رہتا اسی طرح اس آیت میں سماعِ اموات بھی ثابت نہیں ہوتا۔

نیز مُردوں کا سماع ماتحت الاسباب تو ہے نہیں۔ جو ماتحت الاسباب کہتا ہے تو اُس کو سمجھانے کے لئے آسان طریقہ یہی ہے کہ گڑھا کھود کر لحد بنا کر اُس شخص کو کہا جائے کہ اس لحد میں جا کر لیٹ جا۔ جب لیٹ جائے تو جس طرح مُردے کو مٹی دے کر بند کردیا جاتا ہے اسی طرح اُس کو مٹی دے کر قبر بنادیں اور اس قبر پہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر آواز دیں۔ پھر قبر کی مٹی ہٹادیں اگر وہ شخص زندہ ہے تو اُس سے پوچھو کہ تمہیں کچھ آواز سنائی دی ہے یا نہیں دی اگر کہے کہ میں نے تمہاری آواز نہیں سنی تو مسئلہ حل ہوگیا کہ جب زندہ باحواس عشرہ و کمال زندگی کے نہیں سن سکا تو جس کی حیات مفقود ہے یا بقول شما حیات ناقص ہے تو ماتحت الاسباب اس کا سُننا بطریقِ اَولیٰ ہوگا۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نے تمہاری آواز سُنی ہے تب اس سے پوچھو کہ بتاؤ کہ ہم نے کیا کچھ باتیں کہیں اگر یہ صحیح نہ بتا سکا تو سمجھو جھوٹ بول رہا ہے اور یہ صحیح صحیح بتادیا تب بھی مسئلہ سماعِ موتیٰ کا حل نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ یہ کہیں کہ جس طرح دنیوی زندگی کامل ہوتی ہے اسی طرح قبر کی زندگی بھی کامل ہوتی ہے یا دنیوی زندگی سے قبر کی زندگی قوی تر ہوتی ہے

نیز اس کی قبر پہ اس کے بھائی بہن اور دوسرے اس کی جان پہچان کے بندے اور نر و مادہ جانور اکٹھے کردو پھر ان سب کو گھر بھیج دو پھر قبر سے مٹی ہٹا کر اس سے پوچھو کہ تیری قبر پہ کون کون آیا تھا۔ جب میت پہچان لیتا ہے تو تو نے تو ضرور پہچان لئے ہوں گے بکرا تھا یا بکری بیل تھا یا گائے اونٹ تھا یا اونٹنی چڑا تھا یا چڑیا۔ اگر وہ زندہ شخص جس کو قبر میں دفن کرکے نکالا گیا ہے یہ صحیح صحیح جواب دے گیا تو پھر بھی میت کے جاننے پہچاننے کا اسی وقت ثابت ہوگا جب کہ میت کی زندگی زندہ آدمی کی زندگی کی طرح یا اس سے اقویٰ تسلیم کی جائے اور اگر کہے کہ مجھے نظر نہیں آیا اور نہ میں نے دیکھا نہ سُنا تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں یقینی دلیل سے میت کا سننا یا دیکھنا یا پہچاننا یا جواب دینا ثابت ہوجائے تو وہ یا نبی کا معجزہ ہوگا یا ولی کی کرامت یا صالح مؤمن کی معونۃ یا کسی کافر کا استدراج ہوگا

فتاویٰ دار العلوم دیوبند

۹ فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل مسائل زیارت قبور و ایصال ثواب ج ۵ ص ۴۳۸ میں ایک سوال اور جواب دیکھیں

سوال ۳۱۴۳ سماعِ موتیٰ میں محققین حنفیہ کا کیا مذہب ہے اور قرآن و حدیث سے کیا ثابت ہے ؟

الجواب انک لا تسمع الموتٰی وغیرہ نصوص سے عدمِ سماعِ موتٰی ظاہر ہے فان عدمُ الاسماع یستلزم عدم السماع و ہو قول محققی الحنفیۃ فقط

اور اسی فتاویٰ کی اسی جلد کے صفحہ ۴۴۱ میں لکھا ہے۔

سماعِ موتیٰ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حنفیہ سماعِ موتیٰ کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب ہے۔ اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں۔

علامہ عینی

۱۰ علامہ عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۴ ص ۲۲۴ میں لکھا قال ابن التین لا معارضۃ بین حدیث ابن عمر و الآیۃ لان الموتٰی لا یسمعون بلا شک لکن اذا اراد اللہ اسماع ما لیس من شانہ السماع لم یمتنع لقولہ تعالیٰ انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت و قولہ تعالیٰ فقال لہا وللارض ائتیا الخ یعنی علامہ محدث ابن التین نے فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور آیت کریمہ انک لا تسمع الموتٰی کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اس بات میں تو واقعی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ مُردے نہیں سنتے۔ مگر جب کبھی اللہ تعالیٰ چاہے اور ارادہ کرے اس ناقابل شے کو سنانا جس کی شان میں سے سننا نہو جس میں سننے کی لیاقت بالکل نہ ہو وہ خدا پاک اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ اس کو بھی سنا سکتا ہے جیسے زمین و آسمان سے اس نے کلام کیا اور اپنی امانت کا بوجھ آسمان زمین اور پہاڑوں پر رکھنا چاہا نیز جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین ہر دو سے کہا میرا حکم مانو۔ تو مٹی زمین آسمان اور پہاڑ اور پتھر کے اندر سننے کی قابلیت نہیں ہے مگر وہ خدا پاک تو قادر علی الاطلاق ان چیزوں کو جن میں سننے کی قابلیت نہو سنا سکتا ہے۔ تو بالکل یہی طرح مُردوں میں بھی سننے کی قابلیت نہیں ہے لیکن جب کبھی احیاناً وہ ذات قادر علی الاطلاق کسی مُردے کو کچھ سنانا

چاہے تو سُنا سکتا ہے جیسے قلیب بدر والے واقعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مُردوں کو سُنا دی اور اپنے پیارے نبیؐ کا معجزہ ظاہر فرما دیا

الحاصل

الحاصل سماع الموتٰی موقوف علیٰ اسماعہ تعالیٰ واسماعہٗ تعالیٰ موقوف علیٰ مشیتہ تعالیٰ نتیجہ یہ نکلا سماع الموتٰی موقوف علیٰ مشیتہ تعالیٰ کیونکہ موقوف علیہ کا موقوف علیہٗ اول کا موقوف علیہ ہوتا ہے اب آگے چلئے سماع الموتٰی موقوف علیٰ مشیتہٖ تعالیٰ وکل مشیتہٗ تعالیٰ غیر معلوم لنا نتیجہ یہ نکلیگا سماع الموتٰی غیر معلوم لنا یعنی سماعِ موتٰی کا ہم کو علم نہیں۔ اب آگے چلئے سماع الموتٰی غیر معلوم لنا وکل ما ہو غیر معلوم لنا لایجوز لنا ان نقفوہٗ نتیجہ یہ نکلیگا سماع الموتٰی لایجوز لنا ان نقفوہٗ یعنی مسئلہ ثبوتِ سماعِ موتٰی کے پیچھے پڑنا ہمارے لئے ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولاتقف مالیس لک بہ علم اس کا ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی رحمہ اللہ نے فرمایا "دمرو پے چیزے کہ ترا دانش آن نیست" اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ترجمہ اس طرح ہے "مت پیچھے چل اس چیز کے کہ نہیں تجھ کو ساتھ اس کے علم" اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس طرح ترجمہ فرمایا "اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھکو"

سوچنا چاہئے اور ذرا غور و فکر سے کام لینا چاہئے کہ ایک غیر ثابت مسئلہ پر اس قدر زور دینا اور اس کے نہ ماننے والے کو معتزلی وغیرہ کے لقب سے یاد کرنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی کہنا اور اس سے کلی طور پر بائیکاٹ کر لینا اور ابتداءً بالسلام تو کجا اُس کے سلام کا جواب بھی نہ دینا اور لوگوں میں بدگمانی پھیلا کر سماع موتٰی کے منکر اماموں کو امامت سے بے دخل کرنا اور مسجدوں پر خود قابض ہو کر غلط مسائل کو رواج دینا اور توحید کی آواز کو دبا دینا اور مشرکین کے پیچھے نماز پڑھ لینا اور ان کو اپنا بھائی کہنا ان کے ساتھ میل ملاپ رکھنا اور موحدین کو گستاخ کہنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد العثمانی رحمۃ اللہ کی صحیح بخاری پڑھاتے وقت کی تقریر

میں خود تو حضرت مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ کا شاگرد ہوں۔ مگر حضرت مولانا عطا محمد صاحب صدر مدرس مدرسہ تعلیم القرآن میانوالی مدظلہ العالی کے پاس حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی تقریر موجود پائی اس سے فوٹو سٹیٹ کروالی۔ بعینہ وہی تقریر نیچے درج کی جارہی ہے

اللھم وفقنا لما تحب و ترضی من اشاعۃ التوحید و سنۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماع و اسماع کا فرق

اسماع متحقق جب ہوتا ہے جب کہ سماع بھی پایا جائے۔ اگر سماع نہ پایا جائے تو اسماع منتفی ہو جاتا ہے اب معلوم ہوا کہ حقیقۃ الاسماع اس وقت پایا جائے گا جب کہ سماع بھی ہو۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں نفی اسماع کی گئی ہے۔ آیا نفی سماع بھی ہے یا نہ؟ تو بات یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے اے حبیبؐ تم مُردوں کو قبروں میں پڑے ہوؤں کو نہیں سنا سکتے۔ اب دیکھو مثلاً زید ایک آدمی زندہ ہے تو اس وقت تو تم بھی مانتے ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو سنا سکتے ہیں تو جب وہی زید مر جاتا ہے تو کہتے ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے نہیں سنا سکتے۔ اب غور کا مقام یہ ہے کہ اب نہ سنا سکنے کی دو وجہیں ہیں یا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت اسماع میں اور آپؐ کی ذات میں والعیاذ باللہ کچھ نقص ہو گیا ہے اور کچھ تغیر ہو گیا ہے اس لئے آپ نہیں سنا سکتے یا زید کی ذات میں کسی قوت کا نقصان پیدا ہو گیا ہے اور اس کی قوت سمع میں تغیر اور کمزوری ہے اس لئے اسماع متحقق نہیں ہو سکتا۔ تو ہم اب اس کا فیصلہ تم سے پوچھتے ہیں۔ تو بات صاف ماننی پڑے گی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی آپؐ کی قوۃ اسماع میں کوئی کمی ہوئی ہے۔ بلکہ ان میں تو جیسی زید کی زندگی میں قوۃ اسماع موجود تھی اب اس کی موت کے بعد ہم مانتے ہیں وہی قوۃ اسماع بلکہ زیادہ قوت اسماع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہے

تو اب معلوم ہوا کہ اسماع کے متحقق نہ ہونے کی یہ وجہ تو ہرگز نہیں ہو سکتی کہ حضور ﷺ کی قوت اسماع میں کوئی نقصان یا کمی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے نہیں سنا سکتے بلکہ ان کی قوت تو زید کی موت کے بعد بھی ویسی ہی برحال ہے تو اب معلوم ہوا کہ زید ہی کی قوتِ سمع میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے جس کی وجہ سے انتفاءِ اسماع ہو رہا ہے۔ تو جب زید کی جانب سے قوۃ سماع نہ ہونے کی وجہ سے اسماع کی نفی ہو گئی تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ زید جو مر گیا ہے ہر گز نہیں سن سکتا۔ کیونکہ جب خدا وند عالم فرماتے ہیں کہ مرنے میں اسماع کی حقیقت کو تم متحقق نہیں کر سکتے تو لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ ضرور سمع کی نفی ہو گئی۔ اسی لئے تو اسماع بھی نہیں پایا گیا۔

تو گویا کہ خداوند تعالیٰ نے قیاس استثنائی کا نتیجہ رفعِ تالی سے رفعِ مقدم نکالکر بیان کر دیا ہے

کہ اسماع نہیں ہے

بعض لوگوں نے اس آیت کا قیاس بنا کر سمجھا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے رفعِ مقدم کو ذکر کیا ہے۔ تو رفع مقدم سے رفعِ تالی یعنی عدمِ سماع لازم نہیں تو اس کے

جواب میں عرض یہ ہے کہ ایک معمولی منطقی بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ جہت منتج نہیں ہے۔ تو کیا علام الغیوب کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ صورت منتج نہیں ہے تو پھر رفعِ مقدم ذکر کرنے کے کیا معنے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس قیاس میں ضرور کسی جزء کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ تو بطور نتیجہ کے قیاس استثنائی سے اس کو ذکر کیا وہ اس طرح کہ جب کہ مردہ میں اسکی ذات وصفات میں تغیر آگیا ہے اور سنانے والے کی ذات میں تغیر واقع نہیں تو ضرور اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سماع کے نہ ہونے کی وجہ سے یعنی تالی کے رفع کی وجہ سے رفعِ مقدم یعنی اسماع کا ارتفاع ہو گیا ہے۔ تو اب نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم اسماع متحقق نہیں کر سکتے کیونکہ مردہ میں سماع کی نفی ہے (سماع منتفی ہے) اور آپ میں تو یہ قوت ہے نہیں کہ اس مردہ میں سمع کی قوۃ ڈال دو تو اسماع کیسے ہو سکیگا۔ ہاں یہ عمل میرے (یعنی میں خدا کے) قبضہ میں ہے کہ میں اگر چاہوں تو مرنے میں قوۃ سمع ڈال کر سنا سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ صرف میری ہی صفت ہے کہ جس میں قوۃ سماع نہ ہو تو میں اس میں قوۃ سماع پیدا کر دوں اور اسماع متحقق کر دوں اور آپ اس میں سماع کی قوت پیدا نہیں کر سکتے تاکہ اسماع بھی متحقق کر دو۔

تو معلوم ہوا کہ مرنے میں قوۃ سماع کی نہیں ہے تو یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ مردوں میں قوت سماع کی نہیں ہے

ایک اعتراض اور اس کا جواب اور ہمارے دعویٰ کی تقویت

اعتراض یہ ہے کہ یہاں نفی اسماع کی ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ نفی سماع کی نہ ہو بلکہ مردے سنتے ہوں۔ تو جواب یہ ہے کہ اس تاویل کا دروازہ بند کرنے کے لئے ہی تو خدا تعالیٰ نے آگے ولا تسمع الصم الدعاء بھی فرمایا ہے۔ کیا یہاں بھی یہ کہو گے کہ اجی جناب! اسماع کی نفی ہے سماع کی نفی تو نہیں ہے۔ بلکہ جو بہرا (اصم) ہے وہ خود سنتا تو ہے مگر ہم اسے سنا نہیں سکتے ۔ ـــــ یہ تو بالبداہۃ غلط ہے اور مشاہدہ کا انکار ہے۔

بھلا بہرے کو آزما دیکھو کہ وہ سنتا ہے؟ آیا اس میں قوۃ سماع کی کمی ہے یا تمہارے اندر کمی ہے۔ بلکہ میں تو یوں کہوں گا کہ دیکھو جب انسان سو رہا ہے تو وہ سن نہیں سکتا کیوں کہ اس کے قویٰ میں نقصان آجاتا ہے اور ادراک کمل نہیں رہتا۔ تو جب اس معمولی سے تغیر کی وجہ سے سُن نہیں سکتا تو آیا ایسا تغیر جو اتم ہے اور کمال درجہ کی نوم جو موت ہے اس کے عارض ہونے کے بعد سماع کی قوت کیسے باقی رہے گی۔

اسی بنا پر نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض ج ۳ ص ۵۰۰ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں لکھا الانبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کالنائمین وان النائم لا یسمع ولا ینطق تو جب شارح نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو کالنائمین (سوئے ہوؤوں کی طرح) فرمایا ہے اور پھر یہ بھی صراحت فرما دی کہ نائم (سونے والا) نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے تو اب بتلاؤ کہ کس شخص کی عقل کا دیوالیہ نکل گیا ہے کہ مردے کو کہے کہ اس میں قوۃ سماع ہے جبکہ نائم میں سماع نہیں حالانکہ النوم اخ الموت ہے۔ اب بدین بیان فیصلہ درست تو ہے۔

(۲) جب کہ ہم نے اپنے آپ کو زمرۂ احناف میں شمار کیا تو ہم بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد اور حضرت امام اعظم رحمہ سے صراحۃً کوئی روایت نہیں ملتی، نہ سماع کی اور نہ عدم سماع کی۔ تو پھر ہم کو مشائخ احناف کی پیروی کرنی چاہیے جنہوں نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی عبارات سے یہ ثابت کیا ہے کہ سماع موتیٰ ثابت نہیں ہے اور یہی قرآنی آیات دلائل میں اور تائید میں پیش کیں۔ مثلاً رئیس الفقہاء علامۃ ابن الہمام و المتقدم ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر باب الیمین فی القتل والضرب میں اور صاحب عنایہ بھی اس کی پر زور تائید کرتے ہیں۔

تب جو لوگ حنفی کہلا کر پھر شوافع کے دلائل سے مرعوب ہو کر اور ابن قیم کی کتاب الروح کو دیکھ کر مرعوب

ہوتے ہوئے قائلِ سماع ہوتی ہیں۔ انہیں یا تو اپنے آپ کو حنفی نہ کہنا چاہئے۔ جب کہ وہ نہ تو مجتہد ہیں نہ مجدد اور نہ ہی محقق کسی درجہ میں نہیں ہیں بلکہ بعض چند فقہی مسائل کے قوامین یا صرف مسائل یاد کر لئے تو اجتہاد کرنے لگے تو مقلد ہونے کی حیثیت سے تو ہمیں بغیر دلائل کے مشائخ احناف کی بات کو ماننا چاہئے خواہ صاحب مخالف میں کتنا ہی وہ بہ ظاہر ہو رہا ہو

اجوبہ مستدلات شوافع

قرع نعال والی حدیث کا جواب

(۱) قرع نعال والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث میں ہے کہ ابھی واپس ہو رہے ہوتے ہیں اور مردہ جوتوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ منکر نکیر آجاتے ہیں۔ تو اس سے یہ بات لازمی طور پہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوال وجواب اور حساب کا وقت ہے۔ اس وقت مرنے کی روح کو لوٹا دیا جاتا ہے جیساکہ مشکوٰۃ شریف میں حدیث سے ثابت ہے کہ حساب لینے کے لئے روح واپس لاتے ہیں اور اس وقت کا تو کوئی منکر نہیں ہے کہ سماع نہیں ہے[1]

اور پھر اس حدیث قرع نعال والی میں ہے کہ پھر مومن کو کہا جاتا ہے کہ نَمْ کنومۃ العروس تو ابن نسیم الحائن کے قول کے مطابق "النائم لا یسمع ولا یتکلم" ایک موت طاری ہے پھر موت کی نیند ہے۔ بھلا یہ بتاؤ جب زندگی کی نیند میں نہیں سن سکتا تو موت کی نیند میں کب سنے گا۔ فافہم

قلیب بدر والی حدیث کا جواب

(۲) قلیب بدر والوں کو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا پھر حضور علیہ السلام کا حضرت عمرؓ کو فرمانا ما انتم باسمع منھم تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے و واقعۃ حال لا عموم لھا، اس سے کلی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جب ایک جگہ سماع پایا جائے تو اس پر کلی حکم ثابت کیا جائے۔ کیونکہ یہاں حضور علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پھر صاحب عنایہ نے بھی یہی جواب لکھا ہے اور اصولی قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

[1] اس میں بحث ہے جسے ہم دوسری جگہ لکھ چکے ہیں

(۳) جب کہ مردوں کو کنوئیں میں ڈالا گیا اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ ان میں قوت سماع ڈالی گئی ہو تاکہ ان کو اچھی طرح ملامت ہو جائے۔ یہی قرینہ ہے۔ ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ کہ آیا اب تم کو اب یقین ہوا ہے یا کہ نہیں، حالانکہ تم ہماری بات زندگی میں نہیں مانتے تھے۔ اب کیا یقین آیا

(۴) ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ زندوں کو موعظت اور نصیحت کرنے کے لئے فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قبرستان میں گئے تو فرمایا السلام علیکم یا دار قوم مؤمنین الحدیث اور فرمایا تمہاری بیویوں نے نکاح کر لیا۔ اور تمہاری جائداد تقسیم ہو گئی۔ یہ خبر تمہاری ہے ہمارے پاس۔ اور ہماری خبر تمہارے پاس نہیں ہے۔ تو اس سے بھی بداھۃً یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ سب زندوں کو پند و نصیحت کے لئے یہ بات کہی گئی ہے تاکہ وہ سن کر نصیحت پکڑیں۔

(۵) اور یہ جو کہا ما انتم باسمع منہم سو اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ واقعہ کسی وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنایا تو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رد کر دیا اور فرمایا کہ یا تو تم نے سنا نہیں یا سمجھا نہیں جیسا کہ تم کو بکاء علی المیت کے مسئلہ میں غلطی لگی ہے ایسی ہی آج بھی اس مسئلہ میں تمہیں غلطی لگی ہے کیونکہ جب قرآن شریف میں آتا ہے ما انت بمسمع من فی القبور تو یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن مجید کے خلاف کیسے فرما سکتے ہیں آپ نے تو یہ فرمایا تھا ما انتم باعلم منہم یعنی تم کو ان سے زیادہ علم نہیں۔ کیونکہ یہ کفار تو عذاب کا اب مشاہدہ کر رہے ہیں اور آپ کا صرف ایمان بالغیب ہے۔ اسی پر آپ کا آیت پڑھنا بھی دلالت کرتا ہے فہل وجدتم ما وعد ربکم حقا یعنی کیا تم کو یقین آیا اب بھی یا نہیں؟

الحاصل اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتیٰ کی قائل نہیں ہیں، دیگر یہ کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ؐ کا معجزہ تھا کہ ان مردوں کو زندہ کیا گیا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ کے رجوع کا قول بے ثبوت ہے

(۶) اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رجوع ثابت ہے یہ ان کے رجوع

والاقول خود ہی بے ثبوت ہے، اور محض احتمال ہے کیونکہ رجوع عائشہ رض ثابت کرنے کے لئے یہ ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ رض اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر شریف پر جاکر اشعار پڑھتی ہیں، پس یہ ان کا اپنے بھائی کو مرثیہ میں خطاب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ میرا یہ مرثیہ میرا

خطاب کو سماع لازم نہیں

بھائی سن رہا ہے۔ ورنہ خطاب کرنے کا کیا مطلب؟ لیکن اس واقعہ سے حضرت ام المؤمنین کا رجوع ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ مرثیہ پڑھنا آپؓ کا اظہار حسرت کے لئے تھا۔ سنانا مقصود نہ تھا۔ جیسا کہ شعراء اپنے قصیدوں اور مرثیوں میں دارِ محبوب یا دیگر چیزوں کو خطاب کرتے ہیں حالانکہ وہاں کوئی بھی نہیں ہوتا جیسا کہ شعر میں مذکور ہے ؎

دلم بردی و دلداری نکردی　　　غمم دادی و غمخواری نکردی

اب یہ زلیخا فراق کی حسرت اور غم میں یہ شعر حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں کہہ رہی ہے۔
اور دیوان متنبی اور دیوانِ حماسہ میں پڑھنے والوں کو کئی جگہ ایسے خطابات ملیں گے مثلاً

باللہ یا ظبیات القاع قلن لنا　　　لیلای منکن ام لیلی من البشر

اے چٹیل میدان میں رہنے والی ہرنیو! بخدا نہیں یہ تو بتاؤ کہ میری محبوبہ لیلیٰ تمہاری جنس میں سے ہے یا انسان ہے؟
کیا کوئی سلیم الفطرۃ سمجھ سکتا ہے کہ یہاں ان ہرنیوں کو سنانا مقصود ہے۔
اسی طرح جو لوگ مردے کو دفن کرکے گھر آتے ہیں اور پھر روتے ہیں اور واویلا کرکے مردے کو خطاب کرتے ہیں کیا ان کا مقصد مردے کو سنانا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں
یہاں بھی بالکل اسی طرح حضرت ام المؤمنین نے حسرت کے اظہار اور غم فراق میں مرثیہ کہا ہے۔

حضرت عمرؓ کے دفن ہونے کے بعد ام المؤمنین کا پردہ کرکے آنا خلاف عقل ہے

اور یہ جو روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ دفن ہو چکے تھے پردہ کر لیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بالکل خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ جو شخص دس من مٹی میں سے دیکھ سکتا ہے تو وہ کپڑے کے ایک معمولی سے پردہ میں سے نہیں دیکھ سکتا؟ اس لئے اس روایت کا مطلب لازماً یہی ہو گا کہ یہ آپؓ کا پردہ کرنا کمال حیاء کی وجہ سے تھا جو ایک نفسیاتی امر ہے۔ جیسے زندگی میں پردہ کرتی تھیں ایسے ہی مرنے کے بعد بھی پردہ کیا۔ اور کئی شرعی احکام ایسے ہیں جو آداب زیارت کے ساتھ متعلق ہیں زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ جیسے لکھا ہے کہ جس طرح دنیا میں اس کے سامنے بیٹھتے تھے اور جتنے فاصلہ پر بیٹھتے تھے ایسے ہی اتنے ہی فاصلہ پر قبر کے پاس بھی بیٹھو، جیسے اس کا عزت و احترام دنیا میں کرتے تھے ایسے ہی اس کا عزت و احترام اس کے مرجانے کے بعد بھی کرو۔ اس کی قبر پر مت بیٹھو۔ اور اس کی قبر کے پاس بول و براز مت کرو۔

عقلی دلیل

کیا اتنا نہیں سمجھتے کہ ایک زندہ انسان کو ایک مکان کے اندر بند کر دیا جائے تو اس کو باہر کی ہوا تک نہیں لگتی۔ تو پھر جب آدمی کو اس کے فوت ہونے کے بعد زمین میں دفن کر دیا جائے تو اب اس کو تکلیف اور بدبو کیسے محسوس ہو گی۔ اگر اس کو تکلیف یا بدبو محسوس ہو سکتی ہے تو کہیں اندر ہی کی تکلیف اور بدبو اس کو محسوس ہو سکتی ہے۔ باہر کی چیز تو اس کو تکلیف نہیں دے سکتی اور نہ باہر کی بدبو اندر اثر کر سکتی ہے۔ اور یہ کہنا تو بالکل عقل کے خلاف ہے کہ ان چیزوں سے مُردوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور حدیث شریف میں جہاں کہیں ایسے الفاظ آتے ہیں تو ان کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کی بے ادبی اور بے حرمتی نہ کرو اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی بے ادبی اور بے حرمتی ایسی چیزوں سے ہوتی ہے اور ایسی چیزوں سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور ایسا ہی یہاں بھی سمجھ لو اور اس میت کا ادب و احترام ملحوظ رکھو۔ تکیہ لگا کر قبر کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اور اگر کہیں لفظ تکلیف وغیرہ کے حدیث میں آ بھی جائیں تو ان کا بھی یہی مفہوم ہو گا۔ بھلا ایک آدمی مکان کے اندر ہو یا جیل خانہ میں ہو تو باہر سے ایک آدمی اس مکان یا جیل خانہ کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر بیٹھ جائے تو اندر والے کو تکلیف ہو گی حضورﷺ ایسی بدیہی امور کے خلاف کوئی بات بیان نہیں فرماتے ان کا کلام تو ملوک الکلام ہے

قرآن کریم، عقل سلیم، قول ام المومنین دال ہیں عدم سماع پر خبر احد میں تاویل کرنا ہوگی

مزید برآں جب کہ قرآن شریف سے عدم سماع ثابت اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی اسی آیت سے استدلال کرنا عدم سماع پر ثابت ہے اور عقل سلیم بھی اسی طرف کا حکم لگاتی ہے تو حسب قاعدہ خبرِ واحد کی ایسی تاویل کریں گے جو نقل قطعی کے موافق ہو اگر تطبیق ہو سکے تو فبہا ورنہ قرآن شریف کے مقابلہ میں خبرِ واحد نہیں آسکتی۔

اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال آپ کے کمال علم اور نہایت اعلیٰ درجہ کی عقل و منطق پر دال ہے کیونکہ انہوں نے یہی سمجھا کہ آن حضرت ؐ کا نہ سنا سکنا صرف اسی وجہ سے ہے کہ تالی منتفی ہے یعنی موتیٰ (مُردوں) میں قوتِ سمع نہیں ہے (رفع تالی منتج رفع مقدم کا ہوتا ہے) ورنہ تو یہ کہنا کتنی گستاخی اور گناہ عظیم ہے کہ ہم یوں کہنے لگ جائیں کہ حضرت ام المومنین نے قرآن نہیں سمجھا۔

تو جب قرآن مجید بہانگ دہل اور ڈنکے کی چوٹ لگا کر کہہ رہا ہے کہ مُردے نہیں سُنتے تو اس کے مقابلہ میں روایات جو آحاد کے درجہ میں رہیں واجب التاویل و التطبیق ہیں اور اگر تطبیق نہ ہو سکے تو واجب الترک ہونگی، اور یہی اصول حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس لئے یہ کہنا ضروری ٹھیرا کہ بابِ زیارتِ قبور میں جو آداب مذکورہ فی الحدیث النبوی ہیں ان کا مطلب یہی ہے کہ مرنے کے بعد بھی میت کی عزت و حرمت ملحوظ رکھو۔

یا کے لفظ سے خطاب

(۷) اب رہا سوال السلام علیکم یا اہل القبور کہنے کا تو اس سے متعلق بحث کرنے سے پہلے دیکھنا یہ چاہیئے کہ زیارتِ قبور کا مقصد کیا ہے۔ کیا مُردوں سے کلام کرنا کرانا یا اور کچھ مقصود ہے۔ اب بات کو سمجھنے کے لئے ہم احادیث نبویہ کی طرف رجوع کرتے ہیں چنانچہ اس بارے میں ہمیں حدیث شریف نے بخاری

رہنمائی فرمائی۔ حدیث شریف میں آیا ہے ان تذکر الموت یعنی زیارتِ قبور موت کو یاد دلاتی ہے اور یہ مقام جو ہے حسرت اور موت یاد دلانے کا مقام ہے اور مقصد زیارتِ قبور سے یہ بھی ہے کہ اموات کے حق میں رحمت کی دعا مانگی جائے۔

اہلِ قبور کو خطاب کرنے سے شارع کا منشا کیا ہے

اور یا حرفِ نداء سے استدلال کرنا کہ نداء اسی کو کیا جاتا ہے جو نداء کو سُنے ورنہ نداء محض بے کار اور مہمل فعل ہے' یہ استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ کہنا سنت اور طریقہ جاریہ و مسلوکہ فی الدین ہے۔ جیسے شاعر لوگ اپنے محبوب کے فراق میں دارِ حبیب پہ جاکر خطاب کرتے ہیں اس طرح وہ حسرت کا اظہار کرتے ہیں اور محبوب کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے ہی مومنوں کو حکم ہوا کہ تم بھی قبروں پہ جاکر حسرت کا اظہار کرو اور موت کو یاد کرو اور اپنے اموات کو نہ بھولو ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھو۔ یہاں ان کو سنانا مقصود نہیں ہوتا نہ ندا کرکے اپنی طرف ان کو متوجہ کرنا مطلوب۔

نیز جیسے مؤذن کی اذان جو جو لوگ سنتے ہیں الصلوٰۃ خیر من النوم کے جواب میں شرعی حکم کے مطابق صدقتَ و بررتَ و بالحق نطقتَ خطاب کے صیغے کے ساتھ گھر بیٹھے ہوئے بھی پڑھتے ہیں۔ یہاں بھی مؤذن کو سنانا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ سنت طریقہ پر عمل کرنا ہے کسی فائدہ کے لئے۔ مثلاً کہ تم بھی اس بات کا اقرار کرو کہ یہ بات صحیح ہے اور دل سے غفلت کو دُور کرو۔

ایسے قرآن پاک سورۂ اعراف صالح و شعیب علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں ہے کہ ان دونوں پیغمبروں نے اپنی قوم کی تباہی کے بعد قوم ہلاک شدہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا قال یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی ونصحت لکم ولکن لا تحبون الناصحین (فرمایا اے میری قوم! میں نے تو اپنے پروردگار کے احکام تم کو پہنچا دئے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی مگر تم پر کچھ ایسی شامت سوار تھی کہ تم خیر خواہی کرنے والوں کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتے تھے)، تو اس مقام پر مفسرین کرام بھی لکھتے ہیں کہ اظہارِ حسرت مقصود تھا' سُنانا مقصود نہ تھا، اسی طرح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلیب بدر والوں کو خطاب صرف اظہار حسرت اور ان کی ملامت کے لئے تھا نہ ان کو سنانے کے لئے۔ اسی طرح اور بہت سے مقامات میں جہاں خطاب سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ دوسرا آدمی سُنے۔

حضرت عمرؓ کا حجر اسود کو خطاب

التنبیہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو دیکھ کر فرمایا واللہ انی لا اعلم انک لحجر لا تنفع ولا تضر الحدیث یہ خطاب ہے پتھر کو، کیا پتھر سنتا ہے؟

اگر کہو کہ حجر اسود واقعی سنتا ہے اسی لئے قیامت کے دن شہادت دے گا کلام کرے گا تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قیامت میں تو پجاریوں کو ذلیل کرنے کے لئے پتھروں کے بت بھی بولیں گے۔ بلکہ جہاں کہیں انسان برا فعل کرتا ہے تو وہ جگہ بھی گواہی دے گی۔ یا تو یوں کہو کہ یہ تمام چیزیں زمین، پتھر، درخت وغیرہ بھی میں سماع کی قوت ہے خدا پاک فرماتے ہیں کہ تمہارے معبودوں کے کان نہیں ہیں جو سنیں اور نہ ہی ان کی آنکھیں ہیں جو دیکھیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ پتھر وغیرہ نہیں سنتے۔ اور قرآن مجید میں تو اس طرح آتا ہے کہ معبودان باطلہ کہیں گے ان کنا عن عبادتکم لغافلین تو اب بتاؤ کہ جب یہ معبود اور پتھر وغیرہ اگرچہ گواہی دیں گے کہ انہوں نے ہمارے پاس یہ کام کیا ہے تم ان تمام چیزوں کے بارے کیا کہو گے کہ یہ سب چیزیں سنتی ہیں اور ان سب میں سماع کی قوت ہے؟ پھر اگر یہی بات ہے تو اللہ پاک نے کیوں فرما دیا ہے کہ وہ نہیں سنتے

الحاصل اب یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ حجر و شجر اور زمین میں سماع نہیں ہے۔ جب سماع نہیں تو حضرت عمرؓ کے پتھر (حجر اسود) کو خطاب کا مطلب لازماً یہی ہو گا کہ حضرت عمرؓ کا مقصد خطاب کا صیغہ بول کر حجر اسود کو سنانا ہرگز نہ تھا بلکہ کچھ اور مقصود تھا۔ بہرحال اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فافہم وکن من الشاکرین

تمت

نبی اکرمؐ اور شیخینؓ کا حجرِ اسود کو خطاب اور مستدرک حاکم کی ایک روایت

نیلوی کہتا ہے کہ امام ابن الہمام رحمہ نے فرمایا غریب متنوں میں سے ایک وہ متن بھی ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں مسند ابی بکر رضہ کے اخیر میں ایک شخص کی روایت ذکر کی ہے کہ اس شخص نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حجر اسود کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا پھر آپؐ نے حجر اسود کو مخاطب ہو کر فرمایا انی لاعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع یہ کہہ کر پھر آپؐ نے حجر اسود کو بوسہ دیا پھر امام ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا انہوں نے بھی حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر یہی الفاظ فرمائے (انی لاعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع) ساتھ یہ بھی فرمایا ولولا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک (اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے میں نے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا) پھر حضرت عمر رضہ کا حج کرنا اور حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر یہی الفاظ بیان کرنا جو حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کے موقعہ پر حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر فرمائے تھے صحاح ستہ میں مذکور ہی ہیں اور یہ حضرت عمر رضہ کی بات حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں بیان کی ہے اور اس میں کچھ زائد بیان بھی ہے اور وہ یہ ہے فقال علیؓ رضی اللہ عنہ یا امیر المؤمنین یضر و ینفع (پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے اے امیر المؤمنین یہ حجر اسود نقصان بھی دے گا اور نفع بھی دے گا) آگے فرمایا ولو علمت تاویل ذلک من کتاب اللہ لعلمت انہ کما اقول (اگر آپ کو اے امیر المؤمنین کتاب اللہ میں سے اس کا علم ہو جائے تو آپ کو یقین ہو جائیگا کہ واقعی بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں) اللہ پاک نے فرمایا واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم الآیۃ یعنی اے پیغمبر! ان لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پشتوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا اور ان کے مقابلے میں خود انہی گواہ بنایا اس طرح پر کہ ان سے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب بولے ہاں ہم اس بات کے گواہ ہیں) فلما اقروا انہ الرب عز وجل وانہم العبید کتب میثاقہم فی رق ثم القمہ فی ہذا الحجر وانہ یبعث یوم القیٰمۃ ولہ عینان ولسان وشفتان ویشہد لمن

وافاه بالموافاة فهو امین اللہ فی ہذا الکتاب (پھر جب انہوں نے خدا کے رب ہونے اور اپنے عبد ہونے کا اقرار کر لیا تو ان کا یہ میثاق ایک پتلی جھلی میں لکھ کر حجر اسود کا لقمہ بنا دیا گیا پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حجر اسود کو بھی زندہ مبعوث کریگا اس حجر اسود کی دو آنکھیں ہوں گی ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور ہر اس شخص کے حق میں شہادت دے گا جس نے عہد نامہ میں لکھے ہوئے عہد کو پورا کیا کیونکہ حجر اسود اس عہد نامہ میں اللہ کا امین ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے ابو الحسن! جس زمین میں تو نہ ہو اللہ تعالیٰ مجھے وہاں نہ رکھے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جس قوم میں تو نہ موجود ہو اس قوم میں زندگی گزارنے سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

لیکن اس روایت کو امام حاکم نے خود ہی فرما دیا ہے کہ یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط پر نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں ابی ہارون عبدی نامی راوی ہے جسے مسلم بخاری ہر ایک نے حجت نہیں بنائی آگے چل کر ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح نقایہ ص ۱۹۴ و ۱۹۵ میں فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں یا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں یہ لفظ انی لاعلم انک حجر لا تضر ولا تنفع جو فرمائے ہیں وہم جاہلیہ کو زائل کرنے کے لئے یہ الفاظ فرمائے ہیں جو پتھروں اور بتوں کے بارے جاہلوں کا عقیدہ تھا اور حضرت علی کا کہنا بل یضر وینفع صحیح سند سے ثابت نہیں اور اس قول کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا ہی صحیح نہیں کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ساتھ معارضہ اور مقابلہ کی صورت بن جاتی ہے۔ اور علامہ ذہبی نے تو اپنے مختصر میں عبدی کے بارے "انہ ساقط" فرما دیا ہے۔

آیت انک لا تسمع الموتیٰ کی تشریح بطرز دیگر

از شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ الرحمٰن وجعل مثواہ الجنان

یعنی اگر اتنے بیانات کے بعد بھی باز نہیں آتے تو ان کو چھوڑ دو کیونکہ ان پر مہر جباریت لگ چکی ہے۔ اور یہ مردوں کے مانند ہیں کہ سنتے کچھ نہیں۔

سماع موتیٰ کے متعلق اجمالی تحقیق یہ ہے کہ بدن تو بالکل نہیں سنتا جیسا کہ اس آیت سے اور باقی آیات سے عدم سماع ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ سماع مطاوع ہے اسماع کا جو متعدی ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ سماع ہی نہیں لہٰذا اسماع بھی نہیں۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسماع (متعدی) کی نفی قرآن میں ہے قرآن میں سماع کی نفی نہیں ہے یہ غلط ہے
کیونکہ سُننا نہ سُننا روح کا کام ہے جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ فاطر کی آیت میں
لکھا ہے کہ سُننا اور نہ سننا روح کا کام ہے اور قبر میں پڑا ہے ڈھیر وہ تو سُن نہیں سکتا۔

باقی امام اعظم ابوحنیفہ رح اور امام شافعیؒ کا باہم نزاع سو یہ نزاع اس بات میں ہے کہ آیا روح قبر کے
پاس ہوتا ہے اور یہیں علیین و سجین کا مقام ہے یا روح قبر کے نزدیک نہیں ہوتا۔ اور علیین و سجین جنت اور
دوزخ کے مقامات ہیں۔

اور حق یہی بات ہے کہ علیین جنت میں ایک مقام کا نام ہے اور سجین دوزخ میں ایک مقام کا نام ہے
اور روح وہاں ہی ہوتی ہے نہ قبر کے نزدیک علیین ہے نہ سجین کیونکہ زائرین کا حال یہاں معلوم نہیں ہوتا جیسا
کہ اس بات پر حضرت عزیر علیہ السلام اور اصحاب کہف کا واقعہ دلالت کرتا ہے۔ نیز معراج کی حدیث میں آدم علیہ السلام
کا یمین و شمال میں ارواح کو دیکھنا اور خوش اور غمناک ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے۔

اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردہ کفار کے حق میں فرمایا تھا ما انتم
باسمع منہم تو اولاً جواب تو یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسی آیۃ قرآنیہ کی وجہ سے اس قول کا انکار فرمایا
ہے کہ یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں فرمائی بلکہ آپؐ نے یوں فرمایا ہے انہم لیعلمون الخ اور حضرت
عبداللہ بن عمر رضہ سے بیان کرنے میں خطا واقع ہوئی ہے اور

ثانیاً جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ تھا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں نہ تھا بلکہ خدا نے اپنی قدرت کا
اظہار فرمایا چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قال قتادۃ احیاہم اللہ نقمۃ وحسرۃ

عینی اور صاحب عنایہ وغیرہ نے بھی اس کو معجزہ ہی لکھا ہے پس حق یہی ہے کہ سماع موتٰی بالکل نہیں
اور کوئی حدیث صحیح یا آیت سماع موتٰی پر دال نہیں ہے بلکہ سماع موتٰی لوگوں کے لئے منجر الی الشرک ہے۔

فتح القدیر نے کتاب الجنائز میں صراحۃً لکھا ہے کہ مشایخ حنفیہ نے عدم سماع موتٰی پر نص فرمائی ہے۔

اور جو احادیث میں آیا ہے انہ لیسمع قرع نعالہم تو اس کے جواب میں صاحب فتح القدیر نے کتاب
الجنائز میں لقنوا موتاکم کے بحث اور رد المحتار میں کتاب الایمان میں لکھا ہے کہ یہ بات وضع المیت فی القبر
کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ہر وقت ورنہ ان تمام آیات منصوصہ قرآنیہ کے خلاف قول کرنا پڑتا ہے۔

اور بہتر جواب یہ ہے کہ منکر نکیر کی سرعت آمد بیان کی گئی ہے یعنی دفن کرنے والے اتنی مقدار کی دوری میں ہوتے ہیں کہ وہاں سے ان کے جوتوں کی آواز پہنچ سکتی ہو اور سُن سکتا ہو یعنی اتنے مقدار کی دوری سے اتنی جلدی ہی منکر نکیر آجاتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ مُردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ جیسا کہ مولانا گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ یہی جواب الکوکب الدری میں ہے

اور منکر نکیر کے سوال کے بارے جو احادیث میں آتا ہے حق یہ ہے کہ یہ سوالات عالم برزخ میں ہوتے ہیں اور قبر بھی برزخ کا نام ہے اس گڑھے کا نام نہیں ہے۔ ورنہ کئی احادیث صحیحہ کا معنے نہیں بن سکتا۔ مثلاً مؤمن کے لیے تاحد نظر قبر کا فراخ ہونا اور کافر کے لئے تنگ ہونا۔ حالانکہ اس ظاہری قبر میں نہ تو کوئی فراخی ہوتی ہے نہ کوئی تنگی۔ نیز احادیث میں آتا ہے کہ مردہ کو اس قسم کے زہریلے سانپ کاٹتے ہیں کہ اگر وہ اپنا ایک سانس بھی نکالیں تو دنیا میں کوئی سبزی بھی پیدا نہ ہو سکے۔ حالانکہ جہاں ہندو سکھوں وغیرہ کو جلایا جاتا ہے اس جگہ کے قریب متصل نہایت اچھے فصل اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور وہ بھی عالم برزخ میں، نہ کہ اس مٹی کے گڑھے میں۔

اور جو احادیث میں آیا ہے فتعاد روحہ الی جسدہ یا فی جسدہ تو یہ ایک راوی کی غلطی ہے۔ فی جسدہ کا لفظ اکثر روایات میں بالکل نہیں آیا۔ مطلب یہ تھا کہ میت کی روح کو اپنے مقام برزخ میں لوٹایا جاتا ہے اور پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روح اور بدن عنصری میں ایک تعلق اور کنکشن ہے سو یہ بھی غلط ہے اس کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں ملتا محض قیاسی بات ہے۔

یہی تحقیق بعینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ہے۔ اور جو حدیث میں آتا ہے کہ اگر مجھے کوئی قبر پر سلام دے تو میں خود سنتا ہوں اور اگر دور سے دے تو ملائکہ پہنچاتے ہیں' یہ احادیث ضعیفہ ہیں ان کے رُواۃ میں اکثر شیعہ ہیں اس لئے امام مسلمؒ اور بخاریؒ نے اپنی صحیحین میں یہ احادیث نہیں لائیں اور امام مسلمؒ نے خطبہ میں لکھا ہے کہ جن احادیث کو میں نہیں لایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے رُواۃ پختہ نہیں تھے۔ اس کی اور عرض اعمال کی پوری تحقیق رسالہ درود شریف میں ہے۔ ھٰذا ما عندی۔ تمت

شرح اسماء الحسنیٰ

شرح اسماء حسنیٰ مشہ تاوے میں ہے: السمیع مصیم سمع سے مشتق ہے جس کے معنے سننے کے آتے ہیں اور
سمیع کے معنے بہت سننے والا اور سامع کے معنے سننے والا۔ انسانوں اور حیوانات میں یہ صفت بایں طور پائی جاتی
ہے کہ وہ اپنے کانوں کے سوراخوں کے ذریعے سنتے ہیں۔ لیکن خدا کے سننے اور بندے کے سننے میں بہت سے
مراتب میں فرق ہے۔ بندہ کانوں کے سوراخوں کے ذریعے سنتا ہے اور جب اس کے کان خراب ہو جاتے ہیں، یا
بند ہو جاتے ہیں تو اس کا سننا بھی بند ہو جاتا ہے اور قوتِ سامع مفقود ہو جاتی ہے لیکن خدا تعالیٰ سننے میں کانوں
کا محتاج نہیں نہ اس کے جسم ہے نہ کان ہیں۔ وہ ان عوارض سے پاک ہے۔

بندہ کو موت تک قوتِ سماعت دی گئی ہے اور موت کے ساتھ اور قوتوں کی طرح یہ قوت بھی فنا ہو
جاتی ہے اور پیدائش سے قبل بھی اس قوت کا وجود نہ تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ چونکہ ازلی ابدی ہے نہ اسے پہلے
ازل میں کبھی فنا تھی اور نہ کبھی فنا ہوگی تو جیسے وہ خود فانی نہیں اس کی قوتِ سامع بھی فانی نہیں اور جیسے وہ
خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا اسی طرح اس کی یہ قوت بھی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

بندہ کو جو قوتِ سامع دی گئی ہے وہ محدود ہے یعنی بندہ قریب کی آواز سننے پر قادر ہے لیکن دور
کی آواز سننے سے وہ قاصر ہے اسی طرح بلند آواز کو وہ سن سکتا ہے اور آہستہ آواز کے سننے سے مجبور ہے۔
لیکن خدا تعالیٰ جیسے قریب کی سنتا ہے ویسے ہی دور کی بھی سنتا ہے اور جیسے بلند آواز سنتا ہے بعینہٖ اسی
طرح ہلکی سی ہلکی آواز بھی سنتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی آواز بھی اور اندھیری شب میں چکنے پتھر پر ایک چیونٹی کے
چلنے کی آواز بھی سنتا ہے

بندہ اپنے سننے میں خدا کا محتاج ہے یعنی خدا تعالیٰ اگر کان نہ دیتا یا کان دیتا مگر کانوں کے سوراخ بند
کر دیتا، یا دونوں چیزیں عطا فرماتا لیکن قوتِ سامع عطا نہ کرتا، تو بندہ کیسے سنتا؛ لیکن خدائے تعالیٰ
اپنے سننے میں کسی شے کا بھی محتاج نہیں نہ کسی دوسری چیز کا نہ کانوں کا نہ قوتِ سامع کا
خدا اور بندہ کے سامع میں اور بھی بہت سے فرقِ مراتب ہیں! تو جو شخص اس امر کے قائل ہیں، کہ

انبیاء یا اولیاء کرام ہر بات سنتے یا جانتے ہیں وہ ان تمام امور پر غور کرلیں یاد رکھئے کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی صفت میں کسی کو بھی شریک کیا جائیگا تو شرک لازم آئیگا اور اسے شرک فی السماع کہتے ہیں۔

رسالہ دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند شوال ۱۳۷۱ھ ص ۲۶ میں تحت عنوان "ایک پیر صاحب کا واقعہ" لکھا ہے

ایک پیر صاحب کا واقعہ سنایا کہ وہ ٹونک میں آیا کرتے تھے ان کے مریدین خلاف توحید امور کے مرتکب ہوتے تھے ـــــ میں نے ان مریدین کے سامنے تین آیتیں رکھیں اور کہا کہ تم جو شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو پکارتے ہو اس کے متعلق قرآن کا فیصلہ سنو !

۱ انما یستجیب الذین یسمعون (الآیۃ انعام)

۲ وما انت بمسمع من فی القبور (فاطر)

۳ ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہٗ الی یوم القیٰمۃ (احقاف)

ان تینوں سے بطور صغریٰ وکبریٰ نتیجہ صاف طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ جو سنتے ہیں وہ جواب دیتے ہیں اور جو قبروں میں ہیں ان کو سنا نہیں سکتے۔ پس نتیجہ نکلا کہ قبروں والے جواب بھی نہیں دے سکتے۔ اب جو ایسوں کو پکارے کہ جواب نہ دے سکیں اس سے زیادہ گمراہ کون؟

ان آیتوں کو پیر صاحب کے سامنے رکھا گیا ان سے کچھ جواب نہ بن پڑا

شیخ طیب مکی نے جو مشہور ادیب تھے اور ریاست رامپور میں رہتے تھے، ان آیتوں کو اس ترتیب سے سنا، تو فرمایا کہ میں نے بہت سی آیتیں توحید کے مضمون کی جمع کی تھیں مگر ان آیتوں تین آیتوں نے بہت ہی زبردست طریقہ سے مقصد واضح کر دیا۔

فرمایا کہ توحید کے بارے میں یہ آیت بھی جامع ہے والذین یدعون من دونہ (الی) ولا ینبئک مثل خبیر (فاطر)

حضرت عمرؓ کا فہم

حضرت عمر بن الخطاب رضؓ خالص عرب تھے حجازی قریشی تھے قرآن پاک انہی کی زبان عربی مبین میں اترا انہوں نے انک لا تسمع الموتیٰ سے کیا مفہوم سمجھا اسماع کی نفی سمجھے یا سماع کی نفی بھی سمجھے آئیے اس بات کی تحقیق کے لیے مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۲۸۷ اٹھا کر دیکھتے ہیں عفان ثنا حماد عن ثابت عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک قتلی بدر ثلثۃ ایام حتی جیفوا ثم اتاھم فقام فقال یا امیۃ بن خلف یا ابا جہل بن ہشام یا عتبۃ بن ربیعۃ یا شیبۃ بن ربیعۃ ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا قال فسمع عمر رضؓ صوتہ علیہ السلام فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنادیہم بعد ثلاث وھل یسمعون یقول اللہ عزوجل انک لا تسمع الموتی فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع منہم ولکنہم لا یستطیعون ان یجیبوا یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر کے مقتولین کو تین دنوں تک چھوڑے رکھا حتے کہ مردار بدبوناک ہو گئے پھر ان کے پاس آکر فرمایا اے امیۃ بن خلف اور ابوجہل بن ہشام اور عتبۃ بن ربیعۃ اور شیبۃ بن ربیعہ! کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ تم نے برحق پایا میں نے تو وہ وعدہ جو میرے رب نے میرے ساتھ کیا تھا وہ وعدہ برحق پایا۔ حضرتؐ کی ان قلیب بدر والوں کے ساتھ اس گفتگو کرنے کی آواز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن لی۔ تو عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ کیا ان قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین کو تین راتیں گزرنے کے بعد ندا فرما رہے ہو۔ بھلا یہ آپ کی بات سُن رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے انک لا تسمع الموتیٰ۔ حضرت عمر رضؓ کا یہ سوال سن کر آپؐ نے قسم کھا کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ان قلیب بدر والوں سے بڑھ کر تم بھی نہیں سنتے۔ ہاں البتہ یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے

دیکھا حضرت عمر رضؓ نے استفہام انکاری فرمایا ہل یسمعون بھلا یہ قلیب بدر کے مقتولین جن کو آپ ندا فرما رہے ہو کوئی تمہاری گفتگو سن رہے ہیں؟ یعنی نہیں سنتے پھر اپنی اس بات کی دلیل

میں قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی انک لاتسمع الموتیٰ تو حضرت عمرؓ نے بل یسمعون کی دلیل میں یہ آیت کریمہ اسی لیے پڑھی تھی کہ ان کا دعویٰ (عدم سماع موتیٰ) اس آیت سے ثابت ہوتا تھا ورنہ تو یہ آیت دلیل میں نہ پڑھتے اور نہ ہی اس آیت کی تلاوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرفت کی کہ یہ آیت تیرے دعویٰ کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس آیت میں اِسماع کی نفی ہے سماع کی نفی نہیں ہے۔ مُردے تو سنتے ہیں کیونکہ خدا ان کو سنواتا ہے۔

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے اس قول کی تصویب فرمائی کہ واقعی اس آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے لیکن یہ قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتول (بطور خرق عادت کے) تم سے زیادہ سن رہے ہیں (جیسے درخت چلتے پھرتے نہیں مگر بطور خرق عادت کے ایک جگہ سے دوسری جگہ زمین پھاڑتے ہوئے چلے گئے تھے پھر واپس آگئے تھے اور جیسے پتھر بولتے نہیں لیکن مگر بطور خرق عادت کے پتھروں نے کلمہ پڑھا۔ نبی پاکؐ کو سلام کہا

اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس آیۃ سے نفی سماع سمجھی اور تمام صحابہ نے نفی سماع سمجھی اور جن جن علماء نے اس واقعہ کو معجزہ کہا ہے ان سب نے اس آیت سے نفی سماع سمجھی اور جن جن علماء نے سماع مقبول یا سماع معتاد کی قید لگائی ہے انہوں نے بھی اس آیت سے نفی سماع ہی سمجھی ہے جیسے ابن تیمیہ رحہ نے نفی سماع معتاد کی فرمائی ہے اور غیر معتاد اس مقام پر معجزہ تھا اسی لیے جمہور نے اسے معجزہ بتایا ہے

ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ سے نقل فرمایا ان قولہ انک لاتسمع الموتیٰ انما ارادبہ السماع المعتاد الذی ینفع صاحبہ یعنی انک لاتسمع الموتیٰ میں نفی سماع معتاد نافع کی ہے مطلق اسماع کی نفی نہیں) اب تسکین الصدور طبع ۲ صفحہ ۳۸۳ میں جو لکھا ہے مطلقاً اسماع کی نفی سے سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ ان علماء کے قول کے خلاف ہے

ضوء الفجر

فی حدیث

قلیب بدر

سماع الموتیٰ صفحہ ۲۱۰ سے چھٹی دلیل سماع الاموات کے سماع کی شروع کی گئی ہے جو ایک قصہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا

صفحہ ۲۱۱ میں لکھا کہ اس حدیث کی تفسیر و توضیح میں شراح حدیث کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث سے مُردوں کے سننے کا جو ثبوت ملتا ہے وہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اگر اس کا یہی مطلب متعین ہو تو پھر اس کا عام موتیٰ کے سماع سے تعلق نہیں ہوگا اور اس قول کی بنیاد حضرت قتادہ رح کی تشریح اور تفسیر پر ہے (پھر قتادہ کا اعتزال ثابت کیا)

پھر صفحہ ۲۱۲ میں کہا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث ان کی خصوصیت پر محمول نہیں ہے بلکہ جس طرح عام دیگر مُردے سنتے ہیں اسی طرح مقتولین بدر نے بھی سُنا

پھر اس دوسرے قول کو راجح قرار دینے کے لیے مندرجہ ذیل علماء کے نام بیان کیے
۱ قاضی عیاضؒ ۲ نوویؒ ۳ ابن تیمیہؒ ۴ سبکی ۵ قرطبی ۶ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ۷ بحر العلوم ۸ شاہ عبدالعزیز ۹ علامہ سمہودیؒ ۱۰ نواب صدیق حسن خان ۱۱ ابن عبد البر ۱۲ ابن جریر ۱۳ داؤد بن سلیمان بغدادی۔ اب اس سب کا تفصیلی جواب سنیے۔

جواب نمبر ۱ خود محترم مولانا کے انداز پر

حضرت محترم نے اپنی کتب سابقہ میں فریق مخالف کو کئی جگہ یہ جواب دے کر اس کو ساکت فرمایا ہے۔ مشت نمونہ از خروارے ایک عبارت پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے صحیح حدیث کے جواب میں کہا

بلاشبہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے لیکن اس روایت سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ عام

اور دلیل عام ہے (احسن الکلام ص۲۴۹)

بعینہٖ قلیب بدر کی حدیث کا جواب ہے کہ بلاشبہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے لیکن اس روایت سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔ اگر اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہوتی کہ عام مردے سنتے ہیں تو یہ الفاظ فرماتے الم تعلموا (یا) انا تعلمون) ان الموتی یسمعون یا اس کی مثل

محترم کے استاذ شیخ مدنی رح کا جواب نمبر ۲

حضرت مولانا عطا محمد صاحب مدظلہ صدر مدرس و شیخ الحدیث والقرآن مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن میانوالی نے مجھے اپنے استاذ حضرت مولانا نور زمان صاحب کیملپوری کی وہ تحریر دکھائی جو انہوں نے دورۂ حدیث پڑھتے وقت حضرت سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ سے سن کر ضبط فرمائی تھی اس تقریر کا عنوان ہے

المسئلۃ المتعلقۃ بما قال علیہ السلام للکفار فی قتلیٰ بدر و تخطیۃ عائشہ رض قول ابن عمر رض

بدر کے مقتول کفار کے بارے حضور ص کے ارشاد کے متعلق مسئلہ اور ابن عمر رض کے قول کو حضرت عائشہ رض کا خطا فرمانا۔

اور حضرت عائشہ رض نے سماع موتیٰ کا انکار فرمایا ہے امام اعظم رح بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور امام شافعی سماع موتیٰ کے قائل ہیں۔ ان کا مستدل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں جاکر السلام علیکم الخ فرمایا کرتے تھے۔ اگر مردے نہ سنیں تو سلام دینے کا کیا فائدہ۔ دوسرا مستدل یہ ہے کہ میت کو دفن کر چکتے ہیں تو اس کے پاس دو فرشتے آکر سوال کرتے ہیں اگر میت سنتا نہیں تو فرشتوں کا آکر سوال کرنا بے سود۔ نیز وہ جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہو تو سُنے ورنہ نہ

اور امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ایمان والوں کے ساتھ مخصوص ہو کر فرشتے زائرین کا سلام میت تک پہنچا دیتے ہوں۔ اور ہمارا مقصد قبر پر السلام علیکم کہنے کا میت کو سلام سنانا نہیں بلکہ زیارت کے وقت قبر پر سلام کہنے کا مقصد ہوتا ہے آخرت کی طرف توجہ اور دنیا سے بے رغبتی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الافزوروہا فانہا تذکر الآخرۃ تو آنحضرت ﷺ نے سلام دینے کا حکم اس لئے فرمایا تاکہ دل اور جوارح مجموعی طور پر آخرت کی طرف متوجہ ہوں۔ حقیقی سننے کا تحقق یہاں مقصود نہیں کیونکہ حقیقی معنی عقل کے خلاف ہیں۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ آدمی نیند میں ہو تو نہیں سنتا۔ اونگھ رہا ہو تو سمجھتا نہیں۔ اغماء اور بے ہوشی کی حالت میں اس کے تمام حواس کام نہیں کرتے۔ تو مرنے کے بعد کیسے سن سکتا ہے یا سمجھ سکتا ہے خاص کر کے جب اسے قبر میں رکھ دیا جائے اور مسلّم اور مسلّم علیہ کے درمیان پتھر اور مٹی حائل ہو جائیں (تو پھر سننا کیسے اور جاننا پہچاننا کیسے؟

اور امام شافعیؒ کے دوسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اصل مقصد ہے مقدار بتانا یعنی جب تم میت کو دفن کر کے اتنی دور جا چکتے ہو کہ وہاں سے آدمی کھڑا ہو اور واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز ابھی سنائی دے رہی ہو پس فوراً ہی فرشتے سوال کرنے کے لئے آپہنچتے ہیں

اور اصل مسئلہ صحابہؓ کے مابین اختلاف ہوا تھا تو اس وقت حضرت عائشہؓ نے سماع موتی کا انکار فرمایا تھا اور قرآن پاک کی یہ آیتیں دلیل میں پیش فرمائیں :- انک لا تسمع الموتیٰ ۔ ماانت بمسمع من فی القبور بایں طور کہ حضورؐ میں دونوں قوتیں جسمانیہ و روحانیہ ہونے کے باوجود اللہ نے فرمایا کہ تم ان کو نہیں سنا سکتے تو عوام کس طرح سنا سکتے ہیں۔ نیز نہ سنانے کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو سننے والے میں قابلیت اور صلاحیت سننے کی نہیں ہے یا پھر سنانے والے میں قابلیت اور صلاحیت سنانے کی نہیں ہے۔ لیکن سنانے والے میں تو صلاحیت سنانے کی ہے تو بس معلوم ہو گیا کہ نہ سنانا اس وجہ سے ہے کہ سننے والے میں صلاحیت نہیں ہے سننے کی اس کی مثال علم کلام میں ہے کہ واجب تعالیٰ شریک باری پر قادر نہیں ؑ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فاعل مؤثر (واجب تعالیٰ) میں معاذ اللہ کوئی نقص ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ منفعل میں فاعل (واجب تعالیٰ) کا اثر قبول کرنے کی قابلیت اور صلاحیت نہیں ہے۔ اسی طرح اجتماع نقیضین سو اس لئے محال ہے کہ منفعل میں اس کی قابلیت وصلاحیت نہیں ہے۔

اسماع اللہ تعالیٰ کا سنانا سو وہ سنانا اس میت کے مردہ رہنے کی حالت میں نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ثابت کرنا

اس میت میں جان ڈالنے (احیاء) کے بعد ہوتا ہے اور احیاء و اماتت دونوں اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفتیں ہیں،

اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے فرمایا تھا کہ مُردے سنتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک (جانبین میں سے ہر ایک) کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں ہمیں نہ چاہئے کہ ایک قول کا تخطئہ کریں اور دوسرے کی تصویب۔ ہاں ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔

شوافع نے آیتوں کا جواب اس طرح دیا کہ آیتوں میں موتیٰ سے کفار مراد ہیں کیونکہ بموۂ کفار بھی مردوں کی طرح ہیں (جو ٹس سے مس نہیں ہوتے) اور یہ آیتیں حضورؐ کو تسلی دینے کے لئے اتری ہیں کیونکہ حضورؐ کی بڑی خواہش تھی کہ کافر اسلام ایمان قبول کریں اور ان کے ایمان نہ لانے پر آپؐ سخت غمگین ہوتے تھے جیسے اللہ نے فرمایا فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارهم ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث اسفا (یعنی پس اے نبی! اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو تم شاید افسوس کر کر کے ان کے پیچھے اپنی جان کھو دو گے۔) تو انک لا تسمع الموتیٰ میں موتیٰ سے کفار مراد ہیں۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا کہ تو کفار کو کلمۂ حق نہیں سنا سکتا کیونکہ یہ مردوں کی طرح ہیں جیسے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ام لهم اعین یبصرون بها ام لهم آذان یسمعون بها دوسری جگہ فرمایا ولقد ذرأنا لجهنم کثیرا من الجن والانس لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم آذان لا یسمعون بها (اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے بہتیرے جن اور انسان پیدا کئے ہیں کہ ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ حق نہیں سمجھتے اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے وہ امر حق نہیں دیکھتے اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے وہ حق بات نہیں سنتے۔

حنفیہ اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ یہ تمہاری بات ہمیں مسلّم ہے کہ اس آیت میں کفار کو موتیٰ کے ساتھ تشبیہ دینا مقصود ہے اور تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وجہ شبہ کی اوّلاً مشبہ بہ میں ضرور موجود ہو پھر دوسری چیز (مشبہ) کو مشبہ بہ کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ اور اس مقام میں جو کفار کو مردوں کے ساتھ عدم سماع میں تشبیہ دی گئی ہے تو لازمی بات ہوگی کہ مُردے نہیں سنتے کیونکہ اگر مُردوں کا سننا ثابت ہو تو تشبیہ صحیح نہیں رہتی۔

پس دلائل پر نظر رکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہی راجح ہے

اور محققین علماء نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ امام شافعیؒ حقیقی سماع کے قائل نہیں اور امام ابوحنیفہؒ مجازی سماع کے منکر نہیں۔ پس امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دنیوی سماع

کے منکر ہیں۔ اور امام شافعی رح روحانی سماع کے قائل ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سلام اور کلام کی طرح دوسرے کلمات (دعائیہ وغیرہ) کا اثر میت تک پہنچ جاتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رح اس کے منکر نہیں ہیں۔

رہی وہ حدیث جس میں وارد ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر میں پھینکے ہوئے کفار مکہ سے خطاب فرمایا تھا تو اس کا مطلب حضرت قتادہ تابعی رح نے واضح فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ زندہ فرما دیا تھا تاکہ ان کو حسرت اور ندامت ہو۔ اور اب اس مطلب کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور قتادہ تابعی ہیں اور اکثر کے نزدیک مرسل تابعی کی مقبول ہے۔ اور حضرت عروہ رض فرماتے ہیں کہ یہ دونوں آیتیں دار آخرت کے ساتھ مقید ہیں یعنی تو اس وقت نہیں سنا سکتا جب ان کا ٹھکانا آگ میں ہو گیا۔ اور قتلی بدر کو سنانا ان کے آگ میں ٹھکانا پکڑنے سے پہلے پہلے تھا

(ماخوذ از افادات شیخنا المدنی مدظلہ العالی)

جواب ۳ خصوصیۃ و معجزۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱ صاحب فتح القدیر

فتح القدیر شرح ہدایہ باب الجنائز میں ہے وعندی ان مبنی ارتکاب ہذا المجاز ہہنا عند اکثر مشایخنا ہو ان المیت لا یسمع عندہم واورد علیہ قولہ علیہ السلام فی اہل القلیب ما انتم باسمع لما اقول منہم واجابوا بان تلک خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ۔ یعنی جمہور فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک مُردے نہیں سنتے۔ پھر اس مذہب پر اعتراض ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مُردوں سے ہمکلامی فرمائی۔ اس اعتراض کا جواب جمہور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ بدر کے مُردوں سے کلام کرنا آنجناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (سماع الموتیٰ ص ۲۳۳ میں ابن عبدالبر کا قول نقل ہے کہ سماع موتیٰ کے قائل اکثر حضرات ہیں)

۲ علامہ جلال خوارزمی

علامہ جلال الدین خوارزمی حنفی کفایہ شرح ہدایہ میں بھی اسی طرح لکھتے ہیں باب الیمین فی الضرب...... فان قیل ...... عندی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ...... ثم لو صح ذلک کان

صاحب سماع موتیٰ کو ابن عبدالبر مالکی پر اعتماد ہے۔ مگر ابن الہمام حنفی سے بدظن ہیں

معجزۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جنگ بدر میں مردہ کافروں سے کلام کرنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا

۳ صاحب عنایہ شرح ہدایہ

عنایہ شرح ہدایہ میں بھی ہے فان قیل قد روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلم اصحاب القلیب ... اجیب بان ذلک معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بدر میں جو آپ نے مردوں سے باتیں کی تھیں وہ آپ کا معجزہ تھا۔

۴ سعدی چلپی محشی عنایہ

سعدی چلپی نے حاشیہ عنایہ میں لکھا قال العلامۃ النسفی الحنفی فی الکافی شرح الوافی انہ کان مخصوصا بہ علیہ السلام کہ بدر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مردہ کافروں سے باتیں کرنا آپ کی خصوصیت تھی۔

۵ عینی شرح کنز

عینی شارح کنز فرماتے ہیں باب الیمین فی الضرب میں ولئن ثبت فھو مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اگر بدر میں مردوں سے کلام کرنے کی روایت ثابت بھی ہو جائے تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور آں جناب ہی تک خاص رہے گی۔ یعنی ہر ایک شخص کے لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مردوں سے کلام کرے اور مردے اس کا کلام سنیں۔ یہ تو حضور ہی کی خصوصیت تھی

۶ ابن عابدین شامی

ابن عابدین شامی نے رد المحتار حاشیہ در مختار میں باب الیمین فی الضرب میں لکھا بانہ مخصوص بہ او ذلک تغضیعا للحسرۃ علیھم وبانہ خصوصیۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم معجزۃ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مردوں سے بات کرنا یا تو ان کفار کی خصوصیت تھی تاکہ سب سے اول اگر میں اسلام کی مخالفت کرنے والوں کو حسرت و ندامت زیادہ ہو یا یہ کلام کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا

۷ علامہ ابو سعود حنفی

علامہ ابو السعود حنفی حاشیہ ملا مسکین شرح کنز الدقائق طبع مصر ص ۳۴۳ باب الیمین فی الضرب میں لکھتے ہیں فان قلت قال علیہ السلام لقتلی بدر من المشرکین ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا ...... قلت ولئن ثبت فھو مختص بہ علیہ السلام یعنی بدر کے مشرک مقتولین سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کرنا ثابت بھی ہو جائے تو یہ آپ کی خصوصیت تھی یعنی کسی دوسرے

شخص کو یہ مقام کس طرح میسر ہو سکتا

۸ علامہ عبدالحکیم دمشقی

علامہ عبدالحکیم حنفی دمشقی کشف الحقائق شرح کنز الدقائق طبع مصر ۲۷۵ باب الیمین فی الضرب میں ارشاد فرماتے ہیں واما کلامہ علیہ السلام اہل القلیب فقد کانت معجزۃ لہ علیہ السلام یعنی قلیب بدر کے مردوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باتیں کرنا آپ کا معجزہ تھا

۹ مستخلص شرح کنز

مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے فان قیل قد روی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قد کلم اصحاب القلیب...... وان ثبت فہو معجزۃ لہ علیہ السلام یعنی قلیب بدر والوں کے ساتھ آپ کی ہمکلامی آپ کا معجزہ تھا

۱۰ علامہ شرنبلالی رح

علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی رحمہ اللہ مراقی الفلاح ۳۳۳ کتاب الجنائز میں فرماتے ہیں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لاہل القلیب ما انتم باسمع منہم واجابوا بانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام یعنی حضور کا اہل قلیب بدر سے کلام کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا

۱۱ علامہ طحطاوی رح

۱۲ وصاحب نہر الفائق

سید احمد طحطاوی رح حاشیہ در مختار طبع مصر جلد ۲ ۳۸۳ میں نہر الفائق شرح کنز الدقائق سے نقل کر کے فرماتے ہیں کہ قصہ قلیب بدر کا سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا احسن ما اجیب بہ بانہ کان معجزۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

مگر میرے مکرم ومحترم مخدوم صفدر صاحب کو یہ اساطین امت مقبول نہیں جن میں متقدمین ومتاخرین سب ہی شامل ہیں اور متاخرین کا قول اب ان کے نزدیک حجت قطعیہ ہے اور جب یہ حضرات انکے مطلب کی نہ کہیں تو جواب ملتا ہے کہ یہ لوگ متاخرین میں شامل ہیں، ان کا قول حجت نہیں (دیکھو سماع الموتی ۱۳۵) ۔

ایک سوال اور اس کے جوابات

سوال معجزہ کہہ دینا اور حضرتؐ کی خصوصیت کہہ دینا بے دلیل ہے یوں تو ہر نص شرعی کو مخصوص کیا جا سکتا ہے آپؐ نے یوں نہیں فرمایا کہ اب سُننے لگے ہیں یا میری وجہ سے انہوں نے سُن لیا۔

جواب ۱ مندرجہ بالا اجلہ فقہائے حنفیہ شکر اللہ سعیہم نے جو جواب دیئے ہیں وہ کسی طرح بے دلیل نہیں ہو سکتے ایسی ہستیوں کے بارے یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایسا تصور کرنا ان پر بے اعتمادی کا ثبوت ہے اور ایک غیر معمولی گستاخی ہے اور بغیر دلیل کے ان کی بات کو پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دینا ہے حفظنا اللہ منہ

جواب ۲ معجزہ اور خصوصیت کہنا بے دلیل نہیں ہے بلکہ صحیح بخاری کتاب المغازی باب فضل من شہد بدرا ص ۵۶۶ میں ہے حدثنی عثمان حدثنا عبدۃ عن ہشام عن ابیہ عن ابن عمر (رضی اللہ عنہما) قال وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی قلیب بدر فقال ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا ثم قال انہم الآن یسمعون ما اقول لہم الحدیث یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قلیب بدر پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا اس کو سچا پا لیا تم نے؟ پھر (کچھ صحابہؓ کے سوال کے بعد) فرمایا یقیناً یہ بدر کے مقتول مشرک جو اس کنوئیں میں پھینکے ہوئے پڑے ہیں خاص اس وقت میں جب میں ان سے گفتگو کر رہا ہوں میری خاص یہ بات سن رہے ہیں جو میں ان سے کہہ رہا ہوں

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فصیح بلیغ اور مختصر سی عبارت میں چار طرح کی تخصیصی کلمات ارشاد فرمائے ہیں۔

۱ انہم ۲ الآن ۳ یسمعون ۴ ما اقول لہم۔

انہم میں ہُم ضمیر اہل قلیب بدر کی طرف راجع ہے کیونکہ پہلے انہیں کا ذکر ہے عام موتی کا ذکر نہیں ہے اور ضمیر غائب راجع اسی کی طرف ہوتی ہے جس کا پہلے ذکر ہو (او غائب تقدم ذکرہ) تو ہُم ضمیر سے مراد بالخصوص بدر کے مشرک مقتول ہیں اور یہی

دوسرا الآن جو خصوصیت وقتی کے لئے موضوع ہے تو معنے یہ ہوں گے کہ خاص اس وقت میں جو میں گفتگو کر رہا ہوں صرف یہی میری گفتگو قلیب بدر کے مشرک مقتول سن رہے ہیں

تیسرا یسمعون جو مضارع مثبت ہے واضع نے اسے زمانہ حال کے لئے وضع کیا ہے جیسے شہادتین میں اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ اس کے یہ معنے نہیں کہ شہادت دوں گا بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں اور مے

رہا ہوں کذا فی البدایہ۔ اگر بالفرض مضارع کو مشترک مانیں زمانہ حال و استقبال کے مابین چونکہ عموم المشترک ناجائز ہے اس لئے ایک ہی معنے لے سکتے ہیں اگر متکلم ایک معنے کی تعیین کر دے تو یقیناً وہی معنے مراد ہوگا اور دوسرے معنے مراد نہیں لے جا سکتے۔ یہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معصوم زبان مبارک سے الآن کا لفظ بول کر یسمعون مضارع کے حال والے معنے کو متعین فرما دیا اور استقبال والے معنے کی نفی فرما دی یعنی اب تو سن رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ آئندہ جو بات میں ان سے کروں گا وہ بھی ضرور سنا کریں گے۔ پس اس حدیث کے اس لفظ کی رو سے آئندہ زمانہ کی نسبت سننے کا کچھ ثبوت نہیں ملتا خواہ یہی قلیب بدر والے مقتول مشرک ہی کیوں نہ ہوں جن کے بارے اس وقت سننا ثابت کیا جا رہا ہے۔ پھر دوسرے قبروں والوں کا سننا تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔

نیز یسمعون قضیہ شخصیہ ہے اور اہل منطق خوب جانتے ہیں کہ قضیہ شخصیہ مخصوص انہیں کے ساتھ ہوتا ہے جن پر حکم لگتا ہے دوسرے اس حکم کے تحت نہیں آتے بلکہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہیں ان کے متعلق نہ سننے کا اثبات ہے اور نہ سننے کی نفی ہے۔ اس واسطے اس حکم کے حاصل کرنے کے لئے اور دلیل تلاش کرنی ہوگی۔

جو تھا یہ ہے کہ یسمعون کے آگے آپ کی معصوم زبان مبارک فصیح بلیغ نے یہ عبارت فرمائی ما اقول لہم اور صرف یسمعون فرمانے پر اکتفا نہیں کیا اور فصیح بلیغ کے ہر لفظ میں کئی کئی نکتے ہوتے ہیں پھر افصح العرب صاحب جوامع الکلم جو ما ینطق عن الہوی کے مصداق ہیں وہ کس طرح بغیر نکتے کے بات کریں گے

مطول کے حاشیہ میں میر سید سند جرجانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے لان ازدیاد التقیید یوجب ازدیاد الخصوص یعنی قید کا مزید کرنا خصوصیت کا موجب ہے۔ ...... اگر یسمعون پر صرف اکتفا کرتے تو ترک ذکر مفعول کا دلالت عموم پر کرتا ہے اس لئے یہ ثابت ہوتا کہ قلیب بدر کے مشرک مقتول سب کی بات سنتے ہیں لیکن ما اقول لہم کا اضافہ فرما کر تخصیص فرما دی تو مطلب حدیث پاک کا یہ نکلا کہ صرف ان کافروں نے ان کی زجر و توبیخ کیلئے اس خاص وقت میں جو کچھ صرف میں آج کہہ رہا ہوں صرف یہی میری بات سن رہے ہیں۔

چونکہ اس حدیث میں تعمیم کا کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے اس لئے جہاں بھر کے مردوں کے لئے ہر زیارت کرنے والے کی ہر بات سننا جس وقت بھی زیارت کرنے والا آئے اور میت سے گفتگو کرے اس حدیث سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا جب سننا ثابت نہیں تو جواب دینا کیسے ثابت ہوگیا جب کہ زیر بحث حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی ہے

ولکن لا یجیبون۔ کہ یہ سننے والے بھی جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے وہ بھی صاحب معجزہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ پھر جو برے سے سنتے ہی نہیں بھلا ان سے جواب دینے کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ جب کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر سلام کلام کرنے والے روحانی طاقتِ نبوۃ نہ رکھتے ہوں۔

نتیجہ

اب جب ثابت ہو گیا کہ قلیب بدر کا یہ سارا معاملہ خرقِ عادت تھا معجزہ تھا صرف انہی کے لئے زجراً و توبیخاً مخصوص تھا تو اس واقعہ پر عام موتی کے سماع سلام و کلام ہر زائر کا ثابت کرنا جب بھی آئے قواعدِ اصولِ فقہ کے سراسر مخالف ہے کیونکہ قیاس کی صحت کے جو شرائط اہلِ اصول نے لکھے ہیں وہ یہاں مفقود ہیں۔ خلافِ قیاس بات اپنے مورد ہی پر بند رہتی ہے یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے کہ جب حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تحقیق سے نیچے نیچے بات کریں اور حدیث پاک (جو خبر واحد ہے) میں تاویل نہ کی جائے اور لیسمعون کو اپنے معنے پر قائم رکھیں اور لیعلمون کے معنے میں نہ کریں جیسا کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس خبر واحد کو خلافِ قرآن مجید سمجھ کر اس حدیث میں مناسب تاویل کی۔ اور لیسمعون کو لیعلمون کے معنی میں کیا۔

جواب نمبر ۴ حضرت ابن عمرؓ بھول گئے !

فرمانِ عائشہ صدیقہؓ

اور اگر حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین و استاذ الصحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی بات اور تحقیق میں تو وہ صاف لفظوں میں فرماتی ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دو مسئلوں میں بھول گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ میت پر نوحہ (بین) کرنے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدر کے مقتول مشرک میرا کلام سنتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مسئلہ میں بھی بھول گئے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یوں فرمایا تھا کہ جو کچھ میں ان سے ان کی زندگانی میں کہا کرتا تھا اس کی انہیں تصدیق ہو گئی ہے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان خلافِ قرآن نہیں ہو سکتا
فرمانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

فتح القدیر

فتح القدیر کتاب الجنائز میں ہے واورد قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل القلیب ما انتم باسمع لما اقول لہم واجیبوا تارۃ بانہ مردود من عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کیف یقول صلی اللہ علیہ وسلم ذلک واللہ تعالیٰ یقول وما انت بمسمع من فی القبور یعنی اہل قلیب بدر کے واقعہ کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اس کی تردید ہو چکی ہے۔ ام المؤمنین رضؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات کیونکر کہہ سکتے تھے جب اس کے خلاف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قبر والوں کو تو نہیں سنا سکتا (ام المؤمنین بھی نفی سماع سے نفی سماع سمجھیں)

عینی شرح بخاری

عینی شرح بخاری ص ۲۳۷ ج ۳ میں ہے قال الکرمانی وکانت حدیث ما انتم باسمع منہم لم یثبت عندہا ومذہبہا ان اہل القبور یعلمون ما سمعوا قبل الموت ولا یسمعون بعد الموت یعنی کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ حدیث کہ "تم ان سے زیادہ نہیں سنتے" ثابت نہیں ہوئی اور مذہب ام المؤمنین کا یہ تھا کہ اہل قبور قبروں میں جا کر تصدیق کرتے ہیں ان باتوں کی جو انہوں نے موت سے پہلے زندگی میں سنی تھیں۔ اور موت کے بعد مردے نہیں سنتے یہ بخاری اور شرح بخاری کے الفاظ تھے۔ اب ہدایہ کی شروح اٹھا کر دیکھیں

عنایہ و کفایہ

عنایہ شرح ہدایہ اور کفایہ شرح ہدایہ میں ہے لما بلغ ہذا الحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کذبتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ وما انت بمسمع من فی القبور یعنی جب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بدر کے مردوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کلام ہونے کی حدیث پہنچی تو صاف فرمایا کہ لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولتے اور آپ پر اتہام (تہمت) لگاتے ہو جب قرآن پاک میں موجود ہے کہ اے پیغمبر! کہ تم موتیٰ و قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ یعنی پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے

خلاف کوئی عمل کرتے بندا لوگو! تمہارا یہ قول جھوٹا ہے۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسا نہ کہا ہوگا۔

روح البیان بریلویوں کی مستند تفسیر

روح البیان میں تفسیر سورۂ فاطر میں لکھا۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔ شبہ اللہ تعالیٰ من طبع علی قلبہ بالموتیٰ فی عدم القدرۃ علی الاجابۃ فکما لا یسمع اصحاب القبور ولا یجیبون کذلک الکفار لا یسمعون ولا یقبلون الحق یعنی جس طرح قبر والے مردے نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں اسی طرح کفار نہ سنتے ہیں اور نہ حق کو قبول کرتے ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام

یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دین کا ایک تہائی حصہ تم کو حضرت عائشہ سے ملیگا تشریح صحیح حدیث میں موجود ہے کہ ایک شخص حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ یا ام المؤمنین! مجھے یہ بتادیجئے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اخلاق اور ستودہ صفات آپ کے کیا تھے؟ یہ سن کر جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اے سائل! تو نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ سائل نے عرض کیا کہ جی ہاں یا ام المؤمنین میں نے قرآن مجید پڑھا ہے۔ تب حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کان خلقہ القرآن یعنی یہ سارا قرآن پاک آپ کے اخلاق ہی تو ہیں۔ یعنی قرآن پاک کا حرف حرف آپ کا خلق تھا اور قرآن پاک کا لفظ لفظ آپ کی عادت مبارک تھی۔ آپ کبھی بھی قرآن پاک کے ایک حرف کا بھی خلاف نہ کرتے تھے۔

اسد الغابہ ص ۵۰۳ میں ہے وکان اکابر الصحابۃ یسئلونہا عن الفرائض وقال عطاء کانت عائشۃ رضی اللہ عنہا من افقہ الناس۔ وقال عروۃ ما رایت اعلم بفقہ من عائشۃ رضی اللہ عنہا یعنی بڑے بڑے صحابہؓ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرائض کے مسئلے پوچھتے تھے۔ حضرت عطاء رح فرماتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں۔ حضرت عروۃ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کوئی بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا

جناب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ہزاروں جلیل القدر صحابی اور صدہا عالم فاضل تابعی حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد تھے اسد الغابہ جلد ۵ میں ہے روی عنہا عمر بن الخطاب وکثیر من الصحابۃ ومن التابعین
۱۱ مختصر

نتیجہ

پس جب قرآن مجید پر عمل آپؐ کا خلق طبیعت اور جبلت مبارکہ تھی اسی لئے واقعہ قلیب بدر کو جب سنا اور
اسے قرآن مجید سے خلاف پایا تو بدر کی ہمکلامی اور قلیب بدر کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے سننے سے صاف انکار
کر دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید کے خلاف کسی کام کا کرنا بالکل ممتنع اور ناممکن تھا

وجہ تعجب کی یہ تھی کہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ اے نبیؐ! آپؐ کی طاقت سے باہر ہے مُردوں یا قبر والوں کو سنانا "
پھر خدا ہی فرماتا ہے کہ آپؐ کا کام نہیں ہے مردوں کو سنانا۔ تو پھر آپؐ کیونکر مُردوں کو سُنانے کھڑے ہوگئے۔

لہٰذا قرآن چونکہ قطعی الثبوت ہے اور حدیث ظنی الثبوت۔ پس قطعی کے مقابلہ میں ظنی دلیل چھوڑ دی گئی۔

لوگو! جو مذہب تمام مومنوں کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے یہی مذہب بعینہٖ حضرت امام اعظم
ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور تمام مقلدین مذہب حنفی رحمہم اللہ کا ہے اور ان کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ بمقابلہ قرآن مجید کے
خبر واحد کو (تاویل و تطبیق نہ ہونے کی صورت میں) ترک کر دیا جاتا ہے۔ اور تاویل فی الحدیث کی اگر کوئی صورت
ہو سکتی ہے تو حدیث میں تاویل کر کے حدیث کو قرآن مجید کی آیت کے موافق کیا جائے گا۔

یہ ام المومنین سماع موتیٰ کا سخت انکار فرماتی ہیں اور فقط انکار ہی نہیں کرتیں بلکہ سماعتِ اموات کو قرآن مجید کے
مخالف سمجھتی ہیں اور عدم سماعتِ موتیٰ کو قرآن سے ثابت کرتی ہیں۔ اور نفیِ اسماع سے نفی سماع سمجھتی ہیں

عدمِ سماعِ موتیٰ کا مسئلہ حضرت ام المومنینؓ نے رائے سے نہیں بتایا

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ عائشہؓ ص ۲۲۹ میں لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ اس (سماع) کی منکر
ہیں، ان کا انکار صرف قیاس اور عقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیاتِ ذیل سے ثبوت
پیش کرتی ہیں إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ (نمل) اے پیغمبر! تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سُنا سکتا ۔ وَمَا
أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ (فاطر) اور نہ تو ان کو سنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ مُردے موت کے بعد سماعت سے محروم ہیں، الا یہ کہ بعض خاص حالات میں ان کو کوئی خاص آواز سنا دی جائے۔ سماع الموتیٰ ص ۸۰ میں خود مولانا نے ابن کثیرؒ کے حوالہ سے تسلیم فرمایا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا استدلال رائے سے نہ تھا بلکہ قرآنی آیت سے تھا اسی وجہ سے ابن عمرؓ کا دم بیٹھ گیا

جواب نمبر ۵ ام المؤمنینؓ کی قرآنی دلیل سن کر اصحاب رسولؐ کا سکوت

ان آیات کو (ام المؤمنین کی زبانی سن کر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا مگر کسی حدیث میں یہ کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے کہا ہو کہ اماں جان! کہاں یہ فرمان نبوی اور کہاں آپ کا ان آیات کی تلاوت کرنا یہ آیات تو بالکل ہی غیر متعلقہ ہیں نیز یہاں بُت مراد ہیں اور اگر ذوی روح ہی مراد ہوں تو دور سے سننے کی نفی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بالکل پاس جا کر کنوئیں کے کنارہ پہ بلایا تھا۔ مگر سمجھ نہیں آتی کہ صحابہ کرام جو اتنی سی بات نہ کر سکے۔ کونسا امر مانع تھا کہ یا ایہا الرأی الفاسد کے مصداق کے سامنے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ خاموش رہ گئے۔ اور رد نہیں فرمایا حالانکہ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ غلط بات کی تردید کرتے تھے

نیز ان آیات کو سن کر صحابہ کرامؓ نے عائشہ صدیقہؓ کو یہ نہیں فرمایا کہ سماع کی نفی ہے نہ سماع کی اور اہل لسان ہونے کے باوجود نہ عائشہ صدیقہؓ کا ذہن اس طرف منتقل ہوا اور صحابہؓ کے ذہن میں یہ بات کھٹکی۔

نیز ان آیات کے سننے کے بعد نہ صحابہؓ نے منع وارد کیا کہ نبی پاکؐ جو سنتے ہیں تو آپ سب پر مساوی طور پر تو حکم نہ لگاؤ اور نہ ہی خود ام المؤمنینؓ نے انبیاء کا استثناء فرمایا۔

مولانا کا ام المؤمنینؓ پر حملہ بے جا

حیرت ہے کہ صحابہ کرامؓ کو تو ان آیات کو سننے کے بعد ام المؤمنینؓ کو جواب دینے اور ب کشائی کی جرأت نہیں ہوئی مگر چودہویں اور پندرہویں صدی کے مجددین کو ام المؤمنین پر حملہ کرنے کی جسارت کیسے ہو گئی کہ یا ایہا الرأی الفاسد کہہ دیا۔ پہلے بریلی میں ایک آدمی ہو گذرا ہے احمد رضا خان اس نے حدائق بخشش حصہ سوم میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے توہین آمیز اشعار گائے۔

جو مندرجہ ذیل ہیں تحت عنوان قصیدہ در مناقب شرافیہ ام المومنین محبوبہ سید المرسلین حضرت سیدتنا صدیقہ رضی اللہ عنہا منقولہ از حدائق بخشش حصہ سوم صفحہ ۳۷

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے برون سینہ و بر

خوف ہے کشتی ابرو نہ بنے طوفانی
کہ چلا آتا ہے حسن ابلہ کی صورت بڑھکر

یہ گستاخ نوازی کا راہنما تو آن جہانی ہو گیا تھا۔

اب ہمارے حضرت نے بھی ابتدا کی ہے چنانچہ سماع الموتیٰ ص ۲۸۲ میں تمام مومنوں کی ماں کے بارے فرماتے ہیں

اما رأیہا فرای النساء یعنی حضرت عائشہ کی رائے عام عورتوں کی سی رائے ہے۔

محترم مولانا کی بڑی جرأت ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدلال بالآیات کو ناکام سعی اور بالکل غلط کہہ دیا کیا یہ عبارت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی توہین پر دال نہیں۔ دوسروں کا تنکا دکھ جاتا ہے اور اپنی آنکھوں کے آگے شہتیر بھی دکھتا نہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال سن کر تغلیط کی جرأت نہ ہوئی اور نہ کسی نے یہ کہا کہ ام المومنین نے ان آیات سے استدلال کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ مگر شاید محترم کا علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم سے فائق ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ غلطی نکالی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم میں بھی نہ تھی یا اتنی جرأت ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی تردید و تغلیط کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائیں کہ ان آیات سے ام المومنین رضی اللہ عنہا کا استدلال غلط ہے یا بے محل ہے یا ناکام سعی ہے یا تمہاری تحقیق ہے اور عورت کی رائے لا یعبأ بہ ہے" اور قرآن کی ان آیات کا مفہوم وہ نہیں جو تم نے سمجھا ہے صحیح مفہوم یہ ہے جو ہم سمجھے ہیں

مولانا کی عجیب منطق

سماع الموتیٰ ص ۳۰۳ میں استدلال ام المومنین کے رد میں لکھا لیکن علم سماع کے منافی نہیں مقصود یہ قول کہ علم کو سماع لازم ہے یہ تو بالکل بداہت کے خلاف ہے۔ منافی نہ ہونا اور چیز ہے

اور لازم ہونا اور چیز ہے ! مولنا کا انداز بتا رہا ہے کہ حوالجات کا استقصا کیا جائے۔ کچھ مقصود نہیں
بھلا یہ تو بتایئے کہ جو سمع کی صفت سے محروم ہو علم کی صفت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کونسی
منطق ہے۔ ہمارے حضرت استاذ مولنا ولی اللہ صاحب انھی شریف والے رحمۃ اللہ تعالیٰ آخر عمر میں سن
نہیں سکتے تھے مگر تمام علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے اخیر دم تک پڑھاتے رہے۔
فلاسفہ یہ تو کہتے ہیں کہ گونگا سنتا نہیں مگر کسی نے نہیں کہا کہ جو سنتا نہیں وہ گونگا اور بے علم ہوتا ہے۔

تحقیق

تحقیق یہ ہے کہ علم جیسے سماع کے منافی نہیں ایسے ہی علم و سماع باہم متلازم بھی
نہیں تو جب تک دونوں امروں کا ثبوت خارج سے نہ ہوگا عدم کے بعد بلا دلیل قطعی ثبوت کا قول
کرنا غلط ہے کیونکہ اصل عدم ہے۔ جب تک ثبوت نہ ملے حکم نہیں لگ سکتا دیکھو خطیب بیضاوی
تو دلائل قطعیہ سے تنعیم و تعذیب اموات اور اموات کا عذاب و انعام کو محسوس اور معلوم کرنا
مقام برزخ میں ثابت ہے لیکن اہل دنیا کی باتوں کا سننا کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں ہے پس
حضرت عائشہ صدیقہ رض کا فرمان سچ ہے کہ ان کو علم تو ہے مگر علم کو سمع لازم نہیں جب لازم نہیں
تو اس سمع کے اثبات کے لئے قطعی دلیل چاہیئے لیکن قرآن سمع (اموات) کی نفی کرتا ہے تو مثبت سماع کی جو
دلیل ہوگی وہ قطعی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ دو قطعیوں کے درمیان تعارض نہیں ہو سکتا اور
اگر مثبت سماع ظنی ہوگی تو وہ خود قطعی کے مقابلہ میں مردود ہوگی فافہم

الحاصل

حضرت عائشہ صدیقہ رض کے قرآنی استدلال کے بعد سب صحابہ کا خاموش ہو جانے سے اجماع سکوتی ہو
گیا جو حنفیہ کے نزدیک حجت ہے اور شافعیہ کے نزدیک حجت نہیں پس سماع الموتی ص۸۴ میں جو کہا پھر علماء امت
کا اس مسئلہ میں اختلاف کیوں ہوا اور کیوں ہے ؟ کیا تمام حضرات صحابہ کرام رض کے اجماع کے بعد بھی حضرات فقہاء کرام
کو اختلاف کی کوئی گنجائش ہے ؟ یہ حضرت مولنا کی علمی کمزوری یا چشم پوشی کی صریح اور بین و واضح دلیل ہے۔

ام المومنینؓ کی قرآنی دلیل کی تردید کی بریلوی طرز

بعض مولوی صاحبان بریلویوں کی طرح اب اس بات پر ڈٹ گئے ہیں کہ جہاں سماع کی نفی کی گئی ہے وہاں سے صنم اور بُت مراد ہیں اور تم خواہ مخواہ بتوں والی آیتوں کو پیروں فقیروں اور پیغمبروں اور اولیاء اللہ پر چسپاں کرتے ہو۔

جنابِ من! بُت ذوی العقول میں سے نہیں اور نہ ان کی شان میں سے سُننا اور دیکھنا اور بات کرنا اور جواب دینا؛ اور کوئی عاقل نہیں کہتا کہ یہ پتھر کے گھڑے ہوئے بت سنتے ہیں اور بولتے ہیں اور ہماری قریب کی پکار سُن کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ بھارت میں ہندو رہتے ہیں وہ بتوں کے پجاری ہیں ان سے عقدہ حل کرالیں تشفی ہوجائے گی اگر بھارت نہ جاسکو تو آپ ہی کے شہر گوجرانوالہ میں تحفۃ الہند مصنفہ حضرت مولٰنا عبیداللہ رسابق ات رام ولد کوٹے مل رحمۃ اللہ دیکھ لیں جس میں حضرت کا سوال ایک پنڈت سے پھر اس پنڈت کا جواب درج ہے۔

اور نہ یہ آیات بالاصالہ بتوں کے حق میں ہیں کیونکہ آیات میں سب ایسے صیغے اور ضمیریں مذکور ہیں جو ذوی العقول پر بولے جاتے ہیں اور یہی ان کا حقیقی معنٰے ہے بت مراد لیں تو بغیر قرینہ صارفہ کے حقیقت چھوڑ کر مجاز لینا خلافِ اصول ہے جب کہ حقیقت متعذرہ و مہجورہ نہ ہو بلکہ مستعملہ ہو۔ امام صاحب تو ایسی صورت میں مجاز متعارف پر بھی حقیقہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہاں حقیقت مستعملہ ہے کہ لوگ ذوی العقول (جنوں۔ فرشتوں۔ پیغمبروں ولیوں پیروں فقیروں) کو پکارتے ہیں اور غیر ذوی العقول کی پکار کا نامعقول ہونا ہر لغت دان سمجھ لیگا جب کہ ذوی العقول کی نفی ثابت کردی گئی تو یہی وجہ ہے ذوالعقول صیغے لانے کی

اور مفسرین نے جو اصنام کے ساتھ تفسیر کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جن جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں یہ سب ہی اصنام کے حکم میں ہیں جیسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا "کل ماسوی اللہ فہو صنم" یعنی اللہ کے ماسوٰی سب صنم ہیں یعنی صنم (بت) کے حکم میں ہیں۔ پس صنم عام ہے حقیقۃً ہو یا حکماً ہو اور لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم پیروں فقیروں کو پکارتے ہیں دراصل شیطان اپنا نام پیروں فقیروں والا رکھ کر اپنی پوجا کرواتا ہے جیسے مرزا گاماں (قادیانی) اپنا نام آدم نوح ابراہیم یعقوب موسٰی عیسٰی محمد احمد رکھوا تا تھا اور دعوٰی نبوت کا کرتا تھا۔ اور بت کے ساتھ ان ذوی العقول معبودوں کو تعبیر اس لئے کیا کہ بت تمہارے کام نہیں

آتے ایسے یہ بزرگ تمہارے کام نہیں آتے

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ نے بھی دفتر ششم ص۵۳۶ میں سب ماسوے اللہ کو بُت فرمایا ہے ؎

غیر واحد ہر چہ بینی آں بُت است   بشکن آں بُت را بداں یقین

اور دفتر اول ص۸۳ میں ہے ؎

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من   ہست پیدا ہم چو بُت پیش شمن

دیکھا جنت و نعمہائے جنت کو جو مقام انبیاء و صالحین کا تجلی گاہ عزت ہے   بُت کی مانند قرار دیا۔

۲ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان آیات سے بُت مراد تھے تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو اہل لسان تھیں نے ان آیات کو بے محل اور بے موقعہ کیسے پڑھ دیا۔ پھر ام المؤمنین کی یہ دلیل سن کر دوسرے صحابہ کیوں خاموش رہے

۳ نیز اگر دور سے سننے کی نفی ہوتی تو عائشہ صدیقہ کو جب کہا گیا تھا کہ قلیب بدر کے کنارہ پر جا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو خطاب کیا اور آپ نے سوال کے جواب میں فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، ام المؤمنین نے اس آیت کی تلاوت اپنے دعوے کے اثبات میں کیوں پڑھی آپ مولانا کی تقریر کے مطابق دعویٰ تو تھا کہ قلیب والوں کو جو قلیب کے کنارے پر کھڑے ہو کر گفتگو کی گئی تو کفار نے پاس کنارے پر کھڑے ہونے والے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں سُنی ام المؤمنین نے اس دلیل میں یہ آیت پڑھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دُور سے نہیں سنتے اور نزدیک سے سنتے ہیں۔ ایسی بات تو جاہل بھی نہیں کر سکتا چہ جائے کہ شیخ الحدیث۔

پھر ایسے دلائل کی نسبت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف کرنا ان کی توہین ہے

مولوی عبدالحمید صاحب سواتی کا بیان

دلیل المشرکین مصنفہ احمد دین گکھڑوی کے حاشیہ ۱ ص ۱۰۵ میں صوفی عبدالحمید صاحب برادر خورد مولانا شیخ الحدیث سرفراز صاحب مدظلہ نے بیان القرآن ج ۶ ص ۳۹ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ معبودین مردے بے جان ہیں خواہ دوامًا جیسے بُت یا فی الحال جیسے جو مر چکے ہیں یا فی المآل جو مریں گے مثلاً فرشتے اور جن اور عیسیٰ علیہم السلام زندہ رہنے والے نہیں بالخواب اپنے برادر اور حضرت تھانوی کے بارے کیا فرمان ہے

سید امیر علی صاحب

میر امیر علی نے مواہب الرحمٰن ۱۳۲۸ھ میں لا اعبد ما تعبدون کے تحت لکھا:

اگر پوچھا جائے کہ اکثر کفار قریش ہبل وغیرہ کو پوجتے تھے، اور یہ لوگ آدمی تھے جو زمانۂ سابق میں مر چکے تھے، تو ان کے لئے مَن موصولہ ہوتا۔ اور آیت میں مَا نازل ہوا۔ کیونکہ مَا کا استعمال اکثر ایسی چیزوں میں ہوتا ہے جو عقل نہ رکھتی ہوں؟

جواب: ہبل وغیرہ جب مرے تو یہاں سے آخرت میں جہاں ان کا ٹھکانا تھا چلے گئے۔ اب کسی مخلوق کو یہ قدرت نہیں ہے کہ ان سے گفتگو کر سکے یا اپنی بات ان کو سنا دے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول خیر الخلق کو فرمایا انك لا تسمع الموتی الآیہ یعنی تو مردہ لوگوں کو نہیں سنا سکتا ہے۔ یہ قول محکم آیت ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہؒ وغیرہ علماء مجتہدین نے اسی آیت سے صریح بیان کیا۔

اگر کہو کہ امام شافعیؒ تو کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں

جواب یہ امام شافعیؒ نے سچ کہا کہ مردے سنتے ہیں وہ خاک نہیں ہوئے جیسے کافر سمجھتے ہیں کہ جو مرا وہ خاک ہو گیا۔ بلکہ جو مرا اس کا یہ جسم خاک میں مل گیا۔ لیکن وہ خود باقی ہے اور سنتا و دیکھتا ہے۔ مگر اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو کچھ سنا دے یا یہاں سے جو کچھ چاہے وہ دیکھ لے۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت چاہتا ہے تو سنا دیتا ہے۔ جیسے اس کے نظائر بے شمار ہیں۔ مثلاً دنیا میں آدمی کے دشمن لاکھوں شیاطین موجود ہیں لیکن کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ پھر جب کسی کے حق میں بیماری مقدر ہوئی تو شیاطین کو اسی قدر ضرر کی اجازت ہو جاتی ہے۔ مثلاً وبائے طاعون وخز الجن یعنی جن کی چونک ہے اور تم دیکھتے ہو کہ ایک ہی جگہ گھر میں ایک مبتلا ہو کر مر جاتا ہے اور باقیوں کو کچھ ضرر نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔۔

جب یہ معلوم ہوا کہ مشرکین کسی حالت میں یہ طاقت نہیں رکھتے کہ مُردوں کو اپنی عرضی سنا دیں پھر مشرکین نے ہبل اکبر سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ کیونکہ ہبل کی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک آدمی تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تھا پھر وقت مقدر پر اس کو موت دے دی۔ مشرکین نے ایک پتھر تراش کر رکھا اور کہا کہ یہ ہمارا ہبل ہے۔ اور اپنے زعم میں کہا اے ہبل تم اس پتھر میں آ جاؤ اور دعویٰ کر لیا کہ وہ آ گیا اور دعویٰ کیا کہ اس میں یہ قدرت

ہے کہ ہم کو بیٹا، رزق وصحت وغیرہ دیتا ہے۔ اور اگر کوئی مہم کام ہوا تو خدا کو اطلاع کرتا ہے اور وہاں سے پورا لے کر دلواتا ہے۔

یہ سب امور صریح دلیل ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے تھے۔ اور اگر ہبل کو چھوڑ کر کوئی قربانی وغیرہ خدا کے نام پر کرتے تو بھی ان کے سمجھے ہوئے خدا کے لئے ہوتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ عزوجل کی تعظیم نہیں ہوتی تھی۔ اور یہی حالت قوم گمراہوں کی ہے کہ وہ جس چیز کو اپنے تصور میں لاتے ہیں اس کو پوجتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ یہاں مَا موصولہ نہایت بلیغ ہے۔ کیونکہ مشرکین در حقیقت اس پتھر یا صلیب کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس چیز میں فلاں میت کی روح سما گئی ہے

جیسے اس زمانہ میں تعزیہ والے جب تک وہ ٹھاٹھ بنانے والے کی دوکان پر ہے تب تک بے قدر ہے۔ اور جب اس کو خرید کر لا تو اس وقت سے اپنا تصور جما لیا اور اس کو ادب سے سلام کیا اور تاشے باجے کے ساتھ لے چلے۔ اور یہ سب ان لوگوں کے خیالات ہیں۔ اور جن لوگوں کا نام لیتے ہیں کہ وہ اس میں آگئے یا اس سے تعلق حاصل ہو گیا وہ لوگ اس سے بری ہیں مثلاً حضرت عیسٰی علیہ السلام وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنت یا محل قدس میں ہیں اور ان نادانوں کے کہنے سے وہ اس چیز میں نہیں آئے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔ انتہیٰ کلامہ۔

استدلالِ عائشہ رضؓ کی تردید کی ایک نئی راہ

رجوعِ عائشہ رضؓ

سوال: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر تشریف لا کر فرماتی ہیں واللہ لو حضرتک ما دفنت الا حیث مت ولو شہدتک مازرتک اپنے بھائی سے گفتگو فرما رہی ہیں میت کا سننا ثابت ہوگا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سماع موتی کی قائل ہوگئی تھیں

جواب ترمذی ج ۱ ص ۱۲۶ میں یہ حدیث اس سند کے ساتھ ذکر ہے حدثنا حسین بن حریث قال حدثنا یونس عن ابن جریج عن عبد اللہ بن ابی ملیکۃ قال توفی عبد الرحمٰن الخ اس سند میں عبد اللہ بن ابی ملیکہ کا شاگرد ابن جریج

ہے جس کے متعلق حضرت محترم جناب مولٰنا صاحب نے احسن الکلام ج ۲ ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ امام دارقطنی، علامہ ذہبی،
اور مبارک پوری صاحب وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے (تہذیب ج ۶ ص ۴۰۵۔ میزان ج ۲ ص ۱۵۱۔ اکمال ص ۳۴۰)
اور یہاں وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں

میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۳۶ طبع لکھنؤ میں ہے قد تزوج نحوا من تسعین امرأۃ نکاح المتعۃ وکان یری
الرخصۃ فی ذلک یہ حضرت عورتوں سے متعہ کرنا جائز سمجھتے تھے اور بذاتِ خود نوے عورتوں سے متعہ کر چکے تھے۔
پس ایسے متعہ باز راویوں کی حدیث سے استدلال کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ عائشہ صدیقہؓ پر بہتان لگایا۔

نیز تہذیب التہذیب مطبوعہ مصر ص ۴۰۴ میں ہے عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج الاموی .... عن ابن
ابی ملیکۃ وعکرمۃ مرسلا۔ یعنی ابن جریج جو ابن ابی ملیکہؒ سے روایت کرتا ہے اس میں اپنے استاذ کا نام نہیں لیتا لہٰذا
اس کی روایت ابن ابی ملیکہؒ سے منقطع ہوتی ہے صحیح نہیں ہوتی میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۳۶ میں ہے قال
عبداللہ بن احمد بن حنبل قال ابی بعض ہذہ الاحادیث التی کان یرسلہا ابن جریج احادیث موضوعۃ کان ابن جریج
لایبالی من این یاخذہا یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں ابن جریج لفظ "عن" سے روایت کرے
وہ جھوٹی اور موضوع ہوتی ہیں۔ اور ابن جریج لاابالی شخص تھا۔ اسے یہ تمیز نہ تھی کہ وہ کہاں سے حدیث لیتا ہے
جب یہ حدیث اس طرح کی ہوئی تو اس سے ام المؤمنین کا اپنے بھائی کی قبر پر آنا ہی سرے سے ثابت نہ ہوا چہ جائے کہ ان کا
اپنے بھائی سے ہم کلام ہونا ثابت ہو اور پھر اپنے سابق عقیدہ سے رجوع ثابت ہو

جواب ۲ سند حدیث پر بحث کرنے کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ خطاب سے رجوع سمجھ لینا اور اس کو سماع کا
دلیل بنانا غلط ہے ورنہ تشہد میں السلام علیک ایہا النبی تو سبھی پڑھتے ہیں یہ رجوع کے قائل بھی پڑھتے ہیں
کیا یہ دیوبندی حضرات جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ سے رجوع سمجھتے ہیں اس بات کے بھی قائل ہیں کہ روئے
زمین کے ہر خطہ میں جہاں کہیں مسلمان تشہد پڑھتے ہیں سب کا صلوٰۃ وسلام آپ سنتے ہیں؟

دوسرے یہ کہ جب آپ کہیں تشریف لے جانے لگتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جاتی
تھیں یا بغیر اجازت لئے۔ اگر بغیر اجازت لئے جاتی تھیں تو نعوذ باللہ آپؓ پر الزام عائد ہوتا ہے کہ شرع کا حکم نہ مانا۔
آپ بدستور آنحضرت ص کی اہلیہ محترمہ ہیں اور شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا منع ہے اور آپ نکلیں۔ شیعہ تو نکلیں

بجائیں گے اور اگر آپؓ اجازت لے کر تشریف لے گئیں تو اس کا ثبوت درکار ہے لیکن یہ دونوں باتیں مردود ہیں بس یہی شق معین ہوگئی کہ آپؓ نے اپنے پہلے موقف سے رجوع نہیں فرمایا۔ نہ وہ سرے اموات کے سماع کی قائل تھیں نہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کی قائل تھیں۔ ورنہ جنگ جمل میں جانے کی حضورؐ ان کو اجازت دیتے ؛

نیز اگر رجوع ہی تھا تو اس وقت کسی کو یہ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی کہ اماں جان ! آپ جو قرآن پاک کی آیت پڑھ پڑھ کر سناتی تھیں تو ان آیات کا کیا جواب ؟ پھر حنفیوں نے جو حضرت ام المؤمنین رضؓ کے اس طرز سے قاعدہ بنایا کہ خبر واحد خلافِ قرآن ہو تو قرآن کو اپنے اصل پر رکھو اور خبر واحد میں تاویل کرو۔ وہ اگر صحیح تھا تو ام المؤمنین کے رجوع کے بعد یہ قاعدہ ٹوٹ گیا پھر اس قاعدہ کا اصل اس طرز استدلال کو نہ بنانا چاہئے

نیز جب رجوع کر گئیں تو ام المؤمنین کا معمول لازماً یہی ہوگا کہ حجرۂ شریفہ میں آتے وقت آپؐ کو صلوٰۃ و سلام کہیں اور یہ آپ کا عمل آپ کے بھانجوں بھتیجوں سے متواتر نقل ہو کر آتا مگر کسی سے یہ عمل نقل ہو کر نہیں آیا۔ معلوم ہوا یہ صلوٰۃ و سلام عند قبر النبی پیش کرنے کا معمول صحابہ کرام میں نہ تھا۔

ام المؤمنین نے نہیں بلکہ خود مولانا نے رجوع فرمایا

ام المؤمنین رضؓ کا رجوع تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ البتہ محترم جناب کا رجوع ثابت ہو سکتا ہے غیر مقلدیت کی طرف بھی اور بریلویت کی طرف بھی؛ غیر مقلدیت کی طرف تو باین طور کہ احسن الکلام میں ۱۶ صفحات میں اس روایت پر جرح فرمائی جو غیر مقلدین نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے پیش کی تھی کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق ہے اور اب تسکین الصدور ط ۲ ص ۳۲۹ میں اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے وہ روایت پیش کر دی جس میں وہی محمد بن اسحاق ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ اب محمد بن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرما کر اس کی توثیق کے قائل ہو گئے ہیں۔ جب اس روایت میں محمد بن اسحاق ثقہ مان لیا گیا جو عقائد سے متعلق تھی تو عبادات کا سلسلہ تو اہون ہے

اور بریلویت کی طرف رجوع باین طور کہ ازالۃ الریب صفحہ ۱۷۵ میں فرمایا کہ طبقہ ثالثہ کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ اکثر آن احادیث معمول بہ نزدِ فقہاء نہ شدہ اند بلکہ اجماع بر خلافِ آنہا منعقد گشتہ (عجالہ نافعہ)

اور آگے فرمایا نہ صرف یہ کہ یہ روایت محض طبقہ ثالثہ اور رابعہ کی ہے۔ بلکہ ضعیف بھی ہے۔ ....
اور ضعیف حدیث کی جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت اور پھر اس سے نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ ثابت کرنا کہاں کا انصاف ہے" خان صاحب نے ایک مقام پر کیا ہی خوب کہا ہے کہ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لیے ثبوت چاہیے۔ بے ثبوت نسبت جائز نہیں ہے اور قول مذکور ثابت نہیں (عرفان شریعت ج ۳ ص ۲۷) اھ؛ اب سماع الموتیٰ و تسکین الصدور میں بعض بلکہ اکثر روایات طبقہ ثالثہ اور رابعہ سے لی گئی ہیں جو اس پر دال ہیں کہ آپ ازالۃ الریب میں مذکورہ قاعدہ سے رجوع فرما کر بریلویوں کا مسلک اپنا چکے ہیں اعاذنا اللہ منہا

نیز ازالۃ الریب ص ۳۲۸ میں سلمۃ بن کہیل کے بارے لکھا کہ اگرچہ ثقہ و ثبت ہے مگر عجلی، یعقوب بن شیبہ اور امام ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان میں تشیع تھا (اس لیے بریلویہ کی پیش کردہ روایت جس میں شیعہ راوی ہے ہم ماننے کے لیے تیار نہیں) اور اب اعادۂ روح کے باب میں زاذان شیعہ راوی ہے مگر اس کی تصحیح پر پورا زور صرف فرمایا اسی طرح ابن جریج کو احسن الکلام میں متعہ باز کہا اور اب ام المومنین کی روایت بالا میں ثقہ قرار دیکر رجوع عائشہ پر استدلال کیا۔ اللہ تعالیٰ ایسی عصبیت سے بچائے۔

رجوع عائشہؓ کے ایک اور دعویٰ کی تردید

مستدرک حاکم کی روایت مع سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات نقل کرنا کہ کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا واضع

پھر اس روایت سے سماعت اموات کا ثبوت کرنا ام المؤمنین کے مذہب اور مرضی کے خلاف ہے اور توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ منع ہے یعنی کسی کے کلام کی توجیہ اس کے اصول مسلمہ کے خلاف یا اس کے مذہب اور قول صریح کے مخالف کرنا منع۔ اور ناجائز ہے پس اس حاکم کی روایت کو اگر صحیح تسلیم کر لیں تو پھر اس کی وہ توجیہ کرنی لازم ہوگی جو ان کے قول و مذہب اور ان کے مسلمہ اصول و قاعدہ کے خلاف نہ ہو۔

اور حقیقت دیکھو تو یہ روایت حاکم کی ہے اور اس کی روایت کو اس کے سوا کسی دوسرے محدث نے تصحیح نہیں کی اور حاکم کی اپنی تصحیح پہ اعتبار کرنا اہل السنۃ والجماعۃ اور تمام محدثین کے خلاف ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک یہ بات

ملے شدہ ہے کہ حاکم جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو بھی صحیح کہہ دیتا ہے اور وہ اس کام میں بڑی خیانت کرتا ہے میزان الاعتدال ج۳ میں ہے انکہ یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطۃ ویکثر من ذلک فما ادری ہل خفیت علیہ فما ہو ممن یجہل ذلک علیہ وان علم فہذہ خیانۃ عظیمۃ ثم ہو شیعی مشہور بذلک۔ یعنی حاکم اپنی مستدرک میں غیر معتبر اور ساقط الاعتبار روایتوں کی تصحیح کرتا ہے۔ ایسا تو وہ شخص نہ تھا کہ اس کو اس کا علم نہ ہو اگر جان کر اس نے ایسا کیا تو یہ بڑی بھاری خیانت ہے۔ پھر حاکم ہے بھی بہت مشہور نامی گرامی شیعہ۔

اور ص۲۳۲ میں ہے حاکم رافضی خبیث تھا اور اس روایت میں حضرت عائشہؓ کے بارے یہ عمل بیان کیا اور ساتھ ہی بخاری ومسلم کی شرط پر کہہ کے تصحیح بھی کر دی۔ کسی شریف عورت کا یہ کام نہیں ہوتا کہ اس طرح چادر اوڑھ کر غیر مرد کے سامنے چلی جائے اور اس کا خاوند بھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اپنی عورت کو چادر اڑھا کر غیر مرد کے سامنے لا بٹھائے پس یہ روایت نہایت جھوٹی ہے اور کسی رافضی کی بنائی ہوئی ہے جو کہ در پردہ اہل سنت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین جاری کرنا چاہتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

پھر اس رافضی کو اتنی بات بھی سمجھ نہیں آئی کہ مرنے کے بعد میت کی زیارت ہوتی ہے یا میت کی قبر کی ہدایہ ص۲۴۴ میں ہے والمراد من الدخول زیارتہ وبعد الموت یزار قبرہ لا ہو۔ مرنے کے بعد قبر کی زیارۃ ہوتی ہے نہ میت کی تو پھر پردہ بھی مزار اور قبر سے تھا نہ صاحب قبر سے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابصارت کس طرح ثابت ہو گئی

اگر مان لیں کہ میت زائر کو دیکھتا پہچانتا ہے اور مرد میت ہو تو عورت زائرہ کو چاہیے اس سے پردہ کرنا چاہیے جیسے ام المومنینؓ نے پردہ فرمایا۔ اسی طرح عورت میت ہو تو مرد زائر کو اس کے سامنے غیر محرم ہونے کی صورت میں نہ آنا چاہیے

زیارت القبور کے مسئلہ میں علمائے کرام کا باہم اختلاف ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور جائز ہے یا ناجائز بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ناجائز ہے مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ عورت اپنے محرموں کی قبروں پر تو جا سکتی ہے مگر نامحرم کی قبر پر نہیں جا سکتی اسی طرح کسی نے یہ نہیں لکھا کہ مرد اپنی محارم کی قبروں کی زیارت تو کر سکتا ہے مگر نامحرم عورت کی قبر کی زیارت نہیں کر سکتا اسی طرح کسی نے یہ نہیں لکھا کہ شوہر اپنی بیوی کی قبر پر یا بیوی اپنے شوہر کی قبر پر نہیں جا سکتے کیونکہ اگر مردے احکام شرعیہ کے بعد از وفات مکلف نہیں مگر زیارت کرنے والا تو مکلف ہے اسے تو جائز نہیں کہ بے پردہ ہو کر اموات کے سامنے آ جائے۔ جیسے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی پاک بیویوں کو حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی

اللہ عنہ سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا تو عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! یہ تو نابینا ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو تو اسی طرح یہاں بھی یہ مسئلہ ہوتا کہ اگر عورت قبروں کی زیارت کو جائے تو صرف اپنے محارم کی قبروں پر جائے نامحرموں کی قبروں پر نہ جائے یا شوہر اپنی بیوی کی قبر پہ نہ جائے کیونکہ نکاح موت کے ساتھ ٹوٹ گیا اب وہ بیوی بیوی نہ رہی بلکہ اجنبیہ ہو گئی ہے یہی وجہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو وفات کے بعد نہلا نہیں سکتا کما ہو مقرر فی مقرہ

لیکن یہ تفصیل کسی فقیہ نے نہیں لکھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ کہ میت اپنے زائر کو دیکھتا اور جانتا پہچانتا ہے یہ کم از کم ہمارے حنفیہ کے مسلک کے موافق نہیں

اب مان لیں کہ مومنوں کی ماں نے پردہ کیا مگر جب احادیث سے ثابت ہو گیا کہ امہات المومنین کا بالکل نہ دیکھنے والے مردوں سے بھی پردہ کرتی تھیں تو مومنین کی ماں کے پردہ کرنے سے حضرت عمرؓ کا دیکھنا کیسے ثابت ہو گیا

اب سوال پیدا ہوگا کہ اگر حضرت عمرؓ کا دیکھنا ثابت نہیں ہوتا تو حضرت ام المومنین ؓ نے پردہ کیوں فرمایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نہایت عظمت کی چیز ہے پھر اسلام کے طفیل سارے مسلمان لوگ بزرگ اور عظمت والے بن گئے۔ لیکن ہر ایک شخص نے اپنی اپنی تقدیر کے موافق اس عظمت سے حصہ لیا اس مقدس اسلام نے جیسا تعلیم کیا کہ جس شخص کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ اور معاملہ اس کی حیات اور زندگانی میں کیا جاتا تھا وہی معاملہ اس کے مرنے کے بعد اس کی ہڈیوں کے ساتھ کیا جائے۔ جو عظمت اس مسلمان کی زندگانی میں تھی اس کے قریب قریب مرنے کے بعد کرنی اولیٰ مناسب ہے۔

مثلاً زندہ عورت کو غیر محرموں سے پردہ کرنا لازم ہے مگر جب مر گئی اب وہ احکام شریعت کی مکلف نہ رہی اب اس پر نہ نماز فرض ہے نہ زکوٰۃ اور نہ پردہ کرنا۔ مگر اس کے وارثوں پر لازم ہے کہ عورت کے جنازہ پر گہوارہ لگائیں پردہ کے ساتھ جنازہ لے جائیں۔ قبر میں اتارنے کے وقت عورت کی قبر کا پردہ کیا جائے۔ حالانکہ مردہ عورت پردہ کی مکلف نہیں ہے۔ مگر اوپر والوں کو اس کے ساتھ وہی معاملہ کرنا مناسب ہے جو زندگانی میں کیا جاتا تھا۔ نہ مردہ عورت پر پردہ واجب ہو سکتا ہے نہ وہ محل خواہش رہی جو کوئی اسے دیکھے پھر کفن کے پانچ کپڑوں میں لپٹی ہوئی کو کون دیکھ سکتا اور کفن سے منہ کھول سکتا ہے۔ اب دفن کرتے ہوئے قبر کا پردہ کیوں ہوا؟ نہ یہاں کوئی مردہ عورت کو دیکھنے والا ہے نہ کوئی شے قابل دیکھنے کے موجود ہے۔ نہ کفن سے عورت نظر آ سکتی ہے۔ پھر قبر کا پردہ کس لئے ہے۔ یہ صرف ادب آداب

ہیں کہ جو حقوق اس میت پردہ نشین کی زندگانی میں تھے وہی بعد از وفات ہر ایک مسلمان کو لحاظ رکھنے چاہئیں۔ نہ کوئی پردہ کو دیکھنے والا ہے اور نہ ہی کوئی چیز دیکھنے کے لائق ہے۔

اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے وہی حالت جو حضرت عمرؓ کی حیات میں پردہ کی تھی وہی بلحاظ ادب میت پر قائم رکھی۔ یہ غرض نہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیکھتے تھے

اور اگر بالفرض حضرت عمرؓ مزار کے اندر سے دیکھ سکتے تھے اور جنابؓ کی نظر کو سینکڑوں من مٹی یا قبر مبارک کا پٹاؤ روک نہ سکتا تھا۔ تب غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا چادرہ جناب عمر رضی اللہ عنہ کی نظر کو ام المومنین رضی اللہ عنہا کے دیکھ لینے سے کس طرح روک سکتا ہے جو نظر زمین کی تہ میں سے پار ہو جائے وہ ایک چادر سے کس طرح رک سکتی ہے اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کو اس بنا پر چادرہ اوڑھنے سے کیا نفع ہوگا پردہ ہی غلط ہوگا

دوسری مثال یوں سمجھو کہ مثلاً کعبہ اسلام میں قابل ادب جگہ ہے۔ مکہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پیشاب وغیرہ نہ کرے اس کی طرف منہ کر کے نہ تھوکے۔ کعبہ کی طرف پیر نہ کرے یہ سب کعبہ کے ادب کعبہ کے سامنے کرنے مناسب ہیں۔ مگر جب مکہ سے نکل کر دور چلے آئے اب خاص کعبہ تو بذاتِ خود موجود نہیں ہے مگر کعبہ کی جہت اور سمت اس کے قائم مقام ہے جو ادب واحترام کعبہ مکرمہ کا اس کے قریب قریب تھا کعبہ کی سمت کا بھی ادب ہے چنانچہ سمتِ کعبہ کی طرف بھی منہ یا پیٹھ کر کے پیشاب کرنا منع ہے اس طرف پیر کرنا بے ادبی ہے اس طرف تھوکنا بھی بے ادبی میں داخل ہے۔ وغیرہ وغیرہ مگر کعبہ اور شے ہے اور سمتِ کعبہ اور شے ہے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے

اسی طرح جو ادب آداب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جناب عمر رضی اللہ عنہ کا ان کی حیات میں کرتی تھیں اور حیا پردہ ان کی حیات میں ان سے کیا کرتی تھیں اسی طرح اسی ادب واحترام کو وفات کے بعد بھی لحاظ کر کے تمام مومنوں کی ماںؓ نے آپ کی قبر سے جو آپؓ کے قائم مقام تھی پردہ کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ مزار کے اندر سے حضرت عمرؓ دیکھ رہے تھے یا انہوں کو جان رہے ہیں۔

نیز حیا کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص سے حیا کی جائے وہ اس جگہ موجود بھی ہو۔ وہاں اس کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اس کے اخلاق اور مزاج کا تصور ہونا ہی کافی ہے۔ دیکھو صحیح بخاری باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ صفحہ ۵۲۰ میں ایک حدیث موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات جنت کی سیر فرما رہے تھے یکا یک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو ایک محل کے نیچے نہر پر ایک عورت منہ دھوتی ہوئی نظر آئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہوا کہ اندر سے محل کا ملاحظہ کروں مگر معلوم ہوا کہ یہ محل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہ عورت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیویوں میں سے ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس محل میں تشریف نہ لے گئے۔ اور صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! مجھے تیری غیرت یاد آگئی اس وجہ سے میں اس محل میں نہیں گیا۔

اب غور سے ملاحظہ فرمائیں کہ جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاق کا تصور ہی آں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ذہن مبارک میں تھا۔ فقط یہی ذہن کا تصور ایک حجاب اور غیرت کا باعث ہوا اور حضور سید المعصومین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کو محل کے سیر کرنے سے مانع ہوا

اسی طرح حضرت امیر المؤمنین خلیفۂ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے پردہ کا نہایت خیال اہتمام اور انتظام تھا۔ یہ ساری پردہ کے متعلق جتنی آیات قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں آپ ہی کی دعا کا نتیجہ ہے اور ان کو موافقاتِ عمرؓ میں شمار کیا گیا ہے۔ پس ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے اخلاق کا علم امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کا پردہ کے باب میں سخت ہونا خوب معلوم تھا بس اسی ذہنی خیال و تصور کے باعث تمام مؤمنین کی ماں رضی اللہ عنہا نے چادر اوڑھا۔ یہی ذہنی خیال حیا اور حجاب کا باعث ہوا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج کا تصور محل میں جانے سے مانع اور روکنے والا ثابت ہوا۔ یہ غلط خیال ہے کہ حضرت امیر المؤمنین مزار کے اندر سے دیکھ رہے ہیں

اس حدیث سے یہ مسئلہ تو واقعی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ جیسے زندگی میں اس ہستی کا احترام کیا جاتا تھا اس ہستی کی وفات کے بعد بھی ویسے ہی احترام کرنا واجب ہے جیسے مرقاۃ ص۱۱۷؍۴ میں ملا علی القاری رحمہ اللہ نے بحوالہ الطیبی رحمہ اللہ لکھا ہے اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے لمعات ص۶۲؍۳ میں لکھا

لیکن اس سے یہ مسئلہ مستنبط کرنا کہ میت زائر کو دیکھتا اور جانتا پہچانتا ہے یہ صرف شارح کا اپنا فہم محض ہے جو حجت نہیں ہو سکتا

نیز اس تشبیہ پر اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ تشبیہ ذات امیر المؤمنین رضؓ کی ذات کعبہ شریفہ کے ساتھ جزئی گئی ہے وہ ادب و احترام کی صفت کے لحاظ سے ہے وجہ شبہ کی ادب اکرام اور احترام ہے۔ شجاع اور بہادر انسان

کو شیر کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ شیر کی طرح اس شجاع انسان کی بھی چار ٹانگیں اور ایک دُم ہے اور خونخوار ہے وحشی جانور جنگل کے وحشی جانوروں کا بادشاہ ہے۔ بلکہ تشبیہ سے مقصد ہوتا ہے مشبہ کو مانند بتانا مشبہ بہ کے ساتھ اس کی وصف مشہور میں

یوں تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ختم نبوت کے مسئلہ کو مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت محل ہو اس کی عمارت حسین ہو لیکن ایک اینٹ لگانے کی جگہ اس میں چھوڑ دی ہو دیکھنے والے آکر اس کے گرد گھومتے ہوں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہوں۔ لیکن ساتھ ہی کہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے آگے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں۔

دیکھا اس حدیث پاک میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے اعلیٰ اولیٰ اشرف احب الی اللہ افضل اکمل سید الانبیاء ہیں ؑ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ؛ اپنے آپ کو مکان کی اینٹ کے ساتھ تشبیہ دی۔ اس تشبیہ پر اعتراض کرنے والے کے ایمان کا پوچھو کیا حال ہے۔ اگر اس تشبیہ پر اعتراض نہیں تو ہماری تشبیہ کے غلط ہونے کی کیا وجہ ہے؟

ایک المعترض کا لاعمی کو جواب:

پھر معترض کا یہ کہنا کہ کیا بیت اللہ کوئی جاندار چیز ہے جسے زندہ کہا جا سکے" یہ اپنے اس قول کے مخالف ہے جو اس کی نقیض کو لازم ہے کیونکہ وہ ایک جگہ کہتا ہے کہ "یہ سلام نداء اور خطاب موجود کے لئے ہے جو سنے سمجھے اور اُسے خطاب کیا جائے اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوم اور پتھر کو ہوگا" نیز لکھا کہ بیت اللہ ایک عمارت ہے جو پتھروں سے تیار کی گئی ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پتھر نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے نہ اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ جمادات (پتھر وغیرہ بے جان) سنتے ہیں اور اس سلسلے میں یہ لکھا کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ پتھر نہیں سنتے ان میں زندگی اور شعور نہیں۔ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے سے معتزلہ نے انکار کیا ہے" جب پتھر سنتے ہیں باتیں کرتے ہیں ان کی زندگی اور شعور بھی مسلم ہے پھر معترض کو تشبیہ پر کیا اعتراض ہے

کہ (مشبہ حضرت عمرؓ اور مشبہ بہ خانہ کعبہ میں) کونسا وصف مشترک ہے جسے وجہ شبہ قرار دیا"

معترض صاحب کی عبارات بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عمرؓ مشبہ اور کعبہ مشبہ بہ میں ایک وصف مشترک نہیں بلکہ بہت سے اوصاف مشترک ہیں کیونکہ امیر المومنینؓ بھی زندہ باشعور سننے دیکھنے جاننے پہچاننے والے باتیں کرنے والے ہیں مگر ہیں انسان اور زندہ شہید - اور خانہ کعبہ معظم بھی زندہ باشعور سننے دیکھنے جاننے پہچاننے والا اور باتیں کرنے والا ہے مگر ہے ایک عمارت جو پتھروں سے تیار کی گئی ہے -

۱ بہرحال تشبیہ تو صحیح ہوگئی اور معترض کا اعتراض رفع ہوگیا کہ تشبیہ صحیح نہیں ہے اگرچہ معترض کے خصم کو تشبیہ مضر ہے - لیکن خصم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ آپ کے کلام میں تدافع ہے کہ کبھی تو آپ پتھروں کو زندہ باشعور سننے دیکھنے جاننے پہچاننے اور کلام کرنے کا اہل سمجھتے ہیں اور جو نہ مانے اسے اعتزال سے موصوف فرماتے ہیں اور دوسری طرف فرماتے ہیں کہ اگر سلام خطاب اور ندا سننے سمجھنے والے موجود کے لئے نہ ہو تو پھر یہ خطاب معدوم اور پتھر کو ہوگا - جس کا مطلب ظاہر ہے کہ معدوم چیز اور پتھر دونوں برابر ہیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں لہٰذا پتھروں کو سلام خطاب و ندا فضول اب تدافع اور تعارض و تناقض کا کیا کیا جائے

۲ دوسرے اگر تسلیم کرلیں کہ معترض اپنے دعوے میں "معدوم اور پتھر کو سلام دینا محال ہے" تو معجزات کا انکار کرنا ہوگا کیونکہ خود معترض نے ایک مقام پر تسلیم فرمایا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اُحد پہاڑ ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اس کو - اور (استن حنانہ) ستون کا رونا متواترات سے بھی مان لیا اور یہ بھی معترض کو مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پتھر کو پہچانتے تھے جو بعثت نبوی سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیکم کہا کرتا تھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شفقت سے اسے جواب سلام بھی دیتے ہوں گے - مگر دعوئے بالا "معدوم اور پتھر کو سلام دینا محال ہے" ماننے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارہاص اور مذکورہ بالا معجزات کا انکار لازم آئے گا - اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کرامات کا بھی انکار لازم آئے گا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں مثلاً کھانے کا تسبیح پڑھنا اور صحابہؓ کا اپنے کانوں سے سننا وغیرہ تو اس طرح خود بیچارہ معترض وادیٔ اعتزال میں گر کر بہہ گیا اللھم احفظنا من شر الاعتزال

۳ تیسرے اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ ہر چیز میں روح حساس ہے اور پتھر بھی زندہ عقل مند ہیں اور کھجور کے تنے بھی جانتے پہچانتے اور روتے ہنستے اور حس انسانی رکھتے ہیں اور درخت بھی چلتے پھرتے ہیں تو یہ ان کی عادت مستمرہ

بن گئی تو ایسے امور جو نبی اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے ظاہر ہوئے ہیں وہ معجزہ نہ رہے کیونکہ معجزہ خرقِ عادت فعل کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے ہاتھوں ظاہر کرواتے ہیں۔ اسی طرح بھی معجزات ارہاص اور کراماتِ اولیاء کا انکار لازم آئے گا۔ اور بھی

۴ چوتھے معترض کو چاہیے تھا کہ بجائے اس کے کہ سماع موتٰی یا حیاتِ انبیاء کتاب لکھتے یہ کتابیں لکھتے سماع الجماد، مشی الاشجار، شعور الاحجار، سماع النخیل۔ حیات الجمادات وغیرہ اور عوام کو یہ سمجھاتے کہ لوگ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ درخت چلتے پھرتے نہیں یا پتھروں میں شعور نہیں اور نہ یہ عقیدہ اہلِ سنت کا ہے بلکہ عقیدہ اہلِ سنت کا یہ ہے کہ درخت بھی چلتے پھرتے ہیں ہنستے روتے ہیں احساس اور شعور رکھتے ہیں اور سلام کلام کرتے ہیں اور تم عوام غلط سمجھتے ہو کہ یہ درخت نہ چلتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ شعور ادراک رکھتے ہیں کیونکہ یہ عقیدہ معتزلیوں کا ہے اسی طرح پتھر کلام سلام سنتے اور دیکھتے پہچانتے ہیں یہ عقیدہ اہلِ سنت کا ہے اور جو نہ مانے وہ معتزلی ہے لہٰذا دنیا میں سوا معترض کے سب معتزلی بستے ہیں

اسی معترض کے اور اعتراض کا جواب

پھر ایک سوال کے جواب میں معترض صاحب فرماتے ہیں۔ دیکھنے اور سننے میں مٹی کیوں حائل نہیں ہوتی اس کی تفصیل ملاحظہ ہو شرح الصدور ص۹۵ قال ما رأیت الماء اذا کان فی الزجاج ایتبین قلت بلی قال فکذلک نحن نری من یزورنا یعنی میت نے کہا کیا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ میت نے کہا اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے

مگر معترض صاحب کو بوضاحت تام معلوم ہے کہ شرع شریف میں صحابی کی خواب بھی جب تک مؤید بالوحی نہ ہو کوئی حجت نہیں چہ جائے کہ قرونِ ثلثہ کے بعد کسی کی خواب۔ دلائل شرع کے اصول شاشی سے ہمیں چار ہی بتائے جاتے ہیں ۱۔ قرآن مجید ۲۔ حدیث صحیح یا حسن ۳۔ اجماعِ امت ۴۔ قیاسِ مجتہد۔ اس کے بعد نہ کسی غیر مجتہد کا فعل معتبر ہے نہ قول نہ رائے نہ خواب نہ کشف نہ الہام نہ قیافہ نہ توارث خواہ اہلِ حرمین کا ہی کیوں نہ ہو اور ہمارے محترم مخدوم بھی اپنی کتب سابقہ میں مان چکے ہیں۔

نیز یہ خواب معارض ہے جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ احکام دین کے اور حج کے مجھ سے معلوم کر لو لعلی لا اراکم بعد عامی ہٰذا (مشکوٰۃ ص۲۳۰) شاید میں تم کو اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں گا یعنی میں انتقال کر جاؤں گا اس دنیا سے پھر تمہیں نہیں دیکھ سکوں گا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اقدس اعلیٰ اولیٰ ارفع اجمل اکمل

کے بارے فرماتے ہیں کہ میں انہیں مرنے کے بعد نہ دیکھ سکوں گا تو دوسروں کے متعلق کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ زائرین کو دیکھتے ہیں۔ کیا مرنے کے بعد کسی کی شان خاتم النبیین سے اعلیٰ ہو سکتی ہے؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

آمدم بر سرِ مطلب

آمدم بر سر مطلب: شریف خاندان کی عورتوں کے مزاج میں ایک قدرتی حیا اور غیرت ہوتی ہے۔ غیر مرد کی استعمال کی ہوئی یا برتی ہوئی چیز سے فطرتاً انہیں نفرت اور غیرت اور حیا اور شرم اور جھجک ہوتی ہے جس کو ہر ایک شریف مرد بھی جان سکتا ہے۔ غیر مرد کا جھوٹا کھانا، غیر مرد کا پیا ہوا پانی کوئی شریف عورت کھانا پینا گوارا نہ کرے گی۔ شریف پردہ نشین عورت کبھی غیر مرد کی چارپائی پر یا بستر پر نہ بیٹھے گی۔ بلکہ اس بستر سے حیا کرے گی۔ کیا وہ بستر دیکھ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ الغرض جس کسی چیز سے غیر مرد کو تعلق رہ چکا ہو شریف عورت ضرور اس چیز سے الگ اور دور رہیگی۔ خاص کر کے تمام مومنوں کی پاکباز عفائف پاکدامن مائیں سید المرسلین کی حرم پاک جن کی شانِ عالی میں آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئیں کہ لستن کاحد من النساء: تمہارا رتبہ جہان بھر کی عورتوں سے بہت بڑا ہے پھر ازواج مطہرات میں سے بھی خصوصیت کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کی عفت اور عصمت میں قرآن مجید کی سورۂ نور کے ابتدائی تین رکوع نازل ہوئے تو جہان بھر کی استاذ صحابہ کرام کی پیرو مرشد کس طرح اس قبر سے پردہ نہ کرتیں جس میں غیر محرم مدفون تھے کیونکہ اس وقت حجرہ شریفہ کو ایک غیر محرم شرعی سے نسبت اور تعلق ہو گیا تھا اس لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی فطری اور خداداد حیا و عصمت کے تقاضا سے چادرہ اوڑھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ام المومنین رض کے نزدیک حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے والعیاذ باللہ۔ بلکہ تم جب خود ام المومنین رضی اللہ عنہا سے پوچھو گے کہ آپ کے نزدیک قبر والے دیکھتے اور سنتے ہیں تو ام المومنین رضی اللہ عنہا بڑے زور سے فرمائیں گی کہ ہرگز کوئی مردہ قبر والا نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ پھر ام المومنین رض کے چادرہ اوڑھنے سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے۔ بلکہ یہ حیا حضرت ام المومنین رض کا مزاجی حیا تھی جس کے باعث چادر اوڑھا تھا۔ نیز حضرت ام المومنین رض ایسے حالات میں وہاں کیسے جا سکتی تھیں جب کہ آپ نے سید المعصومین صلعم کی زبان مبارک سے سن رکھا تھا وإذا اتت القبر لعنها روح المیت جب عورت قبر پر جاتی ہے تو میت کی روح اس عورت پر

لعنت کرتی ہے اور اس طرح ایک رافضی کمینہ اعتراض کر سکتا ہے کہ عمرؓ کی قبر پہ جا کر تمہاری اماں کو کیا نفع ہوا، لعنت کا ہار والعیاذ باللہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ رافضی کو تبرا بازی کا اچھا خاصہ موقعہ ہاتھ آ گیا۔ سمع وبصر موتیٰ کی ثابت کرتے کرتے ایک اور بلائے ناگہانی وبالِ جان بن کر گلے پڑ گئی ہے۔ جب ہی تو ہم پہلے سے کہہ رہے ہیں کہ یہی لے یہ روایت محض اس لئے وضع کی ہے تاکہ سنیوں کو ہم طعن دے سکیں (عفنا اللہ عنہم) اس طرح کہ تمہاری اماں قبر کی زیارت کو گئیں جیسے اس حدیث سے اس کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے (صغریٰ) اور جو عورت قبر کی زیارت کو نکلتی ہے وہ ملعونہ ہوتی ہے اور چاروں طرف سے اسے شیطان گھیر لیتے ہیں جیسے دوسری احادیث سے ثابت ہے (کبریٰ) پس نتیجہ یہ نکلا کہ (والعیاذ باللہ) تمہاری سنیوں کی اماں ملعونہ ہوئی اور چاروں طرف سے اسے شیطان نے گھیر رکھا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مگر ہم سنی اس حدیث کو نہیں مانتے اور نہ رافضی خبیثوں کو اس بکواس کا موقع دیتے ہیں۔ اور جو اس حدیث کی صحت پر زور دیتا ہے وہ سنی شیعہ ہے یا کم از کم شیعوں کا دست راست اور معاون تو ضرور ہے۔ اس طرح شیعوں نے اندر کی پوشیدہ چوٹیں ہم پہ بہت کی ہیں کہ بظاہر ان کو سن کر سنی بڑے ہی خوش ہوتے ہیں اور کئی جگہ تو بظاہر شیعوں کا رد معلوم ہوتا ہے اور جب غور سے دیکھتے ہیں تب سنی کی آنکھ کھلتی ہے اور کہتا ہے ہائے یہ کیا ہو گیا۔

مثلاً شیعہ کی کتابوں میں شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے لکھا ہما اماماں عادلان قاسطان کانا علی الحق یعنی وہ دونوں عادل اور منصف امام تھے حق پر قائم تھے۔ یہ دیکھ کر سنی خوش ہو جاتا ہے اور بغلیں بجاتا ہوا کہتا ہے کہ شیعو! یہ دیکھو تمہاری کتابوں سے ہمارے شیخینؓ کے مناقب مل گئے مگر جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مناقب میں سے نہیں بلکہ مثالب میں سے ہیں اور عادلان عدل سے نہیں بلکہ عدول سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں حق سے عدول اور روگردانی کرنے والے اور قاسطان ثلاثی مجرد سے ہے جس کے معنے ہیں ظلم کرنے والا جیسے قرآن پاک میں آیا ہے واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا (یعنی اور جو لوگ ظلم پر قائم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں) اور اگر مقسطان باب افعال سے ہوتا تب اس کے معنے ہوتے انصاف کرنے والے جیسے قرآن پاک میں آیا ہے وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (یعنی اور انصاف کیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے) اور کانا علی الحق کے یہ معنے نہیں کہ وہ امام برحق تھے بلکہ مطلب یہ لیتے ہیں

کہ وہ جو حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کا حق خلافت بلافصل تھا اور باغ فدک جو حضرت بتول فاطمۃ الزہرا بنت رسولؐ کا حق تھا اس پر غاصبانہ طور پر مرتے دم تک قابض رہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ

مدح کے رنگ میں حضرت امام عمرؓ کے عقل و عدل پر چوٹ

اسی طرح تعریفی انداز میں حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا عدل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے بیٹے ابو شحمہ نے زنا کیا پھر حضرت امیر المؤمنین نے اپنے بیٹے پر حد زنا کا حکم صادر فرمایا اس کو جلاد نے کوڑے مارنے شروع کئے ابھی سو کوڑے پورے نہیں ہوئے تھے کہ بیٹا پہلے ہی جاں بحق ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکم سو کوڑے لگانے کا ہے اگر سو پورے نہ کئے گئے تو قیامت کے دن خدا مجھ سے باز پرس کرے گا کہ تو نے اپنے بیٹے کے ساتھ رعایت برتتے ہوئے سو سے کم کوڑے لگائے تو اس کا میرے پاس کیا جواب ہے لہٰذا جلاد کو حکم دیا کہ اس مری ہوئی لاش پر کوڑے مار کر سو پورے کردو بظاہر سنی یہ سن کر حضرت عمرؓ کے عدل وانصاف کی داد دیگا مگر یہ سوچے گا کہ رافضی تبرائی حضرت امیر المؤمنینؓ پر کیا تبرا بول گیا ہے کہ غصب خلافت و فدک میں اتنا منہمک کہ اپنی اولاد کی تربیت نہ کی اسی لئے اس کی اولاد بد معاش نکلی پھر آپ کی عقل پر دھبہ لگایا پھر اگر عقل صحیح تھی تو یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی میت کو احساس ہوتا ہے ورنہ خالی چمڑے کو کوڑے مارنا عقل مندوں کا کام نہیں

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو معذور کہنے کا نازیبا عذر

کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے کتاب الانتصار للامام احمد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قلیب بدر کے کفار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہیں پہنچا اور دوسرے ان کی طرح معذور نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے۔ (ص ۲۳۳ سماع الموتی)

نیلوی پوچھتا ہے کہ یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے اگر ام المؤمنینؓ کو حدیث کی نص نہیں پہنچی تو آیات قرآنی کس غرض کیلئے پڑھ رہی ہیں اور صحیح بخاری کی اس عبارت کے کیا معنے ہوں گے ذکر عند عائشۃ ان ابن عمرؓ رفع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو اس کے معنے یہی سمجھے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آگے کسی نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت بیان فرمائی ہے۔ اب اس سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضؓ کے پاس یہ روایت کسی واسطہ سے پہنچی ہے اور واسطہ صحابیؓ ہوگا یا تابعی اگر صحابیؓ تھا تو الصحابۃ کلہم عدول کے قاعدہ کے مطابق ان کو صحیح سند کے ساتھ حدیث پہنچی ہے جس کی صحت میں کچھ شک نہیں ہوسکتا اور اگر تابعی کے ذریعے پہنچی تب بھی وہ ثقہ اور معتمد علیہ تھا جس پر اعتماد کر کے حضرت ابن عمرؓ جیسی ہستی کی طرف دلیل کی نسبت فرمائی ہے ہیں۔ (دیکھو مسلم ص ۳۰۳) بلکہ خود بغیر کسی واسطہ کے تعمیر کے

پھر ابن تیمیہؒ کا اس مسئلہ کو ضروریات دین میں سے کہنے کا یہ مطلب ہوا کہ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے تو پھر ان کے نزدیک اہل اسلام کا متفقہ مسئلہ ہوا

پھر محترم مولانا صاحب کا ترجمہ کرنا ضروریات دین کی طرح کس طرح صحیح ہوگیا جبکہ فرماتے ہیں "اس سے معلوم ہوگیا کہ حافظ ابن تیمیہؒ سماع موتیٰ کے مسئلہ کو ضروریات دین کے مسائل میں شمار کرتے ہیں"

اس مسئلہ کو ضروریات میں سے شمار کر کے امام احمدؒ کی نصرت میں منکرین کو کافر کہہ دیا

رجوع عائشہؓ کے دعویٰ کی تردید

اسی طرح جو حدیث عائشہ صدیقہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرنے آئے اور اس کے پاس بیٹھ جائے تو قبر والے کو اس سے انس ہوتا ہے اور اسکو جواب دیتا ہے حتیٰ کہ اٹھ کھڑا ہو" یہ حدیث بھی نہایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی زید بن اسلم کا شاگرد عبداللہ بن زیاد بن سمعان ہے جو متروک ہے (الصارم المنکی ص ۱۹۹) ابن معین نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔ احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن سعد حلفاً کہتے تھے کہ ابن سمعان جھوٹ بولتا ہے۔ ابن قاسم نے کہا کہ امام مالکؒ اسے کذاب کہتے تھے۔ امام بخاری نے کہا سکتوا عنہ یعنی نقادین نے اس راوی پر بحث کرنا ہی پسند نہیں کیا کیونکہ یہ سرے سے محدث ہی نہیں ایسے راوی کے متعلق گفتگو کرنا اپنا وقت ہی ضائع کرنا ہے (میزان الاعتدال ص ۴۲۳)

پھر ابن سمعان کا شاگرد یحییٰ بن یمان ابن عدی نے کہا کہ اس کی بیشتر حدیثیں غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ عابد زاہد تھا بذات خود تو قصداً جھوٹ نہ بولتا تھا مگر غلطیاں کر جاتا تھا اور اسپر مشتبہ ہو جاتا تھا۔ یحییٰ بن معین اور نسائی نے کہا کہ قوی نہیں۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر نے کہا کہ وہ جلدی کر دیتا تھا مگر بھول بھی جلدی جاتا تھا۔ ابن مدینی نے کہا اس کو فالج بھی ہو گیا تھا پھر اور بھی اس کے حافظہ میں تغیر واقع ہو گیا تھا ویسے تو سچا۔ امام احمد نے کہا یہ حجت نہیں (میزان الاعتدال ص ۴۱۶)

جب راویوں کا یہ حال ہے تو یہ اس قسم کی حدیث دلیل کس طرح بن سکتی ہے خاص کر جب قرآن کے بھی خلاف ہو اور خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اپنے مذہب کے بھی مخالف ہو۔

رجوع عائشہؓ کے دعویٰ ۴ کی تردید

ابن حجر شافعیؒ نے فتح الباری ج ۷، ص ۲۴۳ میں محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی سے یونس بن بکیر کی روایت باسناد جید کہہ کر ذکر کی ہے کہ جو روایت قلیب بدر والی حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے وہی روایت بعینہا حضرت عائشہ رضؓ سے بھی مروی ہے ای ما انتم باسمع لما اقول منہم اور کہا کہ امام احمدؒ نے بھی یہی روایت باسناد حسن بیان فرمائی ہے؛ پھر کہا اگر یہ روایت محفوظ ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جب ان صحابہ کرام رضؓ سے ام المؤمنین کو اس امر کا مکمل ثبوت بہم پہنچ گیا تو ام المؤمنین نے اپنے پہلے موقف یعنی عدم سماع موتیٰ سے رجوع فرمایا اور سماع موتیٰ کی قائل ہوگئیں کیونکہ خود واقعہ قلیب بدر میں آپ حاضر موجود نہ تھیں

مگر یہ بات کئی وجوہ سے باطل ہے ایک تو اس لئے کہ گو ابن حجرؒ نے اس اسناد کو جید کہا ہے مگر امر واقع یہ ہے کہ حسب اقرار ابن حجر یہ روایت یونس بن بکیر سے ہے جس کے متعلق آجریؒ ابو داؤد سے نقل کرتے ہیں کہ یونس بن بکیر حجت نہیں کہ اس کی عادت تھی کہ کئی حدیثیں محمد بن اسحاق کتاب سے اخذ کر کے جوڑ لیتا تھا نسائی نے کہا قوی نہیں اور ایک دفعہ کہا کہ ضعیف ہے؛ ساجی نے کہا علی بن المدینی اس سے حدیث نہیں لیتے تھے۔ ابن ابی شیبہ بھی اس لئے اس سے روایت نہیں کرتا تھا کہ یہ حدیث میں نرم ہے۔ ساجی نے کہا مرجئہ فرقہ کا بھی تھا اور غیر شرع بات میں بھی بادشاہوں کی مانتا تھا خود ابن حجر نے یہ جرح تہذیب التہذیب ص ۴۳۵ و ۴۳۴ جلد ۱۱ میں بیان کی۔ جب یہ بات ابن حجرؒ کو مسلم ہے پھر ایسے راوی کی روایت کو فتح الباری میں کس بنا پر باسناد جید کہہ رہے ہیں

۲ دوسری بات یہ ہے کہ کتاب المغازی کا جامع محمد بن اسحاق خود بھی کذاب ہے۔ محترم مولانا نے اپنی مایہ ناز تصنیف احسن الکلام میں سولہ صفحوں میں اس پر جرح لکھی پھر ایسے راوی جس روایت میں ہوں،

تو کس بنا پر اس کے بارے باسناد جید کہا جا سکتا ہے

۳ تیسری بات یہ ہے کہ خود ابن حجرؒ کو اس حدیث کے محفوظ ہونے میں تردد ہے کیونکہ کلمۂ شک (اِنْ) سے بیان فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث محفوظ ہے تب تو اس بات کی دلیل بن سکتی ہے کہ ام المؤمنین نے اپنے موقف (عدم سماع موتیٰ) سے رجوع فرما چکی ہیں (اور اگر یہ حدیث محفوظ نہ ہو تو پھر یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی) پھر ابن حجرؒ نے کَاَنَّ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ لفظ بھی مقام شک میں استعمال کیا جاتا ہے حاشیہ غلام یحییٰ بر رسالہ قطبیہ ص ۱ میں ہے کہ کثیر علما نے تصریح کی ہے جیسا کہ حاشیہ خیالی پر فاضل لاہوری عبد الحکیمؒ نے اور شرح مطالع کے حاشیہ میں میر سید سندؒ نے صاف فرمایا کہ کَاَنَّ کا لفظ بغیر قصد تشبیہ کے ظن اور شک کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے فاضل تفتازانی رحہ نے مطول ص ۳۰۳ بحث اداۃ تشبیہ میں فرمایا کہ زجاج نحوی نے کہا کہ کَاَنَّ کی خبر جامد ہو تو کَاَنَّ تشبیہ کے لئے ہوگا جیسے کَاَنَّ زَیْدًا اَسَدٌ گویا کہ زید شیر ہے اور اگر کَاَنَّ کی خبر مشتق ہو تو کَاَنَّ شک کیلئے یعنی عدم یقین کے معنے میں ہوتا ہے جیسے کَاَنَّکَ قَائِمٌ یعنی شاید تو قائم ہے کیونکہ خبر شبہ ہے معنے میں اور کسی چیز کو اپنی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاتی اس لئے تشبیہ والا معنے اس مقام پر مناسب نہیں ہے بلکہ شک اور عدم یقین والا معنے ہی مناسب اور موزون ہے۔ آگے چل کے لکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ کَاَنَّ کی خبر خواہ جامد ہو خواہ مشتق ہو بغیر قصد تشبیہ کے اس مقصد کے لئے استعمال ہوتا رہتا ہے کہ اس کی خبر کا ثبوت ظنی ہے یقینی نہیں ہے اور مولدین کے کلام میں کَاَنَّ کا استعمال معنے ظن یعنی عدم یقین میں بہت ہے۔

۴ چوتھی بات یہ ہے کہ حافظ صاحبؒ نے شروع ہی میں فرما دیا مِنَ الْغَرِیْبِ جس کے معنے محترم مولٰنا صاحب نے یوں کئے ہیں "یہ بڑی نرالی بات ہے"

اب جب محمد بن اسحاق جیسا دجال اور کذاب اس حدیث کو بیان کرے اور پھر اس کا استاذ بھی یونس بن بکیر مبتدع مرجئہ فرقہ ہو جس کی حدیث کو محدثین حجت نہیں سمجھتے پھر اس کے محفوظ ہونے میں بھی تردد ہو پھر کس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ "لطف کی بات یہ ہے کہ خود حضرت عائشہؓ سے بقول حافظ ابن حجرؒ باسناد جید اور باسناد حسن سماع موتیٰ کی روایت مروی اور ثابت ہے الخ" (سماع الموتیٰ ص ۲۸۹) کیا دجال اور کذاب کی روایت بھی محسّن ہو سکتی ہے اور اس کو باسناد جید کہا جا سکتا ہے؟ بلکہ اگر واقعی یہ عبارت حافظ صاحبؒ کی ہے اور دجال و کذاب کی روایت کو باسناد حسن اور باسناد جید کہہ کر سند کی توثیق کر دی ہے تو خود حافظ صاحبؒ سے اعتماد اٹھ جائے گا کیونکہ اس جگہ جب دجال و کذاب کی سند کو

جید اور حسن کہہ دیا تو ہر جگہ احتمال پیدا ہو چکا کہ حافظ صاحب اور مقامات میں بھی اسی طرح دجالوں اور کذابوں کی روایتوں کو حسن اور باسناد جید کہہ دیتے ہوں گے جس کا ایک نمونہ یہی زیر نظر روایت ہے۔

پھر محترم جناب مولنا صاحب نے جو فرمایا ہے "یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ نے انکار سماع موتی سے رجوع کر لیا تھا" اگر اس بات کو تسلیم کر لیں تو سننے والوں نے ضرور سوال کیا ہوگا کہ جناب ام المؤمنین! آپ نے جو قرآن شریف کی آیتیں پیش فرمائی تھیں جن کی وجہ سے آپؓ نے ابن عمرؓ کے قول کو رد یا پر عمل نہ دیا تھا اب ان آیتوں کے حل کی کیا شکل ہو گی۔ پھر ام المؤمنینؓ نے ان آیات کا حل بیان فرمایا ہوگا۔ وہ کیا حل تھا اور کس حدیث میں درج ہے۔ پھر بقول حضرت شیخ المشائخ قطب العالم محدث اعظم و فقیہ افخم رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ مسلک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مثل طریقہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنے حقیقی پر حمل کر کے کہ اصل موضوع لہ ہے حدیث میں کہ شرح قرآن ہے تاویل مناسب ہے جب تک قطعی معنے حدیث پر حاصل نہ ہو جائے تو اگر یہ قاعدہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو رجوع ام المؤمنین کی صورت میں اس قانون کی کیا پوزیشن ہو گی

اور اگر یوں کہو کہ قاعدہ میں یہ ہے کہ حدیث میں تاویل اس وقت مناسب ہے جب حدیث کے معنے قطعی نہ ہوں۔ اور اگر حدیث کے معنے قطعی ہوں تب تاویل نہ کریں گے اور مانحن فیہ میں جب ان (ام المؤمنینؓ) کے نزدیک دیگر صحابہ کرامؓ کی روایات ثابت ہو گئیں جو اصل موقعہ پر موجود تھے اور وہ خود وہاں موجود نہ تھیں تو انہوں نے اپنے سابق نظریہ سے رجوع کر لیا اور اس مسئلہ میں ان کی ہمنوا ہو گئیں کیونکہ اکثریت دوسری طرف تھی" (سماع الموتیٰ ص۲۹)

تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ قرآن قطعی کے مقابلہ میں جو تواتر سے ثابت ہے چار راویوں کی روایت کو قطعیت اور تواتر کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟ جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت طبرانی میں ہے جو طبقہ ۳ ثالثہ کی کتاب ہے جس کی اکثر احادیث فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک معمول بہا نہیں بلکہ ان کے خلاف پر اجماع منعقد ہو چکا ہے تو جب تک اس کی سند ہمارے سامنے نہ ہو تو صرف باسناد صحیح کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا ہے کہ جیسے حافظ ابن حجرؒ نے دجال کی روایت کی سند کو حسن اور جید کہہ دیا تھا شاید طبرانی یا ابن حجرؒ نے یہاں بھی باسناد صحیح کہہ دیا ہو پھر چار راویوں کی روایت اگر صحیح سند سے بھی ثابت ہو جائے تو متواتر نہیں بن سکتی بلکہ خبر واحد ہی رہتی ہے جیسے حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ احادیث سماع ظنی اخبار آحاد سے ہیں۔ پھر قرآن کی قطعی آیت میں تاویل بوجہ خبر واحد کے کس طرح ہو سکتی ہے اور اس قاعدہ کے بانیہ نے اس قاعدہ کی خلاف ورزی کس طرح کی۔

اور وہ اکثریت کونسی ہے۔ بھلا جب تین سو صحابہؓ بدر میں موجود تھے پھر صرف چار ہی روایت کرتے ہیں باقی دو سو پچانوے (۲۹۵) صحابہ کی روایات کہاں اور کس کتاب میں ہیں اور یہ کیسے باور کرایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ متفرد تھیں پھر بھی ان باقی صحابہ کرامؓ کے ہمنوا ہو گئیں پھر اتنا تو کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ بنفس نفیس بدر میں نہ تھے۔ اپنے ابّاجان سے سن کر روایت فرمائی اور اسی طرح حضرت انسؓ بھی بدر میں حاضر نہ تھے حضرت ابو طلحہؓ سے سُن کر بیان فرمایا جو بدر میں حاضر تھے بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہ ص۲۹۶، سماع الموتیٰ ص۲۹۳) اب حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کس راوی سے سُن کر بیان فرمایا۔ آخر ام المؤمنینؓ بھی تو بدر میں حاضر نہ تھیں پھر آخر ان کے ذہن شریف میں ضرور سوال اٹھا ہوگا جس کا اظہار راوی کے سامنے کیا ہوگا۔ پھر راوی نے اس کا جواب دیا ہوگا۔ اس سوال جواب کا ذکر تو ضرور محدثین کرتے۔ مگر نا معلوم محدثین اس اہم سوال وجواب سے کیوں خاموش رہے۔ اگر اس سوال کا جواب ملتا ہے تو تابعین وتبع تابعین کے عہد کے بعد ہی ملتا ہے۔ پھر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جم غفیر صحابہ کرامؓ سے یہ حدیث سنی تھی تو اس وقت یہ ضرور کہا ہوگا کہ یہ حدیث خلاف قیاس ہے اس لئے صرف اپنے مورد پر بند ہے دوسرے موتیٰ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن پاک میں ہے کہ والد کی وفات کے بعد بیٹی کو نصف متاع بیویوں کو ثمن (⅛) چچا کا عصبہ ہونے کی وجہ سے بچا ہوا ترکہ لینا حدیثوں سے ثابت ہے لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال اٹھا ازواج مطہرات کے ذہن میں اٹھا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضورؐ کا فرمان پیش کر دیا اور فرمایا کیا آپؓ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث وما ترکناہ صدقۃ تو سب امہات المؤمنین نے اقرار فرمایا کہ واقعی یہ آپؐ کا ارشاد ہے اسی طرح جب نبی زادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے حضرت خلیفہ بلا فصل صدیق اکبر امام ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا پیغام بھیجا کہ جب قرآن کریم کا یہ حکم ہے تو آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ کیوں نہیں تقسیم کیا تو آپؓ نے یہی جواب دیا جو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اور صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمانؓ بن عفان وعبد الرحمٰنؓ بن عوف وزبیرؓ بن العوام وسعدؓ بن ابی وقاص وعلیؓ بن ابی طالب وعباسؓ بن عبد المطلب وعمرؓ بن الخطاب وابو ہریرہؓ وغیرہ جیسے اکابر ہستیاں موجود تھیں سب نے تسلیم کیا کہ واقعی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ان ۱۹ صحابہ وصحابیات کے علاوہ باقی صحابہ کرام بھی ان کے ہمنوا ہو گئے کیونکہ اس وقت کسی صحابی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ قرآن کے حکم کے خلاف کیوں کیا گیا۔ اور حالانکہ صحابہ کرامؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ باطل کے خلاف حق بات پر ڈٹ جاتے تھے اور کتمانِ حق نہ کرتے تھے و ...

ایسا بھی نہ تھا کہ مخفی رہے سب صحابہؓ میں مشہور تھا تو اس صورت میں باقی صحابہ کی خاموشی اس مسئلہ میں اجماع سکوتی ہے اور احادیث بھی متواترہ ہوئیں اس لئے پیغمبر کی نعات کو دیگر مورثین سے الگ سمجھا گیا اور اس پر کسی امتی کو اس حکم سے مستثنے نہیں کیا گیا۔ اگر سماع موتی کا مسئلہ بھی اسی طرح تواتر و اجماع سے ثابت ہوتا تو امت محمدیہ (علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ) میں سے کسی کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ بلکہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے جیسے حدیث عدم توریث انبیاء علیہم السلام کو تواتر سے ثابت سمجھ کر و... کے عمومی حکم سے مستثنیٰ سمجھا تھا اور اپنی سوکنوں کو تنبیہ کے طور پر فرمایا کیا تم نے یہ ارشاد نہیں سن رکھا جس پر سب نے ہی تنبیہ کے بعد اپنے اس علم کا اقرار فرمایا تھا لیکن سماع موتیٰ کی بابت ایسا تواتر قطعاً ثابت نہیں۔ بلکہ حضرت ام المؤمنینؓ کے قرآنی استدلال کے بعد صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اُن کو نہیں سمجھایا کہ اماجان قرآن مجید کی اس آیت کو آپ نے بے محل پڑھا ہے سماع موتی کے ساتھ اس آیت کا کچھ تعلق نہیں

محترم جناب مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص۲۹۲ میں لکھا وہ حضرات صحابہ کرامؓ بدستور زور شور کے ساتھ سماع موتیٰ کی حدیثیں بیان کرتے رہے کیا آپ اس کا تاریخی ثبوت دے سکتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کس سن میں پہنچی جس کے بعد ابن عمرؓ نے بدستور قرآنی استدلال سُن کر بھی حدیثیں بیان کرتے رہے اگر یہ بات ٹھیک ہے تو ہمارا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن پاک کو پس پشت نہیں ڈال سکتے تھے اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے ضرور آیت کی توجیہ کی ہوگی اب وہ توجیہ کیا تھی اور کس کتاب میں ہے محدثین کبھی کتمان حق نہیں کرتے اس لئے حضرت ابن عمرؓ کی بیان کردہ توجیہ اگر ہے تو محدثین نے ضرور بیان کی ہے پھر وہ توجیہ سن کر ام المؤمنینؓ نے تسلیم کر لیا ہوگا پھر وہ بھی قلمبند کر لیا ہوگا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ جن علماء مفسرین یا محدثین نے یہ توجیہات کی ہیں ان کی نسبت صحابہ کرامؓ کی طرف نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس فتح الباری ص۲۳۴ میں ہے اقول ...... (قال ابن عمرؓ شیئا) قال الطیبیؒ وغیرہ ظہرت لابن عمرؓ الحجۃ فسکت ۔ خلاصہ یعنی ام المؤمنینؓ کا قرآنی استدلال سُن کر حضرت ابن عمرؓ نے جواب میں کچھ بات نہ کہی۔ طیبی وغیرہ شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے سامنے قطعی دلیل ظاہر اور واضح ہو گئی تھی اسی لئے سچے دل سے تصدیق کر کے اور یقین کر کے خاموش ہو گئے۔ مگر میرے محترم نے اسے گپ سمجھ رکھا ہے۔ معاذ اللہ اگر یہ گپ ہے تو یہ گپ سب سے پہلے حافظ ابن حجرؒ نے ماری ہے والعیاذ باللہ۔

پھر فرماتے ہیں خود حضرت عائشہؓ نے انکار سماع موتی سے رجوع کر کے جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کی ہمنوا ہو گئیں اور

حضرت عائشہؓ کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو حضرت ابن ابی ملیکہ سے یوں مروی ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ مکہ مکرمہ کے قریب حبشی کے مقام پر وفات پاگئے اور ان کو اٹھا کر مکہ مکرمہ لایا گیا اور وہاں ان کو دفن کیا گیا۔ جب حضرت عائشہؓ حج کے موقعہ پر آئیں تو عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر بھی آئیں تو کہا مرثیہ کے دو شعر پڑھے جو ان کتابوں میں مذکور ہیں، پھر فرمایا بخدا اگر میں تیری وفات کے بعد حاضر ہوتی تو تو وہاں ہی دفن کیا جاتا جہاں تیری وفات ہوئی تھی اور اگر میں اس وقت موجود ہوتی تو اب تیری قبر کی زیارت کے لئے میں نہ آتی (سماع الموتیٰ ص۲۹۳)

محترم نے فرمایا ہے مجمع الزوائد ج۶ کے حوالہ سے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں

اب اس کا جواب خود محترم کے اپنے قلم سے لکھا ہوا پڑھیں جو المنہاج الواضح (راہِ سنت) ص۲۵۴ و ص۲۸۰ میں موجود ہے اس کی سند میں ابن جریج ہیں جو اگرچہ ثقہ تھے مگر تکمیل خواہش کے لئے حیلہ کے قائل تھے چنانچہ انہوں نے نوّے عورتوں سے نکاحِ متعہ کیا تھا اور اس کو جائز سمجھتے تھے (میزان الاعتدال ج ۲ ص۱۵۱) علاوہ ازیں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریجؒ موضوع، جعلی، اور من گھڑت روایات بھی نقل کر دیا کرتے تھے اور روایت لینے میں ثقہ اور غیر ثقہ کی کوئی تمیز نہیں کرتے تھے (ایضاً) ..... اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریج حاطب لیل تھے (تہذیب ج ۶ ص۴۰۴) ..... ابن جریج مشہور مدلس تھے (دیکھئے میزان الاعتدال ج ۲ ص۱۵۱ و تہذیب ج ۶ ص۴۰۶) اور امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریج قبیح التدلیس تھے ان کی تدلیس سے پرہیز کرنا ضروری ہے (تہذیب ج ۶ ص۴۰۶) اور یہ روایت مدلس ہے۔

محترم حضور! اگر بریلوی سند پیش کریں جس میں ابن جریج ہو تب تو ابن جریج مجروح ہو جاتا ہے لیکن اگر آپ خود اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے سند پیش فرمائیں جس میں بھی ابن جریج ہو تو ابن جریج ناقابل جرح ہو جائے اس کی کیا وجہ ہے اور اس میں کونسی حکمت ہے

ابراہیمؑ کا بتوں (پتھروں) سے خطاب

دوسری بات یہ ہے کہ یہ فرمائیں کہ اس میں کونسا ایسا لفظ ہے جو سماعِ موتیٰ پر دال ہے؟ کیا خطاب دلیلِ سماع ہے؟ اگر کہو کہ خطاب دلیلِ سماع ہے تو پھر مُردوں کے سماع پر کیوں زور دیا جاتا ہے بلکہ دعویٰ یوں کرو کہ جمادات سب سنتے ہیں بُت بھی سنتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فراغ الی آلہتھم فقال الا تاکلون مالکم لا تنطقون یعنی وہ بہت سے بُت جو پتھر اور لکڑی اور رانگ اور لوہے اور تانبے اور چاندی اور سونے وغیرہ سے بنے ہوئے

تھے اور بت پرست ان کے آگے حلوا پکا کر رکھ گئے تھے تاکہ یہ لوگ ان میں برکت دیدیں اور جب لوٹ آویں تو اس متبرک کھانے کو اپنے اپنے گھر لے جاویں اور سال بھر مال و دولت کی برکت سے مالا مال ہوں۔ ان بتوں کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام چل پڑے پس فرمایا کہ تم کھاتے کیوں نہیں ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں ہو۔ دیکھا یہاں بھی حضرت ابراہیم بتوں کو خطاب کرتے ہیں۔ اگر خطاب دلیل سماع ہے تو صاف کہو کہ بت بھی سنتے ہیں اور ایک کتاب "سماع الجمادات" نام کی لکھی جانی چاہئے۔

پھر فرماتے ہیں کہ اگر یہ بعض حسرت و افسوس کے طور پر خیالی رنگ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ سے خطاب ہوتا تو حضرت عائشہؓ کو ان کی قبر پر حاضر ہو کر یہ کہنے کی حاجت نہ ہوتی الخ: مخدوما حضرت ابراہیمؑ نے کیوں بت خانہ میں گھس کر بتوں کو مخاطب فرمایا اگر بت دور سے نہیں سنتے اور نزدیک سے سنتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت خانہ میں داخل ہو کر بتوں کے قریب جاکر خطاب کرنا بھی اس بات کی دلیل ہونی چاہئے کہ بت بھی دور سے نہیں سنتے پاس جاکر ان سے خطاب کریں تو وہ سن لیتے ہیں مگر نہ بولتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں۔ ورنہ ابراہیمؑ کو بت خانہ میں جاکر بتوں کے پاس حاضر ہو کر خطاب کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔ گھر بیٹھے ہی یا بت خانہ سے باہر دور ہی سے خطاب فرماتے۔ یہ خطاب بتوں کا قرب سے سننے کا واضح قرینہ ہے۔

مخدوما۔ میری یہ تقریر آپ ہی کی تقریر کا ہو بہو فوٹو ہے۔ اگر یہ میری تقریر غلط ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو خطاب کرنا بتوں کے سننے کی دلیل نہیں اور نہ ہی قریب سے سننے کا واضح قرینہ ہے تو اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنے قبر میں دفن شدہ بھائی کو خطاب کرنا بھی سماع المیت کی نہ دلیل ہے نہ واضح قرینہ۔

تیسری بات علی سبیل التنزل بیان کی جاسکتی ہے کہ جس طرح قلیب بدر کے مشرکین نے حضرت کا کلام سن لیا تھا اور یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا (جیسے مشکوٰۃ المصابیح والے نے بھی اس حدیث کو باب المعجزات میں ذکر کیا ہے) اسی طرح اگر یہ امر ثابت ہو جائے (کشف یا الہام ولی سے) کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ نے اپنی ہمشیرہ صاحبہ رضی اللہ عنہا کا کلام سن لیا تھا تو یہ ام المؤمنینؓ کی کرامت تصور ہو گی۔ لیکن کشف اور الہام غیر نبی کا چونکہ حجت قطعیہ نہیں ہے اس لئے اس مخصوص روایت نے منکر پر فتویٰ بھی نہیں لگ سکتا۔ مگر اس بات کا ثبوت ملنا بڑا مشکل ہے کہ عبدالرحمٰنؓ نے قبر میں پڑے پڑے اپنی ہمشیرہ صاحبہ رضی اللہ عنہا کی آواز سن لی ہو۔

بہرحال ترمذی ج۱ ص۱۳۶ و مصنف ابن ابی شیبہ ج۴ ص۱۴۰ اور طبرانی کبیر کی حدیث منقول در مجمع الزوائد ج۳ ص۶۰ اول تو ضعیف ہے قابل

استدلال نہیں دوسرے خطاب دلیل سماع نہیں تیسرے اگر آیت کا سماع ثابت بھی ہو جائے تو ام المومنینؓ کی کرامت تصور ہوگی۔ مگر یہ بات کسی طرح اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عدم سماع ہونے والا جو موقف تھا اس میں تبدیلی آگئی تھی اور آپؓ سماع موتیٰ کی قائل ہو گئی تھیں

حضرت امام عمرؓ کا حجر اسود کو خطاب

اسی طرح حضرت عابس بن ربیعہؓ نے دیکھا کہ حضرت امیر المومنین امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور یہ کہہ رہے تھے انی لاعلم انک لحجر ما تنفع ولا تضر ولو لا انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل ما قبلتک یقیناً مجھے خوب علم ہے کہ تو واقعی ایک پتھر ہی تو ہے۔ نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر اور اگر میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجھے بوسہ دیتے تو میں بالکل تجھے بوسہ نہ دیتا

اس مقام پر حضرت عمرؓ جو حجر اسود کو خطاب فرما رہے ہیں کیا یہ خطاب دلیل اس بات کی ہے کہ حجر اسود میں سننے کی اہلیت ہے اور وہ خطاب سن رہا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ آپ نے یہ خطاب صرف اس لئے کیا تاکہ بعض نو مسلم فتنہ میں نہ پڑ جائیں کہ شاید اس پتھر کی پوجا جائز ہے اور یہ حاجت روا مشکل کشا اور نافع و ضار ہے۔

آں حضرت صلعم کا مکہ مکرمہ کو خطاب

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ شریف سے نکلے تو مکہ شہر کو خطاب فرماتے ہیں کہ تو کیا خوب شہر ہے اور تو مجھے کس قدر محبوب اور پیارا لگتا ہے۔ اور اگر میری قوم قریش مجھے تیرے میں سے نہ نکالتی تو تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا

نیز آپؐ نے حزورہ مقام پر کھڑے ہو کر مکہ شریف کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا قسم ہے اللہ پاک کی کہ یقیناً تو خدائے پاک کی بہترین زمین ہے اور محبوب ترین زمین ہے خدائے پاک کی طرف۔ اور اگر میں تجھ سے نہ نکالا گیا ہوتا تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔

آں حضرت صلعم کا چاند کو خطاب

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ وسلم ہلال دیکھ کر یہ دعا مانگتے تھے اللھم اہلہ علینا بالامن والایمان والسلامۃ و

والاسلام۔ ربی وربک اللہ اے چاند ہم پر امن وایمان اور سلامتی واسلام کے ساتھ نکل۔ اے چاند میرا رب بھی اللہ ہے اور تیرا بھی رب اللہ ہی ہے۔ یہ چاند کو خطاب ہے۔ کیا چاند بھی سنتا دیکھتا اور سمجھتا بوجھتا ہے۔ اگر کہو کہ اتنی دُور سے چاند سن لیتا ہے جس میں شعور بظاہر معلوم نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک ٹھوس چیز ہے تو اولیائے کرام جو زمین پر ہی ہیں کوئی بریلوی کہہ دے کہ جب چاند اتنی دور سے تمہاری آواز سن لیتا ہے تو قبروں میں پیر فقیر چاند سے بھی زیادہ دُور بھی تو نہیں سن سکتے۔

آن حضرتؐ کا درختوں کو بلانا اور درختوں کا چلنا

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درختوں میں سے ایک درخت کی شاخ پکڑ کے فرمایا کہ اللہ کے حکم سے میری بات مان لے تو اس درخت نے آن حضرتؐ کا کہا اس طرح مان لیا جس طرح نکیل والا اونٹ اس کی نکیل پکڑنے والے کی اتباع کرتا ہے پھر دوسرے درخت کی شاخ پکڑ کر وہی بات کہی اس نے بھی بات مان لی جب دونوں درخت پاس پاس آگئے تو اُن سے فرمایا تم دونوں اللہ کے حکم سے مل جاؤ پھر وہ دونوں مل گئے پھر حضرتؐ نے اپنی حاجت پوری فرمائی آپؐ واپس آئے اور پھر وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ درخت سنتے دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں نہ کوئی والعیاذ باللہ کسی نبی کا معجزہ ہے اور نہ کسی ولی کی کرامت۔ حالانکہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اس واقعہ کو نبی اکرمؐ کا معجزہ سمجھتے ہیں جو خرق عادت خداوندی فعل پیغمبر کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ہمارے بعض مہربان اس کو خرق عادت نہیں سمجھتے بلکہ ہر چیز میں شعور اور ادراک کے قائل ہیں اور اس طرح اہل سنت کی صف سے نکل کر معتزلہ کی صف میں جا کھڑے ہوئے اور پھر اعتراض اہل حق پر کرتے ہیں اور اہل سنت سے خارج کہتے ہیں انہیں چاہئے کہ آپ اپنی کتاب کا نام "سماع موتیٰ" نہ رکھیں بلکہ "سماع جمادات واشجار" بلکہ "سماع کل مخلوق" نام رکھیں تاکہ اس عموم کے ضمن میں "مُردے" خود داخل ہو جائیں اور والعیاذ باللہ معجزات وکرامات کا انکار بھی واضح ہو جائے گا۔

ستون کا رونا

اسی طرح حضرتؐ مسجد کے ستون حنانہ کھجور کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر منبر بن جانے کے بعد انہوں نے منبر پر خطبہ دینا شروع کیا تو وہ ستون چلا چلا کر رو یا حتیٰ کہ پھٹنے کے قریب ہو گیا (حضرتؐ کے فراق سے)

تب آپ منبر سے اتر کر اس ستون کی طرف گئے اس ستون کو اپنے ہاتھوں سے پکڑا اور اپنے گلے سے لگایا اس کو تسلی دینے کے لئے۔ تو پھر جس طرح بچے کو چپکا کرایا جائے تو وہ آواز کرتا ہے اسی طرح وہ آواز کرنے لگا حتی کہ وہ ستون چپکا ہوا اور آرام پکڑ گیا۔

طعام اور سنگریزوں کی تسبیح

نیز صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ہم سنتے تھے کھانے کی تسبیح جب کہ کھانا کھایا جاتا تھا۔

نیز حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگریزوں کی مٹھی لی تو وہ سنگریزے حضورِ پاک کے مبارک ہاتھوں میں تسبیح پڑھنے لگے حتی کہ ہم نے بھی ان کی تسبیح سنی۔

پتھروں کا حضورؐ کو سلام

نیز حضرت امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ شریف میں تھا تو ہم مکہ شریف کے کسی جانب نکلے تو جو پتھر یا درخت آں حضرتؐ کے سامنے آتا تو کہتا السلام علیک یا رسول اللہ۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت امام علی رضی اللہ عنہ بھی وہ سلام سنتے تھے۔ تو ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مسلک ہے کہ یہ سلام کرنا پتھروں اور درختوں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔ مگر جو لوگ ہر چیز میں انسانوں جیسا شعور و ادراک ثابت کرتے ہیں ان کے نزدیک نہ یہ خرقِ عادت ہوگا اور نہ معجزۂ نبی پاکؐ اور نہ ہی کرامتِ ولی۔

درختوں کا چلنا پھرنا اور سلام کہنا

یعلی بن مرہ ثقفیؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک بڑا ؤ پر اترے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا اور آں حضرتؐ پر سایہ کیا پھر واپس اپنی جگہ چلا گیا آپؐ کے بیدار ہونے کے بعد میں نے آں حضرتؐ کے پاس درخت کے آنے اور واپس جانے کا ذکر کیا تو فرمایا کہ اس درخت نے اللہ کی بارگاہ میں مجھے سلام کہنے کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت دے دی اسی لئے وہ مجھے سلام کرنے آیا تھا۔

درخت کا حضورؐ کی دعوت قبول کر کے آنا اور واپس جانا

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ اس حال میں مغموم بیٹھے تھے کہ اہل مکہ کے کردار اور بدسلوکی کی وجہ سے خون کے ساتھ رنگین ہو رہے تھے (دندان

مبارک غزوۂ احد میں ٹوٹ گیا اور ایک زخم رخسارۂ مبارک پر پہنچا تو جبرائیلؑ نے عرض کی کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو معجزہ دکھاؤں آپ کی تسلی کیلئے دکھاؤں جو آپ کی نبوت کی نشانی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ دکھاؤ پھر حضرت جبرائیلؑ نے اپنے پیچھے سے ایک درخت کی طرف دیکھا پھر عرض کیا کہ اس درخت کو بلاؤ تو آپ نے اس درخت کو بلایا بس فوراً وہ درخت آگیا اور آپ کے سامنے تابعدار بن کر کھڑا رہا۔ پھر جبرائیلؑ نے عرض کی کہ اب آپ اس کو حکم فرما دیں کہ واپس چلا جائے پھر آپ نے اسے حکم فرمایا تب وہ درخت واپس چلا گیا پھر آپ نے فرمایا بس مجھے تسلی، رفع غم اور شدت تکلیف میں کافی ہے۔ یہ بزرگی میرے رب کی طرف سے ہے۔ حسبی حسبی

اگر ہر چیز میں ادراک اور شعور کا قول کریں تو یہ سارا واقعہ معجزہ نہ رہے گا۔ اور نہ ہی خرق عادت ہوگا۔

بکری کی زہریلی بوٹی کا بولنا

خیبر میں یہودی عورت نے زہر آلود بکری بھنی ہوئی حضورؐ کو دی تھی بکری بولی میں زہر آلود ہوں۔ امام ابوالحسن اشعریؒ اور قاضی ابوبکر باقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مردہ بکری میں اپنی قدرت کاملہ سے کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا کر دیا جیسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بارہا شجر اور حجر میں کلام اور حروف اور اصوات کو پیدا فرمایا۔ بس اسی طرح بکری کا گوشت اپنی ہی حالت اور شکل پر رہا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرت گویائی کی پیدا کر دی ؛ اور بعض متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس گوشت میں حیات اور زندگی پیدا فرمائی اور حیات کے بعد گوشت نے کلام کیا۔ اور یہ بھی امام ابوالحسن اشعری سے منقول ہے (سیرۃ المصطفیٰ ص ۲۴۰ ج ۳ بحوالہ شفا قاضی عیاض ص ۱۵۹ و مناہل الصفا ص ۳۴۳)

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریسؒ کا بیان

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اس کے بعد جب منبر تیار ہو گیا تو آپ نے منبر پر خطبہ دینا شروع کر دیا۔ تو یکبارگی صدمۂ مفارقت میں وہ ستون چلا کر رونے لگا۔ آپ منبر سے اترے اور اس کو اپنے بدن سے چمٹایا۔ سو وہ ہچکیاں لینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ستون ہمیشہ ذکر (خطبہ) سنا کرتا تھا۔ اب جو نہ سنا تو رونے لگا (بخاری شریف) قاضی عیاض اور دیگر حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ گریۂ ستون کی حدیث متواتر ہے۔ صحابہ کرام کی ایک کثیر جماعت سے مروی ہے

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حنین جذع (یعنی گریۂ ستون) کا معجزہ ہے یہ حضرت عیسیٰؑ کے احیاء موتیٰ کے معجزہ سے زیادہ بلند ہے، اس لئے کہ میت اگر زندہ ہو جائے تو اپنی حالتِ سابقہ یعنی گذشتہ حیات کی طرف لوٹ آیا بخلاف لکڑی کے کہ وہ تو جماد محض ہے۔ اس میں پہلے سے حیات کا کہیں نام و نشان نہ تھا اس کا مفارقتِ نبوی کے صدمہ والم سے رونا غایت درجہ عجیب ہے۔ امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے اسی طرح نقل فرمایا۔

اور علیٰ ہٰذا درختوں اور پہاڑوں میں سے السلام علیک یارسول اللہ کی آوازیں آنا اور آپؐ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا اور آپؐ کی مجلس میں کھانوں سے تسبیح کی آواز سنائی دینا یہ معجزات بھی احیاء موتیٰ کے معجزات سے کم نہیں؟ اور علیٰ ہٰذا درختوں کا آپؐ کے بلانے سے آجانا اور آپؐ کے اشارہ سے اپنی جگہ واپس آجانا یہ بھی احیاء موتیٰ کے معجزہ سے کم نہیں۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج ۳ ص ۱۳۱)

نیلوی کہتا ہے کہ قلیب بدر کا واقعہ بھی معجزات میں سے ہے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جیسے زہر آلود بکری بے جان اور مُردہ بکری معجزۃً بول اٹھی تھی ایسے ہی وہ بے جان مُردہ مشرکوں تک حضورؐ کی آواز پہنچ گئی، اور مردہ بے جان مشرکوں نے آپ کی آواز سن لی' جس طرح بے جان تنہ کھجور کا خطبہ حضورؐ کا سنا کرتا تھا ایسے ہی مُردہ بے جان مشرکوں نے آپ کی آواز سن لی' واقعہ بدر میں بے شک حضرت عمرؓ نے سوال کیا تھا کہ آپ بے جان دھڑوں کو کیسے سنا رہے ہیں؟ جس کا منشا یہ تھا کہ آپ کو مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں یہی سبق رٹایا جاتا رہا ہے کہ زندہ آدمی کی آواز بے جان دھڑ نہیں سنتے۔ اب اس عقیدہ دیرینہ کے خلاف دیکھ کر لازماً دل میں سوال ابھرنا چاہئے تھا اور ابھرا تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کی تردید نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ یہ کافر بے جان اور مُردہ دھڑ تم زندہ مسلمان میرے پیارے اصحاب صاحب درجات سے بھی زیادہ سن رہے ہیں جو بات میں اس وقت ان کافروں کے بے جان دھڑوں کو کہہ رہا ہوں۔ یہ بات حضورؐ کی سن کر حضرت عمرؓ کو سمجھ آگئی کہ یہ معاملہ ہی کچھ اور ہے یہ معجزہ نبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی واسطے معجزۂ حنین جذع کے موقعہ پر آپ نے سوال نہیں اٹھایا باوجودیکہ یہ معجزہ بہ نسبت سماع کفار قلیب بدر اور زیادہ تعجب انگیز تھا

اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ قلیب میں پڑے ہوئے مشرکین کے بے جان دھڑوں میں خدا تعالیٰ نے جان ڈال دی ہو اور ان کو حضورؐ کا کلام سنا دیا ہو تاکہ نادم ہو شرمندہ اور اپنے آپ کو ملامت کریں جیسے قتادہ؟

نے فرمایا ہے تو یہ مُردوں کا زندہ ہونا اور ان کا حضورؐ کی بات سننا یہ بھی معجزہ ہے

بہرحال ہم بفضلہٖ تعالیٰ معجزات انبیاء کے قائل ہیں جن میں سے قلیب بدر کے مُردہ مشرکوں کا زندہ ہوجانا یا ان مُردہ ڈھڑوں کا حضورؐ کی بات کو سن لینا بھی معجزہ ہے اب جو شخص اس بات سے قاعدہ کلیہ نکالے اور کہے ہر مُردہ سنتا ہے تو وہ اس معجزہ کا منکر ہوا اور ایسا کہا جاسکتا ہے کہ وہ اگر حنفی ہے تو ان حنفیوں میں سے ہے جن میں اعتزال والی رگ پائی جاتی ہے۔ مگر صاحب علم محققین جو دوسری طرف رجحان رکھتے تھے ان سے خطا ہوگئی ہے۔ مگر جو ضد میں آکر بغیر دلیل کے اہل حق کو معتزلوں میں شمار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا

المعترض کالاعمیٰ کے وہم کا ازالہ

ان احادیث مندرجہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ معجزہ کے لئے کفار کی طرف سے مطالبہ کا ہونا ضروری نہیں ہے جیسے بعض معترضین نے کہا ہے کہ اگر اسے (قلیب بدر والوں کا سننا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو) معجزہ تسلیم کیا جائے تو فرمائیں کہ معجزہ کس نے طلب کیا تھا ؟ قریش مکہ نے جو بھاگ گئے تھے یا مسلمانوں نے جو موجود تھے ؟ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اگر معجزہ کے لئے مطالبہ شرط ہو تو ان مندرجہ بالا معجزات کا انکار کرنا پڑے گا جیسے معتزلہ فرقہ یا زمانہ حال کے مرزائی اور پرویزی منکرِ معجزات ہیں بلکہ سرے سے قرآن کریم کے معجز ہونے کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ قرآن کریم کسی کے مطالبہ کرنے پر نہیں اترا۔

رہا یہ کہ اگر یہ معجزہ تھا تو حضرت عائشہ رضؓ نے سوال کیوں کیا اور اختلاف کیوں کیا ؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موقعہ پر حاضر نہ تھیں اس لئے ان کو اس واقعہ کا علم ہی نہیں تھا۔ جب اچانک یہ واقعہ کسی سے سنا اور اس بات کو خلاف قرآن پاک پایا تب قرآن پاک کی آیت پڑھ کر اس حدیث نبیؐ کی تاویل فرمائی محض اپنی رائے اور اجتہاد سے یہ بات نہیں جیسے بعض نے کہا ہے کہ "حضرت عائشہ رضؓ کا قول بہرحال ان کا اجتہاد ہے۔ قول رسولؐ کو حضرت عائشہ رضؓ کے اجتہاد سے رد نہیں کیا جاسکتا" آپؓ نے اگر رائے سے بات کی ہوتی تو آپؓ کبھی حدیث کو رد نہ فرماتیں کیونکہ احادیث صحیحہ کے مقابل میں قیاس مردود ہوتا ہے لہٰذا آپؓ کے استدلالِ قرآنی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آپؓ کے قول کو رائے محض اور اجتہاد سمجھنا آپؓ پر بہتان اور جلیل القدر ام المؤمنینؓ کی ہتکِ شان ہے۔

ابطالِ دعوی الخلف بان علی سماع الموتی اجماع السلف

پھر یہ کہنا کہ "سماعِ موتی پر سلف کا اجماع تھا اور اجماع خود ایک مستقل قطعی دلیل ہے" کس قدر جرأت عظیم ہے یہ لکھتے ہوئے اتنا نہ سوچا کہ کتنی بڑی ہستیوں کو کفر کے گھاٹ یا فسق کے گھاٹ اتار اجا رہا ہے۔ کیا اہل السنۃ والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ سماعِ موتی پر سلف کا اجماع تھا اگر اجماع تھا اور اجماع حجت قطعیہ ہوئی تو اُس کا منکر کافر ہوگا۔ تو ایسی صورت میں جو لوگ حضرت ام المومنینؓ کو منکرین سماع میں شمار کرتے ہیں تو اُن کی یا خود ام المومنینؓ کی پوزیشن کیا ہوگی۔

اور آپ جو اِس واقعہ کو معجزہ نہیں سمجھتے تو صاحب مشکوٰۃ نے اسے باب المعجزات میں کیوں ذکر کیا۔ اگر اس کی یہ رائے غلط تھی تو شارحین شروح میں تنبیہ فرما دیتے کہ اس حدیث کا یہ موقعہ محل نہیں ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کا تسامح ہے۔ پھر جن فقہاء نے اسے معجزہ قرار دیا ہے کیا وہ سب کے سب جھوٹے تھے اور ان کو آپ کے یہ جوابات نہ سوجھے اور آپ ان سے زیادہ علم و فقہ میں مہارت رکھتے ہیں؟

معترض کا معجزۂ نبیؐ سے انکار

پھر معترض صاحب فرماتے ہیں اگر یہ معجزہ ہوتا تو فاروق اعظمؓ کے اظہارِ حیرت کے جواب میں حضورؐ فرما دیتے کہ بات عجب تو ہے لیکن یہ کام میں بطور معجزہ کر رہا ہوں لیکن حضورؐ نے تو ما انتم باسمع لما اقول منھم فرمایا۔

جناب! جب امیر المومنین حضرت عمرؓ نے یہ عرض کیا تھا اتکلم اجسادًا لا ارواح فیھا تو آن حضرتؐ نے حضرت عمرؓ کے اس قول کی تردید نہیں فرمائی اگر حضرت عمرؓ کا یہ قول غلط ہوتا تو آپ ضرور رد فرماتے کیونکہ آپ معلم تھے اصلاح کرنا آپ کا کام تھا مگر جب تردید نہیں فرمائی تو معلوم ہوا کہ واقعی ان اجساد (دھڑوں) میں جان نہیں مگر باوجود اس کے تم سے زیادہ سن رہے ہیں۔ یہ بغیر روح کے بے جان دھڑوں کا سننا ہی تو خرقِ عادت ہے جو خدا نے پیغمبر کے ہاتھوں ظاہر فرمایا اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں اصطلاحِ اسلام میں۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب نہر الفائق نے لکھا ہے کہ سب جوابوں میں سے بہترین جواب یہی ہے کہ قلیب بدر والوں کا سننا یہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور اس معجزہ ہونے کی دلیل خود آن حضرتؐ کی اپنی معصوم زبان مبارک سے ظاہر ہونے والی عبارت ہے کہ اس حال حاضر میں جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ قلیب بدر والے

مقتول مشرک قریش سن رہے ہیں۔ بات کی تخصیص، بات کہنے والے کی تخصیص جن سے بات ہو رہی ہے ان کی تخصیص، وقت حال حاضر کی تخصیص اور خرقِ عادت سے استدلال جائز نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے جزئی سے کلی پر استدلال اور یہ برہان نہیں کہلاتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مناطقہ کے نزدیک تمثیل ہے جو استقراء کی طرح ظنی ہے اور اہل اصول اسے قیاس کہتے ہیں اور قیاس کی صحت کے لئے سات شرطیں ہیں جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مقیس علیہ مخالفِ قیاس نہ ہو، اور اگر مقیس علیہ مخالفِ قیاس ہوگا تو اس پر قیاس کرنا بسببِ فقدانِ شرط کے جائز نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مُردوں کا سننا خلافِ قیاس ہے اور خلافِ قیاس کو اپنے مورد پر بند رکھا جاتا ہے اسی لئے حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح کی وضاحت

یہاں ایک بحث سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت اور ارادہ کے بدون نہیں ہو سکتا آدمی جو کام اسبابِ عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیارِ خود کرے وُہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے' اسے براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔
مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا' یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا۔ اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا' اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا۔ باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے ورنہ اس کی مشیت کے بغیر گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ یہاں خارقِ عادۃ ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے قتل اور رمی کی نفی کر کے براہِ راست اللہ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح انک لاتسمع الموتیٰ کا مطلب سمجھو یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مُردے کو سُنا دو کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات سُنوا دے' اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سُننا ثابت ہو جائے گا اسی حد تک ہم کو سماعِ موتیٰ کا قائل ہونا پڑیگا۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت نہیں لا سکتے۔ بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلق سماع کی نفی نہیں ہوتی واللہ اعلم

ہمارا عقیدہ

تو ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ گذشتہ اوراق میں جو احادیث گذری ہیں ان میں غیر ذی روح اشیاء کا سننا
بولنا سلام کرنا رونا وغیرہ ثابت ہے وہ سب برحق ہے اور یونہی ہر چیز کے سماع وغیرہ کے ہم قائل نہیں

معجزے اور خصوصیات دلیل نہیں بن سکتے

مرقاۃ ج ۲ ص ۳۶ میں ہے "معجزات" انبیاء کرام علیہم السلام کے خصوصیات میں سے ہوتے ہیں ان سے دلیل"
پکڑنا درست نہیں" والمعجزات من خصوصیات الانبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات فلا یصح لاستدلال
فتح الباری ج ۷ ص ۲۴۳ میں ابن حجرؒ نے فرمایا ہے جب ایک واقعہ ایسا ہو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے بطور خرق عادت کے خلاف عادت سے واقع ہو تو اس سے تمسک کرنا کسی طرح اچھا نہیں
قلت اذا کان الذی وقع حینئذ من خوارق العادۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم حینئذ لم یحسن التمسک بہ فی مسئلۃ
السوال اصلاً۔ انتہیٰ کلامہ

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی رح نے فتح الملہم جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ میں لکھا ہے ان
سماع الموتی لیس داخلاً فی دائرۃ الاسباب الطبعیۃ العادیۃ یعنی مردوں کا سننا اسباب طبعیۃ
عادیۃ کے دائرہ میں داخل نہیں ہے یعنی خلافِ عادۃ ہے

اصول فقہ کے ماہرین صحۃ قیاس کی شرطیں بیان کرتے ہیں جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ
جو حکم ایک مسئلہ سے دوسرے مسئلہ میں جاری کیا جائے وہ ایسا نہو کہ عقل اس کو ادراک نہ کر سکے
کیونکہ اصل کا حکم جب عقل ادراک نہ کر سکے گی تو قیاس کو اس میں مداخلت نہ ہوگی

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ بڑے بڑے اجلہ علماء واقعہ سمع اہل قلیب بدر کو معجزہ قرار دیتے ہیں اور
صاحب مشکوٰۃ نے بھی باب المعجزات میں یہ حدیث ذکر کی ہے اور معجزہ کی تعریف یہی ہے امر ظہیر بخلاف
العادۃ علی ید مدعی النبوۃ مدعی نبوت کے ہاتھوں خلاف عادت جو امر ظہور پذیر ہو وہ معجزہ ہے
پس واقعہ قلیب بدر معجزہ و خرق عادت ہوا اب اس واقعہ پر دوسرے اموات کا قیاس کرنا بے اصل ہے؟

اصل مبرسرِ مطلب

پانچویں بات یہ ہے کہ اس حدیث میں کئی احتمالات ہیں اور یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے اور عقیدہ قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے نہ ظنیات سے اور نہ احتمالات سے

چھٹی بات یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو نص قرآنی کے خلاف ہے اور نص قرآنی قطعی ہوتی ہے جس میں کسی قسم کا شک، تردد اور احتمال نہیں ہو سکتا۔ تو ظنی اس کے خلاف خود ہی ساقط ہے

ساتویں بات یہ ہے کہ یہی حدیث جو اصحاب صحاح نے بیان کی ہے اس کے مخالف ہے۔ وہ دوسری حدیث تو لائے ہیں جس میں حضرت عائشہ صدیقہ کا سماع موتیٰ سے انکار ذکر ہے مگر اس حدیث کو انہوں نے اپنی صحاح میں درج نہیں کیا۔ تو اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس حدیث میں کوئی ایسی خرابی ضرور ہے جو انہیں درج کرنے سے مانع بنی

آٹھویں بات یہ ہے کہ اسناد جید کہدینا اس حدیث کی صحت اور جودت کی دلیل نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سند منقطع یا شاذ ہو یا اس میں کوئی اور سقم ہو دیکھو صیانۃ الانسان ص ۳۵۲۔

نیز کئی ایسی حدیثیں ہوتی ہیں جن کو بعض حفاظ صحیح یا جید کہہ دیتے ہیں لیکن جب گہری نظر سے دیکھا جاتا ہے اور خوب اس کی تحقیق کی جاتی ہے تو فی الواقع نہ وہ صحیح ہوتی ہے اور نہ جید

نویں وجہ یہ ہے کہ اگر سچ مچ آپ کا رجوع ہوتا تو اس کا علم صرف محمد بن اسحٰق واحد و ابن عمر تک محدود نہ ہوتا بلکہ تمام محدثین و فقہاء و متکلمین میں یہ بات شائع ذائع ہوتی۔ مگر اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ تمام علماء و فقہاء محدثین و متکلمین یہی لکھتے چلے آئے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذہب عدم سماع اموات ہے چنانچہ حضرت بدرالدین محمود عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۲۰۲ ج ۸ میں فرمایا ہے مذہبہا ان اہل القبور یعلمون ما سمعوا قبل الموت ولا یسمعون بعد الموت یعنی مرنے سے پہلے وہ عظیمین سے جو سن رکھا تھا کہ مرنے کے بعد اچھے برے اعمال کا بدلہ ملنا شروع ہو جاتا ہے اس کو قبروں والے خوب جان رہے ہیں پہلے انہیں یقین نہ آتا تھا اور اب ان قبروں والوں کو عین الیقین اور حق الیقین ہو رہا ہے لیکن

مرنے کے بعد دنیا والوں کی کوئی بات نہیں سنتے۔ یہی مذہب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا۔ اسی طرح سفارینی نے بحور الزاخرہ میں اور قاضی ابو یعلی حنبلی نے جامع کبیر میں اور حضرت شیخ شیخی رشید احمد الگنگوہی نے الکوکب الدری وغیرہ میں اور کرمانی نے اور ابن حجر نے فتح الباری میں اسی طرح دیگر بڑے بڑے جید فقہاء و محدثین و مفسرین نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب بتایا ہے۔ اسی طرح داؤد بن سلیمان البغدادی نے المنحۃ الوھبیہ میں جیسے سماع الموتی ص۲۲۳ میں ہے

اب اگر کسی اِکّے دُکّے عالم نے اپنی فہم کے مطابق حضرت ام المومنین کی طرف رجوع کی نسبت کر بھی دی ہے تو ان کا قول ان اجلہ علماء کے مقابلہ میں مرجوح و مطروح ہے خصوصاً جب کہ اس پر صحیح دلیل بھی قائم نہ ہو اور جو دلیل کہیں سے مل بھی گئی ہے تو وہ بھی معرضِ شک میں ہے جس پر کانہا کا لفظ دال ہے دوسرے اس حدیث کے محفوظ ہونے میں خود مستدل کو تردد ہے جیسے اس نے "ان کان محفوظاً" بایراد لفظ اِنْ کہا تیسرے اس کا راوی محمد بن اسحٰق ہے جس کے متعلق خود محترم کا وسیع عریض بیان احسن الکلام میں موجود ہے چوتھے اس کا استاذ یونس بن بکیر ہے وہ بھی ضعیف ہے اب ایسی حدیث کو اسناد جید سے تعبیر کرنا ابنِ حجر صاحبؒ کا کیونکر قبول کر لیا گیا ہے اور اس سند کو جید یا حسن کہنا کیونکر قرینِ قیاس ہو گیا جیسے میرے محترم و مکرم مخدوم نے سماع الموتیٰ صفحہ ۲۸۹ میں زیب رقم فرمایا۔

پھر یہ کہنا کہ ابو طلحہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کیسے باور کرایا جاتا ہے جب کہ ان کی سند کے بیان سے اغماض کیا گیا ہے۔ حالانکہ جس کے راوی ایک دو بیان کر کے اسناد جید بتایا وہ بھی خلاف واقع ہے تو جس کے راوی ہی سرے سے بیان نہیں ان پر صحت کا یقین کیونکر کیا جائے خصوصاً جب کہ وہ روایات بھی طبقہ رابعہ کی کتب سے ماخوذ ہیں اور میرے محترم بریلویہ کے جواب میں یہ قاعدہ علی العموم استعمال فرماتے ہیں

جواب نمبر ۶ از قتادہؒ

صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۶ و مشکوٰۃ ص ۳۴۵ میں امام تابعی قتادہؒ نے قلیب بدر والی حدیث کی جو توجیہ کی ہے وہ یہ ہے احیاھم اللہ حتی اسمعھم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم توبیخا و تصغیرا و نقمۃ و حسرۃ و ندما

اس سے صاف معلوم ہوا کہ بے جان مردے نہیں سنتے حضرت قتادہ کا یہی مذہب تھا ورنہ اس توجیہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں کہ اللہ نے ان کی سرزنش کرنے کے لئے ان کے دھڑوں میں روح ڈال کر زندہ کر دیا تب انہوں نے حضرت ﷺ کی بات سنی اور اپنے دنیا کے بداعمالیوں پہ نادم ہوئے۔ اسی طرح مسلم ج ۲ ص ۳۸۷ و مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۴ و ۱۴۵ میں ہے

سوال

قتادہؒ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ وہ فن حدیث میں الحافظ اور العلامہ تھے (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۵ ج ۱) لیکن اس کے ساتھ قدری یعنی منکر تقدیر بھی تھے ..... وہ برملا اپنا یہ ردی عقیدہ بیان کیا کرتے تھے (ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷ ج ۱) یحییٰ بن سعید ان کو جو قدری کا بدعتی کہتے تھے ..... اور یہ بدعتی فرقہ معتزلہ ہی کی ایک شاخ ہے (اسماع الموتی ص ۲۱۲)

جواب

نیلوی کہتا ہے کہ قتادہ مرکزی راوی کا قول تو قدری ہونے کے باعث مردود ہو گیا تو آپ کے اپنے قاعدہ "محل تعمیم ہے کے مطابق" امام بخاریؒ نے قتادہ کا قول نقل فرمایا پھر اس کی تردید نہیں فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ قتادہؒ کے قول کو تسلیم فرماتے ہیں کہ میت من حیث ہو میت نہیں سنتا مگر جب اس کو زندہ کیا جائے تب سنتا ہے لہٰذا یہاں قلیب بدر والے مشرکین نے جو سنا تھا اس کی صورت یہی تھی کہ ان کو زندہ کیا گیا تھا پھر سوال ہو سکتا تھا کہ ان کو زندہ کس وجہ سے کیا گیا تو اس کا جواب دیا کہ ان کفار کو سرزنش اور ملامت کرنے کے لئے عار دلانے کے لئے ذلیل کرنے اور سزا دینے کے لئے اور اس لئے تاکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ ماننے پر افسوس ہو اور پشیمان ہوں۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی ان کے زندہ کرنے کی

اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام قتادہؒ نے جب یہ حدیث سنائی ہوگی تو یہ سمجھا کہ اس حدیث کو سن کر لوگوں کے ذہن میں اشکال پیدا ہونے کا مقام ہے کہ مردوں نے کیسے سن لیا تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے یہ تشریح فرمائی اور یہ تشریح امام

بخاری کو پسند آئی اس لئے اسے نقل فرمادیا اور اس کو من جملہ معجزات کے شمار کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو باب المعجزات میں لائے ہیں۔

اگر یہ توجیہ قتادہؒ کی صحیح نہ تھی تو امام بخاریؒ نے اس توجیہ کو اپنی صحیح میں جگہ کیوں دی

اگر قتادہ کا قول اس لئے مردود ہے کہ قدری بدعتی تھا تو خنق نعال والی حدیث بھی آپ کو رد کرنی چاہئے کیونکہ اس حدیث کو روایت کرنے والا عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ ہے جو شیعہ ہے (شیعہ بصری) اور قتادہؒ تو پھر بھی تابعی ہیں خیر القرون میں اور صحابہؓ کے تلمیذ ہیں عبدالاعلیٰ تو پیچھے کا راوی ہے اور یہ وہی ہے جس نے یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چارپائی کے نیچے قرآن پاک کا صحیفہ رکھا تھا جس میں رجم کی آیت اور بالغ کا دس گھونٹ عورت کا دودھ پینے کا ذکر تھا ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کی وجہ سے مصروف رہے ادھر سے بکری آکر کھا گئی (ابن ماجہ ص۱۴۱) شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے اپنے اصول ص۷۹ج۲ و ص۸۰ج۲ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ حدیث صحت کے قریب ہی نہیں گزری اور اس حدیث کی کوئی اصل ہی نہیں اور عقل بھی نہیں مانتی کیونکہ جن پتوں پر یہ آیتیں لکھی تھیں فرض کرلو کہ وہ آیتیں بکری چن چن کر کھا گئی مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جن حافظان وحاملان قرآن کے دلوں میں اور صدور میں قرآن کی یہ آیتیں محفوظ تھیں انہیں کونسی بکری کھا گئی اور کیسے کھا گئی نیز اگر وہ پتے بکری کھا گئی تو دوسرے صحابہؓ کے پاس جو لکھت تھی اسے کون کھا گیا

علامہ نسفیؒ نے مدارک التنزیل ص۳۰۰ج۳ میں سورۂ احزاب کی تفسیر کی ابتداء میں لکھا ہے کہ یہ روایت ملحد بے دینوں اور روافض کی جوڑی ہوئی ہے اور اصول بزدوی کی شرح کشف الاسرار میں بھی اسی طرح لکھا ہے

عبدالاعلیٰ کو ابن معینؒ نے ثقہ کہا مگر محمد بن سعد نے کہا قوی نہیں۔ احمد بن حنبل نے کہا یہ بھی تقدیر کا منکر تھا اور بزار نے کہا مجھے اس سے اتنا بھی علم نہیں کہ اس کی کونسی ٹانگ لمبی ہے (میزان ص۹۰ج۲) بعض نے اس کی کنیت ابن شرحبیل بتائی ہے قرشی بصری سامی (سین مہملہ کے ساتھ) ہے بنی سامۃ بن لوی میں سے ہے (تہذیب التہذیب ج۶ ص۹۶) اور رجال کشی ص۲۶۴ میں ہے کہ عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام ہے ابوعبداللہ جعفر صادقؒ (ابن محمد باقرؒ بن علی زین العابدینؒ بن حسینؒ بن علیؓ بن ابی طالب) کا تلمیذ (شاگرد) ہے۔ اور آل سام کوفہ کے خاندانوں میں سے ایک خاندان ہے یا کوئی گروہ (طائفہ) ہے عرب قبیلہ سے نہیں۔ کذا فی تنقیح المقال ص۱۳۲ج۲ (شیعہ علماء کا اپنے رجال پر بہ مذاکرہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رجال شیعہ میں سے ہے اسی نے وہ روایت بیان کی ہے کہ قرآنی آیات بکری کھا گئی تھی (ابن ماجہ ص۱۴۱)

پھر اسی حدیث میں ایک راوی سعید بن ابی عروبہ ہیں امام اہل بدعت ان کے متعلق بھی کہا گیا ہے کہ تقدیر کے منکر تھے۔ نیز آخر عمر میں ان میں تبدیلی آچکی تھی۔ نیز مدلس بھی تھے۔

غرضیکہ یہ تینوں استاذ شاگرد (عبد الاعلیٰ۔ سعید بن ابی عروبہ۔ قتادہ بن دعامہ) مرکزی راوی ہیں اور تینوں تقدیر کے منکر ہیں۔ جب قتادہ کی تفسیر اور توجیہ حجت نہیں ہو سکتی (سماع موتیٰ ص۲۱۳) تو ان کی روایت کیسے حجت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ اگر ان کی روایت قابل احتجاج ہے تو ان کی تفسیر بھی ماننی چاہیے جب کہ امام اہل سنت امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں جگہ دے رہے ہیں اور پھر اس کی تردید بھی نہیں کرتے اور پھر معتمد علیہ محدث آپ کا امام بیہقیؒ بھی قتادہ کی توجیہ کو ہی اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں والجواب من الآیۃ انہ لا یسمعہم وہم موتی ولکن اللہ تعالیٰ احیاہم حتی سمعوا کما قال قتادۃ خود محترم جناب مولانا صاحب نے فتح الباری ص۲۰۳ ج۳ کے حوالہ سے سماع الموتیٰ ص۲۸۵ میں نقل فرمایا ہے جس کے معنے خود اس طرح کرتے ہیں آیت کریمہ کا یہ جواب بھی ("یہ بھی" اپنی طرف سے بڑھایا کسی لفظ کا ترجمہ نہیں) دیا گیا ہے کہ اس حالت میں وہ نہیں سنتے جب وہ مردہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا حتی کہ انہوں نے آپؐ کا کلام سنا جیسا کہ قتادہؒ کی روایت میں ہے۔ پھر امام بیہقیؒ نے بھی قول قتادہؒ کی تردید نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بیہقیؒ کا نقل کرنا قتادہ کے قول کی تصحیح ہوگی جیسے بخاریؒ کا نقل کرنا قتادہ کے قول کی تصحیح تھی۔

اب آپ کا قتادہ کو قدری کہہ کر رد کرنا کس طرح درست ہے جب کہ آپ نے خود بھی قول قتادہ کی تصویب ص۲۸۵ پر فرمائی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ص۲۱۳ پر قتادہ کی تفسیر اور توجیہ کی تردید فرمائی اور ص۲۸۹ میں اعادۂ روح کے عموم میں قول قتادہ کو داخل فرما رہے ہیں جب کہ ص۲۱۳ میں فرما دیا کہ معتزلہ روافض اور خوارج وغیرہ کا حیوٰۃ فی القبر کے بارے میں اہل السنت والجماعت سے پہلے ہی اختلاف ہے۔

الغرض ص۲۱۳ و ص۲۸۹ کا ابہام جو کہ نہیں ص۲۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ حیات فی القبر کے قائل ہیں اور قتادہؒ قدری حیات فی القبر کا منکر ہے پھر ص۲۸۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ قتادہ کہتے ہیں کہ مردہ ہونے کی حالت میں تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں سنا سکتے البتہ قلیب بدر والوں کو اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی زندہ کر دیا تھا جیسے اور عام موتی کے جسموں میں روح لوٹا کر ان کو زندہ کیا جاتا ہے اس لئے انہوں نے بھی سن لیا ان کا سننا کوئی انوکھی بات نہیں ہے نہ کوئی خصوصیت ہے قلیب والوں کی سننے میں اور نہ ہی کوئی نبی کا معجزہ ہے۔ بہرحال قتادہؒ حیات فی القبر کے قائل ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں

(وہ سوچیگا کہ)
کہ جو آپ کی یہ کتاب پڑھے گا کہ میں کس چکر میں پڑ گیا ہوں۔ کبھی کہتے ہیں قتادہؒ حیات فی القبر کے قائل ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ قتادہ حیات فی القبر کے منکر ہیں۔

پھر جس ابن اسحٰق کے کذاب دجال ہونے پر احسن الکلام میں بڑا زور دیا ہے اسی کے ذریعے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی حضرت عمرؓ و ابوطلحہؓ کے ہمنوا بتاتے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کو تسلیم فرمایا پھر آگے بیان بھی کیا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اول تو اس کا راوی محمد بن اسحٰق کذاب دجال کے علاوہ یونس بن بکیر بھی ہے جسے ابو داؤد حجت نہیں مانتا نسائی نے کہا قوی نہیں کبھی کہا ضعیف ہے۔ ساجی نے کہا کہ ابن المدینی اس سے حدیث لے کر بیان نہ کرتا تھا کیونکہ یہ حدیث میں نرم ہے ساجی نے کہا اس کا عقیدہ ارجاء کا مبتدع تھا (تہذیب التہذیب ص ۴۳۵ و ص ۴۳۶)

مولانا نے ایک کذاب کی تائید میں اعتقادیات میں ضعیف اور مبتدع کا سہارا لیا

جواب نمبر ۲ آیت کریمہ سے حدیث منسوخ ہو گئی

امام سیوطیؒ نے درمنثور میں ابوسہل سری بن سہل جندید نیشاپوری کی کتاب میں سے اس کی پانچویں حدیث کا حوالہ دے کر لکھا ہے جو عبد القدوس کے طریق سے مروی ہے کہ ابو صالح انک لاتسمع الموتیٰ اور ما انت بسمع من فی القبور کا شان نزول رأس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے غزوہ میں مشرک مقتولوں کے کنوئیں پر آکھڑے ہوئے تھے جس میں ان کی لاشوں کو پھینک دیا گیا تھا اور فرمانے لگے کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا اب تو تم نے اس وعدہ کو سچ مچ پالیا ہوگا؟ اے فلاں کے بیٹے فلاں۔ اے فلاں کے بیٹے فلاں!! کیا تو نے اپنے رب کے ساتھ کفر نہ کیا۔ کیا تو نے اپنے نبی کی تکذیب نہیں کی۔ کیا تو نے قطع رحمی نہیں کی یہ سن کر حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ جو کچھ فرما رہے ہیں یہ بے روح کے دھڑ سن رہے ہیں؟ آپؐ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا کہ جو بات میں ان سے کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی انک لاتسمع الموتیٰ نیز یہ نازل فرمایا و ما انت بمسمع من فی القبور

اس کے بعد پھر اس بات کا کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرے ہوئے کفار اور مشرکین کو خطاب کیا ہو حالانکہ غزوۂ بدر کے بعد کثرت کے ساتھ غزوات ہوئے

جواب نمبر ۸ اصولِ فقہ کا اصلِ عظیم

پہلے اصول فقہ میں مصرح ہے کہ عام غیر مخصوص منہ البعض قطعی ہوتا ہے (عند الحنفیہ) اگر اس عام میں تخصیص بعض کریں تو اول بات یہ ہے کہ کسی بندہ کو تخصیص کرنے کا حق ہی نہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بذریعہ وحی ہی تخصیص فرماتے تھے جیسے آپ نے فرمایا حرم کا کوئی گھاس نہ کاٹا جائے تو حضرت عباسؓ نے عرض کی اذخر کا استثناء، دو تین دفعہ آپ نے وہی پہلا حکم فرمایا اور حضرت عباسؓ استثناء کا مطالبہ کرتے رہے اس کے بعد اذخر کے استثناء کی وحی آگئی تب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی اتباع میں اذخر کو مستثنیٰ فرمایا۔ جب آپ بھی بغیر وحی کے تخصیص نہ فرماتے تھے دوسرے کو حق کیسے پہنچ سکتا ہے کہ اپنی طرف سے عام کو خاص کرے۔ کیونکہ عام کو خاص کرنے سے حکم کتاب اللہ میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے یعنی پہلے عام غیر مخصوص منہ البعض قطعی تھا۔ پھر تخصیص کرنے کے بعد وہ عام مخصوص منہ البعض بن گیا اور عام مخصوص منہ البعض ظنی بن جاتا ہے۔ اب وہ عام قطعیت سے نکل کر ظنیت میں بدل گیا۔

قرآن کریم میں جو عام غیر مخصوص منہ البعض ہو تو اس کو خبر واحد کے ذریعے بھی مخصوص نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ بظاہر خبر واحد کتاب اللہ کے عام غیر مخصوص منہ البعض کے معارض واقع ہوئی ہے تو خبر واحد کی ایسی توجیہ کریں گے جس سے عام کتاب اللہ بھی اپنے عموم پر قائم رہے اور خبر واحد بھی اپنی جگہ مسلّم رہے اور اگر ایسی کوئی توجیہ خبر واحد میں نہیں ہو سکتی تو بادلِ ناخواستہ حدیث کو یہ کہہ کر ترک کر دیں گے کہ کسی راوی کا وہم یا فہم ہے جو عام کتاب اللہ کے خلاف ہم پر حجت نہیں۔ یہ ہے ہم حنفیہ کا اصول اور قاعدہ اور یہی قاعدہ حضرت عائشہؓ کے طرز عمل سے مستنبط کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کو اپنی حالت پر رکھا اور لیعذب کا لفظ جو حضرت ابن عمرؓ نے حضورؐ سے نقل کیا تھا اس کو وہم پر حمل فرمایا۔

البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کا اصول اور ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی عام قطعی نہیں بلکہ ہر عام میں تخصیص کا احتمال ہے۔ اسی لئے وہ خبر واحد کے ذریعے بھی عام کتاب اللہ کی تخصیص کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اس تخصیص سے حکم عام کتاب بعینہ کسی طرح کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہوتا کیونکہ خبر واحد سے پہلے جس طرح عام کتاب اللہ ظنی تھا اور اب خبر واحد

کے ذریعے تخصیص کرنے سے بھی ظنی کا ظنی ہی رہا۔ اس اصول کے تحت امام شافعی یہاں بھی اس عام کتاب اللہ
کو خبر واحد کے ذریعے مخصوص فرماتے ہیں۔ اسی لئے وہ قرب سے اہل قبور کے سننے کے قائل ہیں اور یہی مسلک
ان کے شاگرد امام احمد بن محمد بن حنبلؒ کا ہے۔ جب عام اموات کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہوا تو انبیاء کرام علیہم السلام
کے بارے تو بطریق اولیٰ یہی عقیدہ ہوگا۔ مگر حنفیہ کا اصول اس تخصیص کی اجازت نہیں دیتا۔

صاحب فتح البیان

فتح البیان والے نے کہا کہ سماع موتی کی نفی کے ظاہر سے تو عموم معلوم ہوتا ہے تو اس عموم سے خاص ہو گی گروہ مرتد
جو حدیث میں وارد ہے جیسے حدیث میں بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے کفار مقتولین کو خطاب
فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر جواب دیا کہ تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ اور نیز مروی ہے کہ مردہ ان لوگوں کی
جوتیوں کی آواز سنتا ہے جو اُن کو دفن کر کے واپس ہوتے ہیں۔" فتح ج ۳ ص ۴۹ ترجمہ قرآن از عبد الستار دہلوی محشی علیہ تفہیم)

اصول فقہ کا ایک دوسرا اصول

جو لوگ آیت میں وارد لفظ الذین سے بُت مراد لیتے ہیں تو حقیقت قاصرہ بنی اور حقیقۃ
قاصرہ مجاز کی طرح ہے جو بغیر قرینہ صارفہ کے مراد نہیں لی جا سکتی۔

اصول فقہ کا ایک تیسرا اصول

اصول کا ایک مشہور قاعدہ ہے العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب اس قاعدہ کے تحت بھی یہ آیات قرآنیہ اگرچہ
علی سبیل التنزل تسلیم کرلیں کہ بتوں کے بارے نازل ہوئی ہیں لفظ کے عموم کی وجہ سے بتوں کے علاوہ سب اموات
انبیاء، اولیاء، صلحاء، زہاد، شہداء وغیرہ کو شامل ہیں جیسے شان نزول ایک مُظاہر کے لئے تھا لیکن الذین یظاہرون فرما کر
قیامت تک ظہار کرنے والوں کے لئے حکم نازل فرمایا علی ہذا القیاس یہاں بھی والذین تدعون من دون اللہ الآیۃ
فرما کر سب کو داخل فرما دیا

اصول فقہ کا ایک چوتھا اصول

جو لوگ قرآن پاک کے ہوتے ہوئے یہ حدیث پیش کرتے ہیں تو انہیں علم ہے کہ یہ حدیث
خبر واحد ہے اور خبر واحد کے بارے خود محترم مولانا نے دل کا سرور ص ۱۳۱ میں کہا قرآن کریم کے مقابلہ

میں خبر واحد کا پیش کرنا بالکل ناجائز ہے اور اگر اخبار متواترہ ہیں تو آیت قرآنی ان کی وجہ سے منسوخ ہوئی یا مؤول اگر مؤول ہے تو حنفیہ کے قاعدہ کے مطابق احادیث کے ذریعے قرآن کی تاویل کر سکتے ہیں اگر منسوخ ہے تو نسخ کا قول کس مجتہد نے کیا ہے؟ النسخ اجتہاد سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ مجتہد واقعات کو دیکھ کر نسخ کا قول کرتا ہے۔

اصول فقہ کا پانچواں اصول

دسویں حدیث قلیب بیان واقعۂ حال ہے اور اس کو دلیل میں پیش نہیں کر سکتے خود بریلویوں کے پیشوا نے بھی ایک مقام پر اس امر کو تسلیم کیا ہے

پھر اس واقعہ پر باقی اموات کو کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے جس طرح دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پڑھایا تھا حضرت عائشہ صدیقہ رض نے اسی واقعہ کو سامنے رکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد میں پڑھنے کا مطالبہ کیا اور اس کو سب صحابہؓ نے مستنکر سمجھا اور مسجد میں جنازہ نہیں پڑھا کیونکہ وہ واقعۂ حال تھا

ایک سوال اور اس کا جواب

سوال ظاہر ہے آیت شریفہ کا منطوق اگر مطلق سماع موتیٰ ہوتا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز مؤکد بقسم کر کے نہ فرماتے والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منہم۔ کیا حضور خلاف قرآن شریف فرماتے معاذ اللہ من ذلک۔ یہ آیات تو مکیہ ہیں اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا بعد ہجرت کے ہے

جواب اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غیر مقلد صاحب کہیں اذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا مکی آیۃ ہے جسے مقتدیوں کی قرات کی ممانعت میں حنفی لوگ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں اگر اس کا مطلب فاتحہ خلف الامام ہوتا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جا کر لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فرما کر قراءۃ فاتحہ کو فرض کیوں فرماتے۔ کیا آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کا مطلب نہیں سمجھتے تھے والعیاذ باللہ۔ کیا آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلاف قرآن شریف فرماتے والعیاذ باللہ۔ نیز صحابہ کرامؓ کو آیت معلوم تھی اس لئے آپؐ نے قسم کھائی تاکہ صحابہؓ معجزہ سمجھیں

سے تسہیل و تسہیل نبی ہیجا [illegible]

دراصل قرآن مجید انک لا تسمع الموتی اور ما انت بمسمع من فی القبور میں عادت اور تشریع کا انکار کیا گیا ہے نہ خرقِ عادت اور معجزہ کا بطلان۔ اور قصہ بدر کو فقہائے حنفیہ معجزہ فرماتے ہیں۔ جیسے بعض کفار اور ان کے دلوں کو پتھروں سے تشبیہ دی ہے (ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ) تو اس کا یہی مطلب ہے کہ کفار پتھر کی طرح حق کی جانب سے سخت اعراض کرنے والے ہیں۔ اس آیت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا کہ اعجازاً پتھروں میں حیات نہیں ہو سکتا بلکہ بنابت تاکید سے فرمایا انی لاعرف حجرا بمکۃ کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لاعرفہ الآن۔

رواہ مسلم فی صحیحہ

تو اب آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ پتھر عام طور سے ناقابل ہوتے ہیں اسی طرح کفار کے دل ناقابلِ حق ہیں مگر بعض پتھر بطور اعجاز کے آپ کو سلام کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ اعجاز کا انکار آیت سے نہیں نکلتا۔ بالکل اسی طرح آیت انک لا تسمع الموتی اور ما انت بمسمع من فی القبور سے اعجاز کا انکار نہیں نکل سکتا۔

جواب نمبر ۹ زندوں کو نصیحت مقصود تھی نہ مُردوں کو سنانا

فتح القدیر ج ا ص ۳۳۶ و ۳۳۷ میں حضرت محمد (باقر) ابن علی (زین العابدین رح) ابن حسین ابن علی رض بن ابی طالب سے جواب منقول ہے کہ غزوۂ بدر میں آں حضرت م نے جو قلیب بدر میں پھینکے ہوئے مشرکین مقتولین سے خطاب فرمایا تھا اس خطاب سے آپ کا مقصد مقتولین موتی کو سنانا نہ تھا؟ مقصد آپ کے خطاب کا زندوں کو سمجھانا تھا اور وعظ و نصیحت۔ (آپ کا یہ مفہوم بتانا دال ہے کہ محمد باقر رح سماع موتی کے منکر تھے)

جواب نمبر ۱۰ موافقاتِ عمر رض نبی کریم کا عمر رض کی رائے پر تنقید نہ فرمانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اتکلم اجساداً لا ارواح فیہا پھر قرآن کریم کی آیۂ کریمہ بھی تلاوت کی (یا رسول اللہ آپ ایسے جسموں سے گفتگو فرماتے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں۔ بھلا یہ بے جان دھڑ سن رہے ہیں بے جان دھڑ کبھی نہیں سنتے) اللہ عز و جل نے بھی قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ تو حضرت عمر رض کی یہ مدلل بات سن کر آنحضرت م نے اس کا رد نہ فرمایا اور یوں نہ فرمایا کہ اے عمر! ایسا نہ کہو کہ ان جسموں میں روح نہیں۔ بلکہ روحیں ان جسموں میں واپس آ گئیں

یوں نہیں فرمایا کہ اے عمر! یوں نہ کہو کہ ان جسموں میں روحیں نہیں بلکہ روحیں ان جسموں میں واپس لوٹا دی گئی ہیں۔ بلکہ حضرت عمرؓ کے جواب میں فرمایا بخدا یہ اجساد جس قدر میری اس وقت کی بات سن سکتے ہیں تم ان سے زیادہ نہیں سُن رہے لیکن ان بے روح جسموں کو جواب دینے کی ہمت نہیں۔ اس حدیث سے تو بغیر روح کے صرف جسموں کے سننے کا ذکر ہے جو معجزۂ نبیؐ ہی ہو سکتا ہے جیسے استن حنانہ، پتھروں کا سلام، درختوں کا چلنا، حضرتؐ کی زجر سن کر پہاڑ کا حرکت چھوڑ دینا اور جانوروں کا حضرتؐ کے آگے ذبح ہونے کیلئے گردنیں رکھ دینا وغیرہ اور معجزہ دلیل نہیں بن سکتا۔

خُلاصہ بحث

حدیثِ قلیب بدر

یہ حدیث خبر واحد ہے اور اس کی مراد میں علماء نے کئی احتمال نکالے ہیں

۱ یہ واقعہ حال ہے صرف قلیب بدر والوں کے ساتھ مخصوص ہے، عام مُردوں کے لئے نہیں یہ جواب بازری کا ہے

۲ یہ معجزہ ہے اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ یہ جواب الاکمل نے دیا ہے۔

۳ آپ نے یہ گفتگو مُردوں کو سمجھانے کے لئے نہیں کی بلکہ زندوں کے لئے وعظ اور نصیحت کے طور پر گفتگو فرمائی ہے۔ یہ جواب حضرت محمدؒ بن علی بن حسینؓ الباقرؒ سے منقول ہے دفتح القدیر ص۱۳۶ ج۱ و ص۱۳۷ ج۱

۴ اللہ نے ان میں روح ڈال دی یہ جواب زرکشیؒ نے شرح بخاری ص۲۳۵ ج۲ میں دیا اور یحیٰی بوحیثہ مرحباًاللہ عیاض علیؒ (بخاری) ص۵۹۹

۵ معنًی یہ حدیث ثابت نہیں بلکہ مؤول اور ظاہر سے پھیری ہوئی ہے یعنی سمع بمعنے علم ہے یہ جواب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے

۶ لا یسمعوا دعاءکم (مُردے تمہاری پکار نہیں سنتے) ایک عام ہے قلیب بدر والی حدیث اس عام کی مخصص ہے۔ یہ جواب قرطبی اور صاحب بہجۃ المحافل نے دیا۔ یہ جواب شافعیہ کا اپنے اصول کے مطابق ہے کیونکہ شافعیہ کا اصول ہے اِنْ مِنْ عَامٍّ اِلَّا وَ قَدْ خُصِّصَ مِنْهُ الْبَعْضُ یعنی ہر عام میں سے کوئی نہ کوئی مخصوص ضرور ہوتا ہے اسی لئے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عام قطعی نہیں ہوتا بلکہ ہر عام ظنی ہوتا ہے خواہ مخصوص منہ البعض ہو یا غیر مخصوص منہ البعض

۷ یہ حدیث قرآن شریف کی آیت وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کے نازل ہونے کے ساتھ منسوخ ہوگئی
یہ جواب علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے
۸ منکر و نکیر کے سوال کے وقت جب جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے‘ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس وقت کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب ہے کہ سوال ہو چکنے کے بعد نہ روح جسم میں ہوتی ہے اور نہ ہی سنتی ہے

دیکھ لو اس ایک حدیث کی علماء کرام نے کتنی توجیہیں کیں اور کتنے احتمالات نکالے اور اصول کا قاعدہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ایک احتمال بھی استدلال کو باطل کر دیتا ہے اور یہاں تو کئی احتمالات ہیں تو پھر قائلین سماع اس حدیث سے کیونکر استدلال کر سکتے ہیں (یاد رہے کہ قائلین سماع نے اپنے زعم میں آیۃ کریمہ سے استدلال اسی لیے ترک کیا تھا کہ آیۃ اپنے معنے میں نص نہیں بلکہ محتمل ہے اور حدیث سے استدلال کر لیا جس میں آٹھ احتمال ہیں فر من السحاب قر تحت المیزاب۔ اور حقیقت ہے کہ آیت اپنے مفہوم میں اہل لسان کے ہاں نص ہے۔ مجمی

کَشْفُ السِّتْرِ عَنْ خَبَرِ تَطْیِیْنِ الْقَبْرِ

سماع الموتی ص ۱۳۳ میں کبری ص ۵۵ سے حوالہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کا نقل فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اس وقت میت مردہ قبر کے اندر سے اذان کی آواز سنتا رہتا ہے
مگر یہ نہ سوچا کہ اس حدیث کو کم از کم فن اسماء الرجال کی کسوٹی پر تو پرکھ لوں کہ وہ اسے موضوع تو نہیں لکھتے۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے موضوعات ص ۲۳۳ میں لکھا باب سماع المیت الاذان انبانا زاہر بن طاہر انبانا احمد بن الحسین البیہقی انبانا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم ثنا ابو جعفر محمد بن احمد بن سعد الرازی ثنا ابو بکر محمد بن حمدان بن مهران ثنا محمد بن القاسم بن مجمع الطالکانی ثنا ابو مقاتل السمرقندی ثنا محمد بن ثابت الانصاری عن کثیر بن شنظیر عن الحسن عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال المیت یسمع الاذان ما لم یطین قبرہ ذکرہ فی المغنی موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ من اما الحسن فانہ لم یسمع من ابن مسعود رضی اللہ عنہ واما کثیر بن شنظیر فقال یحیی لیس بشیء واما ابو مقاتل فقال ابن مهدی واللہ لا تحل الروایۃ عنہ غیر ان المتہم بوضع ھذا الحدیث محمد بن القاسم فانہ کان علما فی الکذب این الوضاعین قال ابو عبد اللہ الحاکم کان یضع الحدیث

اور تنزیہ الشریعہ ص۳۶۳ ج۲ میں ہے حدیث لایزال المیت یسمع الاذان مالم یطین قبرہ (حا) من حدیث ابن مسعود من روایۃ الحسن عنہ ولم یسمع منہ وفیہ محمد بن القاسم الطایکانی وغیرہ من المتروکین لکن المتہم بہ الطایکانی ، قلت وقد ورد ما یخالفہ فروی ابوبکر النجاد عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع قبرہ من الارض شبرا وطین بطین احمر من العرصۃ واللہ تعالیٰ اعلم ، اور ص۱۱۳ میں ہے محمد بن القاسم الطایکانی کان یضع الحدیث اور تلخیص الحبیر ج۲ ص۱۳۲ میں ہے اسنادہٗ باطل

اور تذکرۃ الموضوعات لمحمد بن طاہر الفتنی ص۲۱۴ میں ہے لایزال المیت یسمع مالم یطین قبرہ موضوع۔

مطلب ان سب کا یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اول تو حضرت حسنؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ نہیں سنا دوسرے کثیر بن شنظیر معتبر بندہ نہیں تیسرے ابومقاتل ایسا راوی ہے جس سے روایت کرنا حرام ہے چوتھے محمد بن قاسم الطایکانی جھوٹوں اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والوں میں مشہور ترین کذاب و وضاع حدیث راوی ہے۔ جب یہ حال اس روایت کا ہے تو دلیل کس طرح بن سکتی ہے کیا ہمارے عقائد کی مدار کذاب اور من گھڑت احادیث بیان کرنے والوں پر ہے؟

اس کے بعد مولانا نے ایک اور مزے کی بات کی ہے کہ "چونکہ قبر کی لپائی بعض فقہاء کرام کے نزدیک حرام یا مکروہ ہے اس لئے اس خلافِ شرع کام کی نحوست کی وجہ سے مُردہ اذان سننے کی دولت و نعمت سے محروم ہو جاتا ہے ورنہ وہ بدستور اذان سنتا رہتا ہے" واہ واہ طویلے کی بلا بندر کے سر۔ کرے کوئی بھرے کوئی۔ چلو یوں ہی سہی یہ مزاروں پر جو کام ہوتے ہیں سجدے مرادیں مانگنا ناچ گانے چراغاں پختہ چونہ گچ قبریں گنبد چڑھاوا نذرو نیاز غیر شرعی قوالی یہ سب شرک کے موافق ہوتے ہیں یا قبر کی لپائی کی حرمت یا کراہت ان امور سے زیادہ سنگین جرم ہے۔

جب قبر کی لپائی مانع سماع ہے تو یہ امور لازماً مانع سماع ہوں گے کیونکہ شرک کی نحوست تو سب سے زیادہ ہے اور دوسرے گناہ کبیرہ سے لپائی بہ حال کم ہی ہے۔ تو آپ دبی زبان سے تسلیم کر چکے ہیں کہ پختہ قبروں اور گنبدوں میں مدفون بزرگ جن کی قبروں پر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے یا نذریں دی جاتی ہیں یا چراغاں کیا جاتا ہے یا کنجریاں ناچتی ہیں یا خلافِ شرع قوال قوالی کرتے ہیں یا ڈھولکی بجاتے ہیں یا سجدے کرتے ہیں ان کے ان تمام حالات سے یہ بزرگ ناواقف ہیں اور ان مذموم امور کی نحوست کے باعث وہ کچھ نہیں سنتے۔

اب ہمارا مسئلہ ثابت ہو گیا کہ مشرک لوگ جو مزاروں پر جا کر کرتوت کرتے ہیں اور مرادیں مانگتے ہیں ان بیچارے

بزرگوں کو ان کے کرتوتوں کا نہ علم ہے اور نہ ان کی مشرکانہ باتیں سنتے ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی مراد پوری کرنے ہیں
اور یہی اصل ہمارا مقصد ہے جو حضرت مولنا کے قلم سے نادانستہ اور غیر شعوری طور لکھا گیا۔

پھر ص۲۳۳ میں ابوامامہؓ کی زبانی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھ کر ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھا کہ اس کا اسناد صالح ہے اور ضیاء مقدسیؒ کے حوالہ سے اسے قوی بتایا اور ابن قیمؒ کے حوالے سے ضعیف بتایا اور فرمایا کہ ثابت نہیں پھر ص۲۳۴ میں ۱ حاشیہ دے کر نتائج الافکار کے حوالہ سے لکھا نفی ثبوتِ حدیث سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے صحت مراد ہو یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچی تو اس سے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی ..... ہو سکتا ہے کہ حدیث صحت کو نہ پہنچی ہو لیکن حُسن کے درجہ کو پہنچ جائے اور اسی کو صالح سے تعبیر کیا گیا ہے اور حُسن حدیث بھی جمہور کے نزدیک قابلِ احتجاج ہے

یہ استدلال بالکل احمد رضا خان کے استدلال کے ساتھ ایسا منطبق ہے جیسے طابق النعل بالنعل تمام بدعات کو اسی طرزِ استدلال کے ذریعے ثابت کیا بلکہ سنت قرار دیا اور دعویٰ حنفیت کا کر کے دلائل غیر حنفی دے کر عوام کو دھوکہ دیا اللہ خیر کرے مولنا کو اللہ تعالیٰ اس طرز سے ہٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب من! جس طرح لا یصح میں احتمال حسن ہونے کا ہے اسی طرح لا یصح میں احتمال ضعیف بلکہ موضوع ہونے کا بھی ہے جیسے تذکرۃ الموضوعات علامہ فتنی ص۱۰۰ میں ہے لکل امۃ فرعون و فرعون ہذہ الامۃ معاویۃ بن ابی سفیان لیس بصحیح مگر کوئی مسلم اہل السنۃ والجماعۃ تادم زیست اس کو حسن قابلِ احتجاج کہنے کو تیار نہیں ہاں کوئی رافضی شیعہ! شیعہ نواز یا مسلوب العقل کی زبان سے نکلے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اعاذنا اللہ من شل ہذہ الاقاویل الخبیثۃ

بلکہ بعض جگہ تو لا یصح کے ساتھ ایسے لفظ بھی ذکر کر دیتے ہیں جن سے اس کا موضوع ہونا واضح ہو جاتا ہے مثلاً تذکرۃ الموضوعات ص۱۲۷ میں ہے لا یصح فی طرقہ کذابون۔ اور ص۱۴۳ میں ہے لا یصح و .... انہ من وضع الزنادقۃ۔ اور ص۱۶۱ میں ہے گلاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پسینہ سے پیدا ہوا نوویؒ نے فرمایا لا یصح و کذا قال شیخنا انہ موضوع ص۱۵۸ میں ہے عورت مرتد ہو جائے تو اسے قتل نہ کیا جائے اس میں عبد اللہ بن عیسیٰ نامی راوی ہے جو من گھڑت حدیثیں بناتا تھا اور اللآلی المصنوعہ میں لا یصح لکھا ہے وغیرہ

بہرحال یہ قاعدہ کلیہ نہیں کہ لا یصح میں حُسن ہی مراد ہو یا اسے خواہ مخواہ حسن سمجھ کر قابلِ احتجاج قرار دیا جائے

الحصن الحصین

فی

مسئلۃ التلقین

سماع الموتیٰ صفحہ ۲۳۰ میں ساتویں دلیل سماع موتیٰ کی بیان ہے اور فتاویٰ رشیدیہ کے حوالہ سے لکھا کہ تلقینِ میت میں حنفیہ باہم مختلف ہیں جو گروہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہے وہ تلقین کا بھی قائل ہے اور چونکہ بہت سی روایات اثباتِ سماع کرتی ہیں لہٰذا تلقینِ میت اسی پر مبنی ہے (محصلہ) اور یہ تلقین اسی وجہ سے ہے کہ قبر میں میت سنتی ہے ورنہ یہ کارروائی بیکار ہے

پھر صفحہ ۲۳۱ و ۲۳۲ میں طبرانی کبیر و ابن مندہ کے حوالہ سے (طبقات کتب حدیث کو بالائے طاق رکھ کر) ابی امامہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ حدیث دربارہ تلقین تحریر فرمادی اور حافظ ابن حجرؒ و ضیاء المقدسی کی توثیق ساتھ لکھ دی پھر حافظ ابن قیم کے حوالہ سے تعامل بھی ثابت کر دیا۔ بلکہ صفحہ ۲۳۴ میں یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ صحابہ کرام رضہ کا بھی اس پر عمل تھا کما مر پھر صفحہ ۲۴۰ میں دعویٰ کیا کہ جوازِ تلقین کا اجماع سے ثابت ہے جب کہ صفحہ ۲۳۸ میں لکھ آئے کہ امام مالک کے اصحاب اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کا گروہ تلقین کو مکروہ قرار دیتا ہے اور صفحہ ۲۴۵ میں لکھا کہ تلقین کے جواز کے بارے (میں) مشائخ میں سے ایک گروہ کا قول ہے

سو اس کے متعلق سب سے پہلے ہم اپنے محترم و مکرم مخدوم صاحب کتاب سماع الموتیٰ کا بیان کردہ مسئلہ درباره تلقین کے بیان کرنا چاہتے ہیں جو آپ نے فرقۂ ضالہ بریلویہ کے رد میں اپنی کتاب مستطاب راہِ سنت میں ارقام فرمایا تھا۔ تاکہ ناظرین کو سمجھ آجائے کہ میرے مخدوم کس طرح پٹڑی سے اتر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو استقامت عطا فرمائے۔ آمین

تلقینِ میّت اور تعاملِ علمائے اہل السنۃ

جنابِ محترم مولانا صاحب نے راہِ سُنّت ص۲۳۱ میں لکھا ہے

"مگر یہ یاد رہے کہ تلقین سے سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنا مراد ہے، نہ کہ اہلِ بدعت کی طرح کلمہ وغیرہ پڑھ کر میّت کو خطاب کیا جائے، یہ خالص بدعت ہے۔ اسی لئے بحر الرائق وغیرہ کے الفاظ ہیں اس کو متعین کر دیتے ہیں کہ دفن کے بعد دعا اور زیارت کے علاوہ قبر کے پاس اور جو کچھ بھی کیا جائے گا وہ خلافِ سُنّت ہوگا، سجدہ ہو یا طواف، استمداد ہو یا اذان وغیرہ۔ اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں اھ

جب آپ تسلیم فرما چکے ہیں کہ میت کو خطاب کرنا خالص بدعت ہے پھر آپ اس کو سماعِ موتیٰ کی ساتویں دلیل بنا کر کس طرح پیش فرما سکتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ "تلقین اسی وجہ سے ہے کہ میّت قبر میں سنتی ہے ورنہ یہ کارروائی بے کار ہے" آپ ہی کے فرمان کے مطابق بے کار ہے

علامہ سیوطی باوجود متساہل ہونے کے الحاوی للفتاوی ص۲۸۵ میں فرماتے ہیں التلقین لم یثبت فیہ حدیث صحیح و لا حسن بل حدیثہ ضعیف باتفاق المحدثین ولہٰذا ذہب جمہور الامۃ الی ان التلقین بدعۃ یعنی سب محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیثِ تلقین نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے کہ تلقین بدعت ہے۔ اب آپ یہ فرمائیں کہ تعامل کہاں گیا اور آپ کا یہ فرمان کہاں گیا کہ امت کی اکثریت کا بھی اس پر عمل ہے (ص۲۳۲) یا مشرق سے مغرب تک اس پہ امت کا اتفاق رہا ہے اور کسی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا

آپ کے اپنے وطن مالوف میں اور بدعتوں کی طرح یہ بدعت بھی رائج ہے مگر پنجاب میں کہیں کہیں یہ بدعت ہے اور کہیں کہیں نہیں اور زیادہ تر بریلوی اس پہ عامل ہیں اور تلقین نہ کرنے والے کو وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں آپ دیوبند میں رہے ہیں وہاں آپ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کر کے بتائیں کہ وہاں علماء کرام تلقین مروجہ کرتے تھے ؟ میں دیوبند کسی میت کے جنازہ پر نہیں گیا البتہ دہلی میں کئی جنازے پڑھے ہمارے مدرسہ امینیہ کے محرر کی اہلیہ فوت ہوئیں۔ حضرت استاذ محترم و مکرم مفتی اعظم رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادہ سلمہ اللہ کی اہلیہ فوت ہوئیں بانیٔ سلسلۂ تبلیغ حضرت مولنا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کے جنازہ میں حاضر ہوا اسی طرح اور کئی جنازوں میں گیا وہاں کہیں

بھی یہ تلقین والی بدعت نہیں دیکھی۔ نا معلوم آپ مشرق و مغرب کا تعامل کس بنا پر فرما رہے ہیں۔ اور تقریر حدیث میں بھی تمام اساتذہ نے تلقین کی تردید ہی فرمائی تھی

اور حضرت مولانا حکیم الامت محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے تتمہ فتاوی امدادیہ ص۳۳ و ص۳۴ میں فرمایا کہ

سوال: تلقین علی القبور کے جواز و عدم جواز میں کونسی صورت مفتیٰ بہ ہے؟

جواب: فی الدر المختار و لا یلقن بعد تلحیدہ۔ فی رد المحتار ذکر فی المعراج انہ ظاہر الروایہ ص۸۹۱۔ اور ترجیح ظاہر روایت کو ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد میں جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً بعض دلالۃً۔ پھر اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں۔ اور غیر ضروری میں جب کوئی مفسدہ ہو متروک ہو جاتا ہے۔ اور اس میں تشبہ بالروافض ہے۔ اس لئے قابل ترک ہوا۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ۔

جب علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ جمہور امت کا یہی مذہب ہے .... کہ تلقین بدعت ہے اور علمائے دیوبند کثرہم اللہ وشکر اللہ سعیہم بھی تلقین نہیں کرتے۔ بلکہ بریلویہ کا معمول ہے تلقین کرنا۔ اور حکیم الامت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ تلقین کرنے میں تشبہ بالروافض ہے اور فرمان نبوی ہے من تشبہ بقوم فھو منھم پھر کس بنا پر تلقین کے جواز پر آپ زور دے رہے ہیں

اور اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ اس بارے میں حدیث بھی وارد ہے اور علی سبیل الفرض تلقین میت سنت بھی ہو مگر یہ اصولی قاعدہ ہے کہ جب غیر مؤکد سنت کے کرنے میں کسی باطل فرقہ کے ساتھ تشبہ آتا ہو تو اس غیر مؤکد سنت کو ترک کر دیا جاتا ہے

اور یہاں تو معاملہ ایسا بھی نہیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں اور عہد صحابہ و تابعین و تابعین میں کس قدر لوگ فوت ہوئے مگر کہیں بھی تلقین نہیں تمام ذخیرۂ احادیث میں ایک ہی حدیث ہے اور وہ ایک بھی ضعیف ہے!

تعامل امت کی توجیہ

اور تعامل کا قول کس طرح درست ہو سکتا ہے جب کہ بڑے بڑے فقہا منع کرتے آئے ہیں۔ اور کسی خطہ میں یا کسی زمانہ میں یا کسی خاص فرقہ یا مسلک کے لوگوں کا تعامل ہو بھی تو اس کا مذہب اسلام پر کیا اثر پڑتا ہے۔ تعامل کا دعویٰ کر دینا محض بے سود ہے جس کی مثال یوں سمجھو جیسے پختہ قبروں اور قبوں کا عام رواج ہو گیا ہے اور حسب قول ابی عبداللہ الحاکم کے کتابۃ علی القبور سلفاً و خلفاً متوارث چلتا آرہا ہے ایسے ہی تلقین کا مسئلہ ہے۔ تعامل اور رواج سے نہ تو پختہ قبر و قبہ اور کتابت علی القبور کو جائز کیا جا

سکتا ہے اور نہ تلقین کو سنت کہا جا سکتا ہے بلکہ تشبہ بالروافض کی وجہ سے ممنوع کہا جائے گا اور تعامل کا درجہ یہ ضعیف حدیث اسی وقت درجہ قبولیت حاصل کرتی ہے جب کہ مانع کوئی موجود نہ ہو۔ اور یہاں مانع موجود ہے یعنی تشبہ بالروافض کسی امر مباح کے تشبہ ہونے کی وجہ سے مستحب امر کا ترک بھی ضروری ہو جاتا ہے بلکہ سنت امر بھی ترک کر دیا جاتا ہے

ظاہر الروایۃ میں تلقین نہ کرنا ہے

نیز جب ہمارے فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ تلقین نہ کرنا ظاہر الروایۃ ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تلقین کرنا حضرات صحابہ کرام کا معمول نہ تھا۔ اگر صحیح سند کے ساتھ کسی ایک صحابیؓ کا عمل ثابت ہو جاتا تو ظاہر الروایۃ اس کے خلاف نہ ہوتی۔ پھر ہم آپ کی یہ بات کس طرح تسلیم کر لیں کہ "اس ضعیف حدیث پر امت کا اجماع ہو یا اکثریت کا تعامل ہو تو محض رواۃ پرستی کی وجہ سے تعامل امت سے نظر پھیر کر اس حدیث کو ضعیف کہہ کر دل کی تسکین حاصل کر لینا جیسا کہ مؤلف ملائے حق و شفاء الصدور و اقامۃ البرہان وغیرہ نے یہ وتیرہ اختیار کر رکھا ہے حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک بالکل غلط ہے اور صرف اسی فنی وجہ سے تعامل اور توارث امت سے اغماض کرنا صحیح نہیں ہے۔"

معتزلہ اور اہل سنۃ کا اجماع مرکب

اور جن فقہاء حنفیہ نے جواز لکھا ہے وہ صرف اس لئے کہ مفید ہونے کا امکان ہے یعنی میت کو ذکر کا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس مسئلہ عدم تلقین میں حنفیہ اور معتزلہ کا اجماع ہے یعنی اجماع مرکب۔ حنفیہ تو اس لئے تلقین کے قائل نہیں کہ ان کے نزدیک سماع موتی ثابت نہیں اور معتزلہ اس لئے قائل نہیں کہ ان کے نزدیک مُردوں کا قبر میں زندہ ہونا ہی صحیح نہیں ہے

عینی شرح ہدایہ

عینی نے ہدایہ کی شرح میں ص ۔ لکھا ہے ہو والمراد به الذی قرب من الموت ش بطریق المجاز باعتبار ما یؤول الیه وذلک لان التلقین حقیقة ما یطاوعه الملقن وحصول ذلک من المیت محال فالامر به حقیقة یکون امر للعاجز عنه والعقل یاباه فوجب حملہ علی ہذا المعنی یعنی موتٰی سے مراد اس مقام پر حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں مجاز بالمشارفۃ یعنی ما یؤول الیہ کے تو مطلب یہ ہوگا وہ شخص جو ابھی مرا نہیں ہے مگر مرنے کے قریب ہے اور اس مقام پر ہم نے مجازی معنی مراد لئے ہیں اور حقیقی معنے مراد نہیں لئے حالانکہ اصل یہ ہے کہ لفظ سے حقیقی معنے مراد لئے جائیں ہاں اگر مانع کی وجہ سے

حقیقی معنے نہ لے سکیں تب مجازی معنے مراد لیتے ہیں) وجہ مجازی معنی مراد لینے کی یہ ہے کہ حقیقۃً تلقین تب تلقین بنتی ہے جب
وہ شخص جسکو تلقین کی جارہی ہے یعنی اس کو بالمشافہۃ وہ باتیں سمجھائی جارہی ہوں تو وہ اس سمجھانے والے کی باتیں سمجھ لے
اور وہ مان لے۔ اور میت سے بات کہہ کر یا نصیحت کرکے یہ امید رکھنا کہ میری اس بات یا نصیحت سے میت میں کوئی اثر یا تاثیر
پیدا ہوتی ہوگی یہ ایک محال بات کی امید ہے اور ایسی امید خلافِ عقل ہے (وجہ یہی ہے کہ مُردہ اہلِ دنیا کی بات نہ سنتا ہے اور
نہ سمجھتا ہے پس مُردہ کو امر کرنا اور اس کو سمجھانا کہ تیرے پاس فرشتے آئیں گے اور یہ سوال کریں گے تو تُو ان کے سوال کا
اس اس طرح جواب دینا یہ ایک ایسے شخص کو حکم دینا اور سمجھانا ہے جو اُس سے عاجز ہے اور عقل اس بات سے انکاری ہے
اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ لانہ لایسمع فلایفہم یعنی کلام کرنے سے مقصود
ہوتا ہے متکلم کا مخاطب کو بات سمجھانا۔ مگر موت اس کے منافی ہے کیونکہ میت اہلِ دنیا کی بات سنتا ہی نہیں۔ تو پھر وہ
سمجھیگا کیا۔ یعنی اہلِ دنیا کی بات میت نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔

ہاں جو معنے تلقین کے محترم جناب نے راہِ سنت میں کئے ہیں وہ بحیثیت ذکر مسنون ہونے کے سنت بھی ہے
اور مردہ کو مفید بھی ہے مگر نہ بایں معنے کہ مُردہ تمہاری یہ آتیں سن رہا ہے بلکہ بایں معنے کہ اس پڑھنے کا ثواب اس کو
پہنچے گا جیسے شروع میں گذرا

محترم کا حوالہ فتح القدیر سے

تلقین کے متعلق فتح القدیر کے حوالے سے عبارت نقل کی گئی ہے جس میں ہے فقیل یحمل لحقیقۃ لما روینا) بعض نے کہا ہے کہ
تلقین کی جائے کیونکہ جو روایت ہم نے بیان کی ہے (لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ) اس کو اپنے حقیقی معنے پر برحال رکھا جائے اور
مجازی معنے قریب الموت کے نہ لئے جائیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہ حکم کیا جائے اور نہ روکا جائے..... مناسب یہی ہے کہ مرنے
کے بعد تلقین کی جائے ... اور مشائخ میں سے ایک گروہ کا یہی قول ہے (سماع الموتی ص۲۴۳)
یہاں تین مسلک بیان کئے ہیں تیسرا مسلک ایک گروہ کا ہے اور پہلے دو مسلکوں کو "قیل" کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اور
محترم جناب مولنا صاحب نے سماع الموتی ص۲۱۳ میں فرمایا "لفظ قیل" سے اس جواب کو نقل کرکے اس کا ضعف بتادیا ہے۔ اور
اس کی اہمیت گھٹادی ہے اور یہ ظاہر کردیا ہے کہ وہ خود اس سے مطمئن نہیں ہیں۔
دوسرا جب آپ نے اعتراف فرمایا ہے کہ تلقین کے مسئلہ میں تین مسلک ہیں (چوتھا مسلک مانعین بھی ساتھ ملالو۔ تو

چار مسلک کل ہو گئے اور [illegible] میں لکھا کہ اس تلقین کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی مروی ہے لیکن اس کی صحت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اور حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت یہ کارروائی (تلقین میت) نہیں کرتی تھی۔ اس لئے امام احمد وغیرہ علماء نے فرمایا ہے کہ اس تلقین میں کوئی مضایقہ نہیں۔ سو ان حضرات نے اس کی اجازت دی ہے اور تاکید کا حکم نہیں دیا۔ اور اس کو امام شافعیؒ اور امام احمد کے اصحاب میں سے ایک طائفہ نے مستحب قرار دیا ہے اور حضرت امام مالک وغیرہ کے اصحاب میں سے علماء کے ایک طائفہ اور دوسرے حضرات نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔ تو یہ کئی مسلک بن گئے ۱۔ تلقین کی جائے ۲۔ لاباس یعنی مضایقہ نہیں اس کا مطلب صاحب ہدایہ نے ص۱۴۳ میں لکھا ہے کہ اس کے کرنے میں ثواب نہیں ہے اور نہ کرنے میں گناہ بھی نہیں ہے ۳۔ تلقین مستحب ہے ۴۔ نہ حکم دیا جائے اور نہ روکا جائے ۵۔ تلقین کرنا مکروہ ہے۔ ۶۔ تلقین کرنا بدعت ہے جیسے جمہور کا قول امام سیوطی نے الحاوی للفتاوی ص۳۳۰ میں نقل کیا ہے اب یہ کل چھ مسلک ہو گئے۔

جمہور امت کے خلاف

تعامل امۃ کا دعویٰ کاذبہ

اب ان امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوۃ وتحیہ میں چھ مسالک ہونے کے باوجود پھر تعامل امت کا دعویٰ کرنا ایک بہت ہی عجیب بات ہے۔ چنانچہ حضرت محترم مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص۲۴۲ میں لکھا ہے کہ امام ابن عبد البرؒ نے باوجود اس کے کہ اس حدیث کی سند کمزور ہے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا ہے اور اس سے مراد تمام علمائے امت محمدیہ ہیں یا بعض۔ اگر بعض مراد ہیں تو اس طرح بہت سی بدعات کا دروازہ کھل جائے گا۔ بریلویوں کے ہاں تو یہ سلسلہ عام ہے مثلاً انگوٹھے چومنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر۔ آپ جتنا زور لگا کر اس حدیث کو موضوع کہتے رہیں گے مگر وہ تو تسلیم نہیں کریں گے بلکہ وہ ضعیف ہی کہیں گے جیسے احمد رضا خان نے اپنی کتاب منیر العین میں اسی بات پر زور دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے جس پر علماء کا تعامل بھی ہے۔ اسی طرح اور بدعات ہیں۔ اور اگر تمام علماء امۃ محمدیہ علی صاحبہا الف صلوۃ وتحیہ مراد ہیں جیسے آپ کا دعویٰ ہے اور مستقل عنوان قائم فرمایا ہے "تعامل کی وجہ سے ضعیف حدیث درجۂ قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔" اور پھر ابن عبد البرؒ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ "اس سے بھی معلوم ہوا کہ علماء امت کا تعامل بھی ایک اہم شے ہے اور اس سے بھی صرف نظر نہیں کی جا سکتی" یہ دعویٰ کیونکر تسلیم کرایا جا سکتا ہے جب کہ آپ ہی کی تحقیق

کے مطابق اس مسئلہ میں علمائے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیہ میں چھ گروہ ہیں۔ جو علماء اس کو مکروہ یا بدعت قرار دیتے ہیں ان کا تعامل تو کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ اور جو علماء نہ حکم دیتے ہیں نہ رد کرتے ہیں وہاں بھی تعامل نہیں ہو سکتے اور جو مستحب سمجھتے ہیں وہ بھی بعض اوقات ترک کر دیتے ہوں گے اور تلقین نہ کرنے والوں پر نکیر بھی نہیں کر سکتے جیسا کہ امرِ مستحب کا حکم علمائے اصولِ فقہ نے لکھا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تمام علمائے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیہ کا تعامل کس طرح ہو گیا جب کہ علماء کرام کے اس میں چھ مسلک ہیں اور بعض علماء آپ کے اقرار کے مطابق کراہت کے بھی قائل ہیں اور علامہ سیوطیؒ نے تو یہ لکھا ہے کہ جمہور امت تلقین کو بدعت کہتی ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی اکثریت یہ کارروائی نہیں کرتی تھی (ص ۲۳۵ ") گو یہ بات بھی زیرِ غور ہے کیونکہ اس بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض گرامی قدر صحابہ کرامؓ یہ کارروائی کیا کرتے تھے۔ اب آپ کے ذمے ہے کہ ثابت فرمائیں کہ وہ کونسے صحابہ کرامؓ کی ٹولی تھی جس کا معمول تھا تلقین کرنا۔ پھر ان کے اس عمل کو دوسرے صحابہ نے دیکھا ہوگا انہوں نے بھی کی تصویب یا تردید فرمائی ہوگی۔ اگر تصویب فرمائی تو وہ بھی اس عمل میں ان تلقین کرنے والوں کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ضعیف حدیث ہونے کے باوجود علماء اس عمل کو بدعت کہتے ہیں جو اس ضعیف حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ جیسے حضرت امام نوویؒ نے فرمایا کہ نماز کے اخیر میں دائیں بائیں سلام اپنے ان الفاظ کے ساتھ کہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" اور اس کے بعد "وبرکاتہ" کا لفظ نہ بڑھائے کیونکہ "وبرکاتہ" بڑھانا مسنون نہیں ہے اگرچہ ضعیف حدیث میں یہ لفظ وبرکاتہ وارد ہے اور بعض علماء نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن "وبرکاتہ" کا اضافہ کرنا بدعت ہے کیونکہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں آئی (النووی برصحیح مسلم ص ۲۱۶ ج ۱)

اسی طرح اذان میں حی علی الفلاح کے بعد حی علیٰ خیر العمل کو علماء اہل السنۃ والجماعۃ نے مکروہ لکھا ہے حالانکہ یہ کلمہ ضعیف حدیثوں سے ثابت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی بسا اوقات یہ کلمہ اضافہ فرما دیا کرتے تھے جیسے مؤطا میں امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ نے امام مالکؒ سے روایت فرمائی ہے کہ امام مالک کے استاذ نافع مولیٰ ابن عمرؓ نے ابن عمرؓ کا یہ اضافہ بتایا۔ اسی طرح علی بن الحسینؒ سے بھی یہ اضافہ منقول ہے۔ لیکن پھر بھی اہل السنۃ والجماعۃ اس لفظ کو مکروہ کہتے ہیں جیسے علامہ بیہقیؒ نے فرمایا "ونحن نکرہ الزیادۃ فیہ" یعنی اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہنا ہم مکروہ سمجھتے ہیں (التعلیق الممجد علیٰ موطا للامام محمد ص ۸۷) اخیر میں جا لکھتے ہیں کہ اگر ان دو ہستیوں سے بالفرض یہ بھی ثابت ہو جائے کہ آپ کا ہمیشہ کا معمول

تھا کہ موذن ہی کا عمل خیر العمل کہا کرتے تھے بلکہ ان کے علاوہ دوسروں سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس پر عمل نہیں
کیا جائے گا بلکہ، اسی اذان کو مقدم اور معمول بہ سمجھا جائے گا جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان کہنے والے حضرت
بلال حضرت ابو محذورہؓ اور حضرت سعد قرظیؓ اذان کے الفاظ کہا کرتے تھے اور وہ اذان اس کلمہ سے خالی تھی

بعینہٖ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ ضعیف روایۃ اگر ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حضرت بلال
و علی صاحب الف صلوۃ و تحیۃ کا عمل اس سے خالی ہے لہٰذا یہ عمل تلقین مکروہ ہے بدعت ہے اگر اسکو حکم شرع اور ثواب سمجھ کر کرے گا۔

مولانا کو جواب خود ان کے اپنے قلم سے

محترم جناب مولانا صاحب نے راہِ سنت میں بریلویوں کی دلیل ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء (اگر تم نے مجھ سے
پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں مجھ سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کر لو۔ ترجمہ از مفتی احمد یار خان، کا جواب دیتے
ہوئے فرمایا۔ اگر واقعی ان روایات سے یہ دعا ثابت ہوتی (دعا بعد نماز جنازہ) تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات
صحابہ کرامؓ وغیرہم سے اس کا ثبوت ہوتا (ثبوت بمعنے صحۃ۔ باعتراف مولانا) اور حضرات فقہاء احناف اس کو مکروہ نہ کہتے (راہ سنت ص۲۴۰)
یہی بات تلقین کے موقع پر کیوں بھول گئے جب کہ آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے وہٰذا الحدیث ضعیف باالاتفاق
یعنی یہ حدیث بالاتفاق ضعیف ہے (سماع الموتیٰ ص۲۳۰) اور شرح المھذب ص۶۳ میں ہے کہ محققین علماء نے فرمایا ہے کہ جب
حدیث ضعیف ہو تو وہاں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ تو اب وہی قاعدہ یہاں کیوں جاری
نہیں ہوتا کہ اگر واقعی ان روایات سے یہ (تلقین) ثابت ہوتی تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ وغیرہم
سے اس کا ثبوت ہوتا۔ اور حضرات فقہائے احنافؒ اس کو مکروہ نہ کہتے۔

فقہاء کا روکنا دلیل ہے کہ خیر القرون میں یہ عمل نہ تھا

نیلوی کہتا ہے کہ تلقین سے فقہاء کا منع کرنا یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے یہ تلقین
ثابت نہیں۔ کیونکہ اگر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے یہ تلقین ثابت ہوتی تو کوئی ایک عالم بھی یہ کہنے کی کبھی جرأت
نہ کرتا کہ یہ امر مکروہ ہے یا بدعت ہے حالانکہ بقول علامہ سیوطیؒ کے جمہور امت تلقین کو بدعت کہتے ہیں، الحاوی للفتاوی ص۳۰۸،
اور اس لفظ سے بھی فرمایا کہ تلقین اس لئے بدعت ہے کہ اس تلقین کے بارے میں نہ کوئی صحیح حدیث ثابت ہے اور نہ ہی حسن
بلکہ تمام محدثین کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے۔

نتیجہ

معلوم ہوا کہ جس بات کے ثبوت میں صحیح یا حسن حدیث نہ ملے اور ایک ضعیف مل جائے جس کے ضعف پر سب محدثین کا اتفاق ہو تو وہ کام نہ تو سنت ہوتا ہے نہ مستحب نہ مباح۔ بلکہ وہ کام مکروہ بلکہ بدعت ہوتا ہے اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

نیز یہ بات معلوم ہو گئی کہ جب ابن تیمیہؒ بھی کہہ گئے کہ اس حدیث کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے اور امام سیوطیؒ جیسے متساہل جو بہت سے مقام پر ضعیف حدیثوں کو صحیح اور حسن کہنے کے عادی ہیں وہ بھی حدیث تلقین کے بارے اسی کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ تمام محدثین اس کے ضعف پر متفق ہیں پھر کس بنا پر کتاب الروح ص۱۳ کی عبارت پیش کی جاتی ہے کہ یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں لیکن تمام شہروں اور سب زمانوں میں بغیر انکار کے اس پر عمل کا اتصال اس پر عمل کے لئے کافی ہے جب کہ خود ابن قیمؒ اپنی دوسری تصنیف زاد المعاد میں تلقین کی تردید بھی کرتے ہیں کہ جیسا آج کل لوگوں کا معمول ہے کہ میت کو تلقین کرتے ہیں یہ تلقین نہ کی جائے (زاد المعاد ص۱۴۵) اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابن قیم اس تعامل کے قائل نہیں اور کتاب الروح کی صریح تردید فرما دی۔

نیز کتاب الروح کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یہ ابن قیمؒ کی عبارت ہی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ابن قیمؒ محقق عالم ہیں احادیث و آثار پر ان کو بفضل اللہ پورا عبور ہے اور اپنے استاذ حضرت ابن تیمیہؒ کی تحریرات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور انہیں علم ہے کہ صحابہ کرامؓ کا یہ معمول نہیں تھا کیونکہ ان کے اپنے شیخ لکھ رہے ہیں کہ کثیر تعداد صحابہؓ کی تلقین نہیں کرتی تھی اور انہیں یہ بھی علم ہے کہ امام احمد بن حنبل نے جو عراق کے باشندے ہیں اپنے ملک کا تعامل نہیں بتاتے بلکہ اہل شام کا تعامل بتاتے ہیں پھر باوجود اس کے کہ ان کو اہل شام کے تعامل کا علم ہے مگر اس تعامل کو عراق میں رواج نہیں دیتے اور اپنے تلامذہ کو ترغیب دیتے ہیں پھر کس طرح حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کتاب الروح میں لکھ سکتے ہیں کہ تمام شہروں اور سب زمانوں میں بغیر انکار کے اس پر عمل کا اتصال ہے۔

نیز خیر القرون میں جب تعامل نہ تھا جن کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیریت کی خود شہادت دی ہے تو بعد کے تعامل کا کیا اعتبار ہوگا جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ وہ تن پرور ہوں گے غافل ہوں گے دینی امور کا اہتمام انہیں کم ہوگا۔ ایسے لوگوں کے حق میں ابن قیم رحمہ اللہ صحابہ کرامؓ کے اوصاف کیسے بیان کر سکتے ہیں کہ تمام امتوں سے عقل کے لحاظ سے تمام امت اور وافر معارف سے شناسا امت حالانکہ ان کو اس حدیث کا علم ہے جو رزین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ان لوگوں کی راہ پکڑو جو فوت ہو چکے ہیں یعنی نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ کے اصحاب جو اس امت میں سب سے بہترین ہیں دل کے نیک

ہیں، علم میں بہت کامل ہیں، اور تکلف میں بہت کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کے قائم کرنے کے لئے پسند فرمایا ہے۔ پس تم ان کی بزرگی اور فضیلت سمجھ پہچان کر انہیں کے نقش قدم پر چلتے جاؤ اور جہاں تک تم سے ہو سکے انہیں کے اخلاق و عادات اور انہیں کے چال چلن اور سیرت کو مضبوطی سے پکڑے رکھو کیونکہ واقعی وہی تھے سیدھی راہ پر

تعامل غیر مجتہدین کا غیر معتبر ہے

پھر ان لوگوں کے تعامل اور اجماع کا کیا اعتبار ہے جو مجتہد نہ ہوں اور دوسرے اماموں کے مقلد ہوں پھر وہ کرنے کے اسباب و وجوہ و مقتضیات تھے جن کو دیکھ کر اُن کو اجماع کرنا پڑا

بیان اصل حقیقت اور جماہیر فقہاء کے فتوے

حقیقت یہ ہے کہ تلقین پر نہ اجماع ہے نہ تعامل ہے نہ تمام علماء کا اتفاق ہے بلکہ بڑا اختلاف ہے جس کو کتب میں واضح کیا ہے [۱] زاد المعاد ص ۱۳۵ میں ہے کہ تلقین نہ کی جائے۔ [۲] الحاوی للفتاوی ص ۳۸۰ میں ہے کہ جمہور امت تلقین کو بدعت کہتے ہیں۔ [۳] مجمع البحرین میں ہے کہ تلقین مرنے سے پہلے ہے لحد میں رکھ چکنے کے بعد تلقین نہیں۔ [۴] تنویر الابصار میں ہے لحد میں رکھنے کے بعد تلقین نہیں ہے۔ [۵] شامی، [۶] جامع الرموز، [۷] جواہر اخلاطی میں ہے کہ ہمارے تینوں امام: ابو حنیفہؒ۔ ابو یوسفؒ۔ محمدؒ اور ان کے علاوہ ہمارے دوسرے حنفی امام میت کی تلقین کو جائز نہیں سمجھتے۔ اور بلخ و بخارا کے اماموں کا فتویٰ بھی اسی پر ہے [۸] زاد الطبیب [۹] در مختار کی شرح میں امام طحطاویؒ نے فرمایا ہے کہ ظاہر الروایہ میں یہی ہے کہ موت کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ [۱۰] معراج الدرایہ [۱۱] عالمگیری [۱۲] السراج الوہاج شرح مختصر قدوری [۱۳] عینی شرح ہدایہ میں ہے کہ ظاہر روایت میں ہم حنفیوں کے نزدیک مرنے کے بعد تلقین نہیں ہے [۱۴] بحر الرائق۔ [۱۵] علامہ زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا کہ ظاہر روایت یہی ہے کہ مرنے کے بعد تلقین نہیں ہے [۱۶] محمد بشیر الدین قنوجی کشف اللبس شرح مسلم الثبوت کے مصنف نے تفہیم المسائل ص ۱۳۱ میں فرمایا کہ مرنے کے بعد تلقین نہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے نہ امام مالکؒ کا نہ امام احمد بن حنبل کا اور نہ ہی حنفی اماموں میں سے کسی ایک امام کا مذہب ہے۔ [۱۷] صلوٰۃ مسعودی میں ہے کہ ہمارے حنفی علماء کا مذہب ہے کہ تلقین نہ کی جائے۔ [۱۸] رد المحتار میں ہے کہ لحد میں میت کو رکھنے کے بعد تلقین نہ کی جائے (ص ۶۳۰) [۱۹] شرح مختصر وقایہ ص ۲۵۹ میں ہے کہ مرنے کے بعد میت کی قبر پر تلقین نہ کی جائے۔ [۲۰] سید انور شاہ صاحبؒ نے عرف شذی ص ۳۴۳ میں کہا کہ امام اعظمؒ مرنے کے بعد تلقین کے قائل نہیں [۲۱] بنایہ ص ۱۰۰ میں ہے ظاہر روایت میں ہمارے ائمہ احناف کے نزدیک تلقین نہ کی جائے۔ [۲۲] سراجیہ ص ۲۳ میں ہے ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک

میت کو تلقین کرنا کوئی شے نہیں ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ کہا جاتا ہے بعض مشائخ نے دفن کے بعد تلقین کو جائز کہا ہے مگر میرا خیال یہ ہے کہ تلقین نہ کی جائے (بنایہ ص ۱۰۲۲) بر جندی نے کہا کہ کہا جاتا ہے مذہب احناف یہی ہے دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ جامع الروایات، اور عقائد الاسلام میں ہے کہ ہمارے مذہب میں دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں ہے احناف سے ظاہر الروایۃ کا مقتضٰی یہی ہے کہ دفن کے بعد تلقین سے منع کیا جائے۔ اور مالکی علماء کہتے ہیں کہ دفن کے وقت بھی تلقین مکروہ ہے اور دفن کر چکنے کے بعد بھی تلقین مکروہ ہے۔ مولوی عبد العزیز مقتدائے بریلویہ کا فتویٰ ہے کہ احناف کے نزدیک تلقین بعد الموت مشروع نہیں ہے ان کا ظاہر یہی عمل ہے اور وہی قوی ہے (کفایۃ المفتی ص ۲۳) الاستاذ الاکرم المفتی الاعظم نے فرمایا حنفیہ تلقین بعد الدفن کے قائل نہیں ہیں (کفایۃ المفتی ص ۲۴) نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی مولوی حبیب المرسلین نے کہا تلقین بعد تدفین غیر مرجح ہے۔

بریلوی تلقین کے قائل ہیں

سوال: مولانا مولوی حکیم ابو العلاء امجد علی صاحب مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر اپنی تصانیف بہار شریعت حصہ چہارم میں لکھتے ہیں مسئلہ: دفن کے بعد مردے کو تلقین کرنا اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے (جوہرہ) یہ جو اکثر کتابوں میں ہے کہ تلقین نہ کی جائے یہ معتزلہ کا مذہب ہے انہوں نے ہماری کتابوں میں یہ اضافہ کر دیا ہے (ردالمحتار) حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کی مٹی دے چکو تم میں سے ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے یا فلاں بن فلانہ! وہ کہیگا ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی اذکر ما خرجت من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ صلے اللہ علیہ وسلم وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وبالقرآن اماما نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس پر کسی نے حضور سے عرض کی کہ اس کی ماں کا نام اگر معلوم نہ ہو؟ تو فرمایا حوا کی طرف نسبت کرے رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی الاحکام وغیرہما۔ بعض اجلہ ائمہ تابعین فرماتے ہیں کہ جب قبر پر مٹی برابر کر چکیں اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا ہے کہ میت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جائے یا فلاں بن فلاں قل لا الہ الا اللہ تین بار۔ پھر کہا جائے قل ربی اللہ ودینی الاسلام ونبیی محمد صلے اللہ علیہ وسلم لہٰذا عرض ہے کہ مضمون بالا کیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں

المستفتی نمبر ۱۳ عبد العزیز صاحب ظروف ساز دہلی ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ م ۲۹ جولائی ۱۹۳۴ء

دلائل بریلویہ کی تردید بدلیل

از

علمائے دیوبند

جواب: از مولوی عبدالکریم صاحب از تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

اقول و باللہ التوفیق جب ظاہر روایت میں ممانعت موجود ہے تو اس کو مشروع و مستحب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں ہے نیز ممانعت تلقین کی بناء استحالۂ حیات بعد الموت قرار دے کر اس کو معتزلہ کا مذہب اور تلقین کو اہل سنت کا مذہب کہنا بھی تعجب انگیز ہے کیا علاوہ اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی؟ ایک وجہ تو خود فتح القدیر نے کافی سے نقل کی ہے وہ یہ کہ اگر ایمان کے ساتھ مرا ہے تو اس کو تلقین کی حاجت نہیں اور اگر (نعوذ باللہ) کفر پر خاتمہ ہوا تو تلقین مفید نہیں۔ اور کفایہ شرح ہدایہ میں بھی یہی وجہ لکھی ہے اس کی عبارت یہ ہے وقد روی انہ علیہ السلام امر بتلقین المیت بعد دفنہ و زعموا انہ مذہب اہل السنۃ والاول مذہب المعتزلۃ الا انا نقول لا فائدۃ فی التلقین بعد الموت لانہ ان مات مؤمنا فلا حاجۃ الیہ وان مات کافرا فلا یفیدہ التلقین اھ

باقی رہی یہ بات کہ لقنوا موتاکم میں معنے حقیقی مراد کیوں نہیں لئے؟ سو اس کی وجہ احقر کے فہم ناقص میں یہ آتی ہے کہ لفظ موتی سے جس طرح حقیقی معنے مفہوم ہوتے ہیں اسی طرح مجازی بھی مفہوم ہوتے ہیں۔ اور مجازی معنے لینے سے نفع زیادہ ہے کیونکہ اس وقت بوجہ تکلیف کے محتضر (قریب الموت) کو از خود التفات ہونا دشوار ہے اور تلقین سے اس کو توجہ ہو جاتی ہے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کا مصداق بن جاتا ہے۔ بخلاف تلقین بعد الدفن کے کہ اس میں بعض نے تو کوئی نفع تسلیم ہی نہیں کیا جیسا کہ کافی سے اور کفایہ سے نقل کر چکا ہوں۔ اور اگر وہ نفع بھی تسلیم کیا جائے جو صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے یعنی استیناس بالذکر تب بھی وہ نفع بہت کم ہے اس نفع سے جو محتضر کو ہوتا ہے کیونکہ حالت احتضار میں تلقین کرنا عمل کی ترغیب دلانا ہے۔ اور عمل جس درجہ مفید ہے ظاہر ہے۔ اور محض استیناس عمل کے مقابلہ میں کچھ نہیں۔

خلاصہ جواب اشکال کا یہ ہوا کہ موتی کے مجازی معنے لینا راجح ہیں لہٰذا حقیقی معنے مراد نہیں ہیں بلکہ تامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حقیقت مہجور ہے اور مجاز متعارف۔ اور حقیقت مہجورہ سے مجاز متعارف مقدم ہوتا ہے کما علم من الاصول اور حقیقت کا مہجور اور مجاز کا متعارف ہونا ظاہر ہے کیونکہ تلقین محتضر پر امت کا تعامل ہے۔ حالانکہ اس کی دلیل سوائے لقنوا موتاکم کے اور کوئی نہیں ہے۔ اگر مجاز متعارف نہ مانا جائے تو تلقین محتضر کے لئے کوئی دلیل بھی نہ رہے۔ حالانکہ شامی نے

دراية سے نقل کیا ہے انہ مستحب بالاجماع اھ

اور اگر کوئی شخص حقیقت کا مہجور ہونا تسلیم نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ مجاز متعارف ہے لیکن ساتھ ہی حقیقۃ بھی مستعمل ہو۔ اور مجاز متعارف بھی۔ تب بھی صاحبینؒ کے نزدیک تو مجاز متعارف ہی مقدم ہوتا ہے۔ البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک حقیقت اولیٰ ہے۔ سو اُن کی طرف سے وہی جواب ہو سکتا ہے کہ تلقین یا محتضر مفید ہے اور تلقین میت مفید نہیں۔ اور محض استیناس کا فائدہ عمل کے مقابلہ میں معتد بہ نہیں۔ جیسا کہ پیشتر گذر چکا۔ نیز استیناس تلقین پر موقوف نہیں۔ بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے بدون تلقین بھی استیناس ہوتا ہے بلکہ مع شئی زائد ای وصول الثواب فلاحاجۃ الی التلقین الذی ہو ادون من ایصال الثواب۔

علاوہ ازیں اور جو اہل علم سماع موتی کا انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک تو تعذر ظاہر ہے اور جو اہل علم سماع موتی کے قائل ہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کو تلقین موتی میں متعذر نہ مانیں گے۔ مگر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی متعذر ہے کیونکہ وہ مطلق سماع کے قائل ہیں۔ سماع مفید کا کوئی قائل نہیں۔ اور مقصود سماع مفید ہے۔ پس جب سماع مفید کا کوئی قائل نہیں تو تلقین میت میں حقیقی میت مراد لینا بالاتفاق متعذر ہے۔ ناہیم حتی لیستانس یکم الحدیث وہو الموقوف فی حکم المرفوع۔

اور اگر اس روایت کو بطور اشکال لایا جائے جس میں بعد الدفن کی تصریح ہے تو وہ اگر صحیح ہو تو اس میں احتمال ہے کہ روایت بالمعنیٰ ہے۔

اور یہ سب تفصیل درجۂ توجیہ میں ہے ورنہ اصل مدار اس پر ہے کہ ظاہر روایت میں تلقین بعد الدفن کی نفی کی ہے جس کا مقتضیٰ غیر مشروع یا کم از کم غیر مسنون ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے بعد ہم مقلدین کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں خصوصاً جب کہ اس کے خلاف کوئی روایت نہیں۔ اور جس کو خلاف سمجھا گیا اس کا جواب موجود ہے۔

حاصل یہ کہ ہمارے اکابر کے نزدیک تلقین بعد الموت مشروع نہیں ہے۔ ان کا ظاہر روایت پر عمل ہے۔ اور وہی قوی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ تطبیق کے لئے دونوں وقتوں میں تلقین کو تجویز کیا جائے تو بہتر ہے کہ مزید نفع ہو۔ تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مجاز و حقیقت کا جمع کرنا جائز نہیں ہے کما تقرر فی الاصول۔ اور عموم مجاز کی یہاں کوئی صورت نہیں ہے۔ چنانچہ خود علامہ ابن الہمامؒ تحریر فرماتے ہیں ؎ ولیس یظہر معنیٰ یعم الحقیقی والمجازی۔

اب ایک امر قابل غور اور رہا۔ وہ یہ کہ اگر ظاہر الروایۃ کا محل یہ قرار دیا جائے کہ تلقین بعد الموت مسنون نہیں۔ اور طبرانی وغیرہ نے جو حکایت کی ہے اس کو اباحت پر محمول کیا جائے۔ اور عجب نہیں کہ زیلعی سے شامی نے جو تین قول نقل کئے ہیں ان

میں سے قول ثالث یعنی لا یؤمر بہ ولا ینہی عنہ والا یبان فعلہ ہو۔ سو بظاہر اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔ لیکن

تلقین بعد الدفن شیعہ اور روافض کا شعار

بعد الدفن روافض کا شعار ہے۔ اس واسطے اس کی اجازت نہ دی جائے گی۔ اور اس کی نظیر فقہ میں موجود ہے کہ باوجود وارد
فی الشرع ہونے کے منع کی علت شعار فرق ضالہ قرار دی ہے چنانچہ درمختار کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے ویجعلہ ای الخاتم لبسلہ کفہ
فی یدہ الیسرٰی وقیل الیمنی الا انہ شعار الروافض فیجب التحرز عنہ۔ قہستانی وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم۔

جواب: از فقیہ النفس الاستاذ المکرم المفتی الاعظم رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً وافرۃً سابغۃً

تلقین بعد الدفن حنفیہ کے نزدیک معمول و متوارث نہیں ہے۔ اور حنفیہ کے اصول کے ساتھ بھی اوفق ہے۔ لیکن چونکہ کوئی
دلیل حرمت یا کراہت بھی نہیں ہے اس لئے متاخرین حنفیہ نے منع نہیں کیا۔ اور یہی مسلک کہ عمل نہ کیا جائے اور کرنے
والے کو ملامت نہ کی جائے راجح ہے۔

میت کو تلقین کرنا شافعیوں کا قول ہے۔ حنفیہ تلقین بعد الدفن کے قائل نہیں ہیں درمختار میں ہے ولا یلقن بعد
تلحیدہ۔ لیکن بعض مشائخ نے تلقین بعد الدفن کو جائز فرمایا ہے۔ تاہم اگر کوئی نہ کرے تو حنفی مذہب کی ظاہر روایت کے موافق
اس کا یہ خیال صحیح اور درست ہے۔ اور اس پر کوئی الزام اور اعتراض نہیں ہو سکتا فقط ۹۶ نیز لکھتے ہیں
حنفیہ تو تلقین کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک سماع موتٰی ثابت نہیں۔ جو لوگ سماع کے قائل ہیں ان کے نزدیک تلقین
مفید ہے۔ اور اگر کوئی کرے تو اسے روکنا بھی نہیں چاہئے۔ معتزلہ کے نزدیک چونکہ مردوں کا قبر میں زندہ ہونا ہی صحیح نہیں ہے
اس لئے وہ بھی تلقین کے قائل نہیں۔ حنفیہ باوجود عدم سماع اموات کے قائل ہونے کے تلقین کے فائدے کے قائل ہیں۔ خواہ
مردہ سنے یا نہ سنے۔ یعنی اسے ذکر کا فائدہ پہنچ سکتا ہے (ص ۶۳ کفایۃ المفتی)

حدیث تلقین

واخرج الطبرانی فی الکبیر وابن مندۃ عن ابی امامۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات احد من اخوانکم فسویتم علیہ
التراب فلیقم احدکم علی رأس القبر ثم لیقل یا فلان ابن فلانۃ فانہ یسمعہ ولا یجیب (شرح الصدور ص ۴۴ و مختصر تذکرۃ قرطبی ص ۳۱
وقال الحافظ فی التلخیص ج ۲ ص ۱۳۵ واسنادہ صالح وقد قواہ الضیاء فی احکامہ اھ (سماع الموتٰی ص ۲۳۲)

رواۃ حدیث پر بحث

اس حدیث کو طبرانی نے ذکر کیا اپنی معجم کبیر میں اور کتاب الروح میں بھی مذکور ہے اس میں ایک راوی محمد بن ابراہیم بن العلاء الحمصی ہے۔ میزان الاعتدال ص۴۴۳ ج۳ میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ محمد بن عوف فرماتے ہیں کہ محمد بن ابراہیم بن العلاء ابن زریق الحمصی الزبیدی حدیثیں چوری کیا کرتا تھا۔ پھر اسی راوی کا استاذ اسمٰعیل بن عیاش بن سلیم عنسی ابوعتبہ حمصی اہل شام سے روایت لینے میں تو صدوق تھے مگر حجاز اور عراق والوں سے روایت لینے میں خلط ملط کر جاتے تھے (تقریب التہذیب ص۳۱) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ دارمی سے روایت کرتے ہیں کہ اہل شام سے روایت کرنے میں تو ثقہ ہے۔ مگر اہل حجاز سے اس کی روایت کردہ کتاب ضائع ہوگئی تھی اس لئے ان سے روایتیں یاد کرنے میں خلط ملط کر دیا ہے۔ معنز بن نجدہ اسدی نے بھی اسی طرح کہا۔ ابوبکر مروزی نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا نیز فرمایا "مغنتف" اسماعیل میں مضطرب حدیثیں ہیں۔ ابوداؤد نے بھی اسی طرح فرمایا کہ غیر اہل شام سے جو حدیث بیان کرے اس میں اس کے پاس کثرت سے منکر حدیثیں ہیں۔ عبدالرحمٰن اس سے روایت لیتا ہی نہ تھا۔ دحیم، بخاری، دولابی، یعقوب بن ابی شیبہ، اور ابن عدی سب کے سب کہتے ہیں کہ حجازیوں سے جو بھی یہ روایت کرتا ہے وہ خلط ملط سے خالی نہیں ہوتی۔ جوزجانی نے کہا کہ یہ شخص کذابین سے روایت بہت کرتا تھا۔

اور مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ اسماعیل سے مت لکھا کرو۔ کتاب العقیلی میں فزاری سے روایت ہے کہ انھیں ایسا آدمی ہے کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آتی کہ اس کے سر سے کیا کچھ نکل رہا ہے۔ امام ابن خزیمہ نے کہا کہ اس کی حدیث کو حجت اور دلیل نہ بنایا جائے۔ عبداللہ بن مبارک نے بھی کہا ہے کہ میں اس سے حدیث لینے کو حلال نہیں سمجھتا۔ اور غیر اہل شام سے اس کی حدیث کو نسائی، ابواحمد حاکم، برقی، اور ساجی نے بھی ضعیف کہا ہے چنانچہ فسوی نے اپنی کتاب میں ایک باب منعقد کیا ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے روایت بیان کرنے میں روگردانی کی جائے۔ ان لوگوں میں اسماعیل کا بھی ذکر ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ باوجود جلالت شان کے اسماعیل جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں اکیلا ہو تو اس کی روایت قبول نہ کی جائے کیونکہ اس کا حافظہ خراب تھا۔ علی بن حجر نے کہا کہ اسماعیل بن عیاش کو اگر بہت وہم نہ پڑتے تو پھر وہ ثقہ تھے

وہ حجت ہوتا۔ ابن حبان نے کہا اسماعیل تھا تو شمار میں ان لوگوں کے جو اپنی حدیث میں حافظ متقن اور پختہ تھے مگر جب وہ بڑی عمر کا ہو گیا تو اس کے حافظہ میں تغیر آ گیا تو جو حدیثیں اس نے اپنے بچپن اور نو عمری میں یاد کی ہیں تو وہ بالکل اسی طرح بیان کرتا ہے اور جو بڑی عمر میں غریب احادیث یاد کی ہیں ان میں خلط ملط کر دیتا ہے ایک سند کو دوسری سند میں داخل کر دیتا ہے ایک متن کو دوسری متن کے ساتھ چپکا دیتا ہے اور اسے پتہ نہیں لگتا۔ تو جس شخص کی حالت یہ ہو حتیٰ کہ اس کی حدیث بیان کرنے میں غلطیاں ہونے لگیں تو حد احتجاج سے نکل جاتا ہے یعنی اس کی بیان کردہ حدیث کو حجت اور دلیل نہیں بنا سکتے (تہذیب التہذیب) امام ترمذی نے اپنی جامع ص۲۳ میں فرمایا ہے کہ میں نے حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اسماعیل بن عیاش اہل حجاز اور اہل عراق سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ گویا امام صاحب نے اس کی ہر اس روایت کو ضعیف کہا ہے جس میں وہ اکیلا ہے۔ میزان الاعتدال ص۱۱۳ میں علامہ ذہبی نے فرمایا ہے کہ اسماعیل بن عیاش کثیر الخطأ تھا

اسی سند میں ایک اور راوی ہے یحییٰ بن کثیر طائی ابو النصر یمامی مولیٰ بنے طے کا بیشک ہے تو ثقہ ثبت مگر ہے مدلس اور ارسال بھی کرتا رہتا ہے (تقریب التہذیب ص۳۷۶) عقیلی کہتا ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کو تدلیس کرنے کی بہت عادت تھی۔ ابو بکر بن ابی الاسود نے یحییٰ بن سعید سے یہ بات نقل کی ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسل احادیث یحییٰ بن ابی کثیر کی ہوا کے مشابہ ہیں۔ ابن المبارک ہمام سے نقل کرتے ہیں کہ یحییٰ بن ابی کثیر کا حال تھا کہ صبح سویرے ایک حدیث ہمیں بتاتے تھے پھر شام کو وہی حدیث ہمیں الٹ پلٹ کر کے بیان کرتے تھے۔ ابن حبان نے کہا کہ یحییٰ بن ابی کثیر تدلیس کرتا تھا۔ صحابہ کرامؓ سے روایت کرتا تھا حالانکہ صحابہؓ میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس سے اس نے کوئی حدیث سنی ہو (تہذیب التہذیب ص۲۶۹)

یہ حدیث المقاصد الحسنۃ ص۱۶۲ و ص۱۶۳ میں بایں طور بیان ہے

محمد بن ابراہیم بن العلاء الحمصی قال حدثنا اسماعیل بن عیاش حدثنا عبد اللہ بن محمد القرشی عن یحییٰ بن ابی کثیر عن سعید بن عبد اللہ الاودی قال شہدت ابا امامۃ وہو فی النزع فقال اذا انا مت فاصنعوا بی کما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نصنع بموتانا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا مات احد من اخوانکم فسویتم علی قبرہ فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یسمعہ ولا یجیب ثم یقول یا فلان ابن فلانۃ فانہ یستوی قاعدا ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا یرحمک اللہ ولکن لا تشعرون فلیقل اذکر ما خرجت علیہ من الدنیا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وانک رضیت

بانہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلے اللہ علیہ وسلم نبیا و بالقرآن اماما کان منکرا ذکیہ اعطاہ فقال کل واحد منہا بیدہ صاحب العقول
انطلق بالعقد عنہ من لقنہ شہادۃ و حجۃ فیکون اللہ حجیجہ دونہما۔ فقال رجل یا رسول اللہ فان لم یعرف امہ قال ینسبہ الی حواء فلان بن حواء! سخاوی مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں الضیاء نے اپنی تصنیف الاحکام میں اسے قوی کہا ہے۔

المقاصد الحسنہ ص۱۶۳ میں امام سخاویؒ نے فرمایا ہے کہ یہی حدیث ابن شاہین نے بھی ذکر موت میں حماد بن عمرو النصیبی کے طریق سے ذکر کی ہے۔ اور وہ بھی عبداللہ بن محمد القرشی سے روایت کرتا ہے۔

یہ حماد بن عمرو النصیبی وہ ہے جس کی کنیت امام بخاریؒ نے ابو اسماعیل بتا کر فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے جوزجانی اسے جھوٹا اور نسائی اسے متروک الحدیث کہتا تھا۔ ابن حبان نے کہا کہ وضعی حدیثیں بیان کرنے کی اسے بڑی عادت تھی۔ ابن ابی مریم نے یحییٰ بن معین سے یہ بات نقل کی ہے کہ یہ حماد بن عمرو النصیبی ان لوگوں میں سے ہے جو جھوٹ میں مشہور و معروف ہیں۔ اور احادیث گھڑنے میں مشہور ہیں۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ اس شخص کا یہ کام تھا کہ ثقہ اور پختہ آدمیوں کا نام کر کے من گھڑت حدیثیں روایت کرتا تھا اور ابوسعید نقاش نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ شخص ثقہ راویوں کے نام سے موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا۔
(لسان المیزان ج ۳ ص ۳۵۱)

نتیجۂ بحث

زیلوی کہتا ہے کہ جب اس حدیث کے راویوں کا یہ حال ہے تو ایسی حدیث کو دلیل میں کیسے بیان کیا جاسکتا ہے اور اس قدر ضعف میں ڈوبی ہوئی حدیث پر عمل کس بنا پر جائز ہو سکتا ہے جس کو بڑے بڑے ائمہ محدثین نے کڑی کڑی جرحیں اس حدیث کے راویوں پر کی ہیں۔ چہ جائیکہ اس پر تعامل اور توارث ہو۔ کیا موضوع حدیث اور منکر حدیث بھی تعامل کے ساتھ مل سکتی ہے۔ کیا موضوع و منکر حدیث کے ساتھ بھی استحباب ثابت ہو سکتا ہے؟ اگر یہی بات ہے تو اذان میں اشہد ان محمدا رسول اللہ سن کر انگوٹھے چومنے جائز ہونے چاہئیں اور اس امر کو بھی مستحب کہنا چاہیے۔ حالانکہ خود حضرت محترم و مکرم مولانا صاحب راہ سنت ص۲۳۰ میں فرماتے ہیں

محترم مولانا کی تصدیق

یہ کہنا کہ فضائل اعمال میں ہر قسم کی حدیث غیر مشروط طور پر حجت ہوتی ہے قطعاً غلط ہے۔ امام قاضی ابن العربی المالکی المتوفیٰ ۵۴۳ھ وغیرہ تو ضعیف حدیث کے متعلق فرماتے ہیں لا یعمل بہ مطلقاً (القول البدیع ص۱۹۵) مطلقاً اس پر عمل کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور جو

عمل کرتے ہیں وہ شرطیں لگاتے ہیں۔ چنانچہ امام ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ لکھتے ہیں

العمل بالحدیث الضعیف مقید بشروط (احکام ج۱ ص۲۲) ضعیف حدیث پر عمل کرنا چند شرطوں سے مقید ہے۔

وہ شرطیں کیا ہیں؟ امام سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں ان شرائط العمل بالضعیف ثلاثۃ الاول متفق علیہ ان یکون الضعیف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتہمین بالکذب ومن فحش غلطہ۔ الثانی ان یکون مندرجا تحت اصل عام فیخرج ما یخترع بحیث لا یکون لہ اصل اصلاً۔ الثالث ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ لئلا ینسب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مالم یقلہ (القول البدیع ص۱۹۵)

یعنی ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ اول جو تمام حضرات محدثین میں متفق علیہ ہے کہ حدیث زیادہ ضعیف نہ ہو۔ لہٰذا جس حدیث میں کوئی کذاب یا متہم بالکذب یا ایسا راوی منفرد ہو جو زیادہ غلطی کا شکار ہوا ہو تو اس کی ضعیف حدیث معمول بہ نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ وہ عام قاعدہ کے تحت درج ہو، اس سے وہ خارج ہوگی جس کی کوئی اصل نہ ہو اور محض اختراع کی گئی ہو۔ سوم عمل کرتے وقت یہ اعتقاد نہ کر لیا جائے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ کی طرف ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرطیں اگر مفقود ہوں تو روایت ہرگز قابل عمل نہ ہوگی۔ اور آخری شرط تو خاص طور پر قابل لحاظ ہے کیونکہ جو چیز وثوق کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اس کو ثابت ماننا سنگین جرم ہے اور یہ درجہ اول کی متواتر حدیث من کذب علیّ (الحدیث) کے بظاہر خلاف ہے

حضرت مولانا عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں کہ

(۱) العمل بالضعیف فی فضائل الاعمال فدعوی الاتفاق فیہ باطلۃ۔ نعم ہو مذہب الجمہور۔ لکنہ مشروط بان لا یکون الحدیث ضعیفاً شدید الضعف۔ فان کان کذلک لم یقبل فی الفضائل ایضاً (الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۳۱۰) یعنی

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر بالاتفاق عمل کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ ہاں جمہور کا یہ مذہب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ حدیث سخت ضعیف نہ ہو۔ ورنہ فضائل اعمال میں بھی قابل قبول نہیں ہے۔

آگے چل کر بریلویہ کی پیش کردہ ایک حدیث کا اس انداز سے رد فرماتے ہیں

علامہ محمد طاہرؒ اور ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں: بسند فیہ مجاہیل مع انقطاعہ (تذکرہ ص۳۶ و موضوعات ص۵)

کہ اس کی سند میں کئی مجہول راوی ہیں، اور سند بھی منقطع ہے۔

تو ایسی ضعیف روایت سے دین کیسے اخذ کیا جا سکتا ہے؟ امام بیہقیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں

فی ہٰذا الاسناد قوم مجہولون۔ ولم یکلفنا اللہ تعالیٰ ان ناخذ دیننا عمن لا نعرفہ (کتاب المعرفۃ ص۲۱۲)
کہ اس سند میں کئی راوی مجہول ہیں۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف نہیں ٹھہرایا کہ ہم اپنا دین مجہول راویوں سے اخذ کریں۔

مولانا کا پٹڑی سے اترنا

یہ تھا وہ جواب جو محترم جناب مولانا صاحب نے بریلویہ کی پیش کردہ حدیثوں کے بارے دیا تھا۔ مگر اب تلقین میت کے بارے میں خدا معلوم یہ قاعدہ تبدیل کیوں ہو گیا۔ حالانکہ بریلویہ کے ہاں انگوٹھے چومنے کی تو حدیثیں ہیں جن پر واقعی سنگین جرحیں ہیں۔ اور تلقین کے بارے تو صرف ایک ہی حدیث ہے جو حضرت ابو امامہ باہلی رضی صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف نسبت کی جاتی ہے جس کے دو طریق ہیں اور دونوں طریقوں کے رواۃ پر سخت قسم کی جرحیں ہیں کوئی تو حدیث کا چور ہے اور کسی کا حافظہ اتنا کمزور ہے کہ جو صبح کو حدیث بیان کرتا ہے شام کو وہی حدیث الٹ پلٹ کر کے بیان کرتا ہے اور بڑے بڑے ائمہ حدیث احمد بن حنبل، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، عبداللہ بن مبارک، دحیم، دولابی، یعقوب بن ابی شیبہ، ابن عدی، فزاری، ابن خزیمہ، برقی، ساجی، فسوی، حاکم، علی بن حجر، ابن حبان، مضر بن محمد اسدی، دارمی، ذہبی، ابن حجر وغیرہ اس کی حدیث کو حجت نہ سمجھتے ہوں اور بعض تدلیس کرنے کا عادی ہو اور کسی راوی پر منکر الحدیث اور متروک الحدیث کے فتوے ہوں اور ثقہ اور پختہ راویوں کا نام لے کر وہ حدیث بیان کرتا ہو جس کو خود اپنے دل سے گھڑا ہو تو ایسی حدیث کو تعامل و توارث کا جھوٹا بہانہ تراش کر کے اس سے ثابت شدہ بات کو شرعی حکم مستحب وغیرہ گردانا پھر اس سے ایک عقیدہ کا مسئلہ مستنبط کرنا جو بظاہر قرآن پاک کے خلاف ہو، بھلا یہی انصاف ہے، ایک ہی قانون نے ایک مسئلہ میں اس کو زور شور سے ثابت کیا۔ اور دوسرے مسئلہ میں اسی قانون کو بڑے شد و مد کے ساتھ رد کر دیا۔ یہی بات تو ہے جس کو دیکھ کر بڑے بڑے عقلمند دنگ رہ گئے ہیں۔ مجذوب بے چارے تو کیا ہی سمجھیں گے۔ بے عقل تو معذور ہوتا ہے۔

تلقین شیعوں کا شعار ہے از کتب شیعہ

من لا یحضرہ الفقیہ

پھر مزید برآں یہ بات بھی ہے کہ یہ شعار ہے اہل رفض کا چنانچہ اہل رفض کی مشہور کتاب من لا یحضرہ الفقیہ (جو ان کی صحاح ستہ میں سے ایک مہتم کتاب مشہور اور مانی ہوئی ہے) اس کے ص ۵۵ پر یہ عبارت لکھی ہوئی آپ کو ملے گی۔

وروی عن یحییٰ بن عبداللہ انہ قال سمعت اباعبداللہ علیہ السلام یقول ما علی اہل المیت منکم ان یدرؤا عن میتہم لقاء منکر ونکیر فقلت وکیف نصنع؟ فقال اذا افرد المیت فلیتخلف عندہ اولی الناس بہ فیضع فاہ علی رأسہ ثم ینادی باعلی صوتہ یافلان بن فلان او یافلانۃ بنت فلان ہل انت علی العہد الذی فارقتنا علیہ من شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ وان محمداً صلی اللہ علیہ و آلہٖ عبدہٗ ورسولہٗ سید النبیین وان علیاً امیر المؤمنین وسید الوصیین وان ماجاء بہ محمدٌ حق وان الموت حق والبعث حق وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور فاذا قال ذٰلک قال منکر لنکیر انصرف بنا عن ہٰذا فقد لقن بہا حجتہ۔

یعنی مروی ہے یحییٰ بن عبداللہ سے اس نے کہا کہ میں نے ابوعبداللہ (امام جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ) علیہ السلام سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی مر جائے تو اس کے پس ماندگان پر کیا چیز ایسی ہے کہ جس کے ذریعے اپنے میت سے منکر ونکیر کی ملاقات ہٹا سکیں (تاکہ بغیر پوچھ گچھ کے واپس چلے جائیں اور میت کو اٹھنے بیٹھنے اور منکر نکیر کے سوالات سننے اور ان سوالات کا جواب سوچ سوچ کر دینے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے) تو میں نے عرض کی اور اس وقت ہم کیسے کریں؟ تو آپ نے کہا جب میت کو دفن کر کے لوگ واپس چلے جائیں اور میت اکیلا رہ جائے تو چاہئے کہ انہیں سے وہ آدمی جو اس میت کا زیادہ قریبی ہو اس میت کی قبر کے پاس رہ جائے پھر دوسرے لوگوں کے چلا جانے کے بعد وہ آدمی اپنا منہ اس میت کی قبر کے سرہانے رکھ کر بلند آواز کے ساتھ ندا کرے کہ اے فلاں بیٹے فلاں کے یا فلاں عورت بیٹی فلاں کی کیا تو اسی عہد پر پختہ قائم ہے جس پر تو ہم سے جدا ہوا تھا یعنی اس امر کی شہادت پر کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی یگانہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے تمام نبیوں کا سردار ہے اور علی امیر المؤمنین اور تمام وصیوں کا سردار ہے اور یہ کہ جتنا کچھ محمد لائیں ہیں وہ برحق ہے اور موت بھی برحق ہے اور مر کر کے جی اٹھنا بھی برحق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور قبروں میں پڑے ہوئے مُردوں کو اللہ تعالیٰ پھر زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پس جب یہ تلقین کرنے والا آدمی میت کے سرہانے منہ رکھ کر یہ الفاظ کہہ چکے گا تو اس وقت منکر کہے گا نکیر کو کہ ہمیں یہاں سے واپس لے چلو (سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہی) اس لئے کہ اس میت کو پورا پورا جواب سکھا دیا گیا ہے۔

توضیح المسائل

توضیح المسائل مطبوعہ طہران ص ۱۱۲ تا ۱۱۳ میں ہے: وشیی از آنکہ لحد را بپوشانند دست چپ را بشانہ راست میت بزنند و دست چپ را بقوت بر شانہ چپ میت بگذارند و دہان را نزدیک گوش او ببرند و بشدت حرکتش دہند و سہ مرتبہ بگویند اسمع افہم یا فلان بن فلان و بجائے فلان بن فلان اسم میت و پدرش را بگویند مثلاً اگر اسم او محمد و اسم پدرش علی است سہ مرتبہ بگویند اسمع افہم یا محمد بن علی! پس از آن بگویند ہل انت علی العہد الذی فارقتنا علیہ من شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ وان محمدًا صلی اللہ علیہ وآلہ عبدہٗ ورسولہٗ وسید المرسلین وخاتم النبیین وان علیًا امیر المؤمنین وسید الوصیین والامام افترض اللہ طاعتہ علی العالمین وان الحسن والحسین وعلی بن الحسین ومحمد بن علی و جعفر بن محمد وموسٰی بن جعفر وعلی بن موسٰی ومحمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی والقائم الحجۃ المہدی صلوات اللہ علیہم ائمۃ المؤمنین وحجج اللہ علی الخلق اجمعین وائمتک ائمۃ ہدی ابرار۔ یا فلان بن فلان و بجائے فلان بن فلان اسم میت و پدرش را بگوید۔ و بعد بگوید اذا اتاک الملکان المقربان رسولین من عند اللہ تبارک وتعالٰی وسألاک عن ربک وعن نبیک وعن دینک وعن کتابک وعن قبلتک وعن ائمتک فلا تخف ولا تحزن وقل فی جوابہما اللہ ربی ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ نبیی والاسلام دینی والقرآن کتابی والکعبۃ قبلتی وامیر المؤمنین علی بن ابی طالب امامی والحسن بن علی المجتبٰی امامی والحسین بن علی الشہید بکربلا امامی وعلی زین العابدین امامی ومحمد الباقر امامی وجعفر الصادق امامی وموسٰی الکاظم امامی وعلی الرضا امامی ومحمد الجواد امامی وعلی الہادی امامی والحسن العسکری امامی والحجۃ المنتظر امامی، ہؤلاء صلوات اللہ علیہم اجمعین ائمتی وسادتی وقادتی وشفعائی۔ بہم اتولی۔ ومن اعدائہم اتبرأ فی الدنیا والآخرۃ۔ ثم اعلم یا فلان بن فلان و بجائے فلان بن فلان اسم میت و پدرش را بگوید۔ بعد بگوید ان اللہ تبارک وتعالٰی نعم الرب وان محمدًا صلی اللہ علیہ وآلہ نعم الرسول وان علی بن ابی طالب واولادہ المعصومین الائمۃ الاثنی عشر نعم الائمۃ وان ما جاء بہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ حق وان الموت حق وسؤال منکر ونکیر فی القبر حق والبعث حق والنشور والصراط حق والمیزان حق وتطایر الکتب حق وان الجنۃ حق وان النار حق وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور۔ پس بگوید افہمت یا فلان و بجائے فلان اسم میت را بگوید پس از آن بگوید ثبتک اللہ بالقول الثابت وہداک اللہ الی صراط مستقیم عرف اللہ بینک وبین ائمتک فی مستقر من رحمتہ۔ پس بگوید اللّٰہم جاف الارض عن جنبیہ واصعد بروحہ الیک ولقہ منک برہانًا۔ اللّٰہم عفوک عفوک!

تحفۃ العوام

تحفۃ العوام حصہ اول ص ۲۲۶ میں ہے

جب قبر میں رکھ چکیں بند ہائے کفن کھول دیں کہ منہ میت کا کھلا رہے اور داہنا رخسار زمین پر پہنچا دیں یا محمدؐ کا یا مترہ خاک تربت کا برابر منہ کے رکھ دیں اور سر کے نیچے مٹی بلند کر دیں اور کہیں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور الحمد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور قل ہو اللہ اور آیت الکرسی پڑھیں اور یہ کہیں اللھم جاف الارض عن جنبیہ وصاعد عملہ ولقہ منک رضوانا اور عورت کے واسطے یہ کہیں اللھم جاف الارض عن جنبیھا وصاعد عملھا ولقھا منک رضوانا۔

بہتر ہے کہ جو شخص قبر میں اترے دونوں ہاتھ مثل قینچی کے کر کے داہنے ہاتھ سے اپنے داہنا کندھا میت کا اور بائیں ہاتھ سے بایاں کندھا میت کا پکڑ لے اور حرکت دیتا جائے۔ اور دوسرا شخص قبر کے اوپر یہ تلقین پڑھے

اسمع افہم اسمع افہم اسمع افہم یا فلان بن فلان ہل انت علی العہد الذی فارقتنا علیہ من شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ عبدہ ورسولہ وسید النبیین وخاتم المرسلین وان علیا امیر المؤمنین وسید الوصیین وامام افترض اللہ طاعتہ علی العالمین وان الحسن والحسین وعلی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسی بن جعفر وعلی بن موسٰی ومحمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی والقائم الحجۃ القائم الحجۃ المہدی صلوات اللہ علیہم ائمۃ المؤمنین وحجج اللہ علی الخلق اجمعین وائمتک ائمۃ ہدی ابرار یا فلان بن فلان اذا اتاک الملکان المقربان رسولین من عند اللہ تبارک وتعالٰی وسألاک عن ربک ونبیک وعن دینک وعن کتابک وعن قبلتک وعن ائمتک فلا تخف ولا تحزن وقل فی جوابہما اللہ جل جلالہ ربی ومحمد صلی اللہ علیہ وآلہ نبیی والاسلام دینی والقرآن کتابی والکعبۃ قبلتی وامیر المؤمنین علی بن ابی طالب امامی والحسن بن علی المجتبٰی امامی والحسین بن علی الشہید بکربلا امامی وعلی زین العابدین امامی ومحمد بن علی باقر علم النبیین امامی وجعفر الصادق امامی وموسٰی الکاظم امامی وعلی الرضا امامی ومحمد الجواد امامی وعلی الہادی امامی والحسن العسکری امامی والحجۃ المنتظر امامی۔ ھؤلاء صلوات اللہ علیہم اجمعین ائمتی وسادتی وقادتی وشفعائی۔ بہم اتولی ومن اعدائہم اتبرأ فی الدنیا والآخرۃ۔ ثم اعلم یا فلان بن فلان ان اللہ تبارک وتعالٰی نعم الرب وان محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ نعم الرسول وان امیر المؤمنین علی بن ابی طالب واولادہ الائمۃ الاحد عشر نعم الائمۃ وان ما جاء بہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ حق

وان الموت حق وسوال منکر ونکیر فی القبر حق والبعث حق والنشور حق والصراط حق والمیزان حق وتطائیر الکتب حق والجنۃ حق والنار حق وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور

پھر کہے اَفَہِمۡتَ یا فلاں۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت کہتی ہے ہاں سنا میں نے۔ پھر کہے ثَبَّتَکَ اللہُ بالقول الثابت ہداک اللہ الی صراط مستقیم عرّف اللہ بینک وبین اولیاءک فی مستقر من رحمتہ

پھر کہے اللہم جاف الارض عن جنبیہ واصعد بروحہ الیک ولقّہ منک برہانا اللہم عفوک عفوک

پھر لحد کو خشتِ خام یا پختہ سے بند کر دیں کہ مٹی اندر نہ گرے وقت بند کرنے قبر کے پڑھیں اللہم صل وحدتہ، وآنس وحشتہ، وآمن روعتہ، واسکن الیہ من رحمتک رحمۃ تغنیہ بہا عن رحمۃ من سواک فانما رحمتک للظالمین۔

آگے عورت کی تلقین لکھ کر ص ۲۳۰ میں ہے اور سنت ہے کہ پھر سب لوگ سوائے اقرباء کے مٹی ڈالیں پشت دست سے تین مرتبہ......... بعدہ سب لوگ رو بقبلہ نزدیک سر تربت بیٹھ کے قبر پر انگلیاں ہاتھ کی کھلی ہوئی رکھیں اور زور کریں کہ مٹی پر انگلیوں کے نشان پڑ جائیں اور یہ پڑھیں اللہم جاف الارض عن جنبیہ واصعد الیک روحہ ولقہ منک رضوانا واسکن قبرہ من رحمتک ما تغنیہ بہا عن رحمۃ من سواک ...... پھر سات مرتبہ سورہ انا انزلناہ پڑھے پھر جب لوگ ہٹ جاویں تو سنت ہے کہ کوئی خویشان میت سے نزدیک تر سر قبر میت بیٹھ کر آواز بلند دوبارہ تلقین پڑھے۔ اگر کسی کو اجازت دے تو بھی بہتر ہے (ص ۲۳۱)

مولانا کی توجیہ غیر مرضی

لا یصح سے حسن سمجھ لینا بریلویہ کی طرح

محترم جناب مولانا صاحب نے ادھر یہ فرمایا کہ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث الا بالاتفاق ضعیف ہے اور ادھر لم یثبت کا قول نقل فرما کر فوراً موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ابن حجر کی عبارت نقل فرما دی کہ نفی ثبوت حدیث سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے صحت مراد ہو (یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچتی) تو اس سے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ پھر اس قول سے فائدہ لے کر اس تلقین والی حدیث کو حسن قرار دے کر قابل احتجاج بنا دیا۔ مگر اس طرف خیال نہیں فرمایا کہ نفی ثبوت اس احتمال کو دیکھ کر اگر ضعف کو مستلزم نہیں ہے تو حسن کو مستلزم کیسے ہو سکتا ہے تو نفی ثبوت سے جیسے حسن کی نفی نہیں ہو سکتی ایسے ہی حسن کا ثبوت بھی نہیں ہو سکتا بلکہ کبھی نفی ثبوت اور نفی صحت سے ضعف کے انواع میں

نے اشد انواع الضعف یعنی موضوع بھی ثابت ہوتا ہے اس کی کئی مثالیں اہلِ فن جانتے ہیں من جملہ ان کے مثال کے طور پر دیکھیں۔ تذکرۃ الموضوعات مؤلفہ محمد طاہر الفتنی الگجراتی صفا میں ہے "لکل امۃ فرعون وفرعون ہذہ الامۃ معاویۃ بن ابی سفیان وصیح" اب کون عالم ہے اہل السنۃ والجماعۃ میں سے جو جرأت کر کے یہ کہے کہ یہ حدیث بیشک صحیح تو نہیں ہے مگر حسن ہے ضعیف نہیں ہے۔ کیونکہ نفی صحت کو ضعف کا ثبوت لازم نہیں۔ پس یہ حدیث حَسَن ہے اور حدیث حسن جمہور کے نزدیک قابلِ احتجاج ہے لہٰذا کوئی والعیاذ باللہ یہی حدیث پیش کر کے حضرت امیر المؤمنین خلیفۂ راشد معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے حق میں بکواس کرے اور ٹوکنے پر کہہ دے کہ یہ حدیث حسن ہے کیونکہ لا یصح کا لفظ ہے اور نفی صحت کو ضعف لازم نہیں ہے تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے۔ ہم تو اس حدیث کو صرف ضعیف ہی نہیں کہتے بلکہ اس کو موضوع کہتے ہیں جس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں

ایک سوال کا جواب

اگر کہو کہ ابن حجر نے اسے صالح کہا ہے تو کس باغ کی مولی ہے جو اس حدیث کو ضعیف کہتا ہے آنا بڑا محدث تو یہ تک بات نہیں کہتا تو عرض ہے کہ اولاً تو خود جناب محترم مولانا صاحب نے ابن قیمؒ کے حوالہ سے اس کا ضعف ثابت فرمایا ہے پھر ضعف مان کر خود ہی تساہل کے ساتھ حدیث کو قوی بناتے ہیں دوم یہی بات کہ صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے۔ لہٰذا اگر یہ حدیث حَسَن ہو تب بھی کافی ہے" بریلویہ کے مفتی احمد یار نے جاء الحق ص۲۸۲ میں یہی بات کہی تھی تو محترم جناب مولانا صاحب راہ سنت ص۲۳۰ میں اپنی طور جواب دیتے ہیں کہ مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی محدث جب مطلق لا یصح کہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اگر حدیث حَسَن ہوتی ہے تو اس کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث حَسَن ہے یا لیس بصحیح بل حسن وغیرہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ مطلق لا یصح سے حَسَن سمجھنا قلتِ فہم کا نتیجہ ہے سوم ابن حجر کی تصحیح کو کئی مقامات پر آپ اور اکابر غلط قرار دیتے ہیں اور ان مقامات پر آپ کو اس بڑے محدث پر اعتماد کرنا کیوں نہیں اور یہاں پر اس محدث کے قول کو حرفِ آخر قرار دینا کیوں عجب کہ اس کے رواۃ کا حال آپ کے سامنے ہے۔

اگر کہو کہ صالح الاسناد کہنے میں ابن حجر متفرد نہیں ہیں بلکہ ضیاء نے اس حدیث کو قوی کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری طرف کتنے محدثین ہیں جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے مثلاً ابن صلاح۔ نووی۔ ابن القاسم۔ قرافی۔ ابن قیم۔ ابن عبد البر۔ علامہ شیخ محمد طاہر فتنی گجراتی بحوالہ راہ سنت ص۲۲۲، صاحب کشف القناع ص۱۳۷، تو یہ ہر حال میں ان دو سے اقویٰ ہیں۔

کیا امام شافعیؒ مروجہ تلقین کے قائل ہیں؟

اگر کہو کہ امام شافعیؒ بھی تلقین کو سنت کہتے ہیں جیسے سراجیہ ص۲۳ میں ہے یا مستحب کہتے ہیں جیسے بنایہ ص۱۰۴۲ میں ہے نیز برجندی نے کہا ہے کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ تلقین کی جائے اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی تو امام شافعیؒ اس کو اپنا معمول نہ بناتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ دفن کرنے کے بعد اس تلقین کے قائل ہرگز نہیں جس تلقین کے بارے میں ہم بحث کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی اپنی املاء کردہ کتاب الام ص۲۷۶ ج۱ میں جو بات لکھی ہے ہم اسے ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔

باب القول عند دفن المیّت

اخبرنا الربیع قال اخبرنا الشافعی قال اذا وضع المیت فی قبرہ قال من یضعہ بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ واحب ان یقول اللّٰھم اسلمہ الیک الاشحاء من ولدہ واھلہ وقرابتہ واخوانہ وفارق من کان یحب قربہ وخرج من سعۃ الدار والحیاۃ الی ظلمۃ القبر وضیقہ ونزل بک وانت خیر منزول بہ ان عاقبتہ عاقبتہ بذنبہ وان عفوت فانت اھل العفو۔ اللّٰھم انت غنی عن عذابہ وھو فقیر الی رحمتک۔ اللّٰھم اشکر حسنتہ وتجاوز عن سیئتہ وشفع جماعتنا فیہ واغفر ذنبہ وافسح لہ فی قبرہ واعذہ من عذاب القبر وادخل علیہ الامان والروح فی قبرہ۔

اب اگر کہو کہ ان اجلّہ علماء نے امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف غلط نسبت کیوں کر دی۔ ایسی صورت میں تو بڑے بڑے علماء پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کی عادت ہے کہ شاگرد کی بالواسطہ یا بلاواسطہ کی بات ہوتی ہے تو استاذ کی طرف نسبت کر دیتے ہیں اور اقوالِ مقلدین کی نسبت صاحبِ مذہب کی طرف کر دیتے ہیں اگرچہ صاحبِ مذہب نے وہ بات نہ بھی کہی ہو، لیکن سننے والا یہی سمجھ لیتا ہے کہ یہ قول خود صاحبِ مذہب کا اپنا ہے۔ جیسے تذکرۃ الموضوعات ص۵۱ میں حضرت محمد بن طاہر فتنی گجراتی رحمہ اللہ نے فرمایا ذکر الزرکشی ان اباحنیفۃ رحمہ اللہ قال فی الجامع الصغیر کرہ الدعوۃ بمعاقد العز وان جاء الحدیث یعنی زرکشی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع صغیر میں مکروہ کہا ہے بمعقد العز کے ساتھ دعا مانگنے کو اگرچہ اس بارے میں حدیث آئی ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ جامع صغیر امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ان کے شاگرد رشید امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف ہے اور اس میں جتنے مسائل ہیں امام محمد رحمہ اللہ نے براہ راست امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہیں پڑھے۔ بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ نے امام ابویوسفؒ کو بتائے پھر امام ابویوسفؒ نے وہ استاذ صاحب کے بتائے ہوئے مسائل امام محمدؒ

کو بتا دیئے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے ان مسائل کو کتابی شکل دے دی اور اس مجموعہ مسائل کا نام الجامع الصغیر۔ بعد ازاں یہ کتاب امام محمدؒ کی جمع کردہ ہے مگر علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف کر دی۔

اسی طرح مسئلہ تلقین حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا نہیں ہے بلکہ ان کے کئی مقلدین متاخرین کا بیان کردہ ہے تو ان علماء نے مقلدین کے اس عمل کو اصل صاحب مذہب یعنی امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

پھر ہمارے بعض حنفی حضرات نے بھی حسن ظن کی بنا پر شوافع کی بات لے لی کہ کلمات خیر ہی تو ہیں اگر کہہ لئے جائیں تو اچھا ہی ہے بعض نے کہہ دیا کہ کچھ حرج نہیں بعض نے کہا کہ نہ حکم دو اور نہ منع کرو اور بعض نے تو بہت ہی زیادتی کی اور کہہ دیا کہ اہل سنت تلقین کے قائل ہیں اور معتزلی نہیں مانتے نیز لکھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے تلقین کرنا اور تلقین کا منکر معتزلی خیال کا ہے (تفہیم المسائل ص)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام متون معتمدہ والے اور ان کے شراح لقنوا موتاکم (الحدیث) میں موتیٰ کے معنے مجازی مراد لیتے ہیں حقیقی معنے مراد نہیں لیتے حتیٰ کہ حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ نے اپنی تقریر ترمذی میں فرمایا کہ "تمام علماء متفقہ طور پر لقنوا موتاکم میں موتیٰ کے معنے محتضرون (قریب الموت) ہی مراد لیتے ہیں۔ اس لئے جو لوگ دفن کے بعد تلقین کے قائل ہیں یہ حدیث ان کی دلیل نہیں بن سکتی (عرف شذی ص ۲۴۲) اسی طرح اقرؤا علیٰ موتاکم لیسین میں بھی موتیٰ سے مراد من حضرہ الموت ہے اس کے معنے یہ ہیں کہ قریب الموت آدمی پر سورہ یٰسین پڑھو یہ مطلب نہیں کہ میت پر سورہ یٰسین پڑھو۔ اور یہی معنے ابن حبان وغیرہ محدثین نے کئے ہیں (بذل المجہود ص) علامہ سندھی رحمہ اللہ نے نسائی شریف کے حاشیہ ج ۱ ص ۲۵۹ میں یہی لکھا ہے لقنوا موتاکم میں موتیٰ سے مراد من حضرہ الموت ہے (جو جان کنی کی حالت میں مبتلا ہے) اور وہ مراد نہیں جو مر گیا ہو۔ اور امام نووی نے بھی یہی معنے لئے ہیں کہ من حضرہ الموت پھر فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قریب الموت ہے اسے یاد دہانی کراؤ لا الٰہ الا اللہ کی تاکہ مرتے وقت اس کے منہ سے آخری کلمہ یہی نکلے لا الٰہ الا اللہ جیسے حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس کی آخری بات لا الٰہ الا اللہ ہوگی وہ جنت میں جائے گا اور قرطبی مالکی نے بھی یہی معنے کئے ہیں کہ مرنے والے کو مرتے وقت کلمہ لا الٰہ الا اللہ یاد دلاؤ پھر کہا قریب الموت کو موتیٰ اس لئے کہہ دیا ہے کہ موت اس کے سامنے آ گئی ہے اسی طرح زہر الربیٰ ج ۱ ص ۲۵۹ میں ہے۔ ابوداؤد ص میں بھی بین السطور یہی لکھا ہے والمراد منہ من حضرہ الموت پھر ص پر مرقاۃ الصعود کے حوالہ سے لکھا کہ فرمان نبوی لقنوا موتاکم کے بعد ابن ابی الدنیا نے کچھ عبارت لکھ کر یہ بھی لکھا فانہ من عبد ختم لہ بہا عند موتہ الا کانت

لا دوا الجنۃ یعنی مرتے وقت جس بندہ کی زندگی کا خاتمہ اس کلمہ پر ہوگا تو یہ کلمہ اسکے لئے جنت تک پہنچنے کا سفر خرچ بن جائے گا۔ اور محمد طاہر فتنی گجراتی نے بھی مجمع البحار میں یہی معنے لکھے ہیں

بہرحال حنفی شافعی مالکی حنبلی چاروں مذہب والے اس بات پر متفق ہیں کہ لقنوا موتاکم میں بھی اور اقرأوا علی موتاکم میں بھی مرنے کے مجازی معنے مراد ہیں یعنی قریب الموت اور اس وقت چاروں مذہب والے تلقین کے قائل ہیں اور دلیل میں یہی حدیثیں پیش فرماتے ہیں۔ رہی دفن کے بعد والی تلقین تو اصولی رو سے چونکہ غیر حنفی جمع بین الحقیقۃ والمجاز کو جائز سمجھتے ہیں اس لئے دفن کے بعد بھی وہ تلقین کے قائل ہیں کیونکہ اصولی قانون انہیں راہ دیتا ہے پھر حدیث بھی ان کی تائید میں آگئی اگرچہ ضعیف ہی ہے اور اگرچہ ان کے صاحب مذہب سے بھی بعد دفن کے اس مخصوص تلقین کی کوئی روایت نہیں ملی۔ بلکہ تلقین وہی ہے جو کتاب الام میں ہے

مگر ہمارے حنفی مذہب میں چونکہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز منع ہے اس لئے اصولی طور پر جب مجازی معنے اس کے درست معنی کی وجہ سے لے لیا اب حقیقی معنے مراد نہیں لے سکتے ورنہ لازم آئیگا جمع بین الحقیقۃ والمجاز اور جنہوں نے حقیقی معنے کو کہا ہے کہ اصل حقیقت ہے تو اس قاعدہ کی طرف توجہ نہ ہوئی ہوگی۔
بلکہ اگر موتیٰ کے معنے حقیقی مراد لیں تو لقنوا میں مجازی معنے مراد لینے ہوں۔ بہرحال مجاز سے مفر نہیں

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اور امام زاہد صفار نے جو تلخیص الادلہ میں لکھ دیا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب ہے تلقین کرنا۔ اور دفن کے بعد تلقین نہ کرنا معتزلہ کا مسلک ہے سو یہ ان کا وہم ہے کیونکہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ جو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں انہوں نے ان مسائل کو قلم بند فرمایا ہے ان کتابوں میں سے کسی کتاب میں بھی امام محمدؒ نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ امام اعظمؒ دفن کے بعد تلقین کا حکم دیتے تھے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ محمد قال اخبرنا ابو حنیفۃؓ قال حدثنا علقمۃ بن مرثد عن ابن بریدۃ الاسلمی عن ابیہؓ عن النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا ولا تقولوا ہجراً فقد اذن لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی زیارۃ قبر امہ ونہیتکم عن لحوم الاضاحی ان تمسکوہ فوق ثلثۃ ایام فامسکوہ ما بدا لکم وتزودوا فانما نہیتکم لیتسع موسعکم علی فقیرکم ونہیتکم عن النبیذ فی الدباء والحنتم والمزفت فانتبذوا فی کل ظرف فان ظرفا لایحل شیئاً ولا یحرمہ ولا تشربوا المسکر قال محمد وبہذا کلہ ناخذ لا باس بزیارۃ القبور للدعاء للمیت ولذکر الآخرۃ وہو قول الامام ابی حنیفۃؒ (کتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ص۳۳)

مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اور قبروں کی زیارت کا مقصد یہ ہو

میت کے حق میں دعا کرنا اور اپنا مرنا اور آخرت کا یاد آنا۔ یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا۔
امام صاحب کی اسی بات کو دیکھ کر سب فقہاء یہی لکھتے ہیں ویکرہ کل ما لم یعہد من السنۃ، والمعہود منہا لیس الا زیارتہا والدعاء عندہا قائما کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسأل اللہ لی ولکم العافیۃ اھ طیبی۔ (بذل المجہود ص ۲۱۲ ج ۴) یعنی جتنے کام طریقہ جاریہ شرعیہ میں معہود نہیں ہیں وہ سب مکروہ ہیں اور ان معہود کاموں میں سے صرف دو ہیں۔ ۱ قبروں کی زیارت کرنا ۲ قبروں کے پاس کھڑے کھڑے دعا کرنا جیسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا بقیع کی طرف نکل جاتے اور یہ دعا کرتے اے مؤمنین کی قوم! تم اللہ کے عذاب سے بچے رہو
ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ میں اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے عافیت کا طالب ہوں۔
اسی طرح بحر الرائق ص ۱۹۶ ج ۲ و عالمگیری ص ۱۶۶ ج ۱ و فتح القدیر ص ۴۷۳ ج ۱ میں بھی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دفن کے بعد تلقین ان امور میں سے نہیں جو معہود من السنۃ ہوں دفن کے بعد تلقین نہیں ہے لہٰذا مکروہ ہوگی اور اگر دین میں داخل سمجھیں گے تو من احدث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو رد کے زمرہ میں آکر بدعت مردودہ بن جائے گی۔ کیونکہ اس بات کے تو سب ہی قائل ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں یہ رسم تلقین نہیں تھی باوجودیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور ہر فعل نظر میں رکھتے تھے۔ صرف حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ملتی ہے اور وہ بھی اکثر کے نزدیک ضعیف اکّا دکّا کوئی صحیح کہتے اور وہ بھی بلا دلیل سو اس کی کون سنتا ہے جب کہ امام بخاریؒ جیسے کی بات بغیر دلیل کے خود محترم جناب مولانا صاحب بھی نہیں مانتے اور پھر وہ روایت صحاح ستہ میں نہیں دارمیؒ، دارقطنیؒ، بیہقیؒ میں چوتھی صدی میں طبرانیؒ نے اور ابن مندہ نے نقل کیا اور ان کے رواۃ کا حال بھی معلوم یہ خیر القرون میں جب مشہور نہ تھی نہ بعد میں محدثین عظام نے یہ حدیث اپنی کتب میں لکھی۔
نیز دفن کے بعد تلقین کی مثال ایسی ہے جیسے دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا۔ علماء نے قبر پر اذان کہنے کو اسی لئے مکروہ کہا ہے کہ قبر پر اذان شرع شریف میں معہود نہیں ہے چنانچہ خود محترم جناب مولانا صاحب نے راہ سنت ص ۲۳۳ میں قبر پر اذان کی تردید فرماتے ہیں کہ "قبر پر اذان کا ثبوت نہ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور نہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے اس وقت قبریں بھی ہوتی تھیں، مردے دفن بھی کئے جاتے تھے اور اذان بھی تھی اور اذان دینے والے بھی ہوتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ اس وقت تو اذان علی القبر سنت اور جائز نہ ہوئی اور کئی صدیاں گزرنے کے بعد یہ جائز ہوگئی؟" آگے چل کر لکھتے ہیں
یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہائے احناف قبر پر خلاف سنت امور کا سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں چنانچہ امام ابن ہمام الحنفی

اپنی بے نظیر تالیف میں لکھتے ہیں: وکرہ عند القبر کل مالم یعہد من السنۃ، والمعہود منہا لیس الا زیارتہا والدعاء عندہا قائما کما کان یفعل صلی اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسال اللہ لی ولکم العافیۃ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو، اور ثابت من السنۃ صرف قبروں کی زیارت ہے اور ان کے پاس کھڑے ہوکر دعا کرنا جیسے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت البقیع میں جاکر کیا کرتے تھے اور وہاں فرمایا کرتے تھے سلامتی ہو تم پر اے مومنوں کی بستی میں رہنے والو! اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملنے والے ہیں، میں اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرتا ہوں۔

مولانا کا بریلویوں کی تردید میں مروج تلقین کو بدعت کہنا

اگر کوئی کہے کہ واقعی ٹھیک ہے کہ قبر پر جاکر بجز زیارت اور دعا کے اور کچھ کرنا مکروہ ہے مگر یہ سب زیارت قبور کے موقع پر فرماتے ہیں یعنی جب زیارت کی نیت سے وہاں جائے اور یہاں تلقین کی بات ہے جو دفن کے بعد متصل ہوتی ہے منکر نکیر کے سوال سے پہلے پہلے تو اس کا جواب بھی خود حضرت محترم مولانا صاحب کے قلم مبارک سے نکلا ہوا ملاحظہ فرمائیں جو راہ سنت ص۲۲۳ میں ہے۔

جواب دیتے ہوئے فرمایا صاحب بحر الرائق وغیرہ نے تو وکرہ عند القبر کہا ہے یکرہ فی القبر نہیں کہا..... دفن کے بعد تلقین کرنا عند القبر ہے مگر وہ تو والدعاء عندہا قائما کی مد میں ہے جو سنت سے ثابت ہے اور زیارت و دعا دفن سے قبل خالی قبر کی کوئی نہیں کرتا مگر یہ یاد رہے کہ تلقین سے سورۂ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنا مراد ہے، نہ یہ کہ اہل بدعت کی طرح کلمہ وغیرہ پڑھ کر میت کو خطاب کیا جائے۔ یہ خالص بدعت ہے اس لئے بحر الرائق وغیرہ کے الفاظ ہی اس کو متعین کر دیتے ہیں کہ دفن کے بعد دعا اور زیارت کے علاوہ قبر کے پاس اور جو کچھ بھی کیا جائے گا وہ خلاف سنت ہوگا، سجدہ ہو یا طواف یا مروجہ تلقین ہو یا اذان وغیرہ۔ اور یہی ہم کہنا چاہتے ہیں۔

الحمد للہ! اگر آپ کی اصطلاح میں تلقین کا یہی مفہوم ہے جو آپ نے راہ سنت میں بریلویہ کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے تو ہم چشم ما روشن دل ما شاد یہ الگ بات ہے کہ لا مشاحۃ فی الاصطلاح ہمارے فقہاء کی اصطلاح اور ہے اور آپ کی اصطلاح اور ہے اگر اسی کا نام تلقین ہے تو اس کو ہم بھی سنت سمجھتے ہیں اور یہ صحابہ کرامؓ میں بھی معمول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمان موجود اور احادیث میں بھی مروی۔

بقول اپنے اب مولانا کا مبتدع بننا اور بدعت کی اشاعت کرنا

مگر سماع الموتی ص۲۳۳ میں جو آپ نے بروایت طبرانی وابن مندہ شرح الصدور ص۴۴ ومختصر تذکرہ قرطبی ص۲۴ وتخلیص الحبیر ص۱۳۵ ج۲ کے حوالہ سے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث تحریر فرمائی ہے وہ راہ سنت کی تلقین تو نہیں بلکہ وہ وہی تلقین ہے جو اہل بدعت بریلوی اور شیعہ میت کو یا فلان بن فلان کے ساتھ خطاب کرتے ہیں جس کے متعلق آپ نے ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے فرمایا کہ اس حدیث کی صحت کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور حضرات صحابہؓ کی اکثریت یہ کاروائی نہیں کرتی تھی۔ پھر تعامل بتاکر آپ نے اس بدعی تلقین کو راجح قرار دیا ہے اب یہ فیصلہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ راہ سنت کو دیکھ کر اہل بدعت کی بدعی تلقین کو ہم خالص بدعت اور خلاف سنت سمجھیں جیسے قبر پر اذان، سجدہ، طواف وغیرہ یا سماع الموتیٰ کو دیکھ کر اہل بدعت کے تعامل کی طرف نظر کرتے ہوئے مستحب اور راجح قرار دیں۔

کسی نے سچ کہا ہے ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا ۔۔۔ سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

اور بڑا تعجب تو سید ابن عابدین شامیؒ پر ہے کہ اذان علی القبر کی بدعت ہونے پر تو زور شور سے فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ ان کے عہد میں قبر پر اذان کا رواج عام تھا جیسا کہ خود فرماتے ہیں لا یسن الاذان عند دخال المیت فی قبرہ کما ہو المعتاد الآن (یعنی میت کو قبر میں داخل کرتے وقت اذان کہنے کا کوئی شرعی طریقہ مسنونہ نہیں جیسے آج معتاد ہے) اور یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو نہ تو اذان کہنے کا حکم دیں اور نہ ہی لوگوں کو اذان سے روکیں بلکہ صاف صاف بدعت فرمایا۔ مگر سمجھ نہیں آتی کہ تلقین بدعی کے بارے کیوں نرمی برتی کہ نہ حکم دیا جائے اور نہ روکا جائے۔ حالانکہ جو حال اذان کا ہے وہی حال تلقین کا ہے واللہ اعلم بالصواب

رُواۃ کے بارے مولانا کا کتمانِ حق

مزید برآں تعجب حضرت محترم جناب مولانا صاحب پر ہے کہ چند شہروں یا ملکوں کے تعامل کو اجماع کے زمرے میں شامل کر دیا اور اسناد حدیث کی طرف بھی توجہ نہیں فرمائی حالانکہ خود ہی ص۲۴۴ تسکین میں تحریر فرماتے ہیں "یہ یاد رہے کہ کذاب و وضاع وغیرہ راوی کی بات نہیں ہو رہی صرف اس راوی کی بات ہو رہی ہے جس کا ضعف محدثین کرامؒ کے نزدیک قابل برداشت ہے" عوام مطالعہ کرنے والے آپ کے اس فرمان سے یہی سمجھیں گے کہ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث کا کوئی کذاب و وضاع وغیرہ راوی نہیں ہے۔ اور گذشتہ اوراق میں آپ راویوں کا حال معلوم کر چکے ہیں کہ بعض

کا حافظہ اتنا ہے کہ صبح ایک روایت بیان کرتے ہیں تو شام کو بھول جاتے ہیں بعض مدلّس ہیں، بعض حدیث نبوی کے چور ہیں، اور بعض منکر الحدیث متروک الحدیث اور وضاع من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والے ہیں اور یہ بالکل حقیقت ہے اور بیان واقع ہے اور محترم جناب مولانا صاحب فن اسماء الرجال میں دعویٰ رکھتے ہیں کہ دور حاضر میں مجھ سا اور کوئی اس فن میں ماہر نہیں ہے تو یہ سماع الموتیٰ ص۳۳۱ میں یہ عبارت لکھ کر قصداً و عمداً باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث بے غبار ہے، استناداً احتجاج کے قابل ہے پھر تعامل کے ساتھ اس کو مزید تقویت مل گئی۔ مگر حقیقت در امر واقع یہ ہے کہ نہ حدیث قابل احتجاج ہے اور نہ اس پر تمام امت کا تعامل اور اجماع ہے بلکہ جتنے عین بریلویہ و روافض کا اجماع اور تعامل ضرور ہے اگر اس طرح کا تعامل اور اجماع آپ کے ہاں حجت ہے تو اور لوگ آپ سے مرعوب ہو کر ہاں میں ہاں ملا دیں تو اور بات ہے مگر میں اگرچہ اکیلا ہوں گا اور سب لوگ مجھے لعن طعن کریں گالیاں دیں ماریں پیٹیں آپ کی بات تسلیم کرنے سے قاصر ہوں۔ قاعدہ قانون اور اصول جو علماء حق نے وضع فرمائے ہیں ان سے تو صرف نظر نہیں کی جا سکتی۔ اور آپ کا حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی عبارت کا بدعتی تلقین پر چسپاں کرنا بے محل اور بے موقع ہے کیونکہ آپ نے وہ اجماع کے ساتھ مؤید حدیث ضعیف کے بارے فرمایا ہے جیسے بیس تراویح کے بارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ضعیف ملتی ہے مگر صحابہ کرامؓ کا بیس تراویح پر اجماع ہو چکا ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے ایسی حدیث کے بارے اختلاف محدثین بیان فرما کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ اب مسئلہ تلقین پر ایسا اجماع آپ دکھا سکتے ہیں؟

زاذان کے بارے جو محترم نے لکھا ہے کہ شیعہ ہونا نقیر واعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں (تسکین ص ۱۰۲) مردود ہے کیونکہ مذہب شیعہ کا آپ سمجھ گئے ہیں۔ نیز ساتھ ہی یہ لکھا کہ "اعادہ روح الی الجسد کے اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے نہ شیعہ کا صاف مردود ہو گیا کیونکہ شیعہ کی کتب سے جو میں نے تلقین کا طریقہ نقل کیا ہے کہ میت کے کندھے کو ہلا کر تلقین کرے اور اس سے پوچھے کیونکہ وہ سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اس میں تصریح ہے اس امر کی کہ اسی جسد عنصری کی طرف روح لوٹتی ہے۔ پھر محترم کو سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے۔

مُردوں کا ساری مخلوق کا کلام سننا

علامہ سیوطی کا معتقد

سماع الموتیٰ صفحہ ۱۰۵ میں ہے جو حضرات سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ مرنے دور دراز سے بھی سنتے ہیں۔ وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ قبر کے پاس اگر سلام و کلام کیا جائے تو وہ سنتے ہیں دور دراز سے عدم سماع پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ دور سے سننے کا مسئلہ غیر اللہ کے بارے میں عقیدہ علم غیب اور حاضر و ناظر پر متفرع ہے اور ان کا کفر ہونا واضح دلائل سے اپنی جگہ پر ثابت ہے

اب آپ فیض الباری میں نقل کردہ سیوطی کی عبارت جو سماع الموتیٰ ص ۲۰۷ میں درج ہے اور تسکین الصدور کے اخیر صفحہ پر یہ عبارت بادنیٰ تغیر درج ہے اور جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے لکھ کر کہا کہ "علماء دیوبند وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو ان اسلاف کا تھا اور چودہ سو سالہ اسلاف کا ہے" اس عبارت سیوطی کو دیکھیں اور وہ یہ ہے

سماع موتیٰ کلامَ الخلق قاطبة   قد صح فیها لنا الآثار بالکتب

یعنی مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں کئی کتابوں کی حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں (ترجمہ از صفدر صاحب)۔

تو سیوطی کی یہ عبارت صراحۃً بتاتی ہے کہ مُردے ساری مخلوق کا کلام سنتے ہیں خواہ وہ مخلوق قبر کے پاس ہو یا قبر سے دُور۔ پھر آپ کیسے دعویٰ سے کہتے ہیں دُور دراز سے عدم سماع پر سب کا اتفاق ہے پھر سیوطی صاحب کا معتقد اور عقیدہ بقول مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی علماء دیوبند کا یہی عقیدہ ہے یعنی علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ مُردے ساری مخلوق کا کلام سنتے ہیں خواہ وہ مُردے کے قریب قبر پر کھڑی ہو یا دُور ہو۔ پھر آپ فرماتے ہو کہ دور سے سننے کا...... کفر ہونا واضح دلائل سے اپنی جگہ پر ثابت ہے اگر یہ بات ٹھیک ہے تو بتائیں سیوطی جو دُور و نزدیک ساری مخلوق کا کلام سننا مُردوں کے حق میں بلاشبہ صحیح اور اپنا معتقد بتاتا ہے وہ مومن رہا یا کافر ہو گیا پھر مفتی جمیل احمد تھانوی کون ہوئے اور بقول ان کے علماء دیوبند مسلمان ہوئے یا کافر؟ آپ کا بھی اگر یہی عقیدہ ہے تو آپ مسلمان ہیں یا کافر؟

کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ اگر یہی عقیدہ ہے اور آپ دیوبندیوں کے امام ہیں تو تمام دیوبندوں کا یہی عقیدہ ہوا اور نقل تعمیم ہوتی ہے اس قاعدہ کے مطابق سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا بھی یہی عقیدہ ہوا جو دیوبند میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہ چکے ہیں تو بریلویوں اور دیوبندیوں کا اختلاف کیا رہا جب بریلوی ہند یا ترک وغیرہ مقامات سے شیخ عبدالقادر جیلانی کو پکارتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ اور کہتے ہیں کہ ہماری یہ بات حضرت شیخ سن رہے ہیں تو یہ عقیدہ اولیاء کے بارے بھی صحیح ہوا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو حیات ہیں بحیات دنیویہ عنصریہ جسمیہ حقیقیہ وہ تو بطریق اولیٰ ساری مخلوق کی کلام کو بلاشبہ سنتے ہیں۔ پھر آپ لوگوں کو یوں کیوں بتاتے ہو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دور سے تو نہیں سنتے البتہ قبر کے پاس سے سن لیتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ بریلوی آپ کو گستاخ کہتے میں حق بجانب ہیں کہ عام اموات کے متعلق تو آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ ساری مخلوق کا کلام سنتے ہیں مگر حضور سرور کائنات حبیب رب العلمین کے بارے کہتے ہو کہ وہ دور والوں کا کلام سلام نہیں سن سکتے صرف قبر کے پاس کلام وسلام کیا ہوا سن لیتے ہیں۔ تم نے حضور پر نور کی شان مُردوں سے بھی گھٹا دی۔ کتنے گستاخ ہو اور نبی کا گستاخ کافر ہے

دوسرے یہ کہ پھر آپ یوں کس لیے لکھتے ہیں کہ

"یہ کہنا کہ مردے مطلقاً سنتے ہیں یعنی ان کا ہر فرد اور ہر وقت سنتا ہے تو یہ ایسی بات ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے اور سماع موتیٰ کی کلیۃً نفی کرنا ان نصوص سے تصادم اور مزاحمت ہے جن کا ذکر ابھی ہوا۔ اور یہی ہے ہم فی الجملہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں یعنی کسی وقت نہ کہ ہر وقت (کیونکہ مومن نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ کا مزہ بھی تو لیتے ہیں۔ اور کسی وقت ان کی توجہ صرف الی اللہ تعالیٰ ہی ہوتی ہے۔ صفدر) اور بعض اشخاص کے لیے نہ کہ ہر ایک کے لیے اور بعض کلام نہ کہ ہر ایک الخ" (سماع الموتیٰ صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴، نقلاً عن احکام القرآن حزب ۱۹۳ ص

کیا قاطبۃً تمام مخلوق کا کلام سننا" اور "بعض کے لیے نہ کہ ہر ایک کے لیے" میں کوئی فرق نہیں ہے

پھر اس میں یہ عقیدہ ثابت ہوا کہ مردے بعض اوقات سوتے ہیں اور بعض اوقات جاگتے ہیں تو اولاً یہ عقیدہ معارض ہے اس حدیث کے جو سماع الموتیٰ صفحہ ۱۹۵ میں لکھی ہے جس کی تصحیح کی نسبت ابن عبدالبر اور عبدالحق امام کی طرف کی گئی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا

میں پہچانتا تھا وہ جب بھی اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے
کیونکہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مُردہ سوتا نہیں اور نہ خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے بلکہ
وہ ہر وقت جاگتا اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی میری جان پہچان والا آئے اور مجھے سلام دے تو میں
اس کا جواب دوں اور اس کے لیے نہ کوئی دن مقرر ہے اور نہ کوئی ٹائم مقرر ہے جیسے صفحہ ۲۰۲ میں حافظ
ابن قیم قول نقل فرمایا ہے وانہ لا توقیت فی ذٰلک یعنی اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں ہے اور
نم کنومۃ العروس والی حدیث بتاتی ہے کہ (بقول صفدر) مومن مُردے کسی وقت سونے کا مزہ بھی لیتے
ہیں اور جب ان کے سونے کا ٹائم ہوتا ہوگا تو اس وقت جو بھی جان پہچان والا آکر سلام کہیگا تو وہ
آرام سے میٹھی نیند سونے والا مُردہ نہ اس کو پہچانے گا اور نہ اس کے سلام کا جواب دے گا۔ اور جاگتے ہوئے
بھی یہ ضروری نہیں کہ ہر جان پہچان والے کو پہچان لے اور اس کے سلام کا جواب دے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جب
اس مردے کی جان پہچان والا آیا ہو اور اس نے مُردے کو سلام کہا ہو اس وقت اس مردہ کی توجہ صرف اللہ
کی طرف ہو اور ایسی مشغولی کی حالت میں زائر کو نہ پہچان سکا ہو اور نہ اس کے سلام کا جواب دے سکا ہو
تو اگر آپ کی عبارۃ صفحہ ۱۹۴ والی پر عقیدہ رکھیں تو صفحہ ۲۰۲ والی عبارت غلط ہوگی۔ اگر صفحہ ۲۰۲ والی
صحیح مانیں تو صفحہ ۱۹۴ والی عبارت سے عقیدہ ہٹانا ہوگا۔ یہ عقدہ لاینحل ہے

ثانیاً صفحہ ۱۹۴ پر عقیدہ رکھیں تو ٹائم ٹیبل تیار کرنا ہوگا کہ کونسے وقت میں مُردے سوتے ہیں اور
کونسا وقت ان کے جاگنے کا ہے اور جاگنے کے اوقات میں کونسے وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں
اور کونسے وقت میں مُردے توجہ الی اللہ سے فراغت پاتے ہیں تاکہ ہم ان کو اپنی جان پہچان کرا سکیں اور
ان کو سلام کہہ سکیں تاکہ وہ ہمارے سلام کا جواب مرحمت فرمائیں

اور توجہ الی اللہ سے جب فارغ بھی ہو جائیں پھر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مُردے کسی اور مصروفیت اور
فکر میں منہمک ہوں کیونکہ سماع الموتیٰ صفحہ ۲۶۴ میں ہے آدمی قریب ہو اور اپنی کسی مصروفیت اور فکر
میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سنتا۔ قریب سے بھی بات سننے کے لیے توجہ اور التفات کی ضرورت ہے
پھر اس ٹائم ٹیبل میں ایسے اوقات کا ذکر ہو جن میں ان مصروفیات سے بھی فارغ ہوں۔

پھر اس میں یہ فہرست بھی ہونی چاہیے کہ وہ کون کونسے اشخاص ہیں جن کی بات مردے سن لیا کرتے ہیں اور کون کونسے وہ اشخاص ہیں جن کی بات مُردے نہیں سنتے

پھر اس میں یہ فہرست بھی ہونی چاہیے جس میں یہ تفصیل ہو کہ فلاں فلاں نوعیت کا کلام تو مُردے سنتے ہیں اور فلاں فلاں نوعیت کا کلام مُردے نہیں سنتے

بخاری کی حدیث نیک آدمی کے بارے نم صالحا (ص ۱۹) اور آیۂ قرآنیہ من بعثنا من مرقدنا سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں احساس نہیں ہوتا اور وہ سب سوئے ہوئے ہوتے ہیں (فیض الباری ص ۴۳۱ ج ۱) شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ برزخ میں لوگوں کے حالات انکے اپنے اپنے کردار کے موافق مختلف ہوتے ہیں بعض اپنی اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض مزے لیتے ہیں (بعض عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ سونے والا نہیں (اور محمد مرتضیٰ زبیدی نے بھی تاج العروس میں اسی طرح لکھا ہے) اور مردہ جب جاگے گا تو جنتی فرحت میں ہوگا اور دوزخی عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس حالت فرحت و عذاب میں وہ مردے (بقول شاہ صاحبؒ) کیسے سُنیں گے کا جب آپ نے خود روایت فرمائی ہے مشکوٰۃ ص ۱۶ سے پھر حضرت رحمہ اللہ کا حوالہ دے کر فرمایا کہ حضرت عثمان بن [illegible] حضرت عمرؓ کے سلام کی خبر نہ ہوئی جس کا جواب دینا واجب تھا۔ اکثر فرح یا غضب کے غلبہ سے ایسا ہو جاتا ہے اھ (بوادر النوادر ص ۶۶۸) (سماع الموتیٰ صفحہ ۲۶۴ و ۲۶۵)

مولانا! یہ بات تو الٹا ہماری مؤید ہے کہ مُردے نہیں سنتے کیونکہ وہ یا سوئے ہوئے ہوں گے یا بیدار اگر بیدار ہوں گے تو یا فرحت میں ہوں گے یا سختی میں مبتلا ہوں گے۔ ہر حال میں وہ دنیا والوں کا سلام نہیں سنتے

مفتی جمیل احمد تھانوی کا ایک اور ارشاد

مفتی جمیل احمد تھانوی کا فتویٰ تسکین ص ۲۳۴ میں ہے لکھا ہے کہ حیات کے لئے سماع لازم ہے۔ مفتی صاحب بتائیں کہ بہرے اور پیدائشی گونگے مُردوں میں شمار ہیں؟ جو سو جائے یا بیہوش ہو جائے وہ بھی مُردوں میں شمار ہے۔ پھر موت کے کیا معنے ہیں جب ظاہری حواس سب قائم ہوں دیکھتا بولتا سنتا سمجھتا ہو وہ زندہ ہوا یا مردہ؟

انتفاء اللازم یستلزم انتفاء الملزوم کیا یہ قاعدہ غلط ہے؟

محدث بنوریؒ کا تسامح

بنوری صاحبؒ کی تقریظ تسکین ص ۲۴ میں ہے کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھنا بس کافی تھا کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے

جی حضور! پھر غیر مقلدین کے ساتھ کیوں الجھتے ہیں جب کہ آپ کی پکی احادیث پر آپ جرح فرما دیتے ہیں اس بنا پر کہ اس حدیث کا راوی محمد بن اسحٰق مثلاً ہے حالانکہ خود حنفیہ ابن ہمام اور عینی جیسے ثقہ قرار دیتے ہیں اور حنفیہ کی اکثر احادیث پر علامہ زیلعیؒ نے بحث بھی ہے کیا عقائد کے مسائل میں چشم پوشی سے کام لینا اور فروع میں ٹھوک بجا کر راوی پر بحث کرنا یہی اصل الاصول ہے

تنبیہ الناس
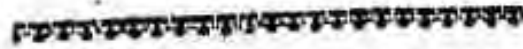
فی بیان

مسئلۃ الاستیناس

سوال

سوال فتاویٰ قاضی خان اور عالمگیری میں ہے ان قرأ القرآن عند القبور نوی بذالك ان یؤنسہ صوت القرآن فانہ یقرأ اگر مردے نہیں سنتے تو قبروں کے پاس قرآن خوان کی آواز سے مردوں کے مانوس ہونے کا کیا مطلب ان کا قرآن کی آواز سے مانوس ہونا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ قبور کے پاس قرآن خوان کی آواز سنتے اور اس سے مانوس ومنتفع ہوں۔

جواب نمبرا

جواب پوری عبارت قاضی مصری ج۱ ص۲۳ وعالمگیری مصری ج۵ ص۳۵۰ میں یوں ہے وان قرأ القرآن عند القبور ان نوی بذلک ان یونسہ صوت القرآن فانہ یقرأ فان لم یقصد ذلک فاللہ تعالیٰ یسمع قراءۃ القرآن حیث کانت۔

مندرجہ عبارت میں صوتِ قرآن سے میت کا انس ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ فقہاء اپنی طرف سے میت کو قرآن سے انس ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ دونوں فتاویٰ والے یہ بیان کرتے ہیں کہ قبرستان میں قرآن پاک پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہا ہے جیسے قاضی خان جلد اول فصل قراءۃ القرآن ص میں ہے قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ یکرہ وقال محمد رحمہ اللہ لا یکرہ ومشایخنا اخذوا بقول محمد رحمہ اللہ۔

پس قاضی خان وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ قبرستان میں قرآن پاک پڑھنا بقصدِ انسِ میت بھی جائز اور بلا قصدِ انسِ میت پڑھنا بھی جائز۔ مطلب جوازِ قراءت سے ہے نہ مطلب اثباتِ انس سے۔ انس کی نیت کرنا نہ کرنا

پڑھنے والے کا محض خیال ہے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح۔ قرارت جب لوجہ اللہ ہے تو قرارت کے جواز میں کلام نہیں ہے

پس قاضی خان کی اس عبارت سے میت کے انس کو ثابت کرنا ہی غلط ہے چہ جائے کہ اس انس پر

سماع میت کو متفرع کیا جائے۔

اور یہ غلطی ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ رمضان کے روزے نفل ہیں فرض نہیں ہیں

اور دلیل میں اصول فقہ حنفیہ کی وہ عبارت پیش کرے کہ جس میں رمضان المبارک کے روزے کی نسبت

روزے دار کی نیت کی تردید آئی ہے "فیصاب صوم رمضان بمطلق اسم الصوم بان یقول نویت الصوم ومع الخطاء

فی الوصف بان ینوی النفل الخ یعنی رمضان کے روزے کی صحت کے لئے مطلق روزہ کی نیت بھی کافی ہے۔

کہ آج میرا روزہ ہے اور اگر کوئی نفل روزے کی نیت کرے تو بھی رمضان ہی کا روزہ ہو جائے گا

گو فرض روزہ رمضان کے لئے نفل کہہ کر نیت کرنا خطا ہے۔ مگر روزہ بہر حال روزہ رمضان المبارک

کا ہی ادا ہو گا۔

اب رمضان کے روزوں کو نفل کہنے والا یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دیکھئے جناب! جب

رمضان المبارک کا روزہ نفل کی نیت سے جائز ہے اور رمضان کے روزہ کی صفت نفل ہوئی تو اس

سے ثابت ہو گیا کہ رمضان کا روزہ نفل ہے۔ سو اس دعوٰی نفلیتِ روزۂ رمضان کرنے والے کا یہی

جواب ہو گا کہ یہ نیت کرنے والے کی غلطی کا اظہار ہے نہ کہ روزۂ رمضان کے نفل ہونے کا یہ عبارت ثبوت ہے

پس بعینہٖ اسی طرح قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کا جواز بیان کیا جاتا ہے۔ قاری کی نیت خواہ

انس کی ہو خواہ غیر انس کی یہ اس پڑھنے والے کا قلبی فعل ہے۔

پس جس طرح ماہِ رمضان معیارِ صوم ہے جو ہر غلط یا صحیح نیت سے درست ہو جاتا ہے اسی طرح

قبرستان میں قرآن پاک کے پڑھنے کے جواز کا معیار قرارت لوجہ اللہ ہے پھر جس نیت سے بھی پڑھنے والا

پڑھے گا صحیح ہو جائے گا خواہ وہ پڑھنے والا انس کی نیت کرے یا نہ کرے۔

اب رہا نیت کرنے والے کی نیت یہ کیا ضرورت ہے کہ وہ نیت صحیح بھی ہو۔ اس کا صحیح ہونا کہاں سے

لازم آیا۔ اگر یہاں انس ثابت کیا جائے گا تو وہاں روزۂ رمضان کا نفلی ہونا بھی ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ

جیسے یہاں انس صرف پڑھنے والے کی نیّت ہے اسی طرح نفل کی نیّت روزہ دار کی نیت ہے اگر ان دونوں نظیروں کے درمیان مابہ الافتراق ہے تو بیان کیا جائے۔

جواب نمبر۲

جواب۲ بعض فقہاء نے جو قرآن مجید کی قراءت کو قبرستان میں مقرر فرمایا ہے تو اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے مگر وہ الفاظ حدِ یقین تک نہیں پہنچاتے۔ صرف ایک وہمی امید پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ فتاویٰ قاضی خان ص۱ فصل قراءۃ القرآن میں ہے ومشائخنا رحمہم اللہ اخذ وا بقول محمد رحمہ اللہ واعتادوا اجلاس القاری فی مقابر قراءۃ آیۃ الکرسی وسورۃ الاخلاص والفاتحۃ وغیر ذلک رجاء ان یونس الموتیٰ یعنی ہمارے مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ کا قول لے کر قبرستان میں قرآن پاک (آیۃ الکرسی سورۂ اخلاص اور فاتحہ وغیرہ) پڑھنے کا معمول محض بامید مانوس ہونے میتوں کے ہے۔

پس رجاءً صاف دلالت کرتا ہے کہ قراءۃ قرآن سے اموات کا مانوس ہونا امر یقینی نہیں ہے اور اس امر کی نظیر اصول فقہ کا وہ مسئلہ ہے جو نماز کے کفارہ کی بابت کتب اصول فقہ میں مذکور ہے چنانچہ مختصر حسامی میں ہے فامرنا بالفدیۃ عن الصلوٰۃ احتیاطاً ورجونا القبول من اللہ فضلاً اور نورالانوار میں ہے فامرنا بالفدیۃ عن جانب الصلوٰۃ فان کفت عنہا عند اللہ تعالیٰ فبہا والّا فلہ ثواب الصدقۃ مطلب ان کا یہ ہے کہ قضاء صیام کا کفارہ تو شرع شریف میں ثابت تھا۔ اسی بات کو دیکھ کر کے قضاء نماز کا کفارہ دینے کا حکم دیا گیا۔ اور امید قبولیت کی اللہ تعالیٰ سے رکھی گئی۔ پس اگر اس کفارہ سے قضاء نماز کا جبر نقصان ہوگیا اور میت کے ذمہ سے نماز ساقط ہوگئی تو فبہا۔ اور اگر نماز ساقط نہ بھی ہوئی تب بھی اس خیرات کا ثواب تو میت کو پہنچے گا۔

اب اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ نماز کا کفارہ ادا کرنے سے کوئی عالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ بالیقین نماز اس کے ذمے سے ساقط ہوگئی کیونکہ یہاں لفظ رجاء (امید) کا آیا ہے۔ اس لفظ سے قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی البتہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں میت کے ذمے سے نماز ساقط ہوگئی تو خیر۔ ورنہ خیرات کا ثواب تو ہو ہی جائیگا۔

اسی طرح انس میت کے بارے بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ رجاء کا لفظ لائے ہیں اس لئے میت سمجھئے

انس میت کا یقینی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پس اگر انس نہ ہوا تو بالآخر ثواب تو ان شاء اللہ کہیں گیا ہی نہیں اب جب مُردوں کا انس امر یقینی نہیں ہے تو مُردوں کا سننا امر یقینی کس طرح ہو سکتا ہے پھر یہ کس طرح دلیل میں پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ علماء کے ہاں محقق ہے کہ جب کسی دلیل کے اجزاء وہمی یا ظنی ہوں تو وہ دلیل خود وہمی یا ظنی ہوگی اور پھر اس سے جو نتیجہ نکلے گا وہ بھی وہمی اور ظنی ہی نکلے گا۔

جواب نمبر۳

جوابؔ علی سبیل التسلیم میت کو ادھر سے انس حاصل ہوتا ہے مگر انس اس طرف کی آواز سننے سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ میت دنیا یا اہلِ دنیا کی آواز اصلاً نہیں سنتا مگر قرآن مجید اور ذکر الٰہی وغیرہ سے میت کو انس من جانب اللہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب کسی نے قبر پہ جا کر قرآن مجید پڑھا یا ذکر الٰہی کیا پس بجنسہٖ یہ آواز میت تک نہیں پہنچتی۔ بلکہ قرآن مجید کی آواز، ذکر الٰہی کی آواز حضور رب العٰلمین نے سنی اور اس کے بعد قرآن مجید پڑھنے یا ذکر الٰہی کرنے کی جگہ خاص رحمت رب العٰلمین کی جانب سے بوجہ قرآن مجید پڑھنے کے یا ذکر الٰہی کرنے کے نازل ہوئی ہے وہ میت اس رحمت کے نازل ہونے سے فوراً مسرور و مانوس ہوتا ہے کیونکہ میت کو اُس جانب پورا پورا ادراک و شعور و احساس ہوتا ہے یہاں دنیا میں جتنا اس کو ادراک و شعور و احساس ہوتا ہے وہاں اس سے بڑھ کر ادراک و شعور و احساس ہوتا ہے۔ ب

پس جب کہ اس رحمت کے نازل ہونے کا سبب یہ قرآن خوانی اور ذکر الٰہی ہوا ہے اسی لئے میت کے انس کو سبب السبب کی طرف مضاف کیا گیا ہے (انسِ میت کا سبب نزولِ رحمت الٰہی، اور نزولِ رحمت الٰہی کا سبب قرآن خوانی، ذکر الٰہی اور اس کی آواز جو خدا کو پیاری لگتی ہے) اور سبب کا سبب بھی سبب ہی ہوا کرتا ہے کما تقرر فی الاصول۔ اس بنا پر اُنسِ میت کی اضافت تلاوتِ قرآن و ذکر وغیرہ اور اس کی صوت و آواز کی طرف صحیح ہوئی۔ لیکن اس سے سماعتِ میت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

کیونکہ میت کے مانوس ہونے کی معقول وجہ فقہائے حنفیہ اور علمائے اہل السنۃ والجماعت نے نزولِ رحمتِ الٰہی بتائی ہے نہ سماعِ صوتِ قرآن مجید۔

میت کے مانوس ہونے کی معقول وجہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک

درمختار میں

ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار میں اسی مسئلہ کے تحت کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا' متاخرین شافعیہ کا قول نقل فرمایا ہے لان محل القراءۃ تنزل الرحمۃ والبرکۃ والدعاء عقبہا ارجی للقبول یعنی قراءۃ القرآن کی جگہ خدائے پاک کی طرف سے رحمت اور برکت کا نزول ہوتا ہے اور تلاوت قرآن پاک کے بعد جو دعا کی جائے اس کی بارگاہ الٰہی میں قبول ہونے کی زیادہ امید ہے

اسی طرح ردالمحتار ص۴۵ میں ہے یکرہ ایضا قطع النبات والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعلل فی الامداد بانہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس بہ المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ یعنی قبرستان میں سے پودے بوٹیاں اور ہری گھاس کاٹنا بھی مکروہ ہے البتہ خشک گھاس یا لکڑی کاٹ کر وہ نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ گھاس بوٹے جب تک ہرے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں جس سے میت کو انس ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

مراقی الفلاح میں

اسی طرح مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مصری ص۱۲۴ میں ہے وتنزل بذکر اللہ الرحمۃ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے سے رحمت الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

طحطاوی میں

اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں وبہ تنزل الرحمۃ

پس وبہ تنزل الرحمۃ جملہ تعلیلیہ ہے جو علت واقع ہوا ہے فیونس کا۔ پس معنے یہ ہوئے کہ ہری گھاس تسبیح الٰہی کرتی ہے اس تسبیح سے مردے کو انس ہوتا ہے۔ اور میت کے انس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی سے رحمت الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔ چونکہ میت اس طرف سے بہت خوش مند ہے اس لئے

وہ ثواب کے نازل ہونے سے خوش ہوتا ہے۔ اور یہی ہیں انسِ میّت کے معنے۔ اور یہ مطلب لینا سراسر غلط ہے کہ میّت گھاس کی تسبیح کی آواز سُن کر مانوس ہوتا ہے

پس یکرہ قطع الحشیش جملہ معلولہ ہے اور لانہ مادام رطبا یسبح اللہ اس کی علت ہے اور فیونس بہ المیت جملہ معلولیہ ہے اور تنزل بہ الرحمۃ جملہ علت ہے اور بہٖ میں ب تعلیلیہ ہے۔

صلوٰۃ مسعودی

صلوٰۃ مسعودی فقہ حنفی مطبوعہ مرتضوی ص۲۱۶ میں ہے ہر گیاہ بر خاک برآید آن گیاہ سبز شود و تسبیح گوید ثواب آن بمردہ رسد یعنی ہری گھاس کی تسبیح کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے

پس جب ہری گھاس کی تسبیح سے مردہ کو ثواب پہنچا مردہ خوش ہوا مانوس ہوا نہ یہ کہ مردہ گھاس کی تسبیح سنتا ہے۔ چونکہ یہ ہری گھاس کی تسبیح نزولِ ثواب کی سبب ہوئی اور نزولِ ثواب سبب ہوا میّت کے انس کا۔ اس لیے انس کی اضافت سبب السبب کی طرف کی گئی

سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔
اللھم صل علی سیدنا ومولٰنا محمد عبدک ونبیک وعلی اٰلہ واصحابہ وازواجہ وبناتہ اجمعین

حدیث کیت وذیت
فی معرفۃ المیت

وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے کہ ما من رجل یمر بقبر اخیہ المسلم کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام (جو بھی اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس پر سلام کرتا ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے) اور کہتے ہیں کہ اس حدیث کو حافظ ابو عمر ابن عبد البر المالکی (متوفی ۴۶۳ھ) اور عبد الحق نے صحیح کہا ہے اور ہمارے محققین نے ان کی تائید کی ہے جن میں سے کسی ایک نے بھی نہ اس حدیث کی سند بتلائی اور نہ ہی اس کے رجال پر بحث فرمائی

بلکہ حضرت سید انور شاہ محدث کشمیری و عثمانی وغیرہ ابن تیمیہ و امام ابن قیم نے فرمایا کہ ابن عبد البر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور گنگوہی نے ابن تیمیہ کا حوالہ دے کر کہا کہ عبد البر نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور قرطبی و زرقانی و آلوسی و صدیق حسن خان نے کہا کہ عبد الحق نے اس کو صحیح کہا بہر حال سب کا اعتماد انہی دو محدثین پر ہے۔ الصارم المنکی میں فرمایا کہ عبد الحق نے کتاب العاقبہ میں کہا حالانکہ اس نام کی کوئی کتاب عبد الحق کی نہیں ہے

دوسرے ابن رجب نے اس حدیث کو ضعیف بلکہ منکر کہا ہے علامہ آلوسی نے روح المعانی ص ۵۰ ج ۲۱ میں اس قول کو نقل کر کے اس کو رد نہیں فرمایا اور حسب قاعدہ محترم مولانا کے علامہ آلوسی اس رد کو صحیح کہتے ہیں نیز معلوم ہوا کہ علامہ آلوسی اپنا عندیہ نقل فرمایا کہ کہ عبد الحق نے اس کو صحیح کہا ہے مگر اس کا صحیح کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ابن رجب نے منکر کہا ہے اور یہی قول صحیح ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عبید بن جنید مولیٰ بنی ہاشم ہے جو مسلم و ابو داؤد و نسائی و ترمذی کا راوی ہے خلاصۃ التہذیب میں شیخ خزرجی نے اسے ضعیف کہا اور یہ کہنا کہ جرح مبہم ہے لہٰذا اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے یہ بیان غیر مناسب اور غیر مسموع ہے اس لئے کہ حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے الرفع والتکمیل ص ۵ میں فرمایا ہے کہ اما من جہل ولم یعلم فیہ سوی قول امام من ائمۃ الحدیث انہ ضعیف او متروک او نحو ذلک فان القول قولہ ولا نطالبہ بتفسیر ذلک۔ ووجہ قولہم ان الجرح لا یقبل الا مفسرا فی من اختلف فی توثیقہ وتجریحہ۔

یعنی جس راوی کے متعلق کسی آدمی کا قول نہیں ملا ہاں صرف ایک امام حدیث ہے جس نے اس راوی کو ضعیف کہا یا متروک وغیرہ تو پھر
اسی ایک امام کا قول معتبر ہوگا اور اس راوی کے ضعیف یا متروک وغیرہ کی تفسیر و تفصیل کا اس سے مطالبہ نہ کریں گے کیونکہ ائمہ حدیث کا یہ
قاعدہ ہے کہ جرح مفسر جب تک نہ ہو تو ایسی جرح کو قبول نہ کیا جائے یہ صرف اس راوی کے بارے قاعدہ ہے جس کی جرح و توثیق میں ائمہ
علماء حدیث و رجال کا اختلاف ہو۔ نیز اسی کتاب کے ص۸۳ میں ہے کہ فان خلا عن التعدیل قبل مجملا غیر مبین السبب یعنی اگر ایک راوی کی
تعدیل تو کسی نے نہیں کی ہاں ایک محدث نے بغیر بیان سبب ضعف کے مجمل جرح کر دی تو وہ مجمل جرح مان لی جائے گی۔ اب الرفع والتکمیل
ص۸ کی عبارت کا مطلب وضاحت کے ساتھ آشکارا ہو گیا اور شرح نخبۃ الفکر ص۱۱۱ کی عبارت بھی بانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہی ہے جیسے
خود جناب محترم مولانا صاحب نے سماع الموتی ص۲۱ میں نقل فرمایا ہے ان کان غیر مفسر لم یقدح فی من ثبتت عدالتہ یعنی جس راوی
کی عدالت ائمہ رجال کی تعدیل سے ثابت ہو جائے جو جرح کے اسباب میں مہارت رکھتے ہوں تو ایسے راوی کے بارے کسی کی جرح غیر مفسر
قادح نہیں ہو سکتی۔ اور راوی مختلف فیہ میں یہ بات نہیں ہے لہٰذا یہ جرح مقبول ہوگی اگرچہ مبہم ہی ہے۔

رہا ابن عبدالبر اور عبدالحق اشبیلی کا اقدم اور اعلم ہونا سو یہ کوئی وجہ ترجیح کی نہیں ہے کیونکہ بعض امور اقدم و اعلم کی نظر سے
رہ جاتے ہیں اور متاخر غیر اعلم کو اس کا علم ہو جاتا ہے

چنانچہ جناب محترم مولانا صاحب اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سمجھتے ہوں گے مگر ہمارے ناقص خیال میں علامہ محدث بیہقی رحمہ اللہ
سے نہ اقدم ہیں نہ اعلم ہیں مگر یہ لہٰذا احسن الکلام ص۱۰۵ ج۲ میں فرماتے ہیں "امام بیہقی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے مگر ان کی یہ
تصحیح بھی قابل اعتماد نہیں ہے۔ کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ ہی چکے ہیں" واقعی محترم مولانا کی اتنی اتھارٹی ہے۔

لیکن اگر کوئی دوسرا آدمی کہہ دے کہ ابن عبدالبر اور عبدالحق نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے مگر ان کی یہ تصحیح قابل اعتماد نہیں
ہے کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابن رجب جیسے متبحر عالم نے اسے ضعیف بلکہ منکر کہا اور عالم ربانی سید آلوسی رحمہ اللہ
نے اپنی تفسیر میں اس قول کو نقل فرمایا اور تردید نہیں فرمائی گویا ابن رجب کے قول پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور شیخ خزرجی نے
اس سند کے رواۃ کو پرکھا تو اس نے حمید بن زیاد مولیٰ بنی ہاشم کو ضعیف پایا تو اس کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کیونکہ وہ اس اتھارٹی
کا آدمی نہیں ہے۔ لہٰذا محترم مولانا صاحب سے پہلے علم پڑھو وہاں سے قسمت میں ہے تو سند ملے گی تب اتھارٹی بھی مل جائے گی پھر
بیشک بخاری، ابن حجر، انور شاہ صاحب کشمیری کی غلطیاں نکالتے رہو سب کچھ درست ہوگا فافہم وتدبر

ابن الجوزی رحمۃ اللہ کی تحقیق

ابن الجوزیؒ نے العلل المتناہیۃ فی الاحادیث الواہیۃ ص ۴۲۹ وج۲ ص ۴۳۰ میں حدیث فی اجابۃ الزائر کے تحت لکھا انا ابو منصور القزاز انا ابوبکر احمد بن علی الحافظ انا ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ السراج قال حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم قال حدثنا الربیع بن سلیمان قال حدثنا بشر بن بکر قال حدثنا عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم عن ابیہ عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من عبد یمر علی قبر رجل یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔ قال المؤلف ہذا حدیث لا یصح۔ واجمعوا علی تضعیف عبد الرحمٰن بن زید۔ قال ابن حبان کان یقلب الاخبار وہو لا یعلم حتی کثر ذلک فی روایتہ من رفع المراسیل واسناد الموقوف فاستحق الترک۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ میت کی قبر پر جو ایسا آدمی گزرے جس کو دنیا میں رہنے کی مدت میں میت اسے جانتا پہچانتا تھا اور پھر وہ قبر پر آنے والا آدمی اس قبر والے میت کو سلام کہے تو وہ میت اسے پہچان جاتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ یہ حدیث بیان کر کے ابن الجوزی مؤلف کتاب نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس حدیث کی سند میں عبد الرحمٰن بن زید راوی ہے جس کے ضعف پر سب کے سب محدثین متفق ہیں ابن حبان نے بھی کہا ہے کہ وہ لاعلمی میں حدیثیں الٹ پلٹ کر دیا کرتا تھا حتیٰ کہ اس کی روایت میں اکثر مراسیل کو مرفوع اور موقوف کو مسند بیان کیا جاتا تھا جس لئے وہ ترک کا مستحق ہو گیا۔

اس کے حاشیہ میں محشی صاحب نے لکھا ہے لکن افاد الحافظ العراقی ان ابن عبد البر خرجہ فی التمہید والاستذکار باسناد صحیح من حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما وممن صححہ عبد الحق بلفظ ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام اھ (فیض القدیر ج ۵ ص ۴۸۷) وقال المتقی ایضا سندہ جید۔ قلت ذکرہ ابن عبد البر فی الاستذکار ج ۱ ص ۲۳۴ ومن طریقہ عبد الحق فی احکامہ ج ۱ ص ۲۶۲ ق فقال حدثنا ابو عبد اللہ عبید بن محمد قراءۃ منی علیہ قال املت علینا فاطمۃ بنت ریان المخزومی المستملی فی دارہا بمصر فی شوال سنۃ ۳۴۲ قالت حدثنا الربیع بن سلیمان المؤذن صاحب الشافعی قال حدثنا بشیر (بشر) بن بکر وفی الاستذکار بکیر عن الاوزاعی عن عطاء عن عبید

بن عمیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا
فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام . وسکت عنہ ابن عبد البر وعبد الحق . ومن قال انہما صححا اسنادہ فلیس بصحیح .
نعم صحح اسنادہ العراقی والمتقی وغیرہما لکن فیہ نظر فان شیخ ابن عبد البر لم اجد من وثقہ ذکرہ الحمیدی فی جذوۃ المقتبس
ص ٢٧٧ فقال کان رجلا صالحا یضرب المثل فی الزہد اھ وحال احادیث الزہاد معروف لا سیما فی مثل ہذہ المسائل .
واما شیخۃ فاطمۃ فلا تعرف ولا ذکر لہا فی کتب الرجال . واما عبید بن عمیر فالظاہر انہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما وہو مجہول
کما فی التقریب ص ٢٢٣ والمیزان ص ٢١ ج ٣ فالحدیث لا یصلح للاحتجاج بہ واللہ اعلم انتہیٰ ما فی الہامش

یعنی لیکن حافظ عراقیؒ نے بتایا کہ ابن عبد البرؒ نے تمہید اور استذکار میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عباس
رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے جس کی تصحیح کرنے والوں میں عبد الحق (اشبیلی) بھی ہیں آگے وہی حدیث بلا ذکر کی اور
حوالہ فیض القدیر ج ۵ ص ٤٨٧ کا دیا اور متقی نے بھی کہا کہ اس حدیث کی سند جید ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ
عنہما سے مروی ہے . اس کے بعد محشی صاحب نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث ابن عباسؓ کو ابن عبد البر نے استذکار ج ١
ص ٢٣٤ میں اور عبد الحق نے احکام ج ١ ، ص ٢٧٣ میں اپنی سند سے بیان کی اور دونوں (عبد الحق اور ابن عبد البر)
اس حدیث کے بارے خاموشی سے چلے گئے نہ اس حدیث کو صحیح کہا نہ حسن نہ غریب نہ ضعیف . اب جس جس نے بھی کہا ہے کہ
ابن عبد البر اور عبد الحق نے اس حدیث کو صحیح کہا سو یہ ان کا کہنا صحیح نہیں . ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عراقی اور متقی نے
اور ان کے علاوہ اوروں نے بھی صحیح کہا ہے لیکن ان کا بھی صحیح کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث کا پہلا راوی ابن عبد البر کا استاذ
ابو عبد اللہ عبید بن محمد ہے جس کی توثیق کرنے والا کوئی محدث مجھے نہیں ملا حمیدی نے جذوۃ المقتبس ص ٢٧٧ میں کہا کہ صالح
آدمی تھا زہد میں ضرب المثل تھا . اور زاہدوں کی بیان کردہ حدیثوں کا حال محدثین کے ہاں مشہور و معروف ہے (کہ ان میں حسن
ظن کا غلبہ ہوتا ہے وہ ظنوا المؤمنین خیرا (مؤمنوں کے بارے اچھا گمان رکھا کرو) کو مد نظر رکھتے ہوئے جھوٹے اور فاسق کی
روایت بھی بیان کر دیتے ہیں محض اس خیال سے کہ مسلمان تو ہے ہی . اور مسلمان کی شان نہیں کہ جھوٹ بولے یا فسق و فجور کا
کوئی کام کرے) اور اس ابو عبد اللہ عبید محمد کی شیخہ (استانی) فاطمہ بنت ریان مخزومی ہے جس نے مصر میں اپنے گھر
میں بیٹھ کر شوال ٣٣٣ سنہ میں یہ حدیث لکھوائی یہ عورت غیر معروف ہے اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں بھی اس عورت
کا ذکر نہیں ہے . اور اس کے بعد ایک اور راوی ہے جس کا نام عبید بن عمیر ہے سو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام آزاد شدہ ہوگا مگر تقریب ص ۲۴۰ و میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث کا راوی عبید بن عمیر مجہول ہے۔ تو جب رواۃ کا یہ حال ہے تو ایسی حالت میں یہ حدیث اس لائق نہیں ہے جس کو حجت اور دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ واہل بیتہ وذریاتہ ومحبیہ وناصریہ ومشیدی دینہ ومؤیدیہ واولیائہ واحبائہ واودائہ وساداتنا کلھم ومعنا اجمعین آمین یا رب العٰلمین

صاحب تسکین بلا تحقیق بات پر زور دیتے ہیں

نیلوی کہتا ہے کہ اب محترم جناب مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ میں ص ۱۹۶ تا ص ۲۰۳ اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابن عبد البر اور عبد الحق دونوں نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔ یہ بات بالکل خلاف واقع ہے اور علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء ص ۱۳۵۴ میں شیخ عبد الحق کی کتاب الاحکام الصغریٰ کے حوالہ سے جو لکھا ہے "وقال اسنادہ صحیح" یہ کتاب کو دیکھ کر نہیں لکھا کیونکہ عبد الحق کی کتاب الاحکام الصغریٰ ج ۱ ص ۲۷۳ پر یہ حدیث تو ہے مگر حدیث بیان کرنے کے بعد "اسنادہ صحیح" نہیں کہا بلکہ خاموشی سے دوسری حدیث شروع کر دی۔ اور ہو سکتا ہے کہ وفاء الوفاء میں یہ لفظ "وقال اسنادہ صحیح" کسی نقل کرنے والے نے بڑھا دئیے ہوں۔

اسی طرح قرطبیؒ نے جو فرمایا صححہ عبد الحق مرفوعاً (مختصر تذکرہ قرطبی ص ۳۲ حاشیہ) بلا حوالہ ہے معلوم نہیں کہ کس کتاب سے تصحیح نقل فرمائی ہے الاحکام میں تو تصحیح نہیں اور کتاب العاقبۃ عبد الحق کی کتاب ہی نہیں ہے اسی طرح شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۴ میں علامہ محمد عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) نے اور روح المعانی ص ۵۵ ج ۲۱ میں سید محمود آلوسی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ نے اور دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۸۴۲ میں نواب صدیق حسن خان صاحب المتوفی ۱۳۰۷ھ نے عبد الحق کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا مگر "الاحکام" ہی سب کا ماخذ ہے تو اس کا حال آپ کو معلوم ہو ہی چکا اور اگر "العاقبۃ" ہے جیسے الصارم المنکی ص ۱۵۱ میں علامہ ابن عبد الہادیؒ نے فرمایا ہے تو وہ کتاب ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی اگر دیکھ لیتے تو فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ اس میں کیا عبارت ہے ہو سکتا ہے کہ جیسے الاحکام میں لکھا ویسے ہی وہاں بھی ہو۔

صاحب تسکین ابن عبد الہادی کی نقل کو اُن کا اپنا نظریہ سمجھ بیٹھے

اور جناب مولانا صاحب نے جو سماع الموتیٰ ص۳۱ میں لکھا ہے کہ ابن عبد الہادیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ "وہو صحیح الاسناد" ان کے اپنے نہیں ہیں بلکہ انہوں نے کتاب العاقبۃ کی عبارت لکھی ہے جو نسخہ میں کتاب کا ان کے پاس تھا۔ اگر وہ اپنی بات فرماتے تو "قلتُ" ساتھ کہتے جس سے پتہ لگتا کہ یہ اپنا نظریہ بتانا چاہتے ہیں۔

پھر علامہ طحطاویؒ کا فرمانا واخرج ابن عبد البر فی الاستذکار والتمہید بسند صحیح عن ابن عباسؓ بھی اسی قبیل سے ہے جس قبیل سے سمہودیؒ کا قول عبد الحقؒ کے بارے تھا نہ کتاب الاحکام میں عبد الحقؒ کی تصحیح موجود ہے اور نہ الاستذکار میں ابن عبد البرؒ کی تصحیح موجود ہے دیکھو الاستذکار ص۲۳۴ ج۱ اور راوی اس حدیث کے آپ کے سامنے ہیں پھر کس بناء پر ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن کثیرؒ، قرطبیؒ، ابن عبد الہادیؒ، زرقانیؒ، آلوسیؒ، صدیق حسن خانؒ، سمہودیؒ، سید انور شاہؒ، سیوطیؒ، عزیزیؒ، شوکانیؒ، عثمانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین قوانین واصولِ حدیث واسماء الرجال کو بالائے طاق رکھ آنکھیں بند کر کے تصحیم فرماتے ہیں۔ ہو نہ ہو کسی قسم اہل نے تصحیح کردی تو انہوں نے بھی اس پر اعتماد کر لیا۔ اگر اکابر کی بات پر اعتماد کرنا ہم پر ضروری ہے تو آخر یہ ہستیاں اپنے اکابر پر اعتماد کرتی تھیں لیکن جب اپنی آنکھوں سے ایک چیز نظر آجائے جو اکابر کی آراء کے خلاف ہے تو اکابر کی بات کی یا تو مناسب توجیہ کی جائے گی یا ان کے قول کو وہم پر محمول کیا جائے گا اور یہ طرز عموماً محترم جناب مولانا صاحب نے اپنی تالیفات میں اختیار فرمائی ہے۔

پھر محترم جناب مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص۳۲ میں فرمایا کہ موصوف نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا حدیث کی تصحیح محض صوفیانہ رنگ اور سہل انگاری کے طور پر نہیں کی بلکہ علم حدیث اور اس کے رُوات پر گہری نگاہ رکھ کر اصول حدیث کے مطابق کی ہے۔ بیلوی کا مطالبہ ہے کہ آپ اس کتاب کی نشان دہی فرمائیں کہ ابن عبد البرؒ اور عبد الحقؒ کی کون کونسی کتاب کے کون کونسی جلد اور کون کونسے صفحہ میں یہ تصحیح مذکور ہے اور مطبع کی بھی تشریح فرما دیں پھر یہ بھی یاد رہے کہ الاستذکار اور الاحکام کے حوالے آپ کے سامنے ہیں ان میں ان کی تصحیح مذکور نہیں اور ابوداؤد نے سنن ابوداؤد میں جہاں جہاں سکوت فرمایا وہ ان کے اپنے بیان کردہ ضابطہ کی وجہ سے صحیح کا حکم رکھتا ہے چنانچہ آپ اپنے سنن کے مقدمہ ص۱ میں لکھتے ہیں وما لم اذکر فیہ شیئا فہو صالح اور جس حدیث کے بارے میں کچھ نہ کہوں تو وہ حدیث صالح ہوتی ہے

مگر باوجود اس بات کے ابوداؤد کی ایسی حدیثوں پر بھی علماء تنقید کرتے ہیں اور اس کے رُواۃ کو زیر بحث لاتے ہیں حالانکہ اس

کا شمار صحاح ستہ میں ہے اور زیر بحث حدیث تو طبقہ ثالثہ و رابعہ کی کتب میں مندرج ہے جس کا کتب سابقہ میں نام ونشان نہ لگ سکا متاخرین نے اس کو روایت کر دیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فرمایا کہ ایسی حدیثوں کے بارے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو سلف صالحین نے ان حدیثوں کا تفحص کیا مگر ان کا کچھ اصل نہ پایا تبھی ایسی روایت کو ترک کیا یا اس کا اصل پالیا مگر اس میں ایسا قدح پایا جو اس حدیث کے ترک کا سبب بنا بہر حال ایسی حدیثیں قابل اعتماد نہیں ہوتیں جو اثبات عقیدہ یا عمل کے لیے دلیل بن سکے۔

پھر فرمایا کہ ایسی ہی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہ ماری ہے اور ان کتابوں میں موجود کثرت طرق کو دیکھ کر ان محدثین نے ان حدیثوں کو متواتر کہہ دیا اور اسے قطعی سمجھ کر اس سے تمسک کرنے لگتے ہیں نیلوی کہتا ہے کہ اس حدیث کا بھی یہی حال ہے نہ یہ حدیث عقیدہ بنانے کے لائق ہے نہ عمل کرنے کے قابل۔ خاص کر کے جب اس کے مصححین متاخرین میں سے ہیں جن کا قول حسب اعتراف صاحب سماع الموتی حجت نہیں۔

حدیث نمبر ۲

اسی طرح جو حدیث حضرت امام تقی الدین ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس کا وہی مفہوم ہے جو مفہوم حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ بھی ضعیف ہے ایک تو اس کو مرفوعاً بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ محفوظ موقوف ہے پھر اس روایت کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے جس کی روایت سے ائمہ حدیث حجت نہیں پکڑتے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن مدینی اسکو انتہائی درجہ کا ضعیف کہتے تھے اور نسائی نے اسے ضعیف کہا۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں زید بن اسلم تین بیٹے ہیں۔ اسامہ۔ عبدالرحمٰن۔ عبداللہ۔ تینوں کوئی شے نہیں۔ پھر تیسری بات یہ بھی ہے کہ عبدالرحمٰن براہ راست عطاء بن یسار کا نام لیتا ہے حالانکہ عبدالرحمٰن عطاء کا شاگرد نہیں بلکہ اپنے اباجان زید بن اسلم کا شاگرد ہے تو اس رُو سے یہ روایت متصل الاسناد نہ ہوئی بلکہ منقطع ہوئی اور منقطع روایت صحیح نہیں ہوتی پس روایت صحیح نہ ہوئی دیکھو الصارم المنکی ص ۱۹۹ اور میزان الاعتدال ص ۵۶۴)

حدیث نمبر ۳

اسی طرح یہی مضمون امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دوسری سند سے منسوب کیا گیا ہے اس میں ابن ابی الدنیا کا استاذ

محمد بن قدامہ بغدادی ابوجعفر جوہری لؤلؤی ہے اس کو ابن معین نے لیس بشئی (کوئی شے نہیں) کہا۔ ابوداؤد نے کہا ضعیف ہے کہ میں نے کبھی کوئی شے اس سے نہیں لکھی۔ (میزان الاعتدال ص ۱۵ ج ۴) پھر محمد بن قدامہ کا دادا استاذ ہشام بن سعد ہیں کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ وہ حدیث کا حافظ ہی نہیں۔ اور یحییٰ القطان اس سے حدیث نہ لیتے تھے اور امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث میں پختہ آدمی نہیں۔ ابن معین اور نسائی نے بھی اس کی تضعیف کی (میزان الاعتدال ص ۲۹۹ ج ۴) پھر اس ہشام بن سعد کا استاذ زید بن اسلم ہے جو اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرتا تھا (میزان الاعتدال ص ۹۸ ج ۲) پھر زید بن اسلم نے براہ راست ابوہریرہ سے کچھ نہیں سنا کیونکہ زید بن اسلم عطاء بن یسار تابعی کا شاگرد ہے (الصارم المنکی ص ۱۹۵) تو یہ روایت بھی متصل الاسناد نہ ہوئی بلکہ مرسل ہوئی اور صحیح نہ ہوئی۔ اور ابن ابی الدنیا کی کتب کا شمار طبقہ رابعہ میں ہے جو نہ عقیدہ کی دلیل ہو سکتی ہیں نہ عمل کی

حدیث نمبر ۴

اسی طرح ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ان شہید بھائیوں کو سلام کہو کیونکہ وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے" اور یہ روایت بھی ثابت اور صحیح نہیں ہے اور اس روایت کی سند میں بھی وہی زید بن اسلم کا بیٹا عبدالرحمن ہے جس کا تذکرہ امام ابوہریرہ کی طرف منسوب کردہ روایت میں گزر چکا ہے (الصارم المنکی ص ۱۹۹) نیز اس سند میں عبدالرحمن کا شاگرد یحییٰ الحمانی ہے امام بخاری نے فرمایا کہ احمد اور علی اس راوی میں کلام کرتے تھے بلکہ امام احمد بن حنبل تو صاف فرماتے تھے کہ یحییٰ الحمانی ظاہر بظاہر جھوٹ بولا کرتا تھا۔ نسائی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے (میزان الاعتدال ج ۴) امام ذہبی نے فرمایا کہ یحییٰ الحمانی بہت بغض رکھنے والا شیعہ تھا۔ چنانچہ زیاد بن ایوب فرماتے تھے کہ میں نے یحییٰ الحمانی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) ملت اسلام پر نہ تھا۔ زیاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے دشمن نے جھوٹ بکا ہے (میزان الاعتدال ص ۳۹۲ ج ۴)
دوسری یہ بات بھی ہے کہ یہ روایت دوسری صحیح روایت کے معارض ہے جس میں آیا ہے الا انہم لا یجیبون مگر وہ جواب نہیں دیتے۔
جب اس حدیث کا یہ حال ہے جو آپ نے پڑھ لیا ہے پھر کس بنا پر اس حدیث کو سماع موتی کی دلیلوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ موضوع حدیثیں بیان کرنے والا جانتے بوجھتے ہوئے 'شیطان کا ایجنٹ ہے

حدیث نمبر ۵

اسی طرح ایک اور حدیث حضرت الصادق الدین ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ زید بن اسلم کہتا ہے کہ

ابوہریرہؓ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قبر کے پاس سے گزرے۔ تو امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ سلام کہہ۔ اس ساتھی نے کہا قبر پر؟ تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اس قبر والے نے دنیا میں ایک طرف بھی کبھی دیکھا ہے تو یقیناً وہ تجھے بھی پہچان جائے گا۔ سو یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ زید بن اسلم نے حضرت امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا نہ یہ استاذ ہیں نہ وہ ان کا شاگرد تو روایت مرسل ہوئی متصل الاسناد نہ ہوئی لہٰذا صحیح نہ ہوئی کیونکہ صحیح کے لئے جیسے اور شرطیں ہیں سند کا متصل الاسناد ہونا بھی شرط ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی پڑھ لیا ہے کہ زید بن اسلم وہ حضرت ہیں جو اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرتے تھے (میزان الاعتدال ص ۹۸ ج ۲) اور حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرے تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے (مشکوٰۃ ص ۳۵) نیز عبدالرزاق صاحب مصنف کے استاذ یحییٰ بن العلاء رازی کی روایت سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی (الصارم المنکی ص ۱۹۹) کیونکہ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ یحییٰ بن العلاء رازی کذاب تھا اور حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ابوحاتم نے کہا کہ قوی نہیں ہے۔ یحییٰ بن معین اور ایک خاصی جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے۔ دارقطنی نے اسے متروک کہا ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۳۹۷ ج ۴)

حدیث نمبر ۶

اسی طرح وہ حدیث جو بیہقی اور حاکم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے واپسی پر حضرت مصعب بن عمیر اور ان کے اصحاب کے پاس جا کھڑے ہوئے پھر فرمانے لگے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہو۔ اب تم لوگ (مخاطبین حاضرین مجلس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ) ان شہیدوں (کی قبروں) کی زیارت کرنے کے لئے آیا کرو اور ان کو السلام علیکم کہا کرو۔ مجھے اس پاک ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بھی ان کو السلام علیکم کہیگا یہ اس کو جواب دیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک یوں ہی رہیگا (تفسیر روح المعانی ص ۳۹ ج ۱۳ از علامہ سید آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ)

سو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ خود علامہ سید علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقام کے بعد ص ۴۱ ج ۱۳ میں فرماتے ہیں کہ الحاکم ابوعبداللہ کی تصحیح کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور التذہیب ص ۳۲ میں ہے جب تک کسی معتمد علیہ حافظ کی تصریح نہ ہو نیز بغیر دیکھے استدلال کے محض الحاکم ابوعبداللہ کی تصحیح پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ امام حافظ ابن حجر کنانی عسقلانی رحمہ اللہ نے لسان المیزان ص ۲۳۳ ج ۵ میں

لکھا ہے کہ الحاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الضبی النیسا بوری صاحب التصانیف امام صدوق تھا لیکن کثرت سے ساقط الاعتبار احادیث کی اپنی تصنیف المستدرک میں تصحیح کرتا رہا ہے۔ اب خدا معلوم آپ پہ یہ بات مخفی رہ گئی یا قصداً ایسا کرتا رہا اگر قصداً ایسا کرتا رہا تو بہت بڑی خیانت ہے۔ پھر تھا بھی مشہور شیعہ۔ صرف شیخین کی طرف تعرض نہ کرتا تھا [illegible] نے کہ میں نے ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاری سے حاکم ابو عبداللہ کے بارے دریافت کیا تو کہنے لگے حدیث میں امام تھا پر رافضی خبیث تھا۔ اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ رافضی تو نہ تھا ہاں شیعہ تھا..... اور اپنی پچھلی عمر میں مستدرک [illegible] نے قوت حافظہ میں تغیر آچکا تھا اور غفلت آں پر مسلط ہو چکی تھی ایک جماعت نے ان کا ذکر کتاب الضعفاء میں کیا [illegible] لینا چھوڑ دیا ان سے احتجاج کرنے کو روکا۔

اب رہے علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ تو اگرچہ حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری ثم دیوبندی رحمہ اللہ نے عقیدۃ الاسلام ص۲۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ محدث بیہقی رح نے شرط لگائی ہے کہ میں اپنی تصنیفات میں اپنی معلومات کا جہاں تک تعلق ہے موضوع حدیث قطعاً نہیں لاؤں گا۔ مگر باوجود اس قدر التزام کے اپنی اس شرط پر پورے نہیں اتر سکے۔ چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی کی کتاب تنزیہ الشریعہ ص۱۹۳ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ بات تحقیقی نہیں ہے بلکہ امر واقع یہ ہے کہ بیہقیؒ نے اپنی کتابوں میں کتنی موضوع حدیثیں بیان کی ہیں جن میں سے بعض کے موضوع ہونے پر متنبہ کیا ہے اور بعض موضوع حدیثوں کے موضوع بتانے سے سکوت اور خموشی اختیار کی ہے۔

علامہ بیہقی کا اپنی کتابوں میں موضوع حدیث لانے کی ایک مثال تو یہ ہے جو تنزیہ الشریعہ ص۱۴۹ میں مذکور ہے جس کا راوی علی بن ابی علی اللهبی ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر رح نے لسان المیزان ص۲۴۳ میں فرمایا ہے کہ حاکم ابو عبداللہ نے کہا ہے کہ علی بن ابی علی اللهبی محمد بن المنکدر سے موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا پھر اس سے ثقہ لوگ روایت کرتے تھے اور یہی بات ابن عراق رحمہ اللہ نے تنزیہ الشریعہ کے مقدمہ ص۸۴ میں بھی نقل فرمائی ہے۔

نصب الرایہ ص۳۰۹ میں ہے عن ابی عبداللہ الحافظ (الحاکم شیخ البیہقی) عن جعفر بن محمد بن نصر عن عبدالرحمن بن قریش بن خزیمۃ الہروی عن عبداللہ بن احمد الدمی عن الحسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ثنا عصمۃ بن محمد الانصاری ثنا موسیٰ بن عقبۃ عن نافع عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ عند تکبیر الاحرام وعند الرکوع وعند الاعتدال فما زالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ

حالانکہ اس حدیث کی سند میں دو راوی واقع ہیں جو وضاع اور کذاب ہیں (۱) عبدالرحمن بن قریش ہے جس کو محدث سلیمانی نے

موضوع حدیث بنانے کے ساتھ متہم کیا ہے (میزان الاعتدال ص۲ ج۳ ولسان المیزان ص۳۲۵ ج۳) (۲) عصمۃ بن محمد الانصاری ہے جس کو یحییٰ نے کذاب کہا اور کہا حدیثیں گھڑتا تھا (میزان الاعتدال ص۱۹۲ ج۲ ولسان المیزان ص۱۶۸ ج۴) حاشیہ نصب الرایہ ص۱۵۳ ج۱ میں بحوالہ تاریخ بغداد ص۲۸۷ ج۱۲ لکھا کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ کذاب تھا جھوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا۔ نیز فرمایا وہ اکذب الناس ہے۔ نیز شوکانیؒ نے الفوائد المجموعہ ص۴۶ میں کہا عصمۃ بن محمد الانصاری کذاب وضاع ہے اور ص۱۸۱ میں کذاب کہا

پھر تعجب ہے کہ ابن حجر نے تلخیص الحبیر ص۱۸۱ و درایہ ص۵۵ میں اس حدیث کو ذکر کر کے اس پر سکوت کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی۔ اتنے بڑے حافظ الحدیث کا موضوع حدیث کو بیان کر کے سکوت کر جانا کس قدر خیانت عظیمہ ہے عافانا اللہ وایاہ

حافظ الحدیث ابن حجر کی بھی عجیب بات ہے کہ کئی موضوع حدیثوں کی تصحیح کر گئے ہیں مثلاً تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی کا واقعہ جسے قاضی عیاضؒ اور علامہ نوویؒ نے موضوع اور باطل کہا اسے ابن حجرؒ نے فتح الباری ص۲۳۲ ج۸ الی ص۲۳۳ ج۸ میں صحیح بتایا ہے

نیز یہ حدیث معارض ہے اس حدیث کی جس میں ہے کہ مردے سنتے تو ہیں مگر جواب نہیں دیتے۔ وہ حدیث صحیحین کی ہے اور یہ حدیث بیہقی اور حاکم کی ہے۔ پھر یہ حدیثیں ظاہر قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اگر یہ حدیثیں سند صحیح کے ساتھ ثابت بھی ہو تیں تب بھی حدیثوں میں تاویل کرتے اور ظاہر نص قرآن کو اپنے حال پر قائم رکھتے

دنیوی زندگی میں آپ بھی سوتے وقت دنیا جہان کی چیزیں نہ دیکھتے تھے نہ آواز سنتے تھے

باوجودیکہ آپ کی نیند اور دوسروں کی نیند میں فرق ہے مگر۔ دنیا کی چیزیں نہ دیکھنے اور باتیں نہ سننے میں کچھ فرق نہیں اسی طرح بعد از وفات بھی ہے۔

لیلۃ التعریس میں صحابہؓ مع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سو گئے سورج نکل آیا کسی کو نظر نہ آیا کہ سورج نکل رہا ہے حتیٰ کہ خوب دھوپ لگی۔ تب جاگ آئی جیسے صحیح بخاری ص ۴۹ میں ہے تو جب سونے والے کی آنکھیں بند ہوتی ہیں انہیں نظر نہیں آتا جیسے کہ حضرت نبی علیہ السلام کو طلوع شمس کا علم نہ ہوا اور بحیات دنیوی حسی عنصری تحقیقی زندہ ہیں صرف نیند میں ہیں اور آنکھیں بند ہیں سورج اوٹ میں نہیں صرف آنکھ کا پردہ حائل ہے۔ اب کیا خیال ہے کہ بعد از وفات سات پردوں میں زائر کو دیکھ لیتے ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ نے زور زور سے کافی دیر تک اللہ اکبر اللہ اکبر کہتے رہے ان کی آواز سن کر حضورؐ کو جاگ آئی جب کہ کوئی حائل درمیان میں نہیں تھا اب کیا خیال ہے کہ بعد از وفات اتنے پردوں سے باہر چیخنے سے لیٹے تو قبر کا باشندہ سن لیگا۔

اصول سائنس اور حضرت نانوتویؒ

حضرت نانوتویؒ جمال قاسمی ص ۱۰ میں فرماتے ہیں: حسبِ تحقیق اہلِ عقل سامع اخبار بذریعہ ہوا ہے اور کیوں نہ ہو کوئی دیوار اور چھت اگر بیچ میں حائل ہو جاتی ہے تو بسا اوقات باوجود قرب، آواز نہیں پہنچتی۔ اور یوں دور دور تک جاتی ہے۔ پھر جدھر کی ہوا ہوتی ہے اُدھر کو زیادہ جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ واسطۂ وصولِ آواز متکلم اور موصلِ آواز، یہ ہوا ہے مگر چونکہ بظاہر کیفیتِ وصول یہ ہوتی ہے کہ آواز جو از قسم کیف ہے بمجرد صدور ہوا میں آجاتی ہے اور جیسے پانی میں ڈھیلا مارنے سے چاروں طرف لہریں اٹھتی ہوئی چلی جاتی ہیں ایسے ہی بمجرد صدور آواز ہوا میں وہ کیفیت آکر چاروں طرف کو پھیل جاتی ہے اور اس وجہ سے گوشِ سامع تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ہوا کی یہ لچک کیفیت آواز کو یوں اڑاتی پھرتی ہے۔ اگر یہ لچک ہوا میں نہ ہوتی تو یہ پرواز آواز بھی یوں نہ ہوا کرتی۔ مگر یہ ٹھہری تو یہ بھی یقینی ہے کہ آب و خاک بھی اپنے اپنے لچک کے موافق آواز کو پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ان دونوں میں بھی یہ لچک موجود ہے، بہت نہیں تھوڑی ہی سہی۔ پانی کا حال تو خود ظاہر ہے۔ رہی یہ خاک اسکی لچک، درختوں کے نکلنے اور کھونٹوں کے گاڑنے سے آشکارا ہے۔ اگر زمین میں قدر قلیل مضمون سیلان یعنی وہ لچک نہیں ہے تو موٹی موٹی جڑوں اور بڑے بڑے کھونٹوں کی گنجائش کی پھر کیا صورت ہے۔ اس لئے یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں چیزیں بھی آواز کو تھوڑا بہت پہنچایا کریں۔ ادھر اس خیال کو اپنے ادراک کے مطابق پایا بگھیوں کی کھڑکھڑ کی آواز زمین میں خود محسوس ہوتی ہے۔ یہ احساس بالبداہت اس بات پر شاہد ہے کہ زمین بھی واسطۂ ایصالِ آواز ہے البتہ وہ بات نہیں جو ہوا میں نظر آتی ہے۔

الغرض زمین بھی آواز کو پہنچاتی ہے مگر بہت کم، ادھر بعد مرگ روح کو جسم خاکی سے بہت کم تعلق رہ گیا اور جو کچھ تھا بھی تو جسم مذکور کی شکل و صورت کے بگڑ جانے نے اس کو اور بھی گھٹا دیا یعنی بعد مرگ وہ علاقہ تسلط تو باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ بعدِ مرگ جسم و اعضائے جسمانی سے روح کچھ کام نہیں لے سکتی۔ البتہ علاقۂ محبت باقی تھا۔ سو صورت و شکل کے بگڑ جانے نے جو سببِ عظیم نفرت ہے اس محبت کو اور بھی کم کر دیا۔ کیونکہ نفرت ہوئی تو وہ رغبت کہاں جو محبت کو لازم ہے

الغرض اُدھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ ابصار و اسماع تھا۔ اُدھر واسطۂ ایصال بعد دفن آب و خاک ہے جس میں خفیف سی لچک اور قلیل سا سیلان ہے اس لئے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ حدِ قوتِ اسماع بمشکل سے قوتِ سامعہ اصوات جو بالفعل فقط روح کے ساتھ قائم ہے اور جسم سے چنداں تعلق نہیں رہی ہے؛ پر باایں ہمہ تعلق بھی موجود ہے گو ضعیف ہے، اور واسطۂ وصول آواز میں سیلان اور لچک بھی موجود ہے گو خفیف ہے اس لئے اگر اُدھر سے بوجہ توجہ و اقتراب جو محبت مذکورہ کو لازم ہے تلقی آواز یعنی استماع ہو تو عجیب نہیں

نیلوی کہتا ہے کہ حضرت رح کی یہ تقریر برہانی نہیں ہے جو قضایا یقینیہ سے مرکب ہو۔ بلکہ یہ تقریر خطابی ہے جب چھت اور دیوار مانع وصولِ آواز ہے تو ہزاروں من مٹی کیونکر وصولِ آواز سے مانع نہیں ہو سکتی۔

نیز زندہ آدمی کو اگر قبر کے اندر بٹھا دیں اور اوپر سے مٹی سے بند کر دیں تو باہر کی آواز وہ قبر کے اندر بیٹھا ہوا زندہ آدمی نہیں سن سکتا باوجودیکہ اس کے جسد خاکی کے اندر روح موجود ہے۔ پھر یہ کس طرح عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ جسم عنصری سے روح خارج ہو جائے اور سوائے علاقہ محبت کے اور کوئی علاقہ تسلط وغیرہ کا نہ ہو اور بلکہ شکل و صورت بگڑنے سے علاقہ محبت بھی کم ہو گیا ہو اور خاک میں جو واسطۂ وصول آواز ہے سیلان اور لچک بھی بہت کم ہو پھر بھی وہ میت بے حس و حرکت جسم جو اکثر دوں کا خاک بھی بن چکا ہوتا ہے باہر سے آواز دینے والے کو دیکھ پہچان بھی لے اور اس کی آواز بھی سن لے ؟ کس قدر تعجب ہے

لیکن اندر سے خاک شدہ میت جس کی آنکھ کان ناک دل جگر وہ زبان سب خاک ہو کر بھی باہر والوں کی آواز سن کر جواب دے رہا ہے باہر والا قبر کی مٹی کے ساتھ کان لگا کر بیٹھا ہے نہیں سنتا اندر کی آواز باہر تک پہنچنے کیلئے کونسا امر مانع ہے کیا واسطۂ وصولِ آواز وہی خاک نہیں ہے جس میں سیلان اور لچک تسلیم کی گئی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہی خاک باہر کی آواز خاک شدہ میت تک تو پہنچا سکتی ہے مگر اندر والے میت کی آواز باہر والے زندہ حساس تک پہنچانے میں اس خاک کو کیا چیز مانع اور حائل بنی ہوئی ہے

بہرحال یہ مسئلہ سماع کا فلسفی منطقی اور برہانی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا۔ لوٹ پھٹ کر پھر نقلی استدلالات کی طرف رجوع کرو گے سو وہ بھی مخدوش ہیں جو مسائل اعتقادیہ میں غیر معتبر ہیں۔

نیز حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ جس علاقہ بعد الموت کے حضرتؒ قائل ہیں وہ علاقہ صرف محبت والا ہے دوسرے محبت والا علاقہ بھی اسی حد تک قائم رہتا ہے جب تک شکل و صورت نہ بگڑے۔ جب شکل و صورت بگڑنے لگتی ہے تو بجائے محبت کے نفرت ہونے لگ جاتی ہے تیسرے وہ تعلق ہی کمزور ہے دیکھنے سننے کا اس میں ضعف آگیا تو دیکھنے سننے میں بھی ضعف ہو گیا جب قوی الحس اندر کی آواز نہیں سن سکتا تو ضعیف الحس کیونکر سن سکتا ہے۔ جب قوی البصارت اندر کی چیز نہیں دیکھ سکتا تو ضعیف البصارت باہر کی چیز کیسے دیکھ سکتا ہے چوتھے ان قیود کے ساتھ بھی سماع آواز کے بارے فرمایا بعید نہیں یعنی امکانی درجہ میں ہے اور امکان کا کوئی منکر نہیں بات عقیدہ کی ہے۔ پانچویں یہ کہ جب سمع و بصر تعلق پر موقوف ہوئے تو جس قدر تعلق گھٹتا چلا جائے گا اسی قدر سمع و بصر بھی ضعیف ہوتا جائے گا پھر شہداء کے بارے فرمایا اس بدن کے اعتبار سے دونوں (مومنین و شہداء) کی موت برابر ہے یعنی دونوں یہاں کے جسم سے بے علاقہ ہو جاتی ہیں بلکہ شہداء کی بے تعلقی کچھ زیادہ ہو تو عجب نہیں کیونکہ ان کو جب نعم البدل عنایت ہو گیا تو اب اس جسم (خاکی) کی محبت کیا رہی ہو گی۔ اس لئے ان کا سماع اور ان کی قبور سے استفاضہ زیادہ مستبعد ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جب شہداء کا جسم خاکی روح سے بالکل الگ ہے اور روح اجواف طیر خضر میں ہو کر جنت کی سیر کرتی ہے تو قبر پر زائر کی آواز کسی طرح نہیں سن سکتیں اور اگر یہ کہہ دیں کہ جنت میں رہ کر زائر کی آواز وہیں سے سن لیتی ہے کیونکہ اللہ کو قدرت ہے تو دوسری طرف خصم یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ روح وہیں جنت میں رہ کر سارے روئے زمین پر لوگوں کی آوازیں بھی سن سکتی ہے اور سب کو دیکھ پہچان بھی سکتی ہے کیونکہ اللہ کو سب قدرت ہے پھر اس عقیدہ میں عیسائی اور بریلوی سب متحد ہیں اور معترض کا بھی ان کے ساتھ اشتراک ہو گیا اعاذنا اللہ من ہذہ العقائد الفاسدۃ الکاسدۃ۔

دنیوی زندگی میں پس دیوار نہیں نظر آتا

مشکوٰۃ ص ۳۸۳ ۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے اشارہ کیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک خط تھا جو کسی نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھیجا۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور وہ خط

آپ نے نہ لیا) پھر آپ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ آیا یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔ بولی عورت کا ہاتھ ہے آپ نے فرمایا اگر تو عورت ہوتی یعنی عورتوں کے شعار کی رعایت کرنے والی تو مہندی سے اپنے ہاتھ کے ناخنوں کو رنگ دیتی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضورؐ عورتوں سے پردہ فرماتے تھے اور عورتیں حضورؐ سے۔ اگر آپ کو پردہ سے پیچھے کی چیزیں نظر آتیں تو پردہ بے سود تھا۔ جب دنیوی زندگی میں آپ کا یہ حال تھا تو بعد از وفات حیات پردوں سے ہٹ کر دیکھ لیں تو یہ بات آپ کی عقلِ سلیم میں شاید آتی ہو مگر ہماری عقلِ سقیم سے بالکل باہر ہے۔

بعد از وفات زندہ میت کی ملاقات نہیں کر سکتا

خواہ زندہ صحابیؓ ہو اور میت پیغمبرؑ

مشکوٰۃ ص ۴۴۵، ۴۴۶: معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجنے لگے تو آپ بھی ان کے ساتھ تھوڑی دور تک نکلے کہ انہیں کچھ وصیت فرماتے ہیں۔ معاذ سوار تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سواری کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے ہیں پھر جب آپ وصیت کر چکے تو فرمایا اے معاذ شاید اس سال کے بعد تو مجھے نہ مل سکے ہو سکتا ہے کہ تیری گذر میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس ہو

اس حدیث میں وضاحت ہے اس امر کے بارے میں کہ بعد از وفات زندہ کی ملاقات میت کے ساتھ نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کی قبر پر گذر ہو

اور نہ ہی مردہ زائر کو اور زائر کی آواز کو پہچان سکتا ہے

تسکین ط ۲ ص ۳۸۵ میں ما من احد یسلم علی اخیہ کا مفہوم لکھتے ہیں کہ مردہ زائر کی آواز سے اس کو پہچان جاتا ہے۔

نیلوی: ادھر کہتے ہو کہ میت میں ضعیف قسم کی حیاۃ ہوتی ہے دنیوی قوی حیاۃ میں نظر تیز والا آنکھیں بند کر کے نہیں دیکھ سکتا تو مردہ ضعیف الحیاۃ بزعم شما ضعیف البصر جس کی آنکھیں روح نکلنے کے بعد میچ دینے اور بند کر دینے کا حکم ہے پھر کفن کی دو چادروں کے چار بار آنکھوں پر دے ڈالے جاتے ہیں پھر لحد میں رکھ کر مٹی سے بند کر دیتے ہیں ایسی حالت میں یہ کہنا کہ مردہ زائر کو دیکھتا پہچانتا ہے یہ مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے یہ تو عامی آدمی کی بات تھی مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے بارے فرمایا کہ بعد از وفاتؐ آپ کو میں نہ دیکھ سکونگا

اگر آپ کہیں کہ آواز سے پہچان لے گا تو اول تو یہ بات بھی سفسطہ باطل ہے اگر تسلیم بھی کر لیں تو یہ تو دنیا والوں کے بارے تو فقہاء کا قاعدہ ہے النغمۃ تشبہ النغمۃ ایک کی آواز دوسرے کی آواز کے رل مل جاتی ہے اسی لئے نابینا کی شہادت ان امور میں معتبر نہیں جن کا تعلق سمع کے ساتھ ہے۔ اب مرنے کے بعد میت زائرین کو ان کی آوازیں سن کر ممتاز کر سکے گا؟ یہ بھی ایک وجہ ہے اس خبر کے انقطاع باطنی کی

محترم کا مصنف ابن ابی شیبہ کے ضعیف راوی کا نام ثقہ راوی میں تبدیل کرنا

سماع الموتیٰ ص ۲۲۸ میں چھٹی دلیل بحوالہ امام ابی بکر بن ابی شیبہ نقل فرمائی جو المصنف کے ج ۴ ص ۱۳۶ میں ہے لیکن اس کا راوی عبداللہ بن موسیٰ نہیں ہے جس کی توثیق بحوالہ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۵۲ کی گئی ہے اور کہا کہ یہ صحاح ستہ کا راوی اور ہے۔ ہر کتاب خوان دیکھ سکتا ہے کہ وہاں لکھا ہے حدثنا عبیداللہ بن موسیٰ جس کے بارے سید امیر علی صاحب مواہب الرحمٰن نے تقریب التہذیب ص ۲۵۳ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ایسا شیعہ تھا جو حضرت امیر المومنین عثمان پر اور تمام ان پر جو حضرت امام علی کے مقابلے میں نکلے چوٹ کیا کرتا تھا اسی لئے امام احمدؒ اس پر انکار فرماتے اور اس سے اخذ حدیث سے لوگوں کو منع کرتے باوجودیکہ وہ اس قدر عابد زاہد تھا کہ آسمان کی طرف اپنا سر بھی نہیں اٹھاتا تھا تو نص حدیث کے مطابق جیسے خارجیوں کے زہد و عبادت کا اعتبار نہیں ایسے ہی اس کا بھی اعتبار نہیں جو اصل چھوڑ کر اس کی رائے کو پکڑے یہ ہے عبیداللہ بن موسیٰ بن ابی المختار باذام عبسی کوفی جو استاذ ہے ابن ابی شیبہ بخاری، ابن ابی خاتم اور اسحٰق بن راہویہ اور جماعۃ کثیرہ کا

نیز امام بخاری کا استاذ ہونے کے باوجود اس کی یہ حدیث امام بخاری نے نہیں لی بلکہ صحاح ستہ میں سے کسی نے بھی اس کی اس روایت کی تخریج نہیں کی۔ مزید برآں اس روایت کو مولانا صاحب نے بڑی جستجو کے بعد مصنف ابن ابی شیبہ کے سوا کہیں نہیں پایا اپنا ثانی بنانے کے لئے سیوطی کی شرح الصدور ص ۹۴ کا حوالہ دیا، اور سیوطی صاحب مخرج نہیں بلکہ ناقل ہیں دسویں صدی کے

تو ایسی ضعیف الاسناد حدیث پر اعتماد کر کے ایک اولوالعزم جلیل القدر صحابی پر یہ نظریہ تھوپنا انصاف نہیں کہ جب وہ اپنی زمین اور کھیتی سے واپس آتے اور شہداء کی قبروں کے پاس سے گذرتے تو فرماتے السلام علیکم اور بیشک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ کیا تم شہداء کو سلام

نہیں کہتے تاکہ وہ تمہیں تمہارے سلام کا جواب لوٹائیں

یاد رہے کہ آخری الفاظ فیودون علیکم کے ناسوا تمام حدیث ہمیں مسلّم ہے اگرچہ اس کے رواۃ ضعیف ہی ہوں کیونکہ یہ باقی احادیث متعلقہ تسلیم علی اہل القبور کے موافق ہیں دوسرے یہ کہ حدیث عمل سے متعلق ہے اور جو حدیث ایسی ہو وہاں ضعف کھپ جاتا ہے جیسے فتح القدیر میں ہے۔ البتہ موضوع حدیث پر عمل کرنا حرام ہے اور اس کی تشہیر کرنے والا شیطان کا ایجنٹ ہے جیسے زید بن اسلم (شیخ امام مالکؒ) کا قول "تذکرۃ الموضوعات" میں بیان فرمایا ہے

مگر آخری فقرہ ہمارے عمل کے ساتھ متعلق نہیں ہے بلکہ عقیدہ کا مسئلہ ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم شہداء کی قبور پر جا کر اس نیت سے سلام کریں کہ وہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہیں اگر ان کا جواب سلام ہم کو سنائی نہیں دیتا۔ مگر ہمیں عقیدہ یہی رکھنا چاہیے کہ وہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور عقیدہ کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہے

فائدہ مہمہ

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ نے ستہ ضروریہ ص ۳۶ میں فرمایا "آج کل کے اہل بدعت بھی (باوجود ادعاء حنفیت) چونکہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں اس لیے انہوں نے یہ بھی ایک شاخسانہ نکالا ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ اور مشائخ حنفیہ بھی سماع کے قائل ہیں۔ یہ ان کی صریح جہالت ہے یا منہ زوری۔ ورنہ کتب حنفیہ اس کی تصریحات سے پُر ہیں

حضرت نعمانی مدظلہ کی یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ سماع موتیٰ کا قول آج کے دور میں اہل بدعۃ یعنی بریلویوں کا قول ہے۔ اہل دیوبند کا یہ قول نہیں

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ انہیں کا شاخسانہ نکالا ہوا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ و مشائخ حنفیہ بھی سماع موتیٰ کے قائل ہیں

اور اب سماع الموتیٰ مصنفہ ابو الزاہد صفدر مدظلہ دیکھ کر معلوم ہوا کہ مصنف مذکور عافاہ اللہ بھی اہل بدعت یعنی بریلویوں کی عبارات پڑھ کر ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ حالانکہ حضرت نعمانی مدظلہ نے اہل بدعت (بریلویہ) کے بارے اپنی زیر نظر رسالہ ستہ ضروریہ میں صراحت

سے لکھا ہے کہ "یہ ان کی صریح جہالت یا سینہ زوری ہے۔ ورنہ کتب حنفیہ اس کی تصریحات سے پُر ہیں۔

اب خدا جانے کہ سماع الموتیٰ کے مصنف موصوف باوجودیکہ آپ ایک بہت جیّد عالم دین فاضل دیوبند ہیں اور اہل باطل بریلویہ وغیرہ کے رد میں نہایت مفید کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور کئی نایاب کتب متقدمین ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں کس وجہ سے اِن جاہلوں سینہ زوروں باطل پرستوں کے اقوال سے متاثر ہو کر انہی کیسی باتیں کرنے لگ گئے ہیں جس سے اور انہی اہل بدعۃ کے عقائد اور اعمال کو تائید مل رہی ہے۔ اور اب تو خود حضرت نعمانی مدظلہ کی طرف رجوع کی نسبت فرمادی مگر ہم جس رسالہ یا کتاب میں انہوں نے رجوع فرمایا ہے اس کا حوالہ بھی نہیں دیا

نیلوی کہتا ہے کہ اگر بالفرض حضرت نعمانی مدظلہٗ نے رجوع فرمایا ہی ہو تو کیا حق بھی انہی کے رجوع کے ساتھ اپنے موقف سے رجوع کریگا؟ ہرگز نہیں۔ حق اپنے مقام پر حق ہے خواہ کوئی اس کے ساتھ رہے خواہ اس سے ہٹے

نیز نیلوی نے حضرت موصوف کا قول بطور تائید کے پیش کیا تھا نہ بطور دلیل و حجت کے۔ تو ان کے رجوع کر لینے سے یہی سمجھا جائیگا کہ ایک عالم دین کی پہلے رائے اور تھی اور اب وہ رائے بدل گئی۔ اس طرح اکابر علماء دین کی رائیں بدلتی رہتی ہیں۔ کوئی نئی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جو سارے علماء دیوبند کے سرتاج ہیں انہوں نے بہت سے مسائل میں اپنی تحقیق حنفیہ کے خلاف لکھی ہے۔ مگر علماء دیوبند کثرہم اللہ تعالیٰ نے ان کی تحقیق کو دیکھ کر اپنا مسلک ان مسائل میں علماء احناف کا ہی برقرار رکھا۔

اسی طرح اگر بالفرض حضرت نعمانی مدظلہٗ کی رائے اس مسئلہ میں بدل ہی گئی ہو تو اندھی تقلید کرتے ہوئے ہم اپنا مسلک امام ابوحنیفہ و مشایخ حنفیہ کا بدل نہیں سکتے

ہم تو یہی کہیں گے کہ "ہم لوگ اہل تقلید ہیں۔ پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے۔ پھر جن فقہاء کے ہم مقلد ہیں جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے" (جیسے غایۃ الاوطار جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ میں ہے)

نقد المحدثین

من قلم

صاحب التسکین

میرے مکرم و محترم و مخدوم حضرت مولانا ابو الزاہد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی نے اپنی کتاب سماع الموتیٰ میں نیلوی کو بدنام کرنے کی پوری سعی بلیغ فرمائی ہے اور کئی طرح کے حربے استعمال کیے من جملہ ان کے ایک حربہ یہ ہے کہ نیلوی بڑا خود سر ہے اپنی ہی گائے جاتا ہے کسی کی نہیں سنتا۔ اس کو کسی کی بات پر اعتماد ہی نہیں

چنانچہ سماع الموتیٰ ص۲۴۲ پر سرخی قائم کی (مولف شفاء الصدور و ندائے حق کی حافظ ابن الہمام الحنفیؒ پر بے اعتمادی۔ پھر ص۲۳۶ پر ذکر کیا کہ ملا علی القاریؒ اور علامہ شامیؒ پر اس کو اعتماد نہیں۔ پھر ملا علی القاری پر نیلوی کا اعتماد نہ کرنے کا ذکر ص۲۴۱ پر بھی کیا۔ پھر ص۲۴۳، ص۲۴۴ میں ندائے حق میں جو کتابت کی غلطی تھی اس کو نیلوی کا عقیدہ سمجھ کر خوب اچھالا پھر ص۲۴۴ و ص۲۴۵ میں لکھا کہ نیلوی کے نزدیک والعیاذ باللہ فقہائے احناف ایسے غیرے نتھو خیرے ہیں اور ان کی کتابیں پوتھیاں ہیں حالانکہ یہ لفظ نیلوی نے کہیں نہیں لکھا جہاں سے محترم نے یہ بات نکالی ہے وہاں بریلویوں کے متعلق اور یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں اور اگر یہ تعبیر ٹھیک نہ تھی تو اور بات ہے۔ اگر والعیاذ باللہ میرا یہی عقیدہ ہوتا تو میں خود فقہاء احناف شکر اللہ سعیہم کے حوالے کیوں پیش کرتا

بہر حال ہم اس مضمون میں حضرت مولانا کو حضرات محدثین و فقہاء و اکابر سلف پر کتنا اعتماد ہے وہ بتائے دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو علم ہو جائے کہ مخدوم کے ہاں ان اکابر کی کیا حیثیت ہے

امام بخاریؒ پر تنقید

احسن الکلام ص ۱۳۹ ج ۲ : حضرت امام بخاریؒ نے اس کی کوئی سند نقل نہیں کی - اور بغیر سند کے ایسا سنگین حکم کون سنتا ہے

احسن الکلام ص ۲ ج ۲ یہ حضرت امام بخاریؒ کی رائے ہے حق وہ ہے جو جمہور نے کہا ہے
نیلوی کہتا ہے امام بخاری نے جمہور کا ساتھ نہیں دیا اس بخاریؒ پر کیا فتویٰ لگے گا - اسی طرح شعبہ اور ابن مدینی اور احمد بن حنبل اور عینی اور ابن ہمام پر کیا فتویٰ ہے یہ سب کے سب جمہور کے خلاف گئے - پھر یہ بھی فرمائیں کہ ذہبیؒ نے کن رواۃ کا زمانہ پایا ہے جو ان کی تصحیح و تضعیف دقیع ہے

حضرت سفیان ثوریؒ جب آمین بالجہر کی روایت بیان کرتے ہیں تو امام بخاریؒ کے ہاں وہ احفظ الناس سمجھے جاتے ہیں اور جب ترکِ رفع یدین بیان کریں تو پھر اَنسی الناس ہو جاتے ہیں اور ابن ادریس وغیرہ احفظ الناس بن جاتے ہیں - کیا ترجیح اسی کا نام ہے جو مذہب کے موافق ہو وہ راجح اور جو مخالف ہو وہ مرجوح ؟ (ص ۱۰۹ نور الصباح)

صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴ میں ہے کہ ... حضرت ابراہیم نخعیؒ نے کہا ہے کہ جنبی انسان پوری آیت قرآن مجید کی پڑھ سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں - اور بخاری کا اسی صفحہ پر ہے وقال یر ابن عباس بالقراءۃ للجنب باسا کہ حضرت ابن عباسؓ بھی جنبی انسان کیلئے تلاوتِ قرآن مجید کو جائز سمجھتے تھے - امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ جنبی انسان تلاوتِ قرآن مجید کر سکتا ہے لیکن امام بخاری کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے - حضرت ابراہیم نخعی کی بات کو اپنی دلیل پیش کرتے ہیں ..... حالانکہ ابراہیم نخعی کا یہ مذہب نہیں ہے جو امام بخاری نے ان سے بلا سند نقل کیا ہے ..... اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے بھی امام بخاریؒ نے جو مذہب نقل کیا ہے بلا سند ہے جو کہ صحیح نہیں ہے (نور الصباح ص ۸۵)

امام بخاریؒ نے یہ حدیث پوری نقل نہیں کی (ص ۲۴۹) اس روایت کو ادھورا نقل کرنے میں امام بخاری وغیرہ نے غلطی کی ہے - نور الصباح ص ۲۰۵ : انہوں نے (بخاری نے) جزء رفع الیدین میں ہر قسم کی رطب و یابس روایات کی بھرتی کی ہے -

امام احمد بن حنبل پر تنقید

احسن الکلام ص۲۳: ایسے کذاب اور دجال (محمد بن اسحٰق) راوی کے بارے میں امام بخاری وغیرہ (امام شعبہ و علی بن المدینی اور احمد بن حنبل) کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصًا جب کہ امام بخاری نے ابن اسحاق کا زمانہ نہیں پایا۔

ترمذی پر تنقید

احسن الکلام ص۱۵۲: مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں" امام ترمذی کی تحسین بلکہ تصحیح قابل تنقید ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں یہ قول حضرت مولانا صاحب اپنی تائید میں پیش فرما رہے ہیں

نیلوی کہتا ہے کہ کیا ابن حجر معصوم ہے؟ اب بات سمجھ میں آئی کہ غیر معصوم کی تصحیح قابل تنقید ہے۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ تصحیح کے لئے معصوم کا قول پیش فرمایا کریں۔ اور عصمت تو خاصۂ انبیاء ہے یا تمام امت کے اجماع کو عصمت کا درجہ مل سکتا ہے۔ پھر اگر ایک سند کو ابن حجر جید کہہ دے اور اس کی تائید سید انور شاہ صاحب و عثمانی صاحب رحمہا اللہ فرما دیں تو حجت قطعیہ ہوگی، جس کو نہ ماننے والا سورد الزام بن جاتا ہے۔ آخر اس کی وجہ ہے کیا؟ جب کہ آپ کے تلمیذ بھی یہی بات کرتے ہیں تو ان کو محقق مدقق اور وسیع النظر کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں صرف آپ ہی ہیں یا آپ کا شاگرد جس کا قول حجت ہے باقی تمام مجذوب ہیں ان کی عقل ماؤف ہو گئی ہے۔ اور وہ سب علم و انصاف سے کوسوں دور ہیں یا للعجب

امام بیہقی پر تنقید

احسن الکلام ص۲۰۱ طبع دوم میں ہے امام بیہقی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ مگر ان کی یہ تصحیح بھی قابل اعتماد نہیں ہے، کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ قاعدہ جلیلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقی تعصب سے کام لیتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایسی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں کہ اگر ان کا کوئی مخالف ان سے استدلال کرے تو اس کی تمام کمزوریاں ظاہر کئے بغیر ان کو چین نہ آئے دیکھیے بغیۃ الالمعی ص۳۵) امام بیہقی ایک مقام پر صلوٰۃ وتر کے عدم وجوب پر عاصم بن ضمرہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں (سنن الکبریٰ ص۴۶۷) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ عاصم بن ضمرہ لیس بالقوی (سنن الکبریٰ ص۱۴۳)

اور ایک سند کے متعلق جس میں جواب تیمی ہے لکھتے ہیں رواتہ کلہم ثقات (سنن الکبریٰ ص۱۲۷ ج۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں جواب التیمی غیر قوی (سنن الکبریٰ ص۵۳۵ ج۱) وغیرہ۔ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں امام بیہقی اگرچہ محدث مشہور ہیں مگر اُن کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (بلفظہٖ تحقیق الکلام ص۳۲ ج۲)

نیلوی کہتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ محترم جناب ابو الزاہد سرفراز خان صاحب بھی بیہقی دوران ہیں جو تعصب سے کام لیتے ہیں۔

احسن الکلام ص۱۱۰ ج۲ میں لکھا امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ہٰذا اسناد جید کہ اس کی سند جید کھری اور عمدہ ہے۔

نہ معلوم امام بیہقیؒ نے کس طرح اس سند کو جید کہہ دیا ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں ابراہیم بن ابی اللیث ہے۔ صالح بزرہ کہتے ہیں کہ بیس سال تک وہ جھوٹ کہتا رہا ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور احمق تھا۔ ساجی اس کو متروک کہتے ہیں ...... (لسان المیزان ص۹۳ ج۱ و ص۹۴ ج۱)

احسن الکلام طبع ۲ ص۱۵۵ ج۲: آخر میں ہم پھر یہ گذارش کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام بخاریؒ حضرت امام بیہقیؒ اور امام دارقطنی وغیرہ کے پیش کردہ دلائل پر جو گرفت کی ہے تو اس سے مقصد صرف ان کے دلائل کی خامی کا اظہار ہے۔ ورنہ خدا شاہد ہے کہ ہمارے دل میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے الخ۔ نیلوی کہتا ہے نہ ہمارے دل میں ان کی بھی بڑی قدر ہے

احسن الکلام ص۴ ج۲: مگر (بیہقی کا) یہ اعتراض باطل ہے

دارقطنی پر تنقید

امام دارقطنی کی تصحیح کا بھی چنداں اعتبار نہیں۔ وہ ایک ہی راوی کو کبھی ثقہ اور کبھی ضعیف کہہ دیتے ہیں (احسن الکلام ص۱۰۵ ج۲)۔

میں کہتا ہوں ایسے مجہول راوی سے دو راویوں کی روایت کر لینے سے اس کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ایک قوم نے (مثلاً ابن حبان اور دارقطنی وغیرہ۔ صفدر) یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی۔ ہم ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے (احسن الکلام ص۹۲ ج۲)

اب دیکھیں ہمارے محترم مولانا صاحب نے محض اپنے مطلب برآری کے لئے یعنی من صلّٰی علیّ عند قبری سمعتہ کذا موضوع روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے دارقطنی کے اسی ضابطہ کو جس کے فساد اور بطلان کو بیان کرنے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں تسکین الصدور طبع دوم ص۳۱۶ میں اسی ضابطہ سے کام لیا اور مجہول راوی کو ثقہ قرار دے کر فرماتے ہیں" ان کو مجہول قرار دے کر ان کی حدیث سے اعراض کرنا علم و انصاف سے کوسوں دور ہے

ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ میرے محترم مولنا صاحب اگر فروعات میں غیر مقلدین کے ساتھ بحث کریں تو دار قطنی کا قاعدہ فاسد اور باطل ہو جاتا ہے اور اگر اصول میں کسی دوسرے فریق کے ساتھ بحث کرنی پڑ جائے تو وہی دار قطنی کا قاعدہ بجائے فاسد اور باطل ہونے کے بالکل صحیح اور عقیدہ کی بنیاد کا مدار بن جاتا ہے اور جو کوئی ان سے بات کرنے لگتا ہے تو منہ دوسری طرف پھیرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تیرے سے بات کرنا ہی میری ہتک ہے کیونکہ ایسے ثقہ راوی کی حدیث سے اعراض کرنا علم و انصاف سے کوسوں دور ہے۔ بہر حال میرے محترم مولنا صاحب فرماتے ہیں حدیثوں کی پڑتال کا مجھے ہی حق ہے۔ دوسرے ناحق کے دعوٰی دار ہیں۔

تلمیذ صاحب کی تنقید قاموس پر

سرخی ہے علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ لغوی صاحب قاموس کی ایک گپ ملاحظہ ہو۔ سفر السعادہ ص۳ کا حوالہ دیکر لکھا کہ فیروز آبادیؒ صاحب کی تمام باتیں غلط و بے بنیاد ہیں .... فیروز آبادی کا یہ کہنا ... محض دسینہ زوری ہے الخ تلمیذ ص۳۲

خطابی پر تنقید

امام خطابی کا یہ کہنا کہ اس حدیث کی سند جید ہے محل تعجب ہے محمد بن اسحاق پر اشد جرح موجود ہے بقول یس با تیں اور مدلس تھے۔ نافع مجہول و مستور ہے۔ حدیث مضطرب ہے بجید خلف الامام حدیث موقوف اور یہ زیادتی مدرج ہے۔

ابن عبدالہادی پر جرح

ابن عبدالہادی: البتہ ایک بات علامہ ابن عبدالہادیؒ نے کہی ہے..... لیکن یہ محض تک بندی ہے۔ تسکین الصدور ص۳۴۳) علامہ ابن عبدالہادی کا اس کو قطعی طور پر موضوع کہنا صرف ہوائی فیر ہے (طبع دوم تسکین الصدور ص۳۵۶)

امام ابن تیمیہ پر تنقید

امام ابن تیمیہ: ان کی طبیعت میں شدت اور حدت بھی بے پناہ تھی جب وہ اپنی شدت پر اتر آتے تھے تو .....

کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے تھے .... یہ ان کا کھلم کھلا وہم اور صریح غلطی ہے (تسکین الصدور ص ۳۴۷،
ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ یہ نرا جھوٹ ہے الخ عجوبات ہے جو ان کی بے باکانہ عبارت ہے (، ص ۳۴۹)

ابن حبان پر تنقید

ابن حبان متشدد ہیں چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال ص ۱۳۵ ج ۱ میں ایوب بن عبد السلام کے ترجمہ میں ابن حبان کی جرح
جو ایوب کے بارے ہے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ایوب ثقہ ہے۔ سوچ اے مخاطب! ابن حبان طعنہ باز اور فتنہ انگیز ہے۔
....ابن الصلاح نے کہا کہ ابن حبان نے اکثر فحش غلطیاں کی ہیں جو اُن کی اپنی تصرفات کا نتیجہ ہیں (نور الصباح ص ۱۱۱)

احسن الکلام ص ۹۳ ج ۲: ولا تفرح بذکر ابن حبان لہ فی الثقات فان قاعدتہ معروفۃ من الاحتجاج بمن لا یعرف (میزان ص ۲۳۳ ج ۱)
اور اس پر خوش مت ہو کر ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا اس لئے کہ ان کا قاعدہ ہی یہ مشہور ہے کہ وہ مجہول راویوں
سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں

امام ابن حبان پر تسکین الصدور طبع ۲ ص ۱۱۱ میں جرح فرمائی: امام ابن حبان متشدد بھی تھے اور متساہل بھی تھے
کبھی کبھی بے سرو پا باتیں کہہ جاتے تھے

اسی صفحہ پر حکم پر جرح فرمائی: ویسے کوئی صوفی قسم کا آدمی اس سے روایت لینے میں احتیاط کرتا ہے تو یہ اس کا
اپنا ذاتی نظریہ ہے

مولانا کی چال

مخدوما! جب ابن حبان متشدد بھی تھا اور متساہل بھی تھا تو پھر آپ نے تسکین الصدور طبع اول میں اس کا حوالہ
کیوں دیا حالانکہ آپ کا مسلک ہے کہ نقل تصحیح ہوتی ہے۔ اب جب آپ نے ابن حبان کا حوالہ دے دیا تو صاف معلوم
ہو گیا کہ ابن حبان کا قول آپ کے نزدیک مسلّم ہے۔ لیکن اس کے بعد جب نذائے حق میں آپ کی خیانت پکڑی کہ آپ نے اس
لفظ سے آگے کثیر الخطأ کا لفظ لکھا ہوا نقل نہیں کیا یا جو آپ کے مطلب کے خلاف تھا۔ تو اس خفت کو مٹانے کے لئے
آپ نے تسکین الصدور طبع دوم ص ۱۱۱ میں فوراً کانٹا بدلتے ہوئے اپنا بیان کردہ قاعدہ "نقل تصحیح ہوتی ہے" پس پشت
ڈال دیا اور فرمایا کہ ابن حبان کا راوی ذکور کو کثیر الخطأ کہنا مجھے مسلّم نہیں کیونکہ وہ متشدد بھی ہیں اور متساہل بھی ہیں۔

تو مطلب یہ ہوا اگر چہ ابن حبان متساہل ہیں مگر ان کے تساہل سے تسامح کرتے ہوئے نادان کی ثقاہت تو مان لی اور ان کے نقد کو دیکھ کر کثیر الخطا ہونے کا انکار کر دیا یعنی اپنے مطلب کی بات لے لی اور مطلب کے خلاف جو بات تھی اسے ٹھکرا دیا یعنی صرف خیانت ہی نہیں اس کے ساتھ ساتھ خود غرضی بھی چھپا ہوا ہے۔ یک نہ شد دو شد۔ میرے محترم! ناظرین آپ جیسے بزرگ عالم کے متعلق حسن ظن رکھیں گے کہ خیانت بھی ہو اور خود غرضی بھی ہو پھر باوجود اس کے آپ کی جرح بھی معتبر رہے؟ منصف اور عقل سلیم والے تو نہ خائن کی شہادت قبول کرتے ہیں اور نہ خود غرض مطلبی آدمی کی اللھم احفظنا من مثل ھؤلاء الاعمد؟

ہیثمی پر تنقید

احسن الکلام ص۲۸۱ ج۲: ہیثمی پر جرح فرماتے ہیں اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہوگی۔ ورنہ اس کے صحیح ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ (نوٹ: یہاں مولانا کا خطاب غیر مقلدین سے ہے)

اس کے برعکس ہیثمی پر مکمل اعتماد

تسکین الصدور ص۲۳۷ طبع دوم: علامہ ہیثمیؒ نرے ناقل اور جامع ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پرکھنے کا قوی ملکہ عطا فرمایا ہے اور بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرامؒ اس سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں جب یہ ذمہ دار حضرات اس کی تصحیح کرتے ہیں تو یہ روایت مسند بزار میں رہ کر بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ نہ طبقہ بدلنے کی حاجت ہے اور نہ اس صحیح روایت پر بے اعتمادی کی کوئی وجہ ہے (نوٹ یہاں مولانا کا خطاب نیلوی سے ہے اس لیے کانٹا تبدیل ہو گیا نیلوی: لیکن یہ بات زیر غور ہے کیونکہ ہر قوی ملکہ والا خطاء سے معصوم نہیں ہوتا۔ عصمت خاصۂ انبیاء ہے ہاں امتِ محمدیہ کا اجماع خطاء پر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی قرآن و سنت کے خلاف اجماعِ امتِ محمدیہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو قرآن و سنت کے خلاف ہے وہ خطاء ہے

تسکین الصدور ص۲۳۳ طبع دوم: بلاشبہ امام سیوطیؒ متساہل تھے لیکن علامہ نور الدین ہیثمیؒ اور علامہ زرقانیؒ کا تساہل ثابت نہیں اور بلا حوالہ اور بدون دلیل کے ان حضرات کا تساہل غیر مسلم ہے

نیلوی: دیکھیے آپ کے تلمیذ رشید نور الصباح ص۱۹۹ میں فرماتے ہیں عبد الرحمن بن ابی الزناد ۔۔۔۔ خطا کار اور مضطرب الحدیث

تضعیف میں اسے ضعیف ہی لکھ رہے ہیں اور ذہبی بھی نسائی کے بارے فرماتے ہیں ضعفہ النسائی پھر بھی جناب ہیثمی فرماتے ہیں وثقہ النسائی ۔ آپ کس طرح فرماتے ہیں کہ ہیثمی کا تساہل ثابت نہیں

نیز آپ فرماتے ہیں کہ بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرام اس سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں الخ (ص ۲۳ طلوع)

جب آپ کو مسلم ہے کہ محدثین ان پر اعتماد کرتے ہیں اور اسی اعتماد پر وہ جید، ضعیف، قوی وغیرہ کہہ دیتے ہیں تو سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولنٰا عثمانی دور حاضر کے محقق علماء کیا ان کی تحقیق پر اعتماد نہیں کریں گے ۔ پھر آپ کس بنا پر فرماتے ہیں ؟ " مولنٰا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولنٰا عثمانیؒ دور حاضر کے محقق علماء میں تھے نرے لکیر کے فقیر نہ تھے۔"

اگر محقق ہیں اپنی تحقیق خود کرتے ہیں نرے لکیر کے فقیر نہیں تو اعتماد کیا معنے اور اگر اعتماد ہے تو محقق اور لکیر کا فقیر نہ ہونے کا کیا معنے ۔ اگر شاہ صاحبؒ اپنی تحقیق خود کرتے ہیں پھر کسی محدث کے ساتھ اتفاق ہو گیا تو علیحدہ بات ہے تو

استاذ کی راہ اور شاگرد کی اور

پھر آپ کے اپنے تلمیذ رشید نے جو نور الصباح ص ۲۳ میں لکھتے ہیں " علامہ کشمیریؒ کا حافظ ابن حجر کے بارے یہ حسن ظن صحیح نہیں ہے " یہ صحیح لکھا ہے یا غلط اگر صحیح لکھا ہے تو آپ مؤلف اقامۃ البرہان پر کیوں ناراضی کا اظہار فرما رہے ہیں جنہوں نے ہیثمی کے بارے کہا کہ وہ بھی امام سیوطی کی طرح ناقل و جامع ہیں اور مولف ندائے حق پر کیوں خفا ہوتے ہیں جس نے حقیقت لکھی ہے کہ عرض اعمال کا مسئلہ شیعہ کا ہے اور روایت کی تصحیح اور تحسین کی بابت سیوطی کا تساہل مشہور ہے اور حضرت شاہ صاحب اور شیخ الاسلام صاحب نے انہیں دیکھ کر سند جید کہہ دیا ہے ۔ یعنی سند جید کہنے والوں پر حسن ظن کرتے ہوئے سند جید کہہ دیا ۔ اگر یہ فرمان آپ کے تلمیذ رشید کا صحیح نہیں ہے تو آپ نے تقریظ میں کیوں لکھا ہے کہ یہ کتاب ... خالص علمی معلومات افزا اور پر مغز حوالوں سے لبریز ہے جس میں اصل مسئلہ کے علاوہ اسماء رجال اور باحوالہ اکابر علماء کی علمی اغلاط کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے الخ ص ۱۳

یا پھر یہ کہنے پر ہم مجبور ہوں گے کہ اس دور میں آپ اور آپ کے مدرسہ کے فارغ شدہ کو صرف یہ حق پہنچتا ہے کہ جس کو صحیح کہہ دیں وہی صحیح ہے اور جس کو غلط کہہ دیں وہی غلط ہے باقی جو بھی کوئی کہہ دے وہ باطل اور مردود ہے

اگر استاذ شاگرد کا باہم اختلاف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اپنا مطلب حل کرنا ہے چنانچہ ایک ہی راوی

کو استاذ صاحب ثقہ بتلاتے ہیں اپنے دعوے کے اثبات کے لئے اور اسی راوی کو تلمیذ رشید رد فرما دیتے ہیں۔

مثلاً ازرق بن علی کے بارے استاذ صاحب تسکین الصدور طبع دوم ص۲۱۱ میں فرماتے ہیں ابن حبان نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور فرمایا کہ وہ غریب حدیث لاتے ہیں اور خود حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صدوق یغرب (تقریب ص۲۱)... فن روایت میں راوی کیلئے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے (مع دیگر شرائط کے) اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے اور یہی حوالے ان کے شاگرد بھی ذکر کرتے ہیں مگر یہی باتیں روایت کو ناقابل اعتبار بنانے کے لئے لکھتے ہیں چنانچہ اپنی تصنیف نور الصباح ص۱۳۹ میں لکھتے ہیں "معوذتین کے قرآن میں سے نہ ہونے کی دوسری حدیث کی سند کا حال ملاحظہ ہو..... اولاً تو اس کی سند میں الازرق بن علی ہے حافظ ابن حجرؒ تقریب ص۳۱ میں فرماتے ہیں صدوق یغرب کہ سچا ہے مگر اپنی روایت میں متفرد ہوتا ہے الخ

پھر استاذ صاحب نے یہ جو فرمایا ہے کہ فن روایت میں راوی کے لئے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے (مع دیگر شرائط کے) اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے۔ یہ شرائط آپ اجمال میں رکھ گئے اور مین والتوسین۔ لیکن تلمیذ رشید نے یہ بتا دیا کہ اہل صدق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی ہر بات صحیح ہو اور قابل اعتبار چنانچہ اسی صفحہ پر اسی سند کے دوسرے راوی کے متعلق لکھا ہے کہ حسان بن ابراہیم اگرچہ سچا ہے مگر خطا کرتا ہے آگے ابن عدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اپنی روایات میں اکیلا ہوتا ہے (یعنی اس کی تائید کسی روایت سے نہیں ہوتی) اگرچہ سچا ہے مگر غلط کار ہے

اب استاذ صاحب اتنا سمجھا دیں کہ صدوق یغرب کہنے سے راوی کی روایت قابل قبول ہے یا قابل رد اگر قابل قبول کہتے ہو اور یہ راوی صفت صداقت سے متصف ہے تو ابن مسعودؓ پر جس حدیث میں معوذتین کا قرآن میں سے نہ ہونے کا بہتان ہے اسے تسلیم فرمالیں اور فرما دیں کہ غرابت صحت کے منافی نہیں اور اگر قابل رد ہے تو آپ نے تسکین الصدور میں اس روایت کی صحت پر زور کیوں لگایا۔ اگر کہو کہ چونکہ معوذتین والی روایت صحیح روایات کے ساتھ متصادم ہے اس لئے قابل رد ہے تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ یہ روایت جو ص۲۱۰ پر آپ نے لکھی ہے یہ دوسری صحیح روایات سے متصادم نہیں ہے؟ کیا ان راویوں کی ثقاہت سے مطلقاً روایت صحیح بن جاتی ہے جبکہ آپ خود بھی احسن الکلام ص۲/۱۱۶ میں لکھتے ہیں عبید اللہ بن عمرو کے متعلق کہ امام علامہ ہیثمیؒ کا رواتہ ثقات کہنا تو اپنے موقع پر صحیح ہے عبید اللہ بن عمرو ثقہ ہے مگر صاحب خطا اور وہم ہے اور ابو قلابہؒ ثقہ ہے مگر غضب کا مدلس ہے اور ص۹۱ میں لکھتے ہیں "اصول حدیث کی رو سے ثقہ راویوں کی حدیث بھی معلل ہو سکتی ہے"

۸۸ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور شیخ الاسلام عثمانیؒ صاحب محقق تھے اور بڑے مکثیر فقیہ تھے تو پہلی صدیوں کے

جاری ہے کہ یہ رسالہ عقائد علمائے دیوبند کی وضاحت کرتا ہے۔ جب یہ بات صحیح ہے تو یہ عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہوگا کہ محمد بن عبدالوہاب خارجی تھا اور شامی کا نظریہ صحیح ہے اگر کوئی تردید کریگا تو معلوم ہوگا کہ یہ خود خارجی ہے اور حنفی نہیں ہے چہ جائے کہ دیوبندی۔ لیکن آپ اپنا مقام سمجھ کر المہند کی تردید فرما سکتے ہیں۔ اب علمائے دیوبند کو چاہیئے کہ اپنے محقق کی تحقیق کے پیش نظر رسالہ چھاپتے وقت یہ لکھا کریں کہ اس رسالہ کے فلاں مسئلہ پر تمام علمائے دیوبند کا جو اجماع تھا اب وہ اجماع ہمارے ایک محقق عالم کی تحقیق پر ٹوٹ گیا۔ تو گویا اب یوں کہنا چاہیے کہ جو مسئلہ حضرت صفدر صاحب کے قلم سے نکلے گا وہی مسلک دیوبند ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ مسلک دیوبند نہیں اگرچہ خود حضرت نانوتویؒ کے قلم سے نکلا ہو یا حاجی امداد اللہؒ کے قلم سے ہو یا حضرت تھانویؒ کے قلم سے ہو یا حضرت الاستاذ المفتی الاعظمؒ کے قلم سے ہو۔

ابن حجرؒ پر تنقید

حافظ ابن حجرؒ کا اس روایت کے بارے میں توقف کمزور ہے کیونکہ سعید بن ابی عروبہ کی روایت سے بھی زیادہ مضبوط روایت خود نسائی ج۱ ص۱۶۵ طبع مجتبائی میں شعبہؒ عن قتادہؒ کے طریق سے مروی ہے۔ البتہ علامہ سید محمد انور شاہؒ نیل الفرقدین ص۳۲ میں لکھتے ہیں کہ شعبہؒ کا نسائی کے اندر موجود ہونا غلط ہے جیسے فتح الباری ص۱۸۳ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے آپ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو: وفی شعبۃ فی النسخۃ غلط تعلیم ذلک من الفتح وقال فیہ وہو اصح، وقفت علیہ فیہ وفیہ الرفع بین السجدتین ایضا الخ مگر علامہ کشمیریؒ کا حافظ ابن حجرؒ کے بارے میں یہ حسن ظن صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح شعبہؒ نسائی میں موجود ہیں اسی طرح صحیح ابو عوانہ ص۹۵ میں بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوا شعبہ کا ذکر نہ تو نسائی میں غلط ہے اور نہ صحیح ابو عوانہ میں بلکہ یہ حافظ ابن حجرؒ کا وہم ہے اور علامہ سید کشمیریؒ کا یہ حسن ظن ہے۔ فائدہ: علوم دینیہ کے بارے علم محیط کلی نہ تو امام بخاریؒ کا ہے نہ حافظ ابن حجرؒ کا نہ علامہ سید کشمیریؒ وغیرہ کا۔ اگر کسی مسئلہ کے متعلق ان حضرات کو علم نہ ہو سکے اور دوسرے دلائل سے وہ مسئلہ ثابت ہو جائے تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً اذان کی مشہور دعا، اللہم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ الخ میں والدرجۃ الرفیعۃ کے جملہ کے بارے .... [illegible] اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ والدرجۃ الرفیعۃ کا ذکر کسی روایت میں نہیں (آگے ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض زبان زد عوام ہے) علامہ سخاویؒ بھی مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی وجود اور ثبوت نہیں ہے۔ علامہ سید محمد انور شاہ صاحب بھی فیض الباری ص۲۳۶ میں فرماتے ہیں زیادۃ والدرجۃ الرفیعۃ فلم تثبت

عندی فی شئ- لیکن زیر بحث دلائل سے کتب حدیث میں والدرجۃ الرفیعۃ کا ثبوت موجود ہے (دیکھئے اتحاف السادۃ میں شرح احیاء العلوم ج ۵ ص ۱۳۰)

وامام ابن سنی رح ....اپنی مشہور کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۳ طبع حیدر آباد دکن میں فرماتے ہیں حدثنا ابو محمد عبدالرحمٰن (امام نسائی)

اخبرنا عمرو بن منصور حدثنا علی بن عیاش حدثنا شعیب بن حمزۃ عن محمد بن المنکدر عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من قال حین یسمع الدعاء اللہم رب ہذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ

الرفیعۃ وابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہ حلت لہ شفاعتی یوم القیامۃ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور یہ اول درجہ کی صحیح

حدیث ہے...... نزل الابرار ص ۶۴ بحوالہ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۳۳ میں ایک حدیث...... والدرجۃ الرفیعۃ کے ہم معنی الفاظ کی ہے

عن ابن مسعود مرفوعاً..... اخرجہ الطبرانی فی معجم الکبیر- (نور الصباح ص ۲۳۳)

نور الصباح ص ۲۱۵: حافظ ابن حجر پر بہت افسوس آتا ہے کہ وہ اس ضعیف حدیث کے بارے رجالہ ثقات فرماتے ہیں

حافظ ابن حجر ایک حدیث کے بارے فرماتے ہیں رجالہ ثقات- علامہ امیر یمانی غیر مقلد نے سبل السلام ص ۳۴ حدیث ثمن متعلق

ثمن سنور وکلب میں حافظ ابن حجر رح کی خوب خبر لی ہے کہ یہ حدیث منکر اور باطل ہے اس کے رجال ثقات کیسے ہیں-

حافظ ابن حجر قصہ تلک الغرانیق العلیٰ کو بھی صحیح سمجھتے ہیں (دیکھئے فتح الباری ج ۸ ص ۳۳۳ تا ص ۳۳۴) حالانکہ قاضی

عیاض وامام نووی اس کو موضوع وباطل قرار دے چکے ہیں۔ اس لئے علامہ احمد محمد شاکر غیر مقلد نے شرح ترمذی

ص ۲۶ میں حافظ ابن حجر کی خوب خبر لی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں وقد اخطأ فی ذلک خطأ لا نرضاہ لہ ولکل عالم زلۃ

عفا اللہ عنہ اھ الحاصل حضرت جابر بن عبداللہ سے رفع الیدین کی روایت غیر ثابت ہے اور حافظ ابن حجر کی سخت غلطی ہے

جو انہوں نے اس روایت کے بارے کہہ دیا ہے کہ رجالہ ثقات-

حاکم پر تنقید

علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ امام حاکم مستدرک میں موضوع اور جعلی حدیثوں تک کی تصحیح کر جاتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۲)

نیلوی کہتا ہے کہ جب امام ذہبی اس کی تصحیح کر دیں تو قطعی صحیح بن جائے گی جس کا منکر کافر نہیں تو کم از کم

فاسق ضرور ہوگا کیونکہ امام ذہبی کا قول حجت ہے۔ مگر جہاں محترم مولانا کے خلاف علامہ ذہبی جیسے نقاد کوئی

بات کہیں گے تو ان پر بھی ذم کا فتویٰ لگ جائے گا۔

شیخ عبدالحق پر تنقید

تقریر الفوائد طبع اول ص۲۲ : حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے دور کے وسیع النظر عالم اور خادم دین تھے ۔ لیکن حدیث کی تصحیح و تحسین صرف ان محدثین کا کام ہے جو ائمہ جرح و تعدیل ہوں ۔ نہ متشدد ہوں اور نہ متساہل ہوں کیونکہ لکل فن رجال

عبدالحی لکھنوی پر تنقید

مولنا عبدالحی لکھنویؒ پر بھی افسوس آتا ہے کہ وہ اس موضوع حدیث اور معاذ بن جبل کی موضوع حدیث کو رفع الیدین کے دلائل میں بھرتی کر گئے ۔ رفع الیدین کی روایات کو اکثر و اقوی قرار دیتے ہیں (التعلیق الممجد) فالی اللہ المشتکی ۔

(نور المصباح ص۲۴)

مولنا عبدالحی لکھنوی اپنے وقت کے متبحر عالم اور وسیع النظر فقیہ اور مفتی تھے لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح و تعدیل میں تھے اور نہ بغیر کسی سند کے ان کا قول معتبر ہو سکتا ہے (مقدمہ زلمی ص۳۹) رواۃ کی جرح و تعدیل میں وہ موصوف ہماری طرح کے ناقل ہیں ۔ لہذا ان اکابر کا اس حدیث کو صحیح ، حسن ، جید اور قوی کہنا کوئی معنے اور پوزیشن نہیں رکھتا ۔ اور نہ ان کے کہنے سے کذاب و دجال و مجہول و مستور راوی ثقہ ہو سکتے ہیں کو جی ان علمائے تو ناقل ہیں مگر سید انور شاہ و عثمانی مجتہد و محقق ہیں اور نیموی کہتا ہے کہ محترم ابو الزاہد صاحب ہمارے اس دور کے ائمہ جرح و تعدیل میں ہیں لہذا جس کو یہ جید قرار دینگے وہ جید ہی ہے اور جو نہ مانے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور اس کا قول علم و انصاف سے کوسوں دور ہے

امیر المحدثین پر تنقید

احسن الکلام ص۲۶ امیر المحدثین ہونے سے توثیق کیسے لازم آتی ہے

علامہ تاج الدین سبکی نے ابو طاہر فقیہ کو گو شیخ ادیب عارف اور امام المحدثین والفقہاء لکھا ہے قلت لا ادلا ارنی ہٰذا علی کونہ ثقۃ قابلا للاحتجاج (تحفۃ الاحوذی ص۲۸) لیکن میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین والفقہاء ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی تھے ۔ محقق نیمویؒ نے ابو عبداللہ فجویہ دینوری کو کبار محدثین میں لکھا ہے ۔ مبارک پوری صاحب ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فان مجرد کونہ من کبار المحدثین لا یستلزم کونہ

ثقہ (ان کے صرف کبار محدثین میں ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ بھی تھے؟ تحفۃ الاحوذی ص ۳۵۴)
ہاں ابو الزاہد جس کے بارے ثقہ کہیں اس کی تردید نہیں ہے

ابن جوزی و علامہ مناوی پر تنقید

احسن الکلام ص ۲: لیکن ان (ابن جوزی) کا یہ اعتراض غلط ہے۔

تسکین الصدور طبع ۲ ص ۳۴۲ میں فرمایا علامہ مناویؒ کو اس مقام پر ایک صریح مغالطہ ہوا ہے۔

احناف پر تنقید

عینی اور ابن ہمام پر تنقید

احسن الکلام ص ۲: اور بلاشک حافظ ابن ہمام اور علامہ عینی وغیرہ نے محمد بن اسحٰق کی توثیق کی ہے۔ مگر ائمہ جرح و تعدیل کی کڑی اور سنگین جرح کے مقابلہ میں ان کی توثیق مسلم نہیں ہے۔ لیکن انور شاہ صاحب و عثمانی کا مقام ان ہر دو سے بلند ہے وہ جو کہیں حق ہو ہے پر لکیر ہے

فقیہ ابو اللیث پر تنقید

راہ سنت ص ۲۶۹: امام ابو اللیث اگرچہ ایک بہت بڑے فقیہ ہیں۔ مگر فن روایت اور حدیث میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا ان کی پیش کردہ روایت کو ہم اسماء الرجال کی کتابوں سے پرکھ کر دیکھیں گے۔ یہی وہ فن ہے جو حدیث کا محافظ ہے۔ لیکن انور شاہ صاحب و عثمانی کی بات بغیر پرکھنے کے قرآن کی طرح مان لیں گے کہ وہ لکیر کے فقیر نہ تھے لیکن مانیں گے جو بھائے مطلب کی ہو ورنہ ان کا حسن ظن کہہ کر ٹال جائیں گے

محمد بن اسحاق، احناف اور صاحب تسکین کی چال

احسن الکلام ص ۔: اگر محمد بن اسحاق جیسے ضعیف اور کمزور راوی کی روایت کو احناف نے دلیل بنا کر ایسا کیا ہے تو غلطی کی ہے۔ اور کیا احناف نے محمد بن اسحٰق کی روایت کو نص قرآنی اور صحیح احادیث کے خلاف حجت سمجھا ہے؟

نیلوی کہتا ہے پھر آپ نے تسکین الصدور طبع دوم ص ۳۲۹ میں بحوالہ جامع صغیر ص ۱۳۰/۲ و مسند احمد ص ۲۹۰/۲ و مستدرک ص ۵۹۵/۲ و ابو یعلی بحوالہ مجمع الزوائد ص ۲۱۱/۸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیھبطن

عیسے بن مریم حکماً و اماماً و لیسلکن فجاً حاجاً معتمراً و لیأتین قبری حتی لیسلم علیّ و لارُدنّ علیہ و فی لفظ ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنّہ یعنی حضرت عیسیٰؑ اتریں گے منصف اور امام عادل ہو کر حج کی راہ پر حج یا عمرہ کے لئے چلیں گے میری قبر پر آکر مجھے سلام کہیں گے تو میں سُن کر ان کے سلام کا جواب دوں گا

یہ حدیث بھی محمد بن اسحاق کے واسطے سے منقول ہے ۔

اب یہاں ہم نہیں کہہ سکتے کہ احناف و عزیزیؒ و ملا علی قاریؒ و طحطاویؒ و خفاجیؒ نے دلیل بنا کر ایسا کیا ہے تو خطا کی ہے اور کیا انہوں نے محمد بن اسحاق کی روایت کو نص قرآنی اور صحیح احادیث کے خلاف حجت سمجھا ہے ؟ واقعی ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کیونکہ بیہقی دوران حضرت ابوالزاہد کی تحقیق کے خلاف بات کہنا گناہ کبیرہ ہے۔ پہلے ان سے پوچھو کہ محمد بن اسحاق کی کونسی حدیث کو صحیح کہیں اور کونسی کو ضعیف اور کونسی کو موضوع ۔ ان کے اشارے کے بغیر نہ محمد بن اسحاق پر جرح کا ہمیں حق ہے اور نہ تعدیل و توثیق کا۔

ہمیں آپ کی بات مان لینے میں بھی کوئی اعتراض نہیں کہ محمد بن اسحاق کی یہ حدیث صحیح ہے ان الکذوب قد یصدق کبھی کبھی جھوٹا بھی سچ بول جاتا ہے مگر یہ معجزۃ النبی ہے ۔ اگر معجزہ کی صورت میں قلیب بدر کے مشرک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سن رہے تھے تو یہاں دونوں جانب پیغمبر ہیں وہاں کافروں کی طرف سے جواب نہیں ملا تھا ۔ اور یہاں جواب ملے گا کیونکہ سلام کہنے والے بھی عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہیں اور سلام سن کر جواب دینے والے بھی پیغمبر ہیں اور معجزات انبیاء برحق ہیں معتزلی معجزات کا انکار کریں تو ان کی سخت غلطی ہے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرنا اور امام مہدی اور اور کسی امام کے سلام کا ذکر نہ کرنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ یہ انہیں دو ہستیوں کی خصوصیت ہے اور بس۔

پندرہویں صدی کے مجتہد یا مجدد؟

احسن الکلام ص۲۹ : اس کے علاوہ کہیں کہیں میرے اپنے استنباطات اور اجتہاد بھی ہوں گے ان میں غلطی واقع ہونا بہت اغلب ہے۔

نیلوی کہتا ہے جب حضرت ابوالزاہد مدظلہٗ کو اجتہاد کا درجہ حاصل ہے اور استنباطِ مسائل کا ملکہ ان کو حاصل ہے تو اب ان کو مکمل آزادی ہے بخاری، ابن مدینی، شعبہ، احمد بن حنبل، تاج الدین سبکی، ابن جوزی، ابن حزم، ابوللیث عینی، ابن الہمام، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالہادی، ہیثمی، دارقطنی، بیہقی، خطابی، ترمذی، ابن حبان، حاکم، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، عبدالحی لکھنوی اور دیگر حنفی حضرات کے اقوال کی تصحیح، تضعیف اور تنقید کا تھرمامیٹر حضرت العلام مولانا شیخ الحدیث ابوالزاہد صاحب صفدر کے پاس ہے ان کے پاس اجتہاد کی اصل کسوٹی ہے جو سنہ کے اجتہاد کا دروازہ بند ہوچکا تھا لیکن چودھویں صدی کے اواخر اور پندرہویں صدی کے اوائل میں صرف آپ کے لئے دروازہ اجتہاد کا کھلا۔ ابھی تو مجتہد ہونے کا دعویٰ کیا۔ کیا پتہ مجددیت کا بھی دعویٰ کر دیں اور لوگ ہمیں طعنہ دیں گے کہ اگر یہ مجدد نہیں تو تم بتاؤ پندرھویں صدی کے مجدد کون ہیں۔

نیلوی کا قصور؟

ہاں بھائی ان کو اختیار ہے سفید کو سیاہ کہیں یا سیاہ کو سفید کہیں

میں نے تو روایتِ حدیث کی رُو سے جمہور محدثین کا سہارا لیا تھا مجھے جوتے پڑے چنانچہ حسنؒ بن زیاد تلمیذ امام ابوحنیفہؒ کے بارے لکھا ضعفہ وجرحہ کثیر من المحدثین فی روایۃ الحدیث (حدیث کی روایت کرنے میں بہت سے محدثین نے ان کو ضعیف کہا اور ان کی جرح کی احمد بن ابی مریم اور عباس دوری نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ کذاب تھے، محمد بن عبداللہ بن نمیر نے کہا کہ حسن بن زیاد ابن جریج پر جھوٹ بولتا تھا۔ ابوداؤد نے کہا کہ وہ کذاب ہے ثقہ نہیں ہے۔ ابن المدینی نے کہا ان کی حدیث کوئی نہ لکھے۔ ابوحاتم نے کہا نہ ثقہ ہے نہ مامون ہے۔ دارقطنی نے کہا کہ

وہ ضعیف اور متروک ہے۔ جوزرہ[9] نے کہا کہ وہ نہ اپنوں میں ستودہ ہے اور نہ ہمارے ہاں۔ وہ حدیث میں کچھ نہیں۔
ابو ثور[10] نے کہا حسن بن زیاد سے زیادہ جھوٹا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ کشی[11] نے یزید بن ہارون کو کہا کہ تو حسن بن زیاد کے بارے کیا کہتا ہے بھلا وہ مسلمان بھی ہے۔ یعلی[12] بن عبید نے کہا کہ حسن بن زیاد سے بچو۔ ابن ابی شیبہ[13] نے کہا کہ ابو اسامہ[14] اسے خبیث نام سے یاد کرتا تھا۔ یعقوب[15] بن ابی سفیان، عقیلی[16]، ساجی[17] نے اسے کذاب کہا۔ نسائی[18] نے کہا کہ نہ ثقہ ہے اور نہ مامون۔ محمد[19] بن رافع نے کہا کہ یہ امام سے پہلے سجدہ میں چلا جاتا تھا۔ اور امام سے پہلے ہی سجدہ سے سر اٹھا لیتا تھا، محمد[20] بن حمید رازی نے کہا میں نے اس سے بڑھ کر برے انداز سے نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ حسن[21] بن علی حلوانی[22] نے کہا کہ میں نے حسن بن زیاد کو دیکھا کہ نماز کے اندر سجدہ کی حالت میں ایک لڑکے کا بوسہ لے لیا۔ احمد بن سلیمان رہاوی نے کہا کہ ایک دن میں نے اس کو نماز میں دیکھا کہ اسی صف میں اس کے ایک جانب میں بے ریش لڑکا ہے پھر جب وہ سجدہ میں گیا تو حسن بن زیاد نے اپنا ہاتھ اس بے ریش لڑکے کے رخسار کی طرف بڑھا کر اس کی چٹکی بھر لی۔ مگر مع ہٰذا فقہ حنفیہ میں وہ امام تھا اور ابو عوانہ و حاکم نے مستدرک میں اس سے روایتیں لی ہیں۔ میری اس بات پر ایک معترض صاحب لال پیلے ہو کر مجھے کوسنے لگے حالانکہ میں ناقل ہوں مدعی نہیں ہوں ناقل کے ذمے تصحیح نقل ہوتی ہے سو معترض صاحب میرے پاس تشریف لائیں میں کتاب ان کے سامنے رکھ دوں گا وہ اپنی دادا آنکھوں سے دیکھ کر تسلی اور اطمینان کر لیں۔ رہا فقہ کا مسئلہ اس میں ہمارے امام ہیں وہ جو مسئلہ فقہ حنفیہ کا ہمیں بتائیں گے ہمارے سر آنکھوں پر۔

اور یہ بات تو سب مانتے ہیں لکل فن رجال پس اس قاعدہ سے اس اعتراض کا جواب بھی نکل آیا جو میرے محترم جناب مولانا صاحب نے مجھ پر کیا ہے کہ راقم کی بلاوجہ صرفی غلطی نکالنے کے لئے شافیہ کا حوالہ ڈھونڈ نکالا ہے کہ نسبت میں ی حذف کی جاتی ہے (شافیہ ص۴۲) بجا ہے۔ راقم نے موافق قیاس کی بحث ہی نہیں چھیڑی اصل نسبت میں بحذفِ ی ہی سہی لیکن ی کے ساتھ بھی نسبت وارد ہوئی ہے جیسے علامہ قرشی اور نووی نے فرمایا ہے (تسکین الصدور طبع دوم ص۳۱۹) یہ صرفی تحقیق علمائے صرف ہی سے معلوم ہو گی۔ یہاں پر فقہاء محدثین اور مناطقہ و فلاسفہ کی تحقیق لفظی کا اعتبار نہیں کریں گے کیونکہ یہ ان کا فن نہیں ہے

مجتہد اور بدنیت ؟

محترم مولٰنا کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مجتہدین کی نیک نیتی پر اعتماد نہیں ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ازالۃ الریب طبع اول ص۲۴۳ میں لکھا ہے "عقائد میں غلطی جملہ اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فروعی مسائل میں خطائے اجتہادی (بشرطیکہ کسی مجتہد سے نیک نیتی کی وجہ سے واقع ہے) قابل مؤاخذہ نہیں ہے اور نہ صرف یہ کہ معذور تصور ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ماجور بھی ہوگا۔ جیساکہ اس پر صحیح اور صریح حدیث موجود ہے (بخاری ص۱۰۹۲/۲ ومسلم ص۷۶/۲) لیکن اصول دین ضروریات دین اور عقائد کا معاملہ اس سے الگ ہے۔ کیونکہ ان میں دیانت کے ساتھ غلطی بھی قابل عفو نہیں ہے۔ اور نہ اس باب میں جہالات اور لاعلمی کی بنا پر معذور کوئی شخص معذور سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح قرآن کریم حدیث مشہور' اجماع' اور قیاس جلی کا مخالف بھی معذور نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ شخص اپنے دعویٰ پر خبر غریب بھی پیش کرتا ہو۔ چنانچہ علامہ سعدالدین تفتازانی الشافعیؒ لکھتے ہیں لان المخطئ فی الاصول والعقائد یعاقب بل یضلل او یکفر لان الحق فیہا واحد اجماعاً (التلویح ص۶۰۲) اور علامہ حسام الدین الحنفی المتوفی ۶۴۴ھ لکھتے ہیں او عمل بغریب من السنۃ علی خلاف الکتاب والسنۃ المشہورۃ مردود باطل لیس بعذر اصلاً (حسامی ص۱۵۱ بحث قیاس)

محترم مولٰنا صاحب نے "خطائے اجتہادی" کے بعد بین القوسین یہ عبارت بڑھائی ہے "بشرطیکہ کسی مجتہد سے نیک نیتی کی وجہ سے واقع ہو" اس شرط لگانے کا مطلب یہی ہے کہ مجتہد اگر نیک نیتی سے غلطی کرے گا تو قابل مؤاخذہ نہیں اور اگر مجتہد نے بدنیتی کی اور بدنیتی کی وجہ سے اس سے غلطی واقع ہوگئی تو قابل مؤاخذہ ہے۔ معلوم ہوا مجتہد بدنیتی بھی کر جاتے ہیں یا یوں کہو کہ بدنیت لوگ بھی اجتہاد کا منصب پا سکتے ہیں۔ شاید میرے محترم اس تقسیم کو کیا مطلب بتاتے ہونگے

مولٰنا کے اجتہاد کا ثمرہ

فرقہ اہل حدیث میں نئے داخل ہونے والے فاضل دیوبند مولٰنا عبدالرحمٰن صاحب فیصل آبادی اپنے ایک رسالہ مسمّٰی "احکام رمضان المبارک" کے صفحہ ۹۶ پر زیر عنوان "آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے" یہ مضمون لکھتے ہیں

اہم واقعہ پیش آیا کہ ۱۹۶۳ء میں فیصل آباد شہر میں نماز تراویح کا اختلافی مسئلہ چھڑ گیا۔ منٹگمری بازار جامع مسجد مبارک اہلِ حدیث میں جلسہ عام میں متکلمِ اسلام امام المناظرین علامہ احمد دین گکھڑوی مرحوم و مغفور اور ضیغمِ اسلام سلطان المناظرین حضرت العلام مولانا حافظ عبد القادر صاحب روپڑی دامت برکاتہم نے یہ چیلنج کر دیا کہ بیس رکعت نماز تراویح کوئی زندہ دل حنفی عالم ثابت کر کے دکھانا چاہے تو ہم میدانِ مناظرہ کے لئے تیار ہیں۔ میرے مدرسہ کے دو طالب علموں نے رقعہ لکھا کہ ہم تیار ہیں۔ انہوں نے واپس آکر مجھ سے مناظرہ کے لئے کہا تو میں نے کہا کہ مناظروں سے مسائل ثابت نہیں ہوا کرتے۔ میں جلدی ہی نماز تراویح پر ایک رسالہ لکھنے والا ہوں۔ پھر میں نے رسالہ لکھنے کا عزم کیا۔ تو چونکہ میں دوسرے حنفی مدرس علماء کی طرح باقی علوم و فنون کا ماہر تھا مگر ہمارے حنفی مدرسوں میں حدیث چونکہ کوئی پڑھتا ہی نہ تھا اس لئے حدیث میں مجھے کوئی مہارت نہ تھی۔ چنانچہ میں رسالہ کا مواد حاصل کرنے کے لئے مولانا سرفراز خان صاحب کے پاس گکھڑ گیا۔ کیونکہ وہ اہلِ حدیث کے مقابلہ میں اختلافی مسائل پر کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بیس رکعت تراویح کی دو دلیلیں پیش کیں۔ ایک مؤطا امام مالکؒ کی روایت جس میں راوی یہ روایت بیان کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لوگ رمضان کی راتوں کو بیس رکعت کا قیام کیا کرتے تھے۔ یہ روایت یزید بن رومان کی مؤطا سے مولانا نے مجھے دکھائی۔ اور دوسری دلیل ابن عباسؓ کی سننِ بیہقیؒ سے مجھے دکھائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس روایت کا ایک راوی ابو شیبہ نامی موجود ہے۔ اور اہلِ حدیث حضرات اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مگر میزان الاعتدال میں امام بخاری کے متعلق لکھا ہوا ہے کہ سَکَتَ عَنْہُ الْبُخَارِیْ جس کا ترجمہ مولوی صاحب نے یہ کیا کہ امام بخاریؒ اس ابو شیبہ راوی پر تنقید کرنے سے سکوت اختیار فرمایا ہے جب امام بخاریؒ تنقید نہیں کرتے تو دوسروں کی تنقید کا کیا اعتبار ہے۔ اور میزان الاعتدال کی یہ عبارت مجھے کتاب سے دکھائی۔ میں نے آکر رسالہ شائع کر دیا جس میں یہ دونوں حوالے دئے اور میزان الاعتدال کا حوالہ بھی پیش کر دیا۔ تو ایک اہلِ حدیث عالم نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں چیلنج کیا گیا کہ اگر میزان الاعتدال سے یہ بات مولوی عبد الرحمٰن ثابت کر دکھائے کہ امام بخاریؒ نے ابو شیبہ پر تنقید سے خاموشی اختیار کی ہے تو میں مولوی صاحب کو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ جب یہ اشتہار شائع ہوا اور مجھ تک پہنچا میں حیرت میں رہ گیا اس لئے کہ میزان الاعتدال میں میں نے یہ عبارت خود دیکھی تھی، تو مجھے تعجب ہوا کہ یہ اہلِ حدیث عالم کس بنا پر چیلنج کر رہا ہے۔ بہرحال اب میں نے خود تحقیق کرنے کا عزم کیا۔ لہٰذا میں نے روزے سے ہونے کے باوجود لاہور کا سفر

کیا اور وہاں سے میزان الاعتدال کی چاروں جلدیں خرید لیں۔ یہ کتاب محدث ذہبی کی ہے اور اسماء الرجال میں مشہور ہے۔ تو جب میں کتاب لے کر گھر پہنچا اور اس عبارت کا دوبارہ مطالعہ کیا۔ تو عبارت اُسی طرح پائی جیسی مولوی سرفراز صاحب نے مجھے دکھائی تھی۔ اب میں ششدر رہ گیا۔ اور پھر میں نے میزان الاعتدال کا مقدمہ دیکھنا شروع کیا۔ تو مقدمہ میں مصنفؒ نے محدثین کی خاص اصطلاحیں ذکر کی ہیں۔ اور ان اصطلاحوں میں سے ایک اصطلاح یہ بھی ہے کہ "سَكَتُوا عَنْهُ فُلَانٌ" اس اصطلاح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نقاد محدث نے اس راوی پر بحث کرنا ہی پسند نہیں کیا۔ اور سکوت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ محدث ایسے راوی کو سرے سے محدث ہی تسلیم نہیں کرتا۔ اور اس پر کسی بحث مباحثہ کے لئے تیار نہیں، بلکہ وہ نقاد محدث کہہ دیا کرتا تھا کہ اس راوی کو دفع کرو۔ کیا یہ بھی کوئی عالم ہے کہ ہم اس پر تنقید کریں۔ گویا یہ عالم سرے سے کسی تنقید کے قابل بھی نہیں۔ بلکہ ایسے راوی کے متعلق گفتگو کرنا اپنا وقت ضائع کرنا ہے"۔ جب میں نے یہ اصطلاح پڑھی تو اب مجھے امام بخاری رحمہ کے متعلق اس عبارت کا مطلب سمجھ آگیا کہ امام بخاریؒ نے اس راوی کو سرے سے عالم ہی تسلیم نہیں کیا۔ یہ معنے ہے سَكَتَ عَنْهُ الْبُخَارِيُّ کا۔ بہرحال مجھے اپنے ہمسلک مولوی سرفراز پہ صدمہ ہوا۔ اور اس کے بعد ایک ملاقات میں میں نے اس سے کہا کہ آپ نے ایسی غلط بات مجھے کیوں بتائی؟ جس کی وجہ سے مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ تو مولوی صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ

"کیا کریں ہمارے حنفی علماء اسی قسم کی دلیلوں سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ حدیثیں تو ہمارے خلاف ہیں"۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے لکھ دیا کہ تقلیدی علماء اپنے مذہبی تعصب میں اگر کیسی کیسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ معاملہ اب ہمارے پاکستانی علماء میں عام ہو چکا ہے۔ عام علماء اسی قسم کے غلط حوالے اور غلط ترجمے اور غلط تشریحیں شائع کرتے رہتے ہیں اس علمی بددیانتی کا کیا علاج ہے جب علماء ہی بددیانت ہو جائیں تو غریب عوام سے کیا شکوہ۔ لہٰذا قارئین کو چاہئے کہ ہم مولویوں کی غلط تاویلوں میں پھنس کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں بلکہ ہر مسئلہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مشعل راہ بنا کر صحیح حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں اور پھر اس کے مطابق ہی عمل کریں۔

استدراک

نیلوی کہتا ہے کہ مجھے مولوی عبدالرحمٰن جو ید غیر مقلد کے اس قول کی صحت میں تردد ہے کہ مولانا سرفراز صاحبؒ نے یہ فرمایا ہو "کیا کریں ہمارے حنفی علماء اسی قسم کی دلیلوں سے کام لیتے ہیں ورنہ حدیثیں تو ہمارے خلاف ہیں"۔ میں ہرگز نہیں مان سکتا کہ ہم نے یوں

نے یہ فرمایا ہو۔ انہوں نے کچھ فرمایا ہوگا مولنا عبدالرحمٰن صاحب نے کچھ اور ہی سمجھ لیا ہوگا اور کسی کی فہم عجب نہیں۔ اور اگر بالفرض ان کی غیر محفوظ زبان سے بے احتیاطی میں یہ الفاظ نکل ہی گئے ہوں تو سراسر غلط ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ حنفیہ کے ہاں ٹھوس دلائل موجود ہیں۔ صرف مسئلۂ تراویح نہیں۔ بلکہ ہر ہر مسئلہ پہ وزنی دلائل ہیں۔ مگر نظر بصیرت چاہیے۔ حنفیہ کے دلائل کو سمجھنے کے لئے قرآن وسنت ودیگر ۱۴ علوم میں مہارت ضروری ہے۔ ظاہر بینؔ دلائل حنفیہ کو سمجھنے کا اہل ہی نہیں۔ پھر مسئلہ تراویح کا تو تیرہ صدیوں میں متفق علیہ رہا ہے۔ اور مابعد کا اختلاف کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

نیز مولوی عبدالرحمٰن جدید غیر مقلد کا یہ کہنا کہ "ہمارے حنفی مدرسوں میں حدیث چونکہ کوئی پڑھتا ہی نہ تھا" سراسر جھوٹ ہے کیونکہ جب سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تحدیث کا سلسلہ فرمایا ہے اس وقت سے اب تک مسلسل مدارس میں حدیث پڑھی پڑھائی جارہی ہے دارالعلوم دیوبند مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ امینیہ دہلی، مدرسہ عبدالرب دہلی، مدرسہ فتحپوری دہلی، مدرسہ حسین بخش، مدرسہ ڈابھیل، مدرسہ راندیر وغیرہ مشہور مدارس پاکستان بننے سے پہلے بھی تھے اور اب تو پاکستان میں بھی سیکڑوں مدارس میں حدیث پڑھی پڑھائی جارہی ہاں خود مولوی صاحب اِس نعمت سے محروم رہے ہوں تو انہیں اپنی قسمت پہ رونا چاہیے۔ ہمارے علماءؒ نے جس قدر حدیث پاک کی خدمت کی ہے دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

اجیرِ خاص کون؟

بہرحال یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آپ نے مجھے جو سماع الموتیٰ ص۱۵۱ پر لکھا ہے "مؤلف مذکور ...... بشرطیکہ اجیر خاص بن کر ضمیر کہیں گروی نہ رکھ چکے ہوں" اس کا مصداق میں نہیں ہوں۔ اگر مدرسہ ضیاء العلوم میں تدریس کی وجہ سے آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں تو اس کے مصداق آپ بھی ہیں آپ بھی مدرسہ نصرۃ العلوم کے مدرس ہیں آپ کی تنخواہ مجھ سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ میں اگر ایمان فروش یا اجیر خاص ہوتا تو جو کیر مدرسہ دارالہدیٰ سے میں نہ نکلتا اور آپ لوگوں کا مسلک اختیار کر لیتا۔ مگر بتوفیقہٖ تعالیٰ مدرسہ سے نکلنا منظور کیا اور اپنا مسلک نہیں چھوڑا۔ اس وقت جو حالات مجھ پر گذرے ہیں میرے رب کو پتہ ہے آزمائشیں آئیں اور اب تک آ رہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہے کہ اسی مسلک پر قائم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسی مسلک پر قائم رکھے اور اسی پر موت آئے

ندائے حق طبع اول میں کتابت کی غلطی پھر اس کی تصحیح مگر محترم کا دیسی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جانا

اور آپ کی ضد کا اندازہ لوگ آپ ہی لگا سکتے ہیں کہ ندائے حق ص۱۳۵ پر سبقت قلم سے غلط لفظ لکھا گیا یعنی غیر معروف الفقہ والاجتہاد کی جگہ والعدالت کا لفظ غلطی سے لکھا گیا تو کتاب چھپنے کے بعد اپنے ہی ساتھیوں میں سے کئی ساتھیوں کے خطوط میری طرف آئے کہ یہ کیا لکھ مارا تو میں نے ان کو یہی جواب دیا کہ غلطی سے لکھا گیا مگر ناداری کی وجہ سے اسے شائع نہ کر سکا پھر جب حضرت سید نور الحسن صاحب بخاری مدظلہ العالی نے میری کتاب کی تردید فرمائی تو میں نے رد المنکرات کے پہلے ہی ورقوں میں "ضروری تصحیح" کے عنوان سے لکھ دیا کہ ناظرین ندائے حق درستی فرمائیں۔ پھر یہ رسالہ اول وہلہ میں حضرت شاہ صاحب زید مجدہٗ کی طرف بھی بھیجا تھا اور آپ کی طرف بھی بھیجا تھا اور یہ رسالہ محرم ۱۳۹۶ھ میں بھیجا گیا۔ باوجود اس کے آپ نے سماع الموتیٰ ص۳۴۳ میں مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے بے دین بد دیانت کے ساتھ ملا دیا۔ حالانکہ آپ کی یہ کتاب میری رد منکرات کے بعد چھپی۔ اگر آپ کہیں کہ اس وقت کتابت ہو چکی تھی کتاب بعد میں نکلی تو امانت دیانت کا تقاضا تھا کہ کاتب سے کہہ کر اتنا صفحہ نکلوا دیتے۔ اگر کہیں کہ اس وقت پلیٹیں لگ چکی تھیں تب بھی

حق یہ تھا کہ پلیٹیں رگڑوا دیتے اگر کہیں کہ کتاب کا وہ حصہ چھپ چکا تھا تو چاہئے کہ ورقہ ہی نکال دیتے۔
چلو اس کو بھی چھوڑو۔ خدائے حق کی اس غلطی کی سماع الموتیٰ کے چھپ چکنے اور شائع ہونے کے بعد تردید ہوتی دیکھی تو آپ ماشاء اللہ رئیس کبیر ہیں ایک چھوٹا سا پمفلٹ ہی شائع فرما دیتے کہ سماع الموتیٰ ص۱۳۴ و ص۱۳۵ میں جو فلسفے حق ص۱۳۵ کی عبارت کی جو تردید میں نے لکھی ہے مؤلف خود اس غلطی کا اعتراف کر چکا ہے اب اس کے متعلق میرا لکھا ہوا نظریہ غلط تصور کیا جائے۔ مگر بجائے اس کے ہوا کیا؟ ہوا یہ کہ جب میرے محترم حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ نے تین سال گزر چکنے کے بعد ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں دوبارہ تسکین الصدور کی اشاعت فرمائی تو ص۵۶ میں عنوان دیا مؤلف مذکور کا پہ ودیہی ذہن پھر ص۵۵ میں عنوان دیا کہ حضرت ابوہریرہؓ عادل نہیں معاذ اللہ
انسان سے غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک غفور رحیم ہے توبہ کریں تو معاف فرما دیتے ہیں جو چاہے تو بغیر توبہ کئے بھی جرم معاف کر دے۔ لیکن جب انسان ضد پر اتر آتا ہے خواہ جتنا بھی معافی مانگتا ہے ہاتھ جوڑتا ہے تو وہ معاف نہیں کرتا۔ اچھا میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے مجھے امید قوی ہے کہ وہ میرا فرد جرم معاف فرما دے گا وہ خود فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ آپ کو کھلی چھٹی ہے پروپیگنڈے کی مشین خوب زور لگا کر چلاؤ۔ فیصلہ کا دن آنے والا ہے خدا کے سامنے آپ کا گریبان پکڑ کے عرض کروں گا خدایا میرے خلاف ضد میں قصداً غلط پروپیگنڈا کیا کرتا تھا

یوں ہم بھی اگر کہہ دیں کہ مولانا محرف قرآن ہیں تو پھر ؟

اگر یوں غلطیاں پکڑتے ہیں تو میرے محترم مولانا آپ تو محرفِ قرآن ہیں ایک دو جگہ نہیں کئی مقامات پر آپ نے قرآن شریف میں خدا پاک کی غلطیاں نکالی ہیں۔ میری بات پر ناظرین شاید اعتبار نہیں فرمائیں گے کیونکہ محترم جناب مولانا زیدہٗ کے علم سے مرعوب ہیں مگر مشاہدہ فرمانے کے بعد منصف لوگ سمجھ جائیں گے

ا اللہ تعالیٰ نے تو پارہ ۲۹ سورۂ جن رکوع ۲ میں فرمایا قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا مگر محترم مولانا نے سماع الموتیٰ ص۹۹ میں آیت کی ترمیم فرمائی قل لا املک لکم ضرا ولا رشدا (یعنی انی کا لفظ یہاں نہ چاہیے اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا تھا کہ قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ کو پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۲۳ میں رکھی جائے مگر محترم مولانا سماع الموتیٰ ص۹۹ میں سورۃ الانفال رکوع ۲۳ میں آیت کو درج کرتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب کے

نزدیک سورۂ انفال دس رکوع کی نہیں ہے بلکہ کم از کم اس کے ۲۳ رکوع ضرور ہیں۔ اب ناظرین کیا سمجھیں گے کہ شاید ابن ماجہ[۱۲] والی روایت صحیح ہو کہ کچھ حصہ قرآن پاک کا والعیاذ باللہ چارپائی کے نیچے رکھا تھا جسے بکری چرن کر کھا گئی اور یہ ۱۳ رکوع بھی شاید بکری کی نذر ہو گئے ہوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

۲ اللہ پاک نے تو پارہ ۱۲ سورۂ ھود رکوع ۴ میں فرمایا فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم

مگر محترم مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص ۹۹ میں والعیاذ باللہ خدا تعالیٰ کے کلام میں دو غلطیاں نکالیں ایک یہ کہ لفظ فلا تسالن کے شروع میں ف بے موقع لائی گئی ہے یہ موقع ف لانے کا نہیں بلکہ و لانے کا موقع تھا۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ ن وقایہ یا عماد کے بعد ی ضمیر واحد متکلم کا لانا ضروری تھا ی متکلم کی حذف کر کے ن وقایہ کے کسرہ پر اکتفا کرنا نہیں چاہئے تھا اس لئے قرآن پاک کی عبارت یوں ہونی چاہئے ولا تسالنی ما لیس لک بہ علم لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

۳ اللہ پاک نے پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۲۲ میں فرمایا ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس لہم قلوب لا یفقہون بہا

مگر محترم مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص ۲۷ میں قرآن پاک کی غلطی نکالی ہے کہ لا یفقہون بہا جو لکھا گیا ہے یہ فصاحت بلاغت کے خلاف ہے اصل لفظ لا یفقہون بہا کی جگہ لا یعقلون ہونا چاہئے۔

۴ اللہ پاک نے پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۱۳ میں فرمایا ونطبع علی قلوبہم

مگر محترم مولانا صاحب نے سماع الموتیٰ ص ۲۷ میں قرآن پاک کی غلطی نکالی ہے کہ نطبع کی جگہ نطّبع میم کیساتھ ہونا چاہئے مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ نطبع کے معنے طمع کے ہی ہوں گے معنے وہی نطبع والے کرنے ہوں گے مگر نطبع مضارع والے معنے بھی ذکر نا بلکہ یہ مضارع بمعنے ماضی ہے پس نطبع کی جگہ صحیح لفظ نطمع ہونا چاہئے پھر نطمع بمعنی نطبع پھر نطبع بمعنے طبعنا یعنی ہم نے مہر کر دی ان پر۔

مولنا سے گذارش

میرے محترم مولنا صاحب! یوں غلطیاں نکالنے کو آئیں تو کس کی تحریر غلطیوں سے پاک ہے۔ آپ کو امانت دیانت کے نفس مضمون کو دیکھنا چاہئے تھا کہ مؤلف ندائے حق کی اصل عبارت کا مطلب کیا ہے پھر اس کا حل سوچ کر وہ بیان کرنا چاہئے۔ مگر آپ نے اصل حل کو چھوڑ کر عوام میں میرے متعلق بدظنیوں کا بیج بو دیا گویا آپ اس انتظار میں تھے کہ اس کے قلم سے کوئی نازیبا لفظ نکلے اور عوام میں خوب اچھالوں اور بدنام کر دوں تاکہ پھر یہ کسی طرح کسی کو منہ دکھانے کا رہے اور پھر بھولے سے بھی قلم نہ اٹھائے۔

مخدوما! بات کہنے کی صرف اتنی تھی من صلی علی عند قبری والی روایت میں ابو معاویہ لفظ غلط فاحش ہے جس کی تصریح الصارم المنکی میں ہے اور یہ سند ابن عبد الہادیؒ نے دیکھ رکھی ہے اور دوسرے اکابر علماء ابن کثیرؒ، خزرجیؒ، سیوطیؒ، بیہقیؒ، عبد العزیز پرہاروی، ابن عبد الہادیؒ، شیوطیؒ، عقیلیؒ، ابن جوزیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن دحیہؒ، محمد طاہر فتنیؒ، سخاویؒ، پیر حسین علی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ محدثین فرماتے ہیں تفرد بہ محمد بن مروان لکھ رہے ہیں اور محمد بن مروان صرف ضعیف ہی "نہیں بلکہ علماء محدثین نے اسے کذاب اور رافضی تک کہا پھر روایت بھی صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ ایسی ضروری اور اہم حدیث جس کا انکار موجب فسق و ضلال اور سبب گمراہی کا ہے صرف ایک ہی صحابیؓ سے روایت ہو اور صحابیؓ بھی وہ جو مقام میں خلفاء راشدینؓ عبد اللہ بن مسعودؓ عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن عمرؓ معاذ بن جبلؓ عائشہ صدیقہؓ جیسے مجتہدین کے برابر قطعاً نہیں ہیں۔ یہ ہستیاں اجتہاد کے اعلیٰ مقام پر تھیں اپنے اجتہادی مقام میں مشہور ترین اور افضل ترین تھے۔ حضرت امامنا فی الدین ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بلا ریب صحابی رسول تھے حافظ الحدیث تھے محدث اعظم تھے فقیہ تھے مجتہد تھے مفتی تھے مگر باایں ہمہ صفات موصوف فقہ اور اجتہاد میں وہ شہرت نہ رکھتے تھے جو ان اکابر کو تھی اسی لئے ہمارے حنفی حضرات قاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ جو راوی حافظہ کے اچھا ہونے اور عدالت میں مشہور ہوں مگر اجتہاد اور فتویٰ دینے کا وہ عالی درجہ نہ رکھتے ہوں جیسے ابو ہریرہؓ و انس بن مالکؓ و عقبہ بن عامر اور اکثر اعراب؛ تو ان جیسے راویوں کی روایت صحیح ہونے پر اگر وہ قیاس کے موافق ہے تو لازماً اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اور اگر قیاس کے مخالف ہے تو قیاس پر عمل کرنا بہتر ہوگا۔ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت

کی الوضوء مما مسته النار کہ جس چیز کو آگ لگی ہو اس کے کھانے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ جو مشہور مجتہدین عظام کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں فرمانے لگے چچا جی! اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو پھر کیا اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے نیا وضو کرو گے ؟ - ابوہریرہ رضؓ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا

اسی قاعدہ کی بنا پر کہ خبر قیاس کے مقابلہ میں ترک کر دی جاتی ہے جب کہ راوی تفقہ و اجتہاد میں مشہور مجتہدین کی طرح معروف نہ ہو علماء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسئلہ مصراۃ میں قیاس کے مقابلہ میں امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پر عمل نہیں فرمایا۔ حالانکہ امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیحین (صحیح بخاری و مسلم) میں بھی ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹنی' بکری' بھیڑ' گائے' بھینس کے تھنوں میں کئی روز دودھ بند رکھا کر دے سو جو ان کو خرید کرے اس کے بعد خریدار کو بیچنے والے کے اس دھوکہ کا علم ہوا تو وہ دودھ دوہنے کے بعد دو باتوں میں مختار ہے۔ چاہے اپنے پاس وہ جانور رکھے اور چاہے تو وہ جانور بیچنے والے کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے۔ یہ حدیث صحیح ہے اس کی صحت میں کچھ کلام نہیں۔ اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی حدیث پر عامل ہیں

مگر ہمارے حضرت امام اعظم رحؒ کے مذہب میں ایک صاع کھجوریں بھی جانور واپس کرتے وقت بدلے میں دینا کوئی نہیں۔ کیونکہ حدیث ابوہریرہ رضؓ کی اگرچہ صحیح ہے اور بخاری و مسلم نے متفقہ طور پر اس حدیث کا اخراج اپنی صحیحین میں کیا ہے مگر مع ہذا ہر وجہ سے مخالف قیاس ہے اس لیے کہ واپسی اور اس باب میں تاوان کا یہ دستور ہے کہ اگر مثلی چیز ہے تو اس کا مثل دلایا جاتا ہے اور اگر قیمی (یعنی قیمت دار) چیز ہے تو قیمت دلائی جاتی ہے۔ پس دودھ کا تاوان یا تو دودھ ہی ہونا چاہیے یا قیمت، اب ایک صاع کھجوریں نہ قیمت ہیں نہ مثل۔ اور اگر کھجوروں کے ساتھ ہی تاوان مقرر ہو تو یہ چاہیے کہ دودھ کی کمی بیشی کے مطابق کھجوریں دلائی چاہییں نہ یہ کہ دودھ تھوڑا ہو یا بہت ہر ایک کے عوض میں صرف ایک صاع کھجوریں دلانے کا حکم ہو۔ اس لیے حضرت امام ابوحنیفہ رحؒ نے ظاہر حدیث کو قیاس کے مقابلہ میں ترک کر دیا۔ اور جانور نے خریدار کے ہاں جس قدر چارا اور دانہ کھایا ہے وہی دودھ کا عوض ہو گیا

ام المؤمنینؓ صحابہؓ احناف کے ایمان پر حملہ

محترم جناب حضرت مولانا صاحب نے لکھا جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کا سماعِ موتیٰ کا جو موقف پہلے تھا وہ حضرت عائشہؓ کی روایت اور تاویل سن کر بھی بدستور باقی رہا۔ نہ تو وہ حضرات شرمندہ ہوئے اور نہ خاموش رہے وہ بدستور زور و شور کے ساتھ سماعِ موتیٰ کی حدیثیں بیان کرتے رہے اور تمام حضرات صحابہ کرامؓ حضرت عائشہؓ کے ہمنوا تو کیا ہوتے بقول حافظ ابن حجرؒ خود حضرت عائشہؓ انکارِ سماعِ موتیٰ سے رجوع کر کے جمہور حضرات صحابہ کرامؓ کی ہمنوا ہو گئیں۔ اور حضرت عائشہؓ کے رجوع کی وہ صحیح روایت بھی تائید کرتی ہے جو حضرت ابن ابی ملیکہؓ سے یوں مروی ہے کہ قال توفی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ (" ص۲۹۴) آگے جا کر صاف لکھ دیا "حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی بھی شخص سماعِ موتیٰ کا منکر نہیں" (" ص۲۹۸) تو مطلب یہ ہوا کہ سماعِ موتیٰ کے منکر کافر ہیں کیونکہ سماعِ موتیٰ متفق علیہ بن گیا صحابہؓ بھی متفق

اور دوسری طرف بھی ذرا دیکھیں کہ آپ خود فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مبارک دور اور خیر القرون کے زمانہ سے لے کر اِس وقت تک یہ مسئلہ اختلافی چلا آ رہا ہے کہ قبروں کے پاس اگر کوئی شخص اہلِ قبور کو سلام وغیرہ عرض کرے تو مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ ایک گروہ سماعِ موتیٰ کا قائل ہے…… اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کا انکار یا تو نرے جاہل اور ضدی سے سرزد ہو گا اور یا کسی مجذوب سے (سماع الموتیٰ ص۷)

اب ناظرینِ کرام سماع الموتیٰ ص۲۹۸ کو بھی دیکھیں اور ص۷ بھی پھر اندازہ لگائیں کہ ص۲۹۸ والی عبارت لکھ کر مولانا محترم خود مطابق فتویٰ مندرجہ ص۷ کے یا تو نرے جاہل اور ضدی ہیں یا مجذوب۔ خاکم بدہن میں تو آپ کو ایسے نازیبا الفاظ سے تعبیر نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ مجھے سماع موتیٰ کا منکر ہونے کی وجہ سے کافر، نرا جاہل، ضدی کہیں یا مجذوب

توہین الانبیاء العظام
علیٰ لسان
بعض من یدعی الاسلام

توہین حضرت موسیٰ علیہ السلام

گلدستۂ توحید ص۱۵۵ میں بحوالہ جاء الحق ص۱۹۰ میں مفتی احمد یار گجراتی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مُردہ کہا اور مولٰنا سرفراز خان صاحب مدظلہٗ نے اس کی تردید نہیں فرمائی تو وہ اپنے قاعدہ کے مطابق نقل تصحیح ہوتی ہے حضرت موسیٰؑ کو مُردہ کہتے ہیں اور مردہ ہی سمجھتے ہیں۔ مفتی صاحب کی عبارت یہ ہے

"جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج شریف پر تشریف لے گئے تو حضرت موسیٰؑ کے مشورہ پر اللہ تعالیٰ سے بار بار اپیل کرنے سے ۵۰ نمازوں کی بجائے صرف ۵ نمازیں رہ گئیں اس سے معلوم ہوا کہ مُردے زندوں کے کام آسکتے ہیں اور ان کی مدد کر سکتے ہیں"

اس عبارت پر صاحبِ گلدستۂ توحید نے اس طرح گرفت نہیں کی کہ مفتی صاحب! موسیٰ علیہ السلام کو تم نے

العیاذ باللہ مُردہ سمجھ رکھا ہے بڑے گستاخ ہو۔ اور الٹا ہمیں گستاخِ انبیاء بتاتے ہو کچھ تو عقل کے ناخن لو۔
مفتی صاحب! جب تمہارے عقیدے میں اولیاء اللہ زندۂ جاوید ہیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کو اولیاء اللہ سے بھی کم سمجھ - ہم
میں تو انبیاء کرام کو زندۂ جاوید سمجھتا ہوں آسمان میں ان کو زندہ کیوں نہ کہا جائے جب وہ اپنی قبر شریف میں بھی زندہ ہیں
وہ باقاعدہ باجماعت نماز اذان واقامت کہہ کر پڑھتے ہیں باقاعدہ وضو اور غسل بھی کرتے ہیں کیونکہ آپ کے امام اعلیٰ حضرت
احمد رضا خان صاحب نے الملفوظ میں فرما دیا ہے کہ آپؐ کے خدمت اقدس میں ہر شب کو ازواج مطہرات شب باشی کے لئے
پیش کی جاتی ہیں۔ اور احادیث میں ثابت ہے کہ تلبیہ کہتے ہوئے سواریوں پر سوار وادیوں میں سے گذرتے ہوئے حج
بیت اللہ شریف بھی کرتے ہیں میرا تو یہ عقیدہ ہے اور تم عاشقانِ رسول ہو کر نعوذ باللہ ان کو مُردہ کہتے ہو؟
معلوم ایسا ہوتا ہے کہ بریلوی ہوں یا مولانا صاحب دل سب کا گواہی دیتا ہے کہ دنیوی حیات وفات کے بعد نہ ولی
اور شہید کی ہے اور نہ نبی کی مگر عوام بے چاروں کو چکر میں دے رکھا ہے کہ جو دنیوی جسمانی عنصری ناسوتی حیات نہیں مانتا
وہ گستاخِ رسول ہے اس میں پھر وہ دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ کافر ہے دوسرا کہتا ہے کہ معتزلی بدعتی ہے۔
مولانا سرفراز صاحب مدظلہٗ اپنی کتاب گلدستۂ توحید ص ۱۵۵ میں مزے دار بات لکھی ہے ذرا غور سے پڑھیں
"اگر کسی شخص کی خواب یا بیداری میں کسی مردہ کی ملاقات ہو جائے اور وہ مردہ کسی دینی یا دنیوی امر میں مشورہ
دے تو وہ قبول کیا جا سکتا ہے اور ہم اس کو شرک نہیں کہتے"
شاید حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ نے مشورہ کے لئے کوئی وقت مقرر کر رکھا ہو گا کہ مُردے ان کی خدمت میں
حاضر ہو کر انہیں دینی و دنیوی مشورے دیتے ہوں گے ان کے اساتذہ اور پیر خود تو نہ آتے ہوں خود وہاں پہنچ کر
الجھنیں دُور کروا لیتے ہوں گے۔ بڑے خوش قسمت ہیں۔ مگر قرونِ ثلٰثہ میں تو کوئی ایسا نہیں ملتا جو مُردوں سے
مشورے لیتا اور اپنی الجھنیں دُور کراتا ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوئے مشوروں کی ضرورت ہوئی
اور مدینہ میں رہنے کے باوجود قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر نہ اختلافات پیش کئے تاکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ
وسلم اس کا حل بتائیں اور نہ آپؐ کو مشورہ میں شامل کیا۔ اور صحابہؓ کی باہم لڑائیاں بھی ہوئیں ایک دوسرے کو سخت
الفاظ بھی کہہ جاتے ہیں (جنگ جمل و صفین تو بچہ بچہ جانتا ہے) مگر کہیں کوئی نہیں دکھا سکتا کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے مشورہ لیا ہو جب کہ تینوں جنگوں میں ۸۵ ہزار فرزندانِ اسلام نے جامِ شہادت پیا اور بے جان گرائے

ساتھ صرف ۵ سال کے قلیل عرصہ میں پیش آیا۔ اور سمجھ کے علاوہ بڑے بڑے کٹھن حالات گذرے مگر کسی مسلمان کے دل میں یہ بات نہیں آئی کہ حضرت جو قبر شریف میں زندہ تشریف فرما ہیں ان سے عقدہ حل کرالیں۔

بلکہ حضرت امام ثانی امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بات کا افسوس ہی کرتے رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ربوا (سود) کے مسئلہ کی مکمل اور مفصل تشریح نہ کرا سکے کہ اچانک آپ عالم آخرت کی طرف سفر کر گئے۔ اچھا اب تم ایسا کرو کہ جہاں تمہیں کچھ شبہ ربوا کا بھی محسوس ہو وہ بھی چھوڑ دو۔ اگر یہ بات مولانا کی درست ہوتی تو اس افسوس کرنے کا کیا مطلب تھا

دبی زبان سے اقرار

سچی بات بہرحال زبان سے کسی نہ کسی وقت نکل ہی آتی ہے حضرت مولانا مدظلہ سماع الموتی ص۲۶۴ میں ارشاد فرماتے ہیں "آدمی قریب ہو اور اپنی کسی مصروفیت اور فکر میں منہمک ہو تب بھی بات نہیں سنتا۔ قریب سے بھی بات سننے کے لئے توجہ اور التفات کی ضرورت ہوتی ہے۔ آگے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا حوالہ دے کر ص۲۶۵ میں فرماتے ہیں "اکثر فرح یا غضب کے غلبہ سے ایسا ہو جاتا ہے (بوادر النوادر ص۳۰۲)

جناب من! وجہ کچھ بھی ہو آپ بھی لاشعوری طور پر سماع کا انکار کر رہے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے اندر فرح یا غضب مانع توجہ و التفات و سماع بن سکتا ہے جو اخروی و برزخی فرح و غضب کی بہ نسبت ہیچ ہے تو اخروی فرح و غضب اور برزخی بطریق اولیٰ مانع بن جائے گا۔ برزخی زندگی میں خوشی کیا کوئی کم ہوگی ان کا تو ادھر دھیان ہی نہیں رہے گا۔ اور عذاب کی جیل میں مبتلا ہوگا وہ دنیا والوں کی کیا سنے گا۔ بلکہ اسی عالم برزخ میں جتنے شیطان اور انسان ہوں گے ان کی آہ و بکار بھی سنائی نہ دے گی اور نہ ہی وہ اس کی آہ و بکا سنیں گے بلکہ دوسرے بہائم وغیرہ ان معذبین (جن کو عذاب ہو رہا ہے) کی آہ و بکا سن رہے ہوں گے۔ پس حضرت مولانا صاحب نے اقرار فرما لیا ہے کہ فرح و غضب میں پاس والے آدمی کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تو عالم برزخ کے لوگ اس فرحت اور غضب میں ہوتے ہیں کہ دنیا والوں کی آواز نہیں سنتے مگر قلیب بدر والوں کو اللہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچا دی یہ معجزہ ہے نبی پاک کا صلی اللہ علیہ وسلم کا یا اور کوئی وجہ ہو کا قرینہ

توہینِ حضرت عزیر علیہ السلام

ترجمان الاسلام ص ۱۶ جلد ۱۵ شمارہ ۱۸

حضرت عزیر کی موت اور دوبارہ زندگی

برسا برس گذر گئے، بچے بوڑھے ہوگئے، لوگوں کی عمریں ختم ہوگئیں، کئی قومیں مٹ گئیں اور بہت سے عالی شان عمارتیں منہدم ہوگئے، مگر عزیرؑ اس درمیان میں جسم بے روح بنے وہیں پڑے رہے۔ ان کی ہڈیوں کے جوڑ جوڑ الگ ہوگئے تھے، جسم کا بند بند ٹوٹ گیا تھا۔ آخر اللہ کا حکم ہوا کہ اس قضیہ کو فیصلہ کر دیا جائے جس میں لوگ حیران تھے۔ ...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عزیرؑ کی ہڈیاں جمع کیں، پیدائش کی ترکیب درست فرمائی۔ اور اس بے جان لاشے میں اپنی روح پھونک دی دیکھتے ہی دیکھتے اس کی خلقی بناوٹ مکمل ہوگئی اور گوشت میں پوست میں قوت پیدا ہوگئی اور عزیرؑ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے جیسے نیند سے بیدار ہوتے ہیں ...... فرشتہ آکر ان سے پوچھنے لگا تمہارا کیا خیال ہے عزیرؑ! تم کتنا سوئے ہوگے؟ انہوں نے بغیر سوچے سمجھے جواب میں کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوتا رہا ہوں گا! اس فرشتے نے پھر کہا "نہیں! بلکہ تم ایک سو برس تک ان قبروں میں پڑے رہے ہو۔ تم پر پانی کی پھوار اور بوچھاڑ پڑتی رہی ہے تم پر ہوائیں چلتی رہی ہیں ....

آگے ص ۱۸ میں بڑھیا کے استفسار میں حضرت عزیرؑ کا جواب ان لفظوں میں لکھا

"حضرت عزیرؑ نے کہا میں وہی عزیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے سو برس مردہ رکھا۔ اب پھر زندگی بخشی ہے"

اخیر میں بڑھیا کا لوگوں کو سمجھانا ان الفاظ کے ساتھ لکھا

"جس عزیر کو تم سو برس پہلے کھو بیٹھے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہٹا کٹا مرد بنا دیا ہے اور وہ پھر سے جوان ہوگئے ہیں"

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور سوچ کر بتائیں کہ یہ عبارتیں توہین آمیز ہیں یا نہیں۔

فائدہ: بعض مدعیانِ علم کی طرف بعض لوگ یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ او کالذی مر علیٰ قریۃ کا مصداق حضرت عزیرؑ کو جو بتایا جاتا ہے یہ غلط ہے۔ سو بات یہ ہے کہ واقعی اس مسئلہ میں اختلاف تو ہے چنانچہ وہب بن منبہ اور عبداللہ بن عبید فرماتے ہیں کہ وہ ارمیا بن خلقیاہ تھے اور یہ نام ہے خضر کا۔ اور بعض نے کہا کہ وہ حزقیل بن بوار تھے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی تھا۔ اور حضرت امام علیؓ سے ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ وہ حضرت عزیرؑ تھے اور یہی بات ابن جریرؒ نے ناجیہ

بن کعب سے روایت کی ہے اور انہی دونوں مفسروں نے یہی قول حضرت ابن عباس و حسن و قتادہ و سدی و سلیمان بن بریدہ ضحاک ربیع و عکرمہ و عبداللہ بن سلام کا بھی نقل کیا ہے اور یہی ارجح ہے اور راجح قول کو غلط کہنا کچھ اچھا نہیں حضرت شیخ الہند نے بھی اس مقام پر فرمایا: وہ شخص حضرت پیغمبر تھے..... بخت نصر..... نے بیت المقدس کو ویران کر دیا... بہت لوگوں ۲۱ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی قول اختیار فرمایا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی، ڈپٹی نذیر احمد نے اس مقام پر لکھا ہے اور یہ جو عزیر نے باوجودیکہ سو برس مرے پڑے تھے ایک دن یا ایک دن سے بھی کم بتایا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ واقع میں مر گئے تھے ان کو دیر کا احساس ہی نہ تھا اھ ترجمہ ڈپٹی، حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے موضح القرآن میں لکھا ہے یہ شخص حضرت عزیر پیغمبر تھے۔ بخت نصر ایک بادشاہ تھا کافر۔ بنی اسرائیل پر غالب ہوا۔ شہر بیت المقدس کو ویران کیا۔ تمام لوگ بندی میں پکڑے گئے۔ تب حضرت عزیر اس شہر پر گذرے۔ تعجب کیا کہ یہ شہر پھر کیوں کر آباد ہو۔ اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی۔ سو برس کے بعد زندہ ہوئے ان کا کھانا اور پینا پاس دھرا تھا اسی طرح۔ اور سواری کا گدھا مر کر ہڈیاں اسی شکل سے دھری تھیں۔ وہ ان کے روبرو زندہ ہوا۔ اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہوئے۔ اور شہر پھر آباد ہو رہا۔ انہوں نے زندہ ہو کر آباد ہی دیکھا۔

تفسیر ماجدی ص ۱۰۹ میں ہے مفسرین نے زیادہ تر مراد حضرت نبی عزیر سے لی ہے، سلسلہ اسرائیلی کے ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا ۴۵۰ ق م میں ڈیڑھ ہزار یہود کو ان کی قید اور جلاوطنی سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بائبل میں ان کا نام عزرا کاتب یعنی کاتب توراۃ کی حیثیت سے آتا ہے ایک صحیفہ بھی ان کے نام کی طرف منسوب ہے۔ قتادہ، سدی وغیرہ تابعین اسی طرف گئے ہیں۔ بلکہ یہی قول حضرت علی، حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ سے بھی مروی ہوا ہے۔

نیلوی کہتا ہے کہ علی، ابن عباس، عبداللہ بن سلام، سلیمان بن بریدہ، حسن، ضحاک، ربیع، عکرمہ، سدی ناجیہ بن کعب، قتادہ اور خلق کثیر نے یہی روایت کیا ہے کہ الذی مر علی قریۃ حضرت عزیر تھے

علامہ دریابادی نے فرمایا دوسرا قول حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق نقل ہوا ہے یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیغمبر ہوئے ہیں یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں تھے اور تاریخ یہود میں آتا ہے کہ انہیں نبوت ۶۲۶ ق م میں ملی تھی۔ تاریخی اعتبار

سے امکان ان کے لئے بھی ہے گو ذرا ضعیف ؛ حضرت باقرؒ اور وہب سے روایت انہی کے متعلق ہے ! پھر لکھا کہ
بائبل میں اس سے ملتا جلتا ایک قصہ حضرت حزقیل نبی سے متعلق درج ہے جو یرمیاہ نبی کے ہمعصر اور چھٹی صدی قبل مسیح میں تھے لیکن بائبل میں یہ قصہ بصورتِ واقعہ نہیں بلکہ کشف یا رؤیا کے طور پر ہے ؛ حزقیل باب ۳۶ و ۳۷ (
احمد رضا خان نے ترجمہ لکھا "یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر . . . . تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا الی آخرہ اسس پر نعیم الدین مرادآبادی نے حاشیہ ف ۵۳۰ کے تحت لکھا یہ قول اکثر یہ واقعہ حضرت عزیرؑ کا ہے - اور بستی سے مراد بیت المقدس ہے جب بخت نصر بادشاہ نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل کو قتل کیا گرفتار کیا تباہ کر ڈالا پھر حضرت عزیرؑ وہاں گذرے - آپ کے ساتھ ایک برتن کھجور اور ایک پیالہ انگور کا رس تھا - اور آپ ایک دراز گوش پر سوار تھے - تمام بستی میں پھرے کسی شخص کو وہاں نہ پایا بستی کی عمارتوں کو منہدم دیکھا - تو آپ نے براہِ تعجب کہا انّی یحیی ہٰذہ اللّٰہ بعد موتہا اور آپ نے اپنی سواری کے حمار کو وہاں باندھ دیا اور آپ نے آرام فرمایا - اسی حالت میں آپ کی روح قبض کر لی گئی - اور گدھا بھی مرگیا - یہ صبح کے وقت کا واقعہ ہے - اس سے ستر برس بعد اللہ تعالیٰ نے شاہانِ فارس میں سے ایک بادشاہ کو مسلط کیا اور وہ اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا اور اس کو پہلے سے بھی بہتر طریقہ پہ آباد کیا - اور بنی اسرائیل میں سے جو لوگ باقی رہے تھے اللہ تعالیٰ پھر انہیں یہاں لایا - اور وہ بیت المقدس اور اس کے نواح میں آباد ہوئے اور ان کی تعداد بڑھتی رہی - اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو دنیا سے پوشیدہ رکھا - کوئی آپ کو دیکھ نہ سکا - جب آپ کی وفات کو سو برس گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا پہلے آنکھوں میں جان آئی - ابھی تک تمام جسم مُردہ تھا وہ آپ کے دیکھتے دیکھتے زندہ کیا گیا الخ

ترجمان الاسلام ص ۱۲ و ۱۳

زیرِ عنوان قیصرِ روم کے سوالات اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے جوابات بحوالہ الکنز المدفون مصنفہ سیوطیؒ
سوال نمبر ۳۰ - وہ کون ہے جو ایک سو سال مُردہ رہنے کے بعد زندہ ہوا
جوابِ نمبر ۳۰ - ایک سو سال تک مُردہ رہنے کے بعد زندہ ہونے والے حضرت عزیر علیہ السلام ہیں -

توہینِ نبی

ملت اسلامیہ لاہور کے زیرِ نگرانی جلسہ عام سے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب خطاب کرتے

ہوئے فرماتے ہیں" اگر روح نہ ہو تو ڈھانچہ ایک لاش کی مانند ہے اور لاش کا محض سڑنا اور جلنا ظاہر ہے اور اس میں بدبو پھیلنا۔ اس لئے دنیا اس سے نفرت کرے گی۔

نوٹ: حضرت قاری صاحب کا فرض تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو مستثنا فرماتے۔ پھر یوں کہیں کہ حضرت قاری صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کے اخراج کے قائل ہی نہیں جیسے ان کے دادا جان

توہین حضرت ایوب

"خدام الدین" ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء زیر عنوان "حضرت ایوب علیہ السلام"

خداوند کریم بڑے بے نیاز ہیں۔ خداوند بخشندہ و برتر نے جس طرح ہر اندھیاتے کے بعد اجیارا اور ہر رات کے بعد دن رکھا ہے اسی طرح حضرت ایوبؑ کو خداوند کریم نے اسی مذاق کی بیوی عطا فرمائی ہوئی تھی جو ہر لحاظ سے خدا کی رحمتوں کی آماجگاہ تھیں ان کی بیوی رحمت بیت ہے۔ نبیوں کے صلب سے پیدا ہوئی تھیں لہذا حضرت رحمت نے اپنے شوہر ایوبؑ کے آگے اظہار ہمدردی کیا مگر پھر بھی حضرت ایوبؑ کی زبان سے یہی نکلا خدا کا شکر ہے کہ وہ جس حال میں رکھے" دریں اثنا جسم زخم آلود سے ایک کیڑا زمین پر گر گیا تو آپ نے وہی گرا ہوا کیڑا زمین سے اٹھا کر اپنے زخموں میں مستور کر دیا اور گویا ہوئے" اے کیڑے! مجھ سے تو مالک دو جہاں امتحان لے رہے ہیں تو کیوں زمین پر گر گیا ہے۔ میں تجھے بھوکا نہیں رہنے دوں گا۔۔۔۔۔۔

تیسرے کالم میں ہے: اور اپنی اہلیہ سے گویا ہوئے اے رحمت! یہ گاؤں فاسق اور زناکار لوگوں کا ہے۔ تیرا حسن مثل یوسف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس امتحان کے وقت تمہاری عصمت داغ دار ہو جائے لہذا تو مجھے یہاں سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ لے جا۔ میں قیامت کے روز تیرے آبا یوسفؑ کو کیا منہ دکھاؤں گا وہ حضرت مجھے کوسیں گے اور کہیں گے کہ اے ایوبؑ تو ہماری بچی کی عصمت کا تحفظ نہ کر سکا لہذا میں خائف ہوں مجھے اس جگہ سے کسی اور جگہ منتقل کر دے دریں اثنا ایسی تیز ہوا چلی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے زخموں کی عفونت ہوا میں مل کر نزدیکی گاؤں کی طرف گئی۔ تمام لوگ کتے لے کر حضرت ایوب کی طرف بڑھے اور گویا ہوئے کہ تو یہاں سے فوراً چلا جا ورنہ ہم یہ کتے تم پر چھوڑیں گے القصہ لوگوں نے کتے حضرت ایوب پر چھوڑ دئے مگر کتوں کو پتہ نہیں کیا ہوا کہ کتے

واپس گاؤں کی طرف بھاگ گئے لوگ پھر مصر ہوئے کہ اے جذامی! تو یہاں سے چلا جا ورنہ ہم تجھ پر یلغار کریں گے۔ حضرت ایوبؑ نے لوگوں کو فرمایا اے لوگو! مجھے اپنے گاؤں کے کوڑے کرکٹ پر پھینک دو سمجھا کہ معاذاللہ گلا سڑا کتا پڑا ہوا ہے؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

ایک مزے کی بات سماع موتیٰ کا انکار بھی اقرار بھی

خدام الدین کی دو عبارتوں کا تعارض

اداریہ "خدام الدین" جلد ۱۰ شمارہ ۴۰ - ۱۶ شوال ۱۳۸۳ھ / زیرِ عنوان صورتِ اسلام یا حقیقت اسلام ہر چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک اس کی روح یا حقیقت ہے۔ انسان کی بھی ایک صورت ہے اور ایک اس کی روح یا حقیقت ہے۔ ظاہر ہے انسان بغیر جسم کے بے کار محض ہے جب تک روح اس میں موجود ہے سب اس کی قدر کرتے ہیں اس پر جان چھڑکتے ہیں لیکن جیسے ہی روح کا رشتہ بدن سے کٹ جاتا ہے عزیز سے عزیز دوست اور رشتہ دار بھی اسے قبرستان پہنچانے میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ جہاں تک صورت انسان کا تعلق ہے وہ لاش کی شکل میں سامنے ہوتی ہے اس کی آنکھیں بھی موجود ہوتی ہیں کان، منہ، سر، ہاتھ اور پاؤں سب ساتھ ہوتے ہیں لیکن چونکہ روح نہیں ہوتی اور حقیقت سے جسم کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے اس لئے نہ کان سن سکتے ہیں، نہ ہاتھ اور پاؤں حرکت میں آسکتے ہیں، نہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں نہ دوسرے اعضاء وجوارح میں قوتِ حیات باقی رہتی ہے، جس کی وجہ سے صورتِ انسان کی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہتی، اعزہ واقربا رنج و الم محسوس کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ سب اسے دنیوی اعتبار سے بے کار خیال کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے لاش کو سپردِ خاک کرنے میں عجلت سے کام لیتے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ صرف صورت مطلوب ومقصود نہیں بلکہ اس کی حقیقت اور روح مطلوب ومقصود ہے اور جب وہ موجود نہیں تو صورت سے صرف ناعاقبت اندیش یا بچے ہی دل بہلا سکتے ہیں۔

خدام الدین جلد ۸ شمارہ ۱۱ - ۱۷ صفر ۱۳۸۲ھ / ص ۳ / عنوان پیر محمد غنی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال آپ کی وفات پر ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا جسے کئی اخبارات مثلاً سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور، زمیندار لاہور،

وہی حالات ہیں جو من صلی علی عند قبری کی سند کی حدیث کو اسی پر اعتماد کر کے صحیح کہا جاتا ہے سو اس کا حال بھی سن لیں۔

ہو معاویۃ الضریر احد الائمۃ الاعلام الثقات۔ لم یتعرض الیہ احد۔ وقال ابن خراش یقال ھو فی الاعمش ثقۃ وفی غیرہ فیہ اضطراب وکذلک قال عبد اللہ بن احمد سمعت ابی ھو فی غیر اعمش مضطرب لا یحفظہا حفظا جیدًا علی بن مسہر احب الی منہ فی الحدیث وقال الحاکم احتج بہ الشیخان۔ وقد اشتہر عنہ الغلو ای غلو التشیع۔ ورمی عباس عن ابن معین قال روی ابو معاویۃ عن عبید اللہ احادیث مناکیر۔ وقال العجلی ثقۃ یری الارجاء۔ وقال یعقوب بن شیبۃ ثقۃ ربما دلس وکان یری الارجاء ثم قال یقال ان وکیعا لم یحضر جنازتہ للارجاء۔ و قال ابو داؤد کان مرجئا۔ وقال ابن خراش صدوق فی الاعمش ثقۃ (میزان الاعتدال ص ۵۷۵ ج ۴ باب الکنی وخلاصۃ تہذیب تہذیب الکمال ص ۳۳۷ الفاظ محفوظ) وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال کان حافظا متقنا ولکنہ کان مرجئا خبیثا۔ و قال العجلی کوفی ثقۃ وکان یری الارجاء وکان لین القول فیہ۔ وقال یعقوب بن شیبۃ کان من الثقات وربما دلس وکان یری الارجاء وقال الآجری عن ابی داؤد کان مرجئا وقال مرۃ کان رئیس المرجئۃ بالکوفۃ۔ قلت وقال ابن سعد کان ثقۃ کثیر الحدیث یدلس وکان مرجئا۔ وقال النسائی ثقۃ فی الاعمش۔ وقال ابو زرعۃ کان یری الارجاءَ قیل لہ کان یدعو الیہ نعم (تہذیب التہذیب ص ۱۳۹ ج ۹) خلاصہ اس کا یہ ہے کہ ابو معاویہ گو اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہے مگر ہے مدلس اور خبیث قسم کا مرجئہ بدعتی تھا بلکہ کوفہ کے مرجئہ فرقہ کا رئیس تھا اور غالی ذکر اور متشدد قسم کا شیعہ عقائد کا بھی حامی تھا۔ امام وکیع نے اسی بدعقیدگی کی وجہ سے ان کا نماز جنازہ بھی نہیں پڑھا۔

ابو معاویہ و اعمش کے متعلق مزید تحقیق فیض القدیر الحی فی رد حدیث من صلی علیّ میں جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ابو معاویہ اعمش کی روایت میں بھی مضطرب ہے۔

رہا ابو معاویہ کا مرکزی راوی ہونا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اصحاب کتب ستہ نے جو ابو معاویہ کی روایات لی ہیں وہ بڑی چھان بین کے بعد لی ہیں جب انہیں ظن غالب ہو گیا (قرائن پر نظر رکھ کر) کہ اس کی روایت دوسری جگہ سنداً بھی مروی ہے اور اس روایت میں یہ سچا ہے اور جو ابو معاویہ کی روایت اس معیار پر نہ اترے اسے یہ ہاتھ بھی نہیں لگاتے جیسے بیہقی کی بیان کردہ یہ روایت اور من صلی علی والی بھی۔ مگر مسلوب العقل اتنی تمیز کہاں کر سکتے ہیں۔

الحاصل حضرت بلال مزنی رض کو اعرابی (گنوار) سمجھنا اور ان کے بارے یہ عقیدہ رکھنا کہ قبر پر فریاد کیا اور انہیں خواب آیا بلکہ تصدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی اور اس میں استشفاع بالقبر تھا یہ سب کچھ

آپ لوگوں کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد و اعمال پر بڑی جرأت و جسارت کے ساتھ بدترین حملہ قبیحہ ہے اعاذنا اللہ منہ اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اتنا تو کیا کہ ان کذاب اور ناقابل اعتماد راویوں کا نام تو واضح کر دیا لیکن آپ نے ان کے ضعف پر پردہ ڈال کر عوام کو دھوکہ دینے کی ناکام سعی کی اور تغلیس بجا ہے میں کہ ہم نے مؤلف ندائے حق کا جواب دے دیا۔ لوگ بھی شاباشی دے رہے ہیں کہ واہ! مولانا آپ نے تو مدعی ارتدی کو مؤلف ندائے حق کو روند کر رکھ دیا۔

پیر طریقت حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی تحریرات سے

بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کی روایت پر جرح

پیر طریقت حضرت الشیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے تفسیر بے نظیر ص۳۲ میں لکھا ہے قال المشرکون ان العلماء استغاث النبی عند قبرہ فاغیثوا الجواب انہ من الاکاذیب؛ والذی فی ہذہ الحکایات لا یفعلہ الا المشرکون۔ روی البیہقی وابن ابی شیبہ انہ اصابہم قحط فی زمن عمر رضی اللہ عنہ فجاء رجل الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ استسق لامتہ۔ فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال لہ ائت عمر رضی اللہ عنہ فقل لہ ان الناس مسقون۔ فالجواب ان ہذا لیس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ہو مجہول الحال ومجہول الاسم واسنادہا غیر معلوم الصحۃ۔ وفی روایۃ ان الذاہب الی قبرہ بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ۔ فالجواب ان فی سند روایتہ سیف بن عمر الضبی اجمعوا علی ضعفہ اتہم بالزندقۃ

یعنی مشرک کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر بڑے بڑے علماء نے فریاد کی پھر ان کی فریادرسی گئی اور ان کی فریادرسی کی گئی سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے اور ان کہانیوں میں جو جو کرتوت بیان کئے گئے ہیں ایسے کرتوت مشرکوں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔

بیہقی اور ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت امام عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑ گیا تو ایک آدمی نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آکر کہا یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے اللہ تع

سے بارش کی درخواست فرمائیں۔ چنانچہ اس آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں ملے تو فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو جاکے کہہ دے کہ بارش ہوگی۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آدمی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے نہیں ہے بلکہ یہ شخص مجہول الحال بھی ہے اور مجہول الاسم بھی ہے یعنی اس آدمی کا نہ نام معلوم ہے اور نہ اس آدمی کا حال معلوم ہے کہ عادل ہے یا فاسق ہے اور اس سند کی صحت بھی معلوم نہیں

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ قبر مبارک پر جانے والے صحابی ہیں جن کا نام بلال بن الحارث مزنی ہے اور صحابی عادل ہوتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں سیف بن عمر ضبی ہے جس کے ضعف پر سب علماء کا اجماع اور اتفاق ہے زندیق اور بے دین ہونے کی اس پر تہمت ہے۔

قبر نبی پر شفاعت کا مسئلہ

اور تفسیر بے نظیر صفحہ ۵۳ میں ہے فی قاعدہ جلیلہ صفحہ ۱۵۶ اما دعاء الرسول وطلب الحوائج منہ صلی اللہ علیہ وسلم وطلب شفاعتہ عند قبرہ بعد موتہ فہذا لم یفعلہ احد من السلف یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاجات کا مطالبہ کرنا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کی قبر مبارک کے پاس جاکر ان سے شفاعت کی درخواست کرنا سو سلف صالحین میں سے کسی ایک نے بھی ایسا کام نہیں کیا۔ پھر لکھا وفی صفحہ ۹ من صلی علی عند قبری سمعتہ راوی اس کا محمد بن مروان سدی ہے لیس بثقۃ کذاب آدمی ہے۔ قاعدہ جلیلہ میں ملائکہ کو پکارنا اور انبیاء و صالحین کو موت کے بعد شریعت میں جائز نہیں، شرک کی طرف پہنچانے والا ہے۔ قاعدہ جلیلہ صفحہ ۲۵ میں ہے وہ لوگ جو انبیاء اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے رہیں وہ بھی مشرک رہیں۔ قاعدہ جلیلہ صفحہ ۲۹ میں ہے وسیلہ پکڑنا ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ دعاء کے بعد وفات کے بعض صحابہؓ اور تابعینؒ اور امام احمدؒ وغیرہ سے منقول ہے اس کا یہ معنے ہے اسألک بنبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے اسألک بایمانی بہ و محبتہ صفحہ ۳۰ میں ہے التوسل بالایمان بہ بطاعتہ اصل الایمان۔

سوال

اسی صفحہ کے اخیر میں لکھا ہے یقال جاء اعرابی الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمیٰ بنفسہ الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال تستغفر لی فنودی من القبر انہ قد غفر لک (کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ایک اعرابی آیا تو اس نے اپنی جان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر ڈال دیا اور کہنے لگا کہ میرے لئے میرے گناہوں کے معافی کی درخواست کیجئے تو قبر سے آواز آئی کہ تیرے گناہ بخش دئے گئے۔

جواب

اس کا جواب دیا کہ راوی الحدیث ہیثم کان کذابًا یضع الحدیث علی الثقات (اس حدیث کا راوی ہیثم ہے بہت ہی جھوٹا تھا جو ثقہ اور پختہ راویوں کے نام پر من گھڑت حدیثیں بیان کرتا تھا۔

آگے لکھا قال ابن عبد الہادی فی الصارم المنکی وضع الکذابون اسنادًا الی علی بن ابی طالب روایۃ الافتنا بقبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سندہ ابو الجوزاء عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قال ابن عبد البر فی التمہید ابو الجوزاء لم یسمع من عائشۃ شیئًا (یعنی ابن عبد الہادیؒ نے الصارم المنکی میں فرمایا ہے کہ جھوٹے لوگوں نے حضرت امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کر کے ایک روایت گھڑی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے نزد جا کر کچھ مانگنے کا ذکر ہے۔ سو اس کی سند میں ابو الجوزاء ہے جو براہِ راست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے حالانکہ تمہید میں ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ ابو الجوزاء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بھی نہیں سنا) الحاصل یہ روایت منقطع ہوئی تو دلیل میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ خصوصًا عقیدہ میں

اور پھر ص۳۵ میں ایک اور حدیث کی بابت فرماتے ہیں روی الطبرانی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد بحق نبیک والانبیاء الذین من قبل فی سندہ روح بن صلاح المصری المکنی بابے الحارث المشہور بابن سیابۃ ضعفہ ابن عدی قال الدارقطنی ضعیف قال ابن ماکولا ضعفوہ قال الذہبی فی المیزان الحاکم یصحح الحدیث الباطل ویصحح الاحادیث الساقطۃ فما ادری ہل خفیت علیہ او ہو ممن یجہل ذلک و ان علم فہذہ خیانۃ عظیمۃ (یعنی طبرانی کی روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری اماں فاطمہ بنت اسد کو اس حق کے سبب بخش دے جو تیرے نبی کا اور اس سے پہلے نبیوں کا ہے۔ فرمایا کہ اس روایت کی

سند میں روح بن صلاح مصری ہے جس کی کنیت ابوالحارث ہے اور ابن سیابہ کے نام سے مشہور ہے ابن عدی و دارقطنی نے اسے ضعیف کہا ہے اور ابن ماکولا نے کہا ہے کہ سب نے اس کی تضعیف کی ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ حاکم کی عادت ہے کہ باطل اور ساقط الاعتبار حدیثوں کو بھی صحیح کہہ دیتا ہے اب معلوم نہیں کہ اس سے مخفی رہ جاتا ہے یا اسے پتہ نہیں لگتا۔ اور اگر قصداً ایسا کرتا ہے تو یہ بہت بڑی خیانت ہوئی۔

مولانا کی دھوکہ دہی

سماع الموتی ص ۱۰۱ میں لکھتے ہیں اور یہ روایت ہمارے پیرومرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ نے اپنی کتاب تحریرات حدیث ص ۳۵۵ میں نقل کی ہے الخ

مولانا کو اچھا خاصا علم ہے کہ مصنفین اپنی اپنی کتب میں اقوال مختلفہ صحیحہ وضعیفہ سب جمع کر دیتے ہیں پھر ان اقوال کی چھانٹی کرتے ہیں صحیح اقوال کو ضعیف اقوال سے الگ کر دیتے ہیں اور ان ضعیف اقوال الضعف اور وجہ ضعف کی بیان کرتے ہیں جیسے کتاب الروح شرح الصدور وغیرہ کتابوں میں رطب ویابس سب ہی جمع کر دیئے۔ اور تحریرات حدیث کا بھی یہی حال ہے دیکھتے نہیں کہ تحریرات حدیث کے مضامین کی نہ باہم ربط ہے نہ ترتیب کئی مضامین مکرر سہ کرر لکھے ہوئے ہیں۔ بات یہ تھی کہ آپ کی لکھی ہوئی بیاض تھی مرید نے نہ ترتیب دیکھی نہ ربط اٹھا کے طبع کرا دی۔ پھر آپ کو لا کر دی گئی پہلے تو آپ خوش ہوئے کہ مضامین چھپ گئے ضائع ہونے سے بچ گئے۔ اتفاقاً کتاب الدعوات پر نظر پڑ گئی دیکھنے لگ گئے جب اس مقام پر پہنچے تو اس کا جواب ساتھ لکھا نہ پایا آپ ناشر کو ناراض ہوئے کہ جواب کیوں نہیں چھاپا ناشر نے کہا مجھے جواب دستیاب نہ ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر یہ بات بھی نہ لکھنی تھی اب یہ مضر ہوا لہٰذا پھاڑ دو۔ چنانچہ جس قدر کتب وہاں تھیں ان میں سے کتاب الدعوات پھڑوا دیں اور فرمایا تفسیر بے نظیر میں اس کا جواب میں نے لکھ دیا ہے۔

اب مولانا کا ایک رد کردہ حوالہ کو پیش کرنا اور تفسیر بے نظیر سے صرف نظر کرنا اور عوام کے سامنے سے اسے چھپا رکھنا یہ کتمان علم ہے اور بہت بڑی دھوکہ دہی ہے علماء کی یہ شان نہ ہونی چاہیئے یہ بات مجھے میرے چچا محترم مرحوم کے پرانے ساتھی مولانا غلام احمد صاحب ساکن میانوالی مرحوم نے بتائی تھی جو اس مجلس میں خود حاضر موجود تھے۔

کیا محترم اصحاب جرح وتعدیل میں سے ہیں ؟

حضرت مولانا محترم نے عرض اعمال پر بحث کرتے ہوئے تسکین الصدور طبع دوم ص ۲۳۴ پر لکھا ہے کہ بلا شبہ امام سیوطی متساہل تھے لیکن علامہ نور الدین ہیثمی اور علامہ زرقانی کا تساہل ثابت نہیں اور بلا حوالہ اور بدون دلیل کے ان حضرات کا تساہل غیر مسلم ہے انتہی

آپ نے ان کی کتابوں کا استیعاب فرمایا ہے کہ انہوں نے کہیں غلطی نہیں کھائی یا ان سے تساہل کہیں نہیں ہوا نیز آپ سے زیادہ محقق حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے زجر الناس علی انکار اثر ابن عباس ص ۱۴ میں فرماتے ہیں نور دین ہیثمی، قسطلانی اور زرقانی اصحاب تصحیح میں سے ہیں ہی نہیں تاکہ کسی حدیث کو ضعیف یا صحیح کہنے میں ان پر اعتماد کیا جاسکے۔ اب لکھنوی کو تو ان بزرگوں پر اعتماد نہیں ہے آپ کو محض حضرت سید انور شاہ صاحب اور حضرت عثمانی رحمہما اللہ کے کہنے سے ان بزرگوں پر اعتماد کر لیتے ہیں جبکہ آپ اور آپ کے تلمیذ رشید بھی ان کی تحقیق کو رد فرماتے ہیں۔ اس انداز سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ میری بات مان لیں دوسرا آدمی خواہ جیسا بھی ہو اس کی بات ہرگز نہ ماننا میں اگر ابن تیمیہ پر تنقید کر دوں تو یہ حق صرف مجھے پہنچتا ہے دوسرا کوئی بھی تنقید نہیں کر سکتا۔ مجھے اور میرے شاگرد کو حق ہے کہ انور شاہ صاحب کی بات نہ مانیں یا ان کی بات پر تنقید کر دیں اور کسی کو یہ حق نہیں میں اگر ابن تیمیہ کی غلطیاں نکالوں تو یہ میرا حق ہے دوسرا کون ہوتا ہے اکابر کی غلطیاں نکالنے والا۔

آپ اگر ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ کے متعلق کہہ دیں کہ ان کا شمار متاخرین میں ہے لہٰذا ان کا قول حجت نہیں لیکن اگر دوسرا کوئی ذرا سا بھی کوئی لفظ کہہ دے تو بے اعتمادی کا فتویٰ لگ جاتا ہے۔ یہ اجارہ داری شاید آپ کے حواری قبول فرمالیں گے مگر حق کے متلاشی اس اجارہ داری کو کبھی تسلیم نہیں کریں گے خواہ آپ کتنا ہی مؤثر پروپیگنڈا کریں اور اہل حق کو بدعت ضلالہ کا موجد بنائیں

نیز آپ کی روش بتاتی ہے کہ آپ اپنی ہی بات منواتے ہیں خواہ غلط ہی ہو۔ اور دوسرا اگر تنقید کرے تو فوراً بے اعتمادی کا طعن لگاتے ہیں مثلاً میرے متعلق لکھا حافظ ابن الہمامؒ پر بے اعتمادی (سماع الموتی ص ۲۴۰) ملا علی قاریؒ اور علامہ شامیؒ پر بے اعتمادی (ص ۲۵۰) (ص ۱۴۱) حضرت ابوہریرہؓ پر بے اعتمادی (ص ۲۴۳)

اور آپ اگر ابن عبد الہادیؒ کے متعلق فرمائیں عبد الہادیؒ کا ہوائی تیر (تسکین ط ۲ ص ۲۵۶) اور تمک بندی (ص ۲۴۳) ابن حزمؒ کو گستاخ کہیں (ص ۲۰۰) ان کے عقیدہ کو باطل کہیں (ص ۲۰۱) علامہ مناویؒ کو کہیں کہ مغالطہ ہوا (ص ۲۴۳) علامہ ذہبیؒ کو کہیں انہیں وہم ہوا (ص ۲۱۲) حضرت پیر و مرشد مولانا حسین علیؒ کو کہیں کہ انہیں بھی وہم ہوا (ص ۲۳۳) ابن تیمیہ و ابن قیم کے متعلق کہیں ان کا قول حجت نہیں (سماع الموتی ص ۱۲۵)

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ پر تنقید اور توہین

مولانا کا رافضی اور اہل اعتزال کا ذہن

آپ نے سماع الموتیٰ میں جو انداز اختیار فرمایا ہے بہت خطرناک ہے نامعلوم اس کا انجام کیا ہوتا ہے اللہ ہی خیر فرمائے۔ خیر القرون کے بعد والے علماء و صلحاء و اتقیاء و محدثین و فقہائے احناف کے خلاف جو کچھ ان کی زہر آلود قلم سے نکلا ہے

وہ تو کسی حد تک دل پر پتھر رکھ کر ضبط کر لیا جائے تو بڑے دل گردہ کی بات ہے مگر ام المؤمنین حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افقہ الناس کے بارے اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ آپ رضؓ کے حق میں ایسی منقصت سن لے اور پھر خاموش رہے بلکہ اسلامی دور میں ایسے شخص کو ضرور تعزیر لگتی

آپ نے ایک تو ام المؤمنینؓ کی توہین کی اور ایک تنقید کی جس کی زد میں کوئی صحابیؓ نہیں بچا کیا آپ کو یہی حق پہنچتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہہ دیں کہ ان کی رائے اور عورتوں کی رائے اور سمجھ کی طرح تھی (ص ۲۲۹) یعنی آپ ناقص العقل تھیں والعیاذ باللہ وغیرہ وغیرہ تو سب علماء آپ کی کتابوں کی تقریظ کرنے والے بھی واہ واہ کریں کہ سبحان اللہ ہمارے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے تحقیق کے وہ دریا بہائے ہیں جو پہلوں کا وہ حصہ نہیں تھا۔

اوروں کے بارے جو کچھ لکھتے آنا ہی سہی تھا مگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے یہ الفاظ شیعیت بلکہ رفض کی غمازی کر رہے ہیں اول تو ان کے بارے علمائے حق افقہ الصحابۃؓ فرماتے ہیں صحابہؓ ان کے شاگرد ہیں دوسرے جو مسئلہ انہوں نے فرمایا ہے وہ اپنی رائے سے نہیں بتایا بلکہ انہوں نے آیت قرآنیہ پیش فرما دی اگر یہ دلیل غلط تھی اور غیر متعلق تھی تو صحابہ کرامؓ کیوں خاموش رہے

بلکہ تمام صحابہ کرام کی توہین

کیا آپ کے فرمان کے مطابق کہ "یہ کہنا کہ مردہ نہیں سنتا باطل ہے" صحابہؓ باطل قول سن کر خاموش رہ سکتے تھے؟ صحابہؓ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ضرور سمجھاتے مگر واقعہ یہ ہے کہ آپؓ نے حضرت ام المؤمنین رضؓ کی قرآنی دلیل سن کر خاموشی اختیار

زبانی، سی کا نام ہے اجماع سکوتی۔ اگر صحابہ کرامؓ نے اس قرآنی آیت کی جو ام المومنینؓ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش فرما رہی تھیں، تاویل کی ہوتی جیسے متاخرین علمائے کرام نے مختلف طریقوں سے تاویلیں کی ہیں تو کتب احادیث میں ضرور اس تاویل کا ذکر ہوتا کہ حضرت ام المومنینؓ کی رائے باطل ہے یہ آیتیں جو حضرتؓ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہیں یہ بالکل غیر متعلقہ آیات ہیں ان آیات کا عدم سماعِ موتیٰ کے ساتھ ذرا لگاؤ نہیں ہے۔ حضرت ام المومنینؓ ان آیات کا مطلب اور مفہوم سمجھی ہی نہیں

حضرت ام المؤمنینؓ اور صحابہ کرامؓ کے علم پر تنقید

مگر ذخیرۂ احادیث میں سے کہیں بھی آپ نہیں دکھا سکتے کہ صحابۂ کرامؓ نے حضرت ام المومنینؓ کی غیر متعلقہ آیات کی تلاوت پر تنقید کی ہو۔ بلکہ صحابۂ کرامؓ کے اقوال ملتے ہیں جو صراحتہً عدم سماعِ موتیٰ پر دال ہیں جن کو میں نے اپنی شفاء الصدور طبع ۲ میں انہیں نقل کیا ہے اور اب زیرِ نظر کتاب میں بھی لکھ آیا ہوں۔ مع ہٰذا ہمارے محترم مولانا صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ صرف ام المومنینؓ اور حضرت ابن عباسؓ عدم سماع کے قائل ہیں باقی سب صحابہؓ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں بلکہ اس بارے میں بھی آپ کو شک ہے کہ ابن عباس رضی اللہ سماع کے منکر ہیں یا قائل ہیں بلکہ اس بارے میں بھی آپ متردد ہیں کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس مسئلہ میں منفرد ہیں کیونکہ بعض مقامات میں آپ نے ان کا رجوع ثابت فرمایا ہے۔ اور امام اعظم رحمہ اللہ کے عقیدہ کے بارے میں بھی آپ خاصے پریشان ہیں کہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ وہ سماع موتے کے قائل ہیں اور جو لوگ ان کی طرف عدم سماع کی نسبت کرتے ہیں آپ کو ان کے اس کہنے پر اعتماد نہیں آتا خواہ وہ قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہوں خواہ وہ نواب قطب الدین رحمہ ہوں اور خواہ دیگر جید علماء کرام کی جماعت ہو بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ خود حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دیگر حضرات ائمہ کرامؒ اور اسلامی دنیا کی کیسی بڑی بڑی شخصیتیں سماعِ موتیٰ کی قائل ہیں (سماع الموتیٰ ص۹۰) نیز فرماتے ہیں کوئی امام بھی سماعِ موتیٰ کا منکر نہیں خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہ اور امت مسلمہ کی اکثریت سماعِ موتیٰ کی قائل ہے (ص ۹۶) نیز فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کا سماعِ موتیٰ پر اجماع ہے (ص۲۰۹ تسکین الصدور طبع اول) نیز فرمایا سماعِ موتیٰ کے مسئلہ میں اماموں میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے ان کی بات غلط ہے لہٰذا سماعِ موتیٰ کا قائل مجتہدین حضرات کا پیرو ہے (سماع الموتیٰ ص۹۱) نیز فرمایا بے شمار حدیثوں سے ... مُردوں کا سماع ثابت ہوتا ہے اور سلف کا اس پر اجماع ہے صرف حضرت عائشہؓ سے اس کا انکار منقول ہے اور ان کا قول شاذ ہے (سماع الموتیٰ ص۱۰۹)

بینک کراچی" اور "انجام کراچی" نے جلی حروف میں نقل کیا ہے۔" وفات کے دس گھنٹے بعد جب ان کی لاش کو تجہیز و تکفین کے بعد سیالکوٹ لے جایا جانے لگا تو ان کے منہ سے "مولانا احمد علی" کے الفاظ سنائی دیئے جو ان کے صاحبزادے احسان قریشی صاحب ایم۔اے پرنسپل گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف کامرس اور دو اور اصحاب نے سنے۔

عقل ماری گئی

آپ لوگ جانتے ہوں گے کہ حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف بفضلہ تعالیٰ تا وقت تحریر زندہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کے فیض عام سے لوگوں کو متمتع فرمائے

مگر خدام الدین کے پرچہ شائع کردہ ۱۰ صفر ۱۳۸۲ھ میں لکھا ہے "حضرت مولانا خان محمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف اس دارِ فانی سے عازمِ ملک جاودانی ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

نیلوی: اب مسئلہ حیات دنیوی برزخی والا بالکل حل ہو گیا کیونکہ اس خبر کے مطابق آپ ملک جاودانی یعنی عالم برزخ میں تشریف لے جا چکے ہیں لہٰذا آپ کی اس وقت برزخی زندگی ہے جو بعد از وفات نصیب ہوتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ خانقاہ سراجیہ کندیاں میں اپنے حلقۂ مریدین میں بیٹھ کر ارشاد بھی فرماتے ہیں' مراقبہ بھی کرتے کراتے ہیں نمازیں بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں اور حج و عمرہ کرنے بھی جاتے ہیں اور ملک بھر کے جلسوں میں بھی آپ حاضر ناظر جا ہوتے ہیں لہٰذا آپ کی دنیوی زندگی بھی ہوئی۔

پس حضرت مولانا خان محمد صاحب کو دنیوی حسی حقیقی عنصری جسمانی زندگی بھی حاصل ہے اور اخروی برزخی زندگی بھی ہوئی۔ جب پندرھویں صدی کے ولی اللہ کو دونوں زندگیاں حاصل ہو سکتی ہیں تو سرور عالمیاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں طرح کی زندگیاں بطریق اولیٰ حاصل ہوں گی

مگر ایک بات ہے جو دل میں کھٹکتی ہے وہ یہ کہ حضرت سجادہ نشین صاحب تو باقاعدہ ارشاد فرماتے ہیں اور جمعیت علماء اسلام کے جلسوں میں بھی جا حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کی راہ نمائی فرماتے ہیں۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ شاید آپ دیوبندی فکر رکھتے ہوئے اس کے قائل نہ ہوں مگر بریلوی تو کہتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہر محفل میں تشریف لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ کو گستاخ کہتے

ہیں کہ یہ اپنے پیروں کی شان بڑھاتے ہیں اور نبی کی شان گھٹاتے ہیں العیاذ باللہ۔

توہین انبیاء کرامؑ وصحابہ کرامؓ

بریلوی: حضرت پیر محمد غنی صاحب نے تو اپنی وفات کے بعد "مولانا احمد علی" صاحب کا نام مبارک لے کر سمجھا دیا کہ مجھے سیالکوٹ لے جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ حضرت جی کے قرب میں مجھے رکھو۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد باوجودیکہ کئی مسائل میں صحابہ کرامؓ الجھتے رہے اختلاف میں، بنانے کی کیفیت میں، مقام دفن میں، قبر بصورت لحد وشق کرنے میں بلکہ وفات ہونے یا نہ ہونے میں، آں حضرت جو تمام سے بڑھ کر کریم اور شفیق تھے، صحابہ کو اتنا پریشان دیکھ کر بھی خاموش ہی رہے!

اس واقعہ میں پیر صاحب بھی امتی ہیں مرید بھی امتی، سیالکوٹ لے جانے نہ لے جانے کا مسئلہ بھی اتنا اہم نہ تھا۔ پھر لواحقین کا اس بارے میں اختلاف بھی نہیں ہوا، نہ پریشانی ہوئی۔ اور لواحقین ان لفظ بسنت والے کوئی اولیاء اللہ نہ تھے چہ جائیکہ خیر القرون خصوصاً صحابہؓ کا درجہ پا میں خصوصاً خلفائے اربعہ پھر خصوصاً شیخینؓ پھر خصوصاً امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ! یہاں بات بتا دینا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا باوجود اختلافات اور پریشانیوں کے یہ ایک گستاخی معلوم ہوتی ہے نبیؐ و صحابہ رضی کی جو ایک عام مسلمان کی مدح کی ضمن میں کی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود اپنے متعلق فرمایا تھا لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم ان لوگوں نے اپنے پیروں کی مدح سرائی میں حد ہی کر دی تعریف بھی ایسی جس میں پیغمبر و صحابہؓ کی توہین کا پہلو نکلتا ہو۔

ایک اہم سوال

صحابہ کرامؓ اہل لسان تھے قرآن پاک ان کے محاورے میں اترا تھا ان نے یہ آیات یاد کر رکھی تھیں مطلب بھی سمجھتے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت عظمیٰ کا تجربہ بھی ان کو خوب تھا اور روحانی فیض بھی آپ سے جتنا انہوں نے پایا کوئی اور شخص کسی اور بزرگ ہستی سے نہیں پا سکتا

پھر بقول آپ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس مسئلہ پر اجماع تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وفات بھی زندہ

ہمیشہ کے لئے دنیوی عنصری جسمانی حقیقی حسی حیات کے ساتھ زندہ ہو گئے ہیں تو آپ کے جو سچے حیات ممات کا مسئلہ کیوں چھیڑا امام ابو بکرؓ نے وفات کو ثابت کیا پھر حیات بعد الممات کا ذکر کیوں نہیں کیا جو عقیدہ ممات کے عقیدہ سے بھی زیادہ اہم تھا اسے ترک کر دیا۔ جب آپ کی وفات آئی تھی پھر فوراً اٹھ گئے پھر نہلایا کیوں اور اگر نہلانا ہی تھا تو کیفیت میں نزاع ہوا تو تحقیق حل کرنے کی بجائے خاموش کیوں ہیں جب صحابہؓ کا اجماع تھا الحیات بعد الممات پر تو جیسے قبل الممات نزاع کے وقت حسب فرمان حق ردوہ الی اللہ والرسول آں حضرتؐ سے دریافت کر لیتے تھے بعد از حیات ثانی کیوں اس آیت پر عمل نہ کیا اور آں حضرت سے مسئلہ کیوں نہ پوچھا اپنے مکاشفہ یا خواب پر کیوں عمل کیا۔ جب آپ ان کیلئے موت آئی پھر صحابہؓ کا بھی عقیدہ تھا کہ آپ زندہ حیات حقیقیہ عنصریہ جسمانیہ حسیہ زندہ ہیں تو کفن کیوں دیا (کیا زندہ کو کفن دیا جاتا ہے) ان پر نماز جنازہ کیوں پڑھی (کیا زندہ پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے) جب صحابہ کا اجماع ہے کہ وفات کے بعد آپ زندہ ہو گئے جیسے پہلے تھے بحیات دنیویہ عنصریہ جسمانیہ حقیقیہ حسیہ تو قبر کیوں بنواتے ہیں لحد کیوں کھدوائی کیا زندہ ہستی پھر وہ ہستی جو تمام کائنات سے اعلیٰ و برتر ہے کو زندہ دفن کرنا کیا آپ کے نزدیک ان کی تعظیم ہے پھر اوپر سے مٹی ڈال کر زندہ ہستی کو چھپا دینا آپ کے نزدیک تعظیم ہے

اگر ہو کر قبر بنانے تک آپؐ کے مبارک جسم میں جان نہیں پڑی تھی بعد میں جان میں جان آئی اور صحابہ کو اس بات کا علم تھا اور اجماع تھا کہ انبیاء کرام بعد وفات پھر زندہ ہو جایا کرتے ہیں اور پھر دوبارہ پہلی زندگی کی طرح زندہ ہو جاتے ہیں تو قبر بنانے کی کیوں زحمت کی۔ چلو اس کو بھی جانے دو جب صحابہ کرام کا اجماع تھا کہ قبر میں زندہ ہو جاتے ہیں قبر میں رکھ کر ان کو مٹی سے چھپا دینے میں تو ان کی تعظیم ہے اور مٹی ہٹانے میں توہین ہے اول تو یہ تعظیم اپنے لئے کیوں نہیں چاہتے جنازہ رہنے دیں لوگ کیوں کھودا جاتا ہے دوسرا نمازی آپ کو سلام کہیں یہ تو تعظیم ہے حیات النبیؐ بحیات عنصریہ جسمانیہ دنیویہ حسیہ کے اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے لازماً پنجگانہ نماز کے بعد یا پہلے بار دست ہستیاں صحابہ کرامؓ آپؐ کی آرامگاہ پر ضرور حاضری دیتے ہوں گے یہ عمل اتنا مشہور ہوتا کہ کسی محدث سے مخفی نہ ہوتا نیز اس قدر کثیر تعداد میں حاضری کی صورت میں حضرت ام المؤمنینؓ کو تکلیف ہوتی ہوگی ان کے رہائش کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا صحابہؓ کے ذمہ تھا۔ مگر یہ واقعہ صحابہ کرامؓ پنجگانہ نمازوں سے آگے پیچھے آپ کی آرامگاہ (قبر شریف) پر حاضر ہو کر صلوٰۃ پڑھنا کسی محدث نے نقل نہیں کیا نہ کسی محدث نے لکھا جیسے نماز جنازہ کیلئے دس دس آدمی جاتے جنازہ پڑھ کر واپس آجاتے ایسے ہی پنجگانہ نمازوں سے آگے یا پیچھے آپؐ کی آرامگاہ پر اس کیفیت سے حاضر ہوتے اور سلام کے الفاظ یہ ہوتے تھے اس لئے چونکہ روزانہ کا یہ معمول تھا ام المؤمنینؓ

کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے ان کو علیحدہ مکان میں منتقل کر دیا جاتا۔ مگر ان تمام ضروری امور کو محدثین نے نقل فرمایا نہ مؤرخین نے۔ آخر کیا وجہ ہے

تعجب ہے کہ مسئلہ اصولی ہو تمام صحابہ کرامؓ کا اس پر اجماع بھی ہو جیسے تابعینؒ تبع تابعینؒ ائمہ مجتہدینؒ محدثینؒ متکلمینؒ فقہاؒ کا اس پر اجماع بھی ہو مگر تین صدیوں تک کہیں بھی اس اجماع کا نشان نہ ملے چوتھی صدی میں ابو یعلیؒ اور پانچویں صدی میں بیہقیؒ ان دو کو تین صدیوں کا چھپا ہوا اجماع مل گیا پھر متاخرین نے اجماع کا چرچا کر دیا تو سچ مچ یہ اجماع اجماع صحابہؓ بن گیا اور یہی اجماع خیر القرونؒ بن گیا۔ پھر یہ کہ پہلے علماؒ با وجود اجماع صحابہؓ کے یہ مسئلہ ضروری نہ تھا اور احادیث بھی مسئلہ حیات کے بارہ میں اکثر ضعاف تھیں لیکن اب موجودہ پندرھویں صدی کے علماء میں یہ مسئلہ اہم اور ضروری ہے اور احادیث بھی کلہم صحیح ہیں جو در بارۂ حیات ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ حال کے دیوبندیوں کا علم حضرت نانوتویؒ کے علم سے بہت زیادہ ہے

من صلی عند قبری سمعتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بتایا ۔۔۔ کہ ذکر ہے مگر اس وقت کے جید مجتہدین ابو حنیفہؒ ابو یوسفؒ محمدؒ زفرؒ ابن مبارکؒ ابن زیادؒ شافعیؒ مالکؒ احمدؒ اسحٰقؒ ابو داؤدؒ ... بخاریؒ مسلمؒ ابو داؤدؒ ترمذیؒ نسائیؒ دارمیؒ ابن ماجہؒ ابن خزیمہ طیالسیؒ وغیرہ کو اس کا کیوں علم نہ ہوا۔ اگر علم تھا تو ذکر کیوں نہ کیا۔ وہ باشرع عالم تھے۔ اہم فی الدین امر کو قطعاً ترک نہ کرتے تھے۔ لیکن جب اہم امر دین کا ذکر ان کی کتب میں متروک ہے تو ضرور یہ من گھڑت ہے

المامول شرح اصول الشاشی ص ۲۶۷ میں ہے الاشتہار بعد مدۃ القرون غیر معتبر کما فی العدن قرون ثلاثہ کے بعد شہرت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پھر آگے لکھا عدم الاشتہار علامۃ الزیافۃ قرون ثلاثہ میں مشہور نہ ہونا اس چیز کے ردی ہونے کی علامت ہے

کرام کی قبروں کے پاس گائے وغیرہ ذبح کرتے ہیں۔ پس یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اور مذبوحہ حلال ہے یا نہیں؟...... **الجواب**: جائز نہیں بلکہ ایسا کرنا گناہ اور زیادہ موجب غضب الٰہی ہے۔ چند وجہ سے۔ اول تو بارش نہ ہونے کے لئے شریعت نے نماز اور دعاء کی تعلیم فرمائی ہے "قربانی کی نہیں۔ تو اس کام کے لئے قربانی اگر کوئی کرے خالص اللہ ہی کے نام کی کرے اور کسی پیر فقیر کا اس میں دخل نہ ہو تب بھی بدعت اور ناجائز ہوگی۔ دوسری وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ مزارات اولیاء کے پاس جاکر ذبح کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ان مزارات پر یہ گوشت چڑھاتے ہیں یا ان کے نام پر ذبح کریں گے۔ اور یہ دونوں صورتیں حرام ہیں لقولہ تعالیٰ وما اُھِلَّ لغیر اللہ بہ۔ اور اگر کوئی خاص شخص ان رسوم کے متعلق یہ خیال وعقیدہ نہ بھی رکھے جب بھی دوسروں کا عقیدہ خراب ہونے کا خطرہ تو ضرور ہے اس لئے اس حرکت کو ترک کرنا ضروری ہے۔ ان واہیات کاموں کو چھوڑ کر سیدھے مسلمانوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیوں نہ کیا جائے۔ آپ نے کئی مرتبہ دعاء پر اکتفاء فرمایا۔ اور ایک مرتبہ نماز استسقاء پڑھی۔ فقط مفتاوی دار العلوم دیوبند امداد المفتیین المفتی دیوبند ماہ صفر ۱۳۵۹ھ

مولانا کی پیش کردہ حدیث پر جرح

روایتی نقد کی رو سے بھی یہ روایت غلط ہے کیونکہ جس روایت میں حضرت مزنی رض کا نام لیا گیا ہے اس کا پہلا ہی راوی خیر سے سیف بن عمر ہے جو بالاتفاق متروک ہے زندیق تھا موضوع اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنا اس کا عام مشغلہ تھا (البدایہ والنہایہ ۹۱ج۷ وعن سیف بن عمر) عن مبشر بن فضیل عن جبیر بن صخر عن عاصم بن عمر بن الخطاب ان رجلا من مزینۃ عام الرمادۃ (بلال بن الحارث) سالہ اھلہ ان یذبح شاۃ فقال لیس فیھن شیٔ فالحوا علیہ فذبح شاۃ فاذا عظامھا حمر فقال یا محمداہ فلما امسیٰ اری فی المنام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لہ ابشر بالحیاۃ ایت عمر فاقرأہ منی السلام وقل لہ ان عھدی بک وفی العھد شدید العقد فالکیس الکیس یا عمر! فجاء حتی اتی باب عمر فقال لغلامہ استاذن لرسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتی عمر فاخبرہ ففزع ثم صعد عمر المنبر فقال للناس انشدکم باللہ الذی ھداکم للاسلام ھل رأیتم منی شیئا تکرھونہ؟ فقالوا اللھم لا ، وعم ذاک؟ فاخبرھم بقول المزنی وھو بلال بن الحارث ففطنوا ولم یفطن فقالوا انما استبطأ فاستسق بنا فنادی فی الناس فخطب فاوجز ثم صلی رکعتین ثم قال اللھم عجزت عنا انصارنا وعجز عنا حولنا وقوتنا

ومحرمت عنا انفسنا ولاحول ولا قوة الا بك اللهم اسقنا واحی العباد والبلاد (ص۳۰)

امام ذہبی نے المغنی ج ۱ ص ۲۹۲ میں فرمایا سیف بن عمر التمیمی الاسدی لہ توالف متروک باتفاق وقال ابن حبان اتہم بالزندقة. قلت ادرک التابعین وقد اتہم وقال ابن حبان یروی الموضوعات

علامہ شمس الذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب دیوان الضعفاء والمترکین وخلق من المجہولین وثقات فیہم لین ص۱۳۸ میں لکھا ہے۔ سیف بن عمر التمیمی الاسدی ترکوه واتہم بالزندقة نیز المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۲۹۲ میں لکھا ہے سیف بن عمر التمیمی الاسدی لہ تواليف متروک بالاتفاق وقال ابن حبان اتہم بالزندقة. قلت ادرک التابعین وقد اتہم قال ابن حبان یروی الموضوعات

ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۹۵، ۲۹۶ میں لکھا ہے سیف بن عمر التمیمی البرجمی ویقال السعدی ویقال الضبی ویقال الاسدی الکوفی صاحب کتاب الردة والفتوح روی عن عبداللہ بن عمر العمری وابی الزبیر وابن جریج ......

ومحمد بن اسحاق ومحمد بن السائب الکلبی ...... قال ابن معین ضعیف الحدیث وقال مرة فلیس خیر فیہ. وقال ابوحاتم متروک الحدیث یشبہ حدیثہ حدیث الواقدی. وقال ابوداؤد لیس بشئ. وقال النسائی والدارقطنی ضعیف. وقال ابن عدی بعض احادیثہ مشہورة وعامتہا منکرة لم یتابع علیہا. وقال ابن حبان یروی الموضوعات عن الاثبات. قال وقالوا انہ کان یضع الاحادیث. قلت بقیة کلام ابن حبان اتہم بالزندقة وقال البرقانی عن الدارقطنی متروک. وقال الحاکم اتہم بالزندقة وہو فی الروایة ساقط

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال ص ۲۵۵ میں بھی لکھا سیف بن عمر الضبی الأسیدی ویقال التمیمی البرجمی ...... ھو کالواقدی ...... قال عباس عن یحییٰ ضعیف. عن یحییٰ فلس خیر منہ وقال ابوداؤد لیس بشئ وقال ابوحاتم متروک وقال ابن حبان اتہم بالزندقة وقال ابن عدی عامة حدیثہ منکر...... مکحول بیروتی ...... ابن نمیر یقول سیف الضبی...... کان یضع الحدیث وقد اتہم بالزندقة:

خلاصہ مطلب ان سب کا

خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ یہ سیف بن عمر تمیمی برجمی ضبی سعدی اسدی کوفی کتاب الردة اور کتاب الفتوح کا مصنف جس کا حوالہ .... سے صاحب تسکین الصدور نے طبع دوم کی ص ۳۳۳ میں نقل فرمایا ہے، ابن جریج جیسے .... کا شاگرد ہے اور محمد بن اسحاق جیسے کذاب ودجال اور محمد بن السائب کلبی جیسے رافضی کذاب کا شاگرد

ہے اس کی حدیثیں اسی طرح کی ہیں جس طرح واقدی کذاب کی حدیثیں ہیں پختہ اور ثقہ علماء محدثین کے نام موضوع اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنا اس کا مشغلہ تھا روایت حدیث میں ساقط' متروک 'ضعیف' وضاع تھا اس میں کسی طرح کی خیر و خوبی نہ تھی' یہ خود کوئی شے نہ تھا' اس کی بیان کردہ حدیثیں عام طور پر منکر اور ثقہ محدثین کے مخالف ہوتی تھیں اور زندقہ اور بے دینی کے ساتھ متہم تھا

پھر سیف بن عمر کا استاذ مبشر بن فضیل بھی معلوم نہیں ہے کہ یہ کون ہے۔ مغنی ص۵۴۱ میں ہے ثم سادت

سیف بن عمر اعن مبشر بن الفضیل (شیخ لسیف) لا یدری من ھو ؟

اگر اس واقعہ کو صحیح مان لیں تو پھر خواب ہی تو ہے، کیا خوابیں معمول صحابہ تھیں

حضرت عمرؓ کے بارے والعیاذ باللہ کند ذہنی کا تصور

پھر اس میں یہ تاثر دلایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نعوذ باللہ ذہین نہیں تھے کیونکہ جو بات عام لوگ سمجھ گئے تھے راوی کے کہنے کے مطابق حضرت عمرؓ نہ سمجھ سکے۔ نعوذ باللہ منہ

پھر اس میں یا محمداہ نداء لغیر اللہ ہے وہ بھی ان لفظوں کے ساتھ جن کے ساتھ نداء کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی زندگی میں بھی منع کر دیا گیا تھا۔ پھر اگر بکری کا ذبح کرنا قبر النبیؐ کے پاس باور کیا جائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت بڑا طعن وارد ہوگا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس ذبح کرنے سے روکا تھا تو صحابہؓ کرامؓ نے سب سے پہلے اس حکم کی خلاف ورزی پر اجماع کر لیا۔ اللہ تو اس باطل نظریہ سے ہم مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ اس روایت میں تو قبر کا ذکر تک نہیں چہ جائے کہ نداء یا ذبح علی القبر ہو۔ اور جس روایت میں قبر النبیؐ کا ذکر ہے اس میں اعرابی یا رجل کے الفاظ ہیں جو مجہول ہے نامعلوم وہ اعرابی یا رجل کون ہے صراحتہ اس میں بلالؓ کا نام نہیں کھینچ تان کر خواہ مخواہ اعرابی یا رجل کا مصداق حضرت بلالؓ مراد لینا صرف تحکم اور سینہ زوری ہی نہیں بلکہ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم کو فاسق گردانے کی ناپاک سعی ہے۔ اللہ تو ایسے مسلوب العقل لوگوں سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

اور البدایہ والنہایہ ص۹۲ میں جو بیہقی کے حوالے سے اعرابی یا رجل کی روایت کر کے کہا وھذا اسناد صحیح اس میں راوی رواۃ کا تو نام نہ ہو جو غیر مرکزی ہیں۔ مرکزی راویوں ہی کو دیکھو تو جن میں سے ایک ابو معاویہ ہیں جسے کو ثریٰ تعجب

محمد قاسم سے چند گذارشات

مدعی کون اور مدعیٰ علیہ کون؟

تسکین الصدور طبع ص ۲۸۵ میں ہے فقہی طور پر مدعی اور مدعا علیہ، مثبت اور نافی کا مقام متعین کرنا خاصا نزاعی مسئلہ ہے اور ہر ایک اضافی چیز ہے۔ آپ بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم مبارک سے قبر اطہر میں کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام وغیرہ نہیں سنتے العیاذ باللہ۔

نیلی: قدوری نے مدعی کی تعریف یہ کی ہے کہ مدعی وہ ہے کہ اگر وہ دعویٰ ترک کرے تو اس پر خصومت کیلئے جبر نہ کیا جائے بلکہ اسے اختیار ہے کہ چاہے دعویٰ پر قائم رہے اور چاہے دعویٰ واپس لے یعنی دعویٰ چھوڑ دے اور مدعا علیہ وہ ہے کہ جب اس پر دعویٰ ثابت ہو تو اس پر واجب ہے کہ مدعی کا جواب دے۔

بعض نے کہا ہے کہ مدعی وہ ہے جو بغیر حجت کے مستحق نہ ہو اور مدعا علیہ وہ ہے جو بغیر حجت کے مستحق ہو

بعض نے کہا مدعی وہ ہے جو بغیر ظاہر کے تمسک کرے اور مدعا علیہ وہ ہے جو ظاہر کے ساتھ تمسک کرے

اگر قائلین سماع دعویٰ چھوڑ دیں تو منکرین بھی تعاقب چھوڑ دیں گے لیکن قائلین دعویٰ پر قائم رہیں اور اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے دلائل قائم کریں تو منکرین پر واجب ہو جاتا ہے کہ مدعی کا جواب دیں

دوسری بات یہ ہے محترم! آپ نے تسکین الصدور ص ۳۰۳ میں فرمایا موت کا معنی روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جانا۔ روح جب جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں ..... یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کر سکتی پھر ص ۳۰۷ میں فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ایک قطعی اور حتمی امر ہے .... اسی وفات کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین و دفن و قبر وغیرہ کا انتظام ہوا۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں آپؐ کو اتار کر دفن کیا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا گیا اور وہی نماز اور خطبہ پڑھاتے اور فصل خصومات کرتے رہے اور اہم معاملات میں لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے رہے ...... یہ تمام امور اپنے مقام پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو قرآن و حدیث اور امت مسلمہ کے اتفاق و اجماع سے ثابت ہے جس کا کوئی شخص منکر نہیں۔

اتنی بات ہر پڑھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ موت آنحضرت پر وارد ہوئی اور موت سے روح جسم میں تصرفات نہیں کر سکتی اسی لئے آنحضرت ﷺ کو صحابہ کرامؓ نے غسل دیا کفن دیا جنازہ پڑھا۔ قبر لحد بنائی آپ کو لحد میں اتارا اور دفن

کیا۔ یہ کام اس لئے صحابہ کرام نے انجام دیا کہ خود ذات گرامی کو وفات کی وجہ سے ان امور کی از خود قدرت نہ تھی۔ نیز آپؐ میں اس وقت سننے اور بولنے کی بھی قدرت نہ تھی اسی لئے جب وفات کے وقت اتنا شور مچ رہا تھا تو آپ فرما دیتے تو مواعنی جیسے حدیث قرطاس میں آتا ہے یا صحابہ خود آپؐ سے دریافت فرما لیتے مگر انہوں نے آپؐ سے نہیں پوچھا اگر ان کا عقیدہ سمع اموات کا ہوتا تو آپؐ سے پوچھ لیتے پھر غسل میں اختلاف ہوا تب نہیں پوچھا پھر قبر کے مقام کے بارے اختلاف ہوا آپؐ سے نہیں پوچھا پھر لحد و شق میں اختلاف ہوا آپؐ سے نہیں پوچھا خلافت میں بحث ہوئی تو آپؐ سے مشورہ نہیں لیا حالانکہ خود حضورؐ کی ذات گرامی کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا حکم تھا یہ سب امور دیکھ کر آپ تو کچھ سمجھیں یا نہ ہر باشعور انسان یہی سمجھے گا کہ اب آں حضرتؐ نہیں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ مشورہ دے سکتے ہیں۔

اگر محترم کے پاس جو سمع اموات و حیات الانبیاء کے دلائل کا ذخیرہ موجود ہے نہ ہوتا اور علماء کی وہ تاویلات آیات قرآنیہ آپ کے پاس موجود نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر اس کی شدید گرفت سے ڈر کر بالعد الموت جو ہم پر گذرے گی اس کا خوف رکھ کر یہ فرماؤ آپ کا کیا عقیدہ ہوتا

اگر آپ کا عقیدہ ان دلائل کے نہ ہونے کی صورت میں واقعی یہی ہوتا کہ مردے سنتے ہیں اور انبیاء کرام وفات پاتے ہی یا وفات پانے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جاتے ہیں تو پھر واقعی آپ کی بات درست تھی کہ آپ منکر ہیں، اور منکرین سماع اور منکرین حیات انبیاء مدعی ہیں۔ بحیات دنیویہ عنصریہ

نیز اگر آپ ایک غیر مسلم کے آگے یہ بات رکھیں کہ دو قول ہیں ایک کہتا ہے کہ مردے سنتے ہیں اور دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں اور دوسرا کہتا ہے کہ مردے نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں نہ جانتے پہچانتے ہیں ان دونوں میں مدعی کون ہے اور مدعیٰ علیہ کون ہے۔ کسی وکیل سے دریافت کر لیا جائے کہ ان دونوں میں مدعی کون ہے اور مدعیٰ علیہ کون؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر ذی شعور انسان بشرطیکہ آپ جیسا کتاب خوان نہ ہو یہ سمجھتا ہے کہ مرنے کے ساتھ تمام قویٰ و حواس جواب دے جاتے ہیں اب وہ چارپائی پر پڑا ہوا جسم خاکی نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے نہ سونگھتا ہے نہ اٹھتا ہے نہ بیٹھتا ہے نہ باتیں کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے یہ امر بالکل اجلیٰ یہ بدیہیات میں سے ہے

اب اگر کوئی شخص آکر کہنے لگے کہ یہ مردہ لاش جو چارپائی پر پڑی ہے یہ تمہاری سب باتیں سن رہی ہے اور تم سب کو دیکھ بھی رہی ہے اور تم سب کی باتوں کا جواب بھی دے رہی ہے۔ تو وہاں کے حاضرین لوگ اس شخص کی بات سن کر حیران

ہو جائیں گے اور بڑے تعجب سے پوچھیں گے کہ بھائی! یہ شخص تو انتقال کر گیا ہے تو کیسے کہہ رہا ہے کہ یہ سن بھی رہا ہے، دیکھ بھی رہا ہے جان پہچان بھی رہا ہے اور باتیں بھی کہہ رہا ہے۔ تو اب وہ شخص ان حاضرین کو یہ جواب دے کہ میں تو مدعیٰ علیہ ہوں اور تمہارے دعوے کا میں منکر ہوں۔ تم پر فرض ہے کہ اپنے دعویٰ کی دلیل دو۔ تمہارا دعوے ہے کہ یہ مردہ لاش نہ سنتی ہے نہ بولتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ جانتی پہچانتی ہے دلائل کے بغیر میں تمہاری بات اور تمہارا دعویٰ نہیں مان سکتا۔

محترم! یہ اس کا کہنا درست ہے کہ میں مدعیٰ علیہ منکر ہوں اور تم منکرین سماع وکلام مدعی ہو؟

محترم حاضرین کا قول مبنی علی الظاہر ہے اور دوسرے شخص کا قول خلافِ ظاہر ہے مدعی وہی ہوتا ہے جس کا قول خلافِ ظاہر ہو اسی کو اپنے خلافِ ظاہر دعویٰ کے منوانے کے لئے شواہد اور دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس خلافِ ظاہر قول کرنے والے نے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے ایسے شواہد پیش کر دئے جن پر کسی قسم کی جرح نہ ہو تو اس کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے سرے سے گواہ، شواہد و دلائل ہی نہ ہوں یا گواہ (شواہد و دلائل) تو ہوں مگر مجروح ہوں اور ناقابلِ سماعت تو اس کا دعویٰ خارج کر دیا جائیگا اور اسی شخص کا قول تسلیم کیا جائے گا جس کا قول مبنی علی الظاہر ہے اور وہی مدعیٰ علیہ ہے۔

میرے مکرم و محترم اس تشریح کے بعد سمجھ چکے ہوں گے کہ نیلوی مجذوب بھی ٹھکانے کی بات کہہ جاتا ہے۔

اب آئیے آپ عمل صحابۂ کرام سے یہ سمجھ چکے ہوں گے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد کے یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ اس وقت تو آپ نہ سن رہے ہیں نہ دیکھ رہے ہیں نہ باتیں فرما رہے ہیں اور وفات سے پہلے آپؐ دیکھ بھی رہے تھے حضرت فاطمہؓ سے باتیں بھی فرمائیں یہود و نصاریٰ کے اعمال کی مذمت بھی بتائی مسواک بھی استعمال فرمائی اللہم الرفیق الاعلیٰ بھی فرمایا مگر قبضِ روح کے بعد آپؐ بالکل خاموشی فرماتے ہیں آپؐ کے چہرۂ انور پر کپڑا اڑھا گیا۔ پھر تمام امور جو آپ کے جسدِ عنصری کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے کئے کیا یہ سمجھ کر کئے تھے کہ آپ صرف ایک آن کے لئے وعدہ الٰہیہ پورا کرنے کے لئے فوت ہوئے اب آنکھ جھپکنے کی دیر فوت ہوئے پھر فوراً آپؐ دوبارہ زندہ ہو گئے حیات بے دیر پھر دیر یہ اب صحابہ کرامؓ نے زندہ ذات گرامی کو غسل دیا۔ زندہ ذاتِ گرامی کو نعوذ باللہ تن کے کپڑے اتار کر کفن دیا زندہ ذات گرامی کا جنازہ پڑھتے رہے۔ زندہ ذات گرامی کو خاکم بدہن لحد بنا کر اندر اتارا اور قبر میں رکھ دیا۔ زندہ ذاتِ گرامی پر والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ مٹی ڈالتے رہے۔

کیا یہ بات صحابہ کرامؓ پر اتہام نہیں ہے۔ کیا ان میں سے کوئی ایک صحابیؓ بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا۔ خدا کے بندو تمہیں کیا ہو گیا۔ کیوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو زندہ ہیں قبر میں دفن کر رہے ہو۔

اگر آپ کہیں کہ ہم رضاخانی نہیں ہم ایک آن کے لئے پل جھپکنے کی مقدار آپ کی وفات نہیں مانتے بلکہ دفن تک آپ کی وفات ہم مانتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ وفات کے ساتھ ساتھ تمام حواس (کان۔ ناک زبان کی قوتِ) اپنا اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں لہٰذا دفن تک آپ نہ سنتے تھے نہ دیکھتے تھے نہ بولتے تھے اسی لئے صحابہ کرامؓ نے غسل تجہیز تکفین تدفین میں تمام وہی طرق اختیار فرمائے جو ایک دوسرے میت کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے کسی ایک امر میں بھی خصوصیات کا لحاظ نہیں کیا بلکہ دوسرے اموات کے ساتھ جو برتاؤ کیا جاتا ہے اس کے جواز کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غسل تجہیز تکفین تدفین کا ذکر ہے قبر کے تسنیم کی دلیل بھی حضورؐ کی قبر مسنم ہے۔ قبر کچی ہونے کی دلیل بھی یہی دی جاتی ہے کہ آپ کی قبر کچی ہے قبر جدید پر پانی چھڑکنے کی دلیل بھی یہی دی جاتی ہے کہ آپ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا تھا۔

الغرض سوائے اس کے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر کا اسی جگہ ہونا جہاں انہوں نے وفات پائی ہے اور نیز انبیاءؑ کرام علیہم السلام کی تدفین مکان میں ہوئی اور کوئی ایسا امر نہیں جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی وفات کے بعد دوسرے اموات سے ممتاز اور علیحدہ برتاؤ کیا جاتا ہو۔

تو ہم کہیں گے کہ ان امور میں آپ کا اور ہمارا اتفاق ہے آپ اور ہم دونوں کہتے ہیں کہ وفات سے لے کر دفن تک اس درمیانی عرصہ میں صحابہ کرامؓ نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ صحابہ کرامؓ سماع الاصوات للنبی کے قائل تھے یا حضورؐ کے تکلم کے قائل تھے ورنہ اختلافات کی صورت میں حسب ارشاد ربانی ان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر قرآن کریم میں ان کا جواب نہ پانے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی موجود ہونے کی وجہ سے جب کہ آپ سنتے جانتے بولتے ہیں حضورؐ سے پوچھ لیتے مگر فرمانِ خداوندی کے باوجود آں حضرتؐ سے دریافت نہ کرنا صریح دلیل اس امر کی ہے کہ صحابہ کرامؓ سماع وحیات النبیؐ کے قائل نہ تھے۔ اگر کہیں کہ قائل تھے تو صحابہ کرامؓ پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے تنازع کی صورت میں آں حضرتؐ کی طرف رجوع نہیں فرمایا اور قرآن شریف کے صریح حکم کی قصداً مخالفت کی۔ لیکن اہل السنۃ والجماعۃ تو اس الزام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف اسی وقت ہے کہ آپ بقید حیات دنیویہ تھے اب در رود وفات کے بعد اب حکم یہ نہیں کہ حضورؐ کی ذات گرامی سے

براہ راست تصنیف کریں بلکہ اس کی اب تین صورتیں ہیں ۱: اگر کسی نے حضور ؐ کی دنیوی حیات کے عہد میں کوئی حدیث سنی ہے تو وہ بتائے تاکہ اس پر عمل کیا جا سکے ۲: اگر صحابہ کے پاس کوئی حدیث ایسی نہیں جسے انہوں نے عہد حیاۃ النبی میں سنی ہو تو اجماع کر لیں ۳: اگر اجماع نہیں تو ہر مجتہد صحابیؓ اپنی رائے پر عمل کرے گا

یہ سب اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا کہ وفات کے بعد حضور ؐ نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں ورنہ پانی کے ہوتے ہوئے تیمم روا نہیں ہوتا

اب جب یہ عقیدہ ثابت ہو گیا کہ دفن تک آپ کے لئے سماع و تکلم ثابت نہیں تو اس کے بعد اگر کوئی صحیح حدیث جو ظاہر آیات قرآنیہ کا جواب بن سکے یعنی خبر متواتر یا کم از کم خبر ہو ... مل جائے جس سے معلوم ہو صاف طور پر کہ بعد الدفن پھر آپ کے جسدِ عنصری کی طرف روح بدستورِ اول واپس آگئی ہے تو سر آنکھوں پر حکم آقا بسر تسلیم ما!

اور اگر ان اوصاف والی حدیث قولی نہ ملی تو صحابہ کرام کے عمل کو دیکھیں گے کہ اب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں یا نہ۔ اگر زندوں کا سا برتاؤ کیا تو سمجھیں گے کہ صحابہ کرامؓ کا واقعی عقیدہ تھا کہ آپ عند القبر سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اگر یہ عمل ان کا نہ ہوا تو استصحاب الحال کو ہی دلیل بنایا جا سکتا ہے کہ جیسے قبل از دفن آپ اپنے پیارے صحابہؓ کی بات نہ سنتے تھے اور نہ ان کی بات کا جواب دیتے تھے ایسے ہی اب بھی نہ ہمارا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں

اب ہم دیکھتے ہیں کہ تدفین کے بعد صحابہ کرامؓ کا کیا معمول تھا آیا وہی پہلا معمول بدستور جاری رہا جو قبل از وفات تھا یا نہ:

اگر وہی پہلا معمول تھا کہ جب نمازی نماز پڑھنے آتے تھے تو آپ کو السلام علیکم کہتے تھے اور جاتے ہوئے بھی السلام علیکم کہتے تھے تو اس دعویٰ کے لئے دلیل چاہئے تھی مگر تعجب آتا ہے کہ اس دعویٰ کی دلیل پیش کرنے کی بجائے "نہ سلام کرنے کی دلیل کا مطالبہ ہم سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ سلام کرنے کے تم مدعی ہو اور آپ اپنے آپ کو منکر قرار دیتے ہیں حالانکہ فن مناظرہ سے آپ خوب واقف ہیں اور آپ کو خوب علم ہے کہ مدعی وہی ہوتا ہے جو من نصب نفسہ لاثبات الحکم اور دوسرے کو سائل کہتے ہیں من نصب نفسہ لنفی الحکم اعم من ان یکون مانعاً او ناقضاً او معارضاً

نیز تعجب اس بات کا کہ ایک غیر ضروری اور مستحب امر کے لئے تو اموات اس قدر مستعد بیٹھے ہیں اور ضروری امور سے اموات کی شفقت اور نظر عنایت کیوں سلب کر لی گئی ہے۔ اگر قبر پر کوئی سجدہ کرتا ہے کہ سے ننگے ہو کر ناچتا ہے ناچ شرک ایشا

[illegible]

پڑھتا ہے پڑھے زنا کرتا ہے کرے نقب زنی کرتا ہے کرے بجا اور کا گلا چرتا ہے چرائے وہاں اور بدمعاشیاں کرتا ہے کرے وہاں قبر کے سامنے قتل کرتا ہے کرے کچھ روک نہیں مگر جھوٹے مقدمہ والا اگر سلام عرض کرتا ہے خواہ کافر ہی کیوں نہو تو برابر اندر سے وعلیکم السلام ویچے رہو دیکھ تحقیق سے جواب ملتا ہے۔ دنیا میں تو کافر کا جواب وعلیکم تھا اب خدا معلوم قبر کے اندر سے وعلیکم السلام کیونکر جواب ملتا ہے۔

کافر زائر کے سلام کا جواب

اور کافر زائر کے سلام کے جواب کے متعلق یہ نہ کہنا کہ نیلوی کا اپنا محض تخیل ہے جو خواہ مخواہ بال کی کھال نکالتا ہے بلکہ میرے محترم جناب مولانا ابو الزاہد صاحب صفدر شیخ الحدیث نے اپنی مبارک تصنیف تسکین الصدور ص ۱۰۲ میں دلیل الطالب ص ۸۸۶ مصنفہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے" اور تمام مردے عام اس سے کہ وہ مومن ہو یا کافر علم و ادراک شعور سننے اعمال کے پیش ہونے اور سلام کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں اب اگر کوئی ابوطالب کی قبر پر جا کر السلام علیکم کہیگا تو وہ ضرور پہچان لیگا سمجھ لیگا کہ یہ کوئی شیعۂ علی ہے کیونکہ سنی تو مجھے کافر سمجھتے ہیں وہ میرے مزار پر کیسے آسکتے ہیں واقعی یہ کوئی میرا ہی خواہ ہے فوراً جواب دیگا وعلیکم السلام یا محب اہل البیت پھر یا محب سلم یہ علی قبر اخیہ المسلم میں مسلم کی قید بڑھا کر کافر کو نکال دیا اب خدا معلوم پختہ بات کونسی ہے۔ عقل مند اپنی عقل سے سمجھے

فقہاء احناف رحم پر بہتان عظیم

خان صاحب بریلوی۔ حیات الموات ص ۱۵ میں لکھتے ہیں ائمہ اہل السنۃ رضی اللہ عنہم کا اجماعی عقیدہ ہے کہ مردے سنتے ہیں قطعاً حق ہے اور عرف الشذی ص ۱۰۳ لکھا کہ میت کا جاننا مجمع علیہ ہے اور ایک معترض صاحب کا کہنا ہے کہ سمع اموات کی احادیث متواترہ ہیں نیز کہتا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ برزخ والوں کو دنیا والوں کا پورا علم ہوتا ہے اور لکھا کہ اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جمادات سنتے ہیں اور یہ کہ اہل السنۃ کے نزدیک پتھر زندہ ہیں اور عقل مند ہیں

لیکن ابن ہمام رحمہ نے سماع موتی کے انکار کی نسبت اپنے اکثر مشایخ کی طرف کی ہے تو معلوم ہوا کہ ابن الہمام کے اکثر شیخ اہل السنۃ سے خارج تھے اور احادیث متواترہ کے منکر تھے اور اس لئے وہ بدعتی ہوئے یا کافر اور پھر ابن الہمام رحمہ جیسے فقیہ ان کو اپنے مشایخ سمجھتے ہیں۔ ایک بدعتی یا کافر کو اپنے مشایخ میں شمار کرنے والے کی کیا پوزیشن رہ جاتی ہے جب کہ اس کا قول اور عندیہ بھی نقل کرے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب دینے میں بھی پوری کوشش کرے اور اس عندیہ و نظریہ کی تردید بھی نہ کرے۔ پھر ابن الہمامؒ پر ہی بس نہیں بلکہ اور بڑے بڑے حنفی مصنفین کی عبارتیں تقریباً تقریباً یکساں ہیں۔ جن کی عبارات آپ کے معتوب اور موجدین بدعت ضلالہ پیش کرتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بعض کہتے ہیں کہ منکرین سماع جو آیات اپنے قول کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں، ان آیات میں تو عدم سماع موتی کا اشارہ تک بھی نہیں ہے اس لئے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے جیسے تفسیر حقانی ج ۶ ص ۵۰ میں ہے

اور کمالین ص میں ہے استدل بہ بعض الجہلۃ۔

نیلوی کہتا ہے کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) اللہ ان کا قصور معاف فرمائے حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کی بات تسلیم کر لی جائے تو صحابہ کرام خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر کاری ضرب لگتا ہے کیونکہ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جواب میں دو دلیلیں پیش کیں جن میں سے پہلی دلیل یہ دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نہیں فرمایا جو ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں (یعنی انہم الآن یسمعون ما اقول لہم) بلکہ آپ نے یوں فرمایا ہے انہم الآن لیعلمون ان الذی کنت اقول لہم ہو الحق یعنی ان کفار کو اب یقین ہو رہا ہے کہ واقعی جو مسئلہ میں انہیں بتایا کرتا تھا وہی حق ہے۔

دیکھا آپؓ نے انما کے ذریعے دو باتیں بڑے وثوق سے بیان کیں ایک یہ کہ جس قول کی نسبت حضورؐ کی طرف ابن عمرؓ نے کی وہ حضرتؐ کا قول دراصل نہیں ہے (ابن عمرؓ کو ذہول ہو گیا ہے) اصل میں حضورؐ کا فرمان وہ ہے جو میں بتا رہی ہوں۔ اس کے بعد ترقی کر کے دوسری دلیل بیان فرماتے ہوئے قرآن مجید کی آیت پڑھ سنائی اب اگر ام المؤمنین نے اپنی طرف سے رائے کے ساتھ وہ بات حضورؐ کی طرف نسبت فرما دی جو حضورؐ نے نہیں

فرمائی تھی تو خاکم بدہن من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہٗ من النار کی مصداق بنیں حالانکہ خود بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ نے فرمایا من قال علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہٗ من النار (موضوعات کبیر للملا علی القاری بروایہ ابن صاعد وغیرہ ص ۷) نیز آپ اہل لسان اور مزاج شناس رسولؐ ہونے کے باوجود اس موقع پر آیۂ کریمہ کا پڑھنا بے محل تھا تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ گستاخی اور توہین صرف ام المؤمنین کی نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کی توہین ہے کہ انہوں نے قرآنی استدلال پیش کرتے وقت اتنا بھی نہ کہا کہ بے محل آیت قرآن پاک کی کیوں پڑھ سنائی بھلا مسئلہ تو سماع موتیٰ کا اور استدلال میں یہ آیت پڑھنا کہاں کی قرآن فہمی ہے

پھر کس قدر گستاخی ہے جس نے یہ لکھ دیا استدل بہ بعض الجہلۃ اور یہ لکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ کے علمی مقام پر بم پھینک دیا کیا یہ متاخرین کا دعوے ہے کہ ہم علم میں ام المؤمنین اور صحابہ سے فائق ہیں کہ صحابہؓ نے سکوت فرمایا اور یہ متاخرین کی تعلّی اس قدر کہ ام المؤمنین کو بعض الجہلۃ میں داخل کیا معاذ اللہ من ہذا القول السوء

بعض نے کہا کہ حضرت ام المؤمنین کی محض اپنی ذاتی رائے تھی کہ مردے نہیں سنتے رایہا رائی النساء

گر حقیقت یہ ہے کہ ان (ام المؤمنین رضؓ) کا انکار صرف قیاس وعقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیات ذیل سے ثبوت پیش کرتی ہیں دیکھو صحیح بخاری باب غزوہ بدر ج ۲ ص ۵۶۷) انک لاتسمع الموتٰی (نمل رکوع ۶) اے پیغمبر تو مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔ ۲۔ وما انت بمسمع من فی القبور (فاطر رکوع ۳) اور نہ ان کو تو سُنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں۔ اس مقام پر علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ نے "سیرۃ عائشہؓ" ص ۲۲۹ میں لکھتے ہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ مُردے موت کے بعد سماعت سے محروم ہیں الّا یہ کہ بعض خاص حالات میں ان کو کوئی خاص آواز سنائی دی جائے"

اور ص ۱۹۲ میں لکھا کہ "محدثین نے حضرت عائشہؓ کے استدلال کو مان کر ان دونوں روایتوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک ان میں جان ڈال دی گئی تھی یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گویا بطور معجزہ کے ان کافر مُردوں میں سننے کی طاقت تھوڑی دیر کے لئے آگئی تھی"

نیلوی: ان تطبیق دینے والے محدثین اور فقہاء کرام کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے جو کہتے ہیں استدل بہ بعض الجہلۃ تو یہ سب جاہل تھے اکثر فقہاء حنفیہ عورت کی رائے کے متبع ہو گئے۔ ان کو یہ علم نہ ہو سکا کہ آیت میں تو عدم سماع موتٰی کا اشارہ تک بھی نہیں بات کرنے لگو تو پہلے تولو پھر بولو۔

ایک اہم اعتراض کہ قسم کی مدار عرف پر ہوتی ہے

منکرین سماع اپنے مسلک کی تائید میں فقہ کا کتاب الایمان کا مسئلہ پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی ہے ان کلمتک فامرأتی طالق اگر میں نے تجھ سے بات کی تو میری بیوی کو طلاق ہو جائیگی تو اب وہ مخاطب مر گیا اب اس کی قبر پر اس سے بات کر لی تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کے ساتھ بات نہیں کی جا سکتی کیونکہ وہ سنتا سمجھتا نہیں؛ اس پر مخالفین اعتراض کرتے ہیں بایں طور کہ

کہتے ہیں کہ قسم کی مدار عرف پر ہے اس لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ قسم کھانے والا حانث نہ ہوگا۔ اور مُردوں کا سننا مسئلہ عرفی نہیں ہے بلکہ مسئلہ شرعی ہے اور شریعت شریف سے ثابت ہے کہ مُردے سنتے ہیں

ہمارا سوال ہے کہ قرآن کریم عرب کے عرف کے موافق اترا ہے اور عرب لوگ یہی سمجھتے تھے کہ مُردے نہیں سنتے" مگر باوجود اس کے وہ مردے کو قریب سے بھی ندا کرتے تھے اور غائبانہ بھی ندا کرتے تھے۔ اور خدا پاک نے بھی عرفِ عرب کے مطابق کفار کو مردوں سے تشبیہ دی بس وہ چونکہ اہل لسان تھے بات سمجھ گئے نہ اُدھر سے اعتراض ہوا اور نہ اِدھر سے جواب کی کچھ ضرورت محسوس کی گئی۔

ہم نے جو یہ کہا ہے کہ عرب لوگوں کا خیال تھا کہ مردے نہیں سنتے عرب کے اشعار ہیں چنانچہ دیوان حماسہ ص۲۳۶ میں ایک شاعر کہتا ہے

امُرُر علی الجدث التی حلّت بہ ام العلاء فنادھا لو تسمع

یعنی اے مخاطب! اس قبر پر جس میں میری بیوی ام العلاء اتر پڑی ہے۔ جا اور اسے آواز دے۔ اے کاش وہ تیری آواز سُن لے۔ اس بیت میں شاعر تمنا کا اظہار کر رہا ہے جیسے کوئی کہتا ہے لیت الشباب یعود کاش جوانی لوٹ آتی۔ تو جیسے جوانی کا واپس آنا محال سمجھا جاتا ہے اسی طرح میت کا سننا بھی محال سمجھا جاتا تھا۔

جواب ۲: واقعی قسموں کی مدار عرف پر ہوتی ہے مگر فقہاء کا اس مقام پر مسئلہ سماع موتی کی بحث کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ فقہاء کرام رحمہ اللہ کا مقصد اس جگہ سماع عرفی و سماع حقیقی ہر دو کی نفی کرنا ہے۔ اسی لئے فقہاء نے نفی سماع کو مطلق رکھا عرفی کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ نیز اگر فقہاء کا مقصد صرف عرفی سماع کی نفی کرنا ہوتا تو اُن کے

ان جوابات کی چنداں ضرورت نہ ہوتی جو اس مقام پر طویل عریض جواب دینے میں صرف کرتے رہے ہیں۔ اور نہ ہی اس جگہ عذاب قبر کا مسئلہ چھیڑنے کی ضرورت تھی اور نہ ان واقعات کی توجیہیں کرنے کی ضرورت تھی جو سماع موتی پر دال ہیں بلکہ سید صاحب دیتے کہ مردوں کا سننا تو برحق ہے مگر یہاں اس لئے قسم نہیں ٹوٹتی کہ قسموں کا مدار عرف پر ہوتی ہے اور عرف عام میں یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے اگرچہ شرعاً مردے سنتے ہیں

قول سیوطی سے استدلال کا مآل

پھر علامہ سیوطی نے جو بات فرمائی ہے کہ مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے (سماع الموتی ص ۴۲) کیا آپ کو تسلیم ہے۔ اگر تسلیم ہے تو آپ میں اور بریلویوں میں کیا فرق ہے؟ البتہ اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ بریلوی صرف انبیاء و اولیاء کے بارے کہتے ہیں کہ وہ سب کی سنتے ہیں دوسرے مُردوں کے بارے ان کا یہ عقیدہ نہیں لیکن آپ کا تو یہ عقیدہ تمام مُردوں کے بارے ہوا اور حضرت شاہ کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ شیخ سیوطیؒ نے اس میں مطلب اور گر کی بات کی ہے۔ پھر بتائیے کہ شرک اور کس بلا کا نام ہے۔ ساری مخلوق کا کلام سننا تو خاصہ اللہ کا ہے۔ پھر یہ شرک ... ے ذمے لگا دیا۔ پھر کمال طرفہ یہ ہے کہ یہاں جو گر کی بات بتائی ہے کہ مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے اس کے خلاف ابن عبدالبرؒ کے حوالے سے لکھا کہ اکثر حضرات فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں یہی حق ہے جو قبول کے لائق ہے (یعنی فی الجملہ سماع کا قول تو حق ہے لیکن وہ جو گر کی اور مطلب کی بات علامہ سیوطی نے کی ہے کہ مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے یہ باطل اور غلط ہے کیونکہ محترم مولانا نے اسی سماع الموتی ص ۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس میں حق کا لفظ ہے جو باطل کے مقابل بولا جاتا ہے" جب سیوطیؒ کی بات خلاف حق ہوئی باطل ہوئی تو حضرت شاہ صاحبؒ نے سیوطیؒ کی اس باطل کو نقل کر کے اس کی تردید نہیں فرمائی بلکہ الٹا اس کی تصویب فرماتے ہوئے کہا کہ سیوطی کی بات مطلب کی اور گر کی ہے: اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کے زعم میں حضرت شاہ صاحبؒ کا معاذ اللہ یہی عقیدہ تھا کہ مُردے واقعی مرنے کے بعد الوہیت کی وصف کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں یعنی خدا کی طرح مُردے بھی دور سے نزدیک سے بلند آواز پست آواز ساری مخلوق کی سنتے ہیں معاذ اللہ پھر صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ اس کی دلیل یہ دی کہ اس سلسلہ

میں کئی کتابوں کی حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔ یہ آپ لوگوں کا ہی دل گردہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو شرک کی دلدل میں دھنسا دیا۔ اور مدار اس کی فیض الباری ہے جو فتح الباری و عمدۃ القاری و قسطلانی سے اونچا درجہ رکھتی ہے ان کی باتیں رد ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ ہستیاں جامعِ فیض الباری مولوی بدرعالم صاحبؒ کے آگے طفلِ مکتب کا درجہ بھی نہیں رکھتیں۔ مولوی بدرعالم کے علم سے مرعوب ہو کر بجائے جمیل احمد تھانوی صاحب لکھ گئے کہ سیوطیؒ کی کتاب الحاوی ج ۲ ص ۳۰۲ کا حوالہ دے کر شرک کو مزید منور کر دیا سماع موتی کلام الخلق معتقد ؛؛ جاءت بہ عندنا الآثار فی الکتب ؛؛ یعنی ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ مردے تمام خلقت کی بات سنتے ہیں اس عقیدہ کے حقانیت ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس کتابوں میں لکھے ہوئے آثار اور احادیث آئی ہیں

اور اگر الکوکب الدری اور لامع الدراری و تقریر جنجوہی پیش کریں تو اس کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیں گے کہ لکھنے والے حضرات نے اپنے بیاض میں جمع کر لیا یعنی اس تحریر کی کوئی وقعت نہیں خواہ بیان کرنے والے قطب العالم فقیہ وقت مولنا گنگوہیؒ ہوں اور لکھنے والے حضرت محمد یحییٰؒ و حضرت حسین علی جیسے ذہین ذکی صائب الرائے ہوں۔ کیونکہ قوی احتمال ہے کہ حضرت نے کچھ فرمایا ہوگا اور بیاض لکھنے والے ذہینوں ذکیوں نے غلط سمجھ کر الٹا پلٹا غلط لکھ کر چھاپ دیا اگرچہ حضرت محمد یحییٰ صاحبؒ کو کافی عرصہ کی صحبت حاصل ہے مگر وہم انسان کے خمیر میں داخل ہے اور فیض الباری میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ عین صواب ہے اس میں غلطی کا امکان نہیں اس میں حضرت شاہ صاحب کی محفوظ زبان سے صادر ہوا ہو بہو وہی بات بلا کم و کاست عربی زبان میں منتقل کر دیا اور بس اور صحابہ، تابعین کا فہم تو حجت نہیں ہو سکتا۔ مگر مولنا بدرعالم کا فہم بلاشک حجت ہے اگرچہ وہ شروع مقدمہ فیض الباری میں لکھ بھی دیں کہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ عصمت عن الخطاء کا دعویٰ کیا جائے۔۔۔ اور نہ یہ دعویٰ کہ فہم مراد میں غلطی نہ لگی ہو (مقدمہ ص ۳) مگر ہم اس بات کو کسرِ نفسی پر محمول کریں گے۔

مولنا کا سوفی صدی

تسکین ج ۲ ص ۳۸۶ : سو فی صدی حضرات نے اس (عند القبر سماع) کی تائید کی ہے

نیلوی کہتا ہے کہ آپ امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ سو فی صدی کا مطالبہ ہم نہیں کرتے ہمیں صرف اور صرف امام ابو حنیفہؒ کا قول دکھا دیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک کے پاس سنتے ہیں

علی سبیل التنزل امام ابو یوسف یا امام محمد یا امام زفر وغیرہ تلامذہ ابی حنیفہؒ کا قول ہی دکھا دیں

جو سماع کے قائل ہیں وہ بھی اس طرح قائل ہیں کہ حجرۂ منیفہ کے اندر جس کی پہنچ ہو اور قبر کے بالکل پاس کھڑا ہو جو موجودہ صورت میں مشکل از متعذر ہے

آیا حجرۂ منیفہ سے باہر کھڑا ہونے والے زائر کا سلام آپ سنتے ہیں اس کا کوئی قائل نہیں نہ حنفی نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی نہ ظاہری۔ مشرک اگر قائل ہوں تو ان سے ہماری گفتگو نہیں۔

چیلنج

محترم کو چاہئے کہ روضہ پاک کی جو موجودہ پوزیشن ہے اس صورت میں سماع عند قبر النبیؐ صادق آنا کسی صاحب مذہب حق سے ثابت کریں اور منہ مانگا انعام لیں

یاد رہے کہ رضا خانی فرقہ کا حوالہ منظور نہ ہوگا وہ تو ہر جگہ سے سماع کے قائل ہیں

مولانا کا سفید جھوٹ

تسکین ط ۲ ص ۴۲۸: ہم نے حضرت بلال بن الحارث کا واقعہ صحیح سند سے پہلے عرض کیا ہے

نیلوی: محترم و مخدوم من! ناراضی معاف یہ آپ نے سفید جھوٹ لکھا۔ کراما کاتبین نے بھی لکھا ہوگا قیامت کے دن خدا کے سامنے میری اور آپ کی بات ہوگی فرشتے بھی گواہی دیں گے۔ توبہ کر لو ورنہ و لیحملن اثقالہم و اثقالا مع اثقالہم اور آپ کا پیشوا سیف بن عمر بھی ساتھ ہی ہوگا۔ وہاں سب عقدے حل ہو جائیں گے۔

تسکین ط ۲ ص ۲۷۳ حضرت متاخرین کا قول محض استحسان نہیں بلکہ حضرت بلال کے عمل پر مبنی ہے الخ

نیلوی: یہی ہے بناء الفاسد علی الفاسد۔ نہ بلال رضؓ کا عمل تھا نہ حضرت عمرؓ و دیگر صحابہؓ کی تائید یہ قول ملفق کون سنتا مانتا ہے الا القوم الضالون۔

پیر طریقت نے عزیرؑ کے واقعہ کو عدم سماع کی دلیل میں بیان فرمایا جس پر مرید صاحب نے گرفت کی کہ میرا پیر اس مقام پر وہم کا شکار ہو چکا ہے چنانچہ

واقعہ عزیرؑ اور مسئلہ عدم سماع موتیٰ

تسکین ط۲ ص ۳۷۷، ۳۷۷ حضرت عزیرؑ کے اس واقعہ کو عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں

نیلوی: اماتہ اللہ کے معنے حضرت شیخ الہند رح نے اس طرح کیا پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے" اور موت کے مفہوم میں محترم مولانا اسی تسکین ص ۲۰۵ میں لکھ آئے ہیں روح کے سمٹ جانے سے جسمانی حواس (کان آنکھ ناک زبان دل دماغ ہاتھ پاؤں) معطل ہوجاتے ہیں (یعنی ہر ہر عضو اپنا اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے کان نے سننا چھوڑ دیا زبان نے بولنا چھوڑ دیا آنکھ نے دیکھنا چھوڑ دیا) اب محترم کس بنا پر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں ہے

تسکین ط ۲ ص ۳۷۸: جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنے اور تاویل کی جائے جو حضرات سلف کے زمانہ میں نہ کی گئی ہو اور نہ انہوں نے وہ تاویل سمجھی اور نہ امت کے سامنے بیان کی ہو:

نیز تسکین الصدور کی تقریظ کرنے والے حضرت علامہ سید بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو ص ۲۵ میں حیاۃ کو نیند پر قیاس فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے ... اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں،

نیلوی: سلف میں سے کس نے عدم ارث نبی کو دلیل حیاۃ دنیویہ بنایا ہے حرمۃ نکاح ازواج مطہرات کو کس نے دلیل حیات دنیویہ بنایا۔ سلف میں سے کس نے مزقناہم کل ممزق کو دلیل وجود جزء لا تجزی بنایا۔ اسی طرح کثرت سے مسائل دکھا سکتا ہوں جو سلف سے ان کا استدلال قرآنی نہیں ملتا

بلکہ خود نانوتویؒ اقرار فرماتے ہیں کہ صاحب رسالہ آب حیات یعنی حضرت نانوتویؒ حرمت نکاح ازواج مطہرات سے رسول اللہ صلعم کی حیات پر استدلال کرتا ہے اور علمائے متقدمین نے حرمت نکاح ازواج رضوان اللہ علیہن اجمعین کو آپ کے حیات پر متفرع نہیں سمجھا بلکہ ان کے امہات المؤمنین ہونے کا ثمرہ قرار دیا ہے (آب حیات ص ۱۴۱) اب بھی حق کہنے کا ہے موافق فائدہ سماع الموتیٰ ص ۲۱ کے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان باتوں کا حیاۃ انبیاء سے بالکل تعلق نہیں حضرت سید بنوریؒ تو انتقال فرما گئے ہیں اب ان کی جگہ آپ جواب دیں کہ کیا بنوری صاحب کا قیاس کس مجتہد سے منقول ہے؟

آخر مان ہی گئے کہ عقیدہ سماع موتی مفضی الی الشرک ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح نے امداد المفتین ص ۲۹۱ و ص ۲۹۲ میں فتویٰ لکھا تھا جو سماع الموتی ص ۱۹۲ میں منقول ہے "اس طرح اس عنوان سے توسل بزرگوں کے ساتھ جائز ہے مگر اہلِ قبور کو خطاب اگر سماعِ موتی کے اعتقاد پر مبنی ہے۔ اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضایقہ نہیں۔ مگر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے"

اس کے بعد محترم نے اس کی وجہ بین القوسین بیان فرمائی کہ احتیاط اجتناب میں کیوں ہے۔ فرماتے ہیں،

(کیونکہ عوام الناس جہالت کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو جائیں گے ۱۲ صفدر)

صاف معلوم ہوا کہ ضمیر آپ کا بھی گواہی دیتا ہے کہ اہلِ قبور کا خطاب جو سماعِ موتی کے اعتقاد پر مبنی ہو عوام کو جہالت کی وجہ سے ایک نہ ایک دن شرک کی دلدل میں لا ڈالے گا۔

پھر آپ جان بوجھ کر سماع الموتی منوانے پر زور کیوں دیتے ہیں اور یہاں ابن تیمیہ و ابن قیم کا پر زور حامی ہونا سماع موتی کا بھول گئے جو تسکین ص ۱۰ و ص ۳۰۴ میں لکھا کہ یہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کا سد باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں

حضرت نانوتوی رح کی تصدیق

اگر اس زمانہ میں اس امکانِ استماع کا بھی چرچا کیا جائے تو اس عمل سے نفع دینی تو کچھ متصور نہیں، البتہ قوتِ مضامینِ شرکیہ کا گمان غالب ہے

ایک حوالے کا جواب

سماع الموتی ص ۳۵۱ میں میت کی نماز میں سلام پھیرتے وقت میت کی نیت کریں یا نہ کریں اس پر اپنے دعویٰ کی دلیل میں منحۃ الخالق کا حوالہ پیش فرمایا۔ سو اول تو اکابر محققین کے قول کا جواب دینے کی بجائے ایک ایسے عالم کا قول نقل کر دیا جس کے متعلق خود اپنی سابقہ تصانیف میں لکھ چکے ہیں کہ یہ عالم نہ مجتہد ہیں اور نہ ہی معصوم لہٰذا ان کا قول قابل حجت نہیں ہے۔ مگر اب یہاں اپنی مطلب براری کیلئے حوالہ دے دیا

مولٰنا کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

نیز درحصل منحۃ الخالق ۳۳۲ کا الیت سیس بااللسلام پر اعتراض کرنا بصورت منع ہے اور منع کی سند میں حدیث سلام علی اہل القبور کا پیش کرنا سو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جو لوگ سماع موتٰی کے قائل ہیں وہ دفن کے بعد عود روح کی بنا پر قائل ہیں اور اسی بنا پر وہ اس حدیث کو بطور استدلال کے پیش کرتے ہیں۔ اب اس حدیث کو اس مقام (سلام نماز جنازہ) پر چسپاں کرنے کی صحت کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ ابھی تک تو چار پائی پر خالی دھڑ پڑا ہوا ہے ابھی روح نے اس دھڑ میں عود نہیں کیا اب اس دھڑ کو کہنا کہ یہ سنتا ہے کسی طرح اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا پس تقریب تام نہ ہوئی یعنی دعوٰی دلیل مطابق نہ ہوئے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میت کے اہل سلام ہونے کے جو معنے آپ نے سمجھے ہیں منحۃ الخالق کے مؤلف نے وہ معنے نہیں سمجھے بلکہ جو معنے ہم نے سمجھے ہیں وہی معنے انہوں نے سمجھے اسی لئے انہوں نے اس حدیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اعتراض فرمایا۔

رہا شامی کا قائل سماع موتٰی ہونا یا نہ ہونا یہ اس عبارت سے اشارۃً نکال لو تو نکال لو مگر کسی کے کلام پر مناقشہ کر کے چھوڑ دینا عام مصنفین کی طرز ہے کیونکہ ایسی لمبی بحث کو دوسرے موقع کے لئے چھوڑ دیتے ہیں

مولٰنا کی ایک اور غلط فہمی کا ازالہ

پھر جناب محترم نے ۳۳۳ میں ایک انوکھی بات کی کہ عورتیں جو عموماً مبداً فساد ہیں اور فاسق جو رب تعالٰی کے نافرمان ہیں اس سلام کے اہل اور مستحق نہیں ہیں اسی طرح جو شخص وفات پا چکا ہے اس کے لئے بعد از موت دنیا کی تکالیف اور مصائب سے سلامتی کی دعا کے کیا معنے ؟

ناظرین غور فرمائیں کہ مولٰنا محترم کیا فرما رہے ہیں کہ عورتیں اور فاسق اس قابل ہی نہیں کہ ان کے حق میں سلامتی کی دعا کی جائے کہ خدایا ان کو دنیا و آخرت کی تکالیف سے بچا۔ انہیں گناہوں سے بچا۔ انہیں قرآن و سنت کے خلاف کام کرنے سے بچا۔ انہیں شیطان کے وساوس سے بچا انہیں عذاب قبر سے بچا انہیں عذاب جہنم سے بچا۔ میرے محترم مولٰنا فرماتے ہیں کہ حاشا وکلا عورتوں اور فاسقوں کے بارے ہرگز ایسی سلامتی اور بچاؤ کی دعا نہ کرنا کیونکہ وہ اہل ہی نہیں ایسی دعا کے ان کے لئے دعا کا دروازہ ہی بند ہے حالانکہ اللہ تعالٰی غفور رحیم اپنے پیارے کلام میں ارشاد فرماتا ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ہو الغفور الرحیم یعنی یا رسول اللہ! آپ میرے بندوں کو میری طرف سے کہہ دیں کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پہ زیادتیاں کی ہیں تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا واقعی وہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا

یہ بھی شان نزول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم نازل ہوئی تو صحابہ ہر ایک گنہگار پر خوف کھانے لگے۔ جب کو فواحش میں مبتلا دیکھتے تو کہتے بس یہ ہلاک ہوا اور اس کے عمل باطل ہوئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ مگر مولنا محترم نے اس وسیع رحمتِ خداوندی کو تنگ سے تنگ تر کر دیا ہے

نیز محترم مولنا کی اس عبارت سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں جا کر یہ تلاش کرنا لازم ہو تاکہ نیک اور صالح مرد کی قبر کونسی ہے تاکہ خصوصیت سے اس کی قبر پر سلام کہا جائے کیونکہ سلام کا اہل اور مستحق صرف مردِ صالح ہی ہو سکتا ہے نہ عورت اور نہ فاسق۔ اب تمام احادیث جو آپ نے سماع موتیٰ کے اثبات میں ذکر فرمائی ہیں وہ سب عام مخصوص منہ البعض ہو گئیں یعنی ان احادیث کا مطلب یہ ہو گا کہ تمام اموات نہیں سنتے بلکہ بعض یعنی صالح مرد سنتے ہیں اور بعض یعنی عورتیں اور فاسق نہیں سنتے۔ اور بریلوی بھی عام مردوں کے سننے پر اتنا زور نہیں دیتے جتنا کہ اولیاء اللہ (یعنی صالح مردوں) کی زندگی اور ان کے دیکھنے سننے اور جاننے پہچاننے پر زور دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں منوالی جائیں گی تو حاجتیں مرادیں مانگنے منگوانے کا دروازہ خود کھل جائے گا۔

آپ کا اور ان کا فرق صرف اتنا کہ آپ کی تگ و دو کا اسپ دوڑ تے دوڑتے تھک جاتا ہے اور ان کا گھوڑا عجمی چھلانگیں لگاتا ہوا کفر و شرک کی دلدل میں جا گرتا ہے جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں الا ان یشاء ربی۔

دوسرے آپ گویا سلام کا مطلب صرف دنیوی تکالیف و مصائب سے سلامتی کی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے چونکہ زندہ انسان کو اس تکلیفی زندگی میں طرح طرح کے مصائب پیش آتے رہتے ہیں اس لئے اس کے حق میں سلام کرنا اور سلامتی کی دعا کرنا درست ہے اور وہ اس کا اہل اور مستحق ہے بخلاف میت کے (سماع الموتیٰ ص ۳۵۳ و ص ۳۵۴)

اوّل تو یہ سمجھ نہیں آئی کہ محترم مولنا صاحب نے سلام کا یہ مفہوم (دنیوی تکالیف و مصائب سے سلامتی کی دعا) لغت یا فقہ کی کونسی کتاب سے اخذ فرمایا ہے یا شراحِ کتب حدیث میں سے کس شارح نے بیان فرمایا ہے۔

دوسرے اگر محترم مولٰنا کے اس مفہوم کو کچھ وقت کے لئے تسلیم بھی کرلیں تو دو باتوں میں سے ایک بات کرنا ہوگی یا تو زیارتِ قبور کے موقعہ پر السلام علیکم کہنے کے بارے جتنی احادیث وارد ہیں جن کے متواتر ہونے کا میرے محترم نے اعتراف فرمایا ہے منسوخ کہنا ہوگا کیونکہ میت اب تو تکلیفی سلام کا اہل نہیں کیونکہ بعد از موت دنیا کی تکالیف اور مصائب سے سلامتی کی دعا کے معنے یا یہ کہو کہ نماز جنازہ میں جو سلام ہے اس کا وہ اہل نہیں ابھی ابھی تو دنیا کی تکالیف و مصائب سے چھوڑ کر روح نکل گئی پھر جب میت کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں پھر اس میں دوبارہ روح ڈال دی جاتی ہے پھر بیچارا مردہ دنیوی شدائد و مصائب میں پھنس جاتا ہے اس لئے ہم اس میت کیلئے ان دنیوی تکالیف و مصائب سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ احادیث منسوخ ہیں بلکہ الی یوم القیامۃ معمول بہا ہیں اور نہ یہ السلام علیکم یا اہل القبور دنیاوی تکالیف و مصائب سے سلامتی کی دعا ہے اور نہ ہی السلام علیکم کے یہ معنے ہیں بلکہ یہ دعا ہے مردوں کو عذاب سے سلامتی کی جیسے میرے شیخ محترم و مکرم مفتی اعظم سقی اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ نے ارشاد فرمایا

اور جن فقہاء نے نماز جنازہ کے سلام میں میت کی نیت کرنے کو کہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میت سنتی ہے کیونکہ خود سماع موتٰی کے منکر ہیں جیسے میرے محترم مولٰنا صاحب نے سماع الموتٰی ص۱۸۱ میں اعتراف فرمایا ہے بلکہ اس کا مطلب ہے میت کے حق میں دعا کرنا کہ اللہ اس کو عذاب سے بچائے اور مدعو لہٗ (جس کے حق میں دعا کی جائے) کا سننا کلماتِ دعائیہ کو کوئی شرط نہیں جیسے اس کی کئی مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔

اور السلام علیکم میں گو صیغہ خطاب کا اور نیت میں جمیع الناس تک کو احاطہ کر لینے کا حکم بعض فقہاء نے دیا ہے تو اس کی وجہ صرف خطاب کو غیبۃ پر تغلیب ہے ورنہ تو حسبِ قول صاحبِ ہدایہ ... الخطاب حظ الحاضرین مگر علماء نے لکھا باب التغلیب واسع اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بعض فقہاء نے جمیع الناس تک کی نیت کرنے کو کہا ہے

بہرحال جب میت یہودی کا فر بت پرست مجوسی وغیرہ نہیں مسلمان ہے جنازہ اسکا پڑھا جانے کا اہل ہے جنازہ میں اسی حاضر میت کے حق میں دعا مانگی جاتی ہے پھر اگر اس میت کو جو سنتی بھی ہے ان علماء کے نزدیک جو میت کی نیت سلام میں نہیں کرتے اسکی وجہ کیا ہے اگر ان کے نزدیک میت سنتی بھی ہے اور سلام کے اہل بھی ہے پھر اتنی بے رخی برتنا کہ بغیر سلام کئے رخصت ہو جائیں سمجھ سے بالا ہے ہو نہ ہو وجہ یہی ہے کہ میت ہمارا سلام سنتی نہیں

نیز علماء یہ نہیں کہتے کہ سلام دعا کا اہل نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ خطاب کا اہل نہیں ہے اور خطاب کا اہل نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ سن نہیں سکتا

ایک اعتراض کا جواب

نیز قصۂ اصحاب کہف وغیرہ سے حضرات سلف میں سے کسی نے استدلال نہیں کیا (از تسکین ط ۲ ص ۳۸۶)

آپ صحابہ تابعین تبع تابعین میں سے کسی ایک مجتہد کا قول دکھائیں خصوصًا امام ابوحنیفہؒ وصاحبینؒ وزفرؒ کا کہ انہوں نے من صلی علی عند قبری سمعتہ سے سماع عند قبر النبی پر استدلال کیا ہو

مولانا کا حدیث پاک کو عقلی ڈھکوسلہ کہنا والعیاذ باللہ

تسکین ط ۲ ص ۳۸۶ میں کہا نص کے مقابلہ میں قیاس قابل قبول نہیں . . . اس کے مقابلہ میں یہ نرے عقلی ڈھکوسلے کیا وقعت رکھتے ہیں کہ جب آپ دروازے کے باہر لوگوں کی آوازیں دنیا میں نہیں سنتے تھے اور حضرت زینب کی آواز نہ سنی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کیوں کر سن سکتے ہیں اور پھر وہ عالم بھی الگ ہے الخ

نیلوی کہتا ہے کہ محترم علم اصول فقہ سے بالکل ناآشنا ہیں اسی لئے دلالۃ النص اور قیاس میں فرق نہیں کر سکے پھر جن اخبارات کو صریح اور صحیح احادیث کا نام دے رہے ہیں آپ فیض القدیر المعی اور شفاء العی میں بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ان کی صحت کہاں تک ہے پھر مسئلہ ہو عقائد کا وہاں اس طرح کی اخبارات کچھ کام نہیں آتیں، خصوصًا وہ اخبارات جن کا قرون اولیٰ میں کچھ نام ونشان نہ ہو جب کہ محترم مولانا صاحب خود بحوالہ توجیہ النظر ص ۲۱۹ و فتح المغیث ص ۹۶ و مقدمہ ابن صلاح ص ۱۰۰ راہ سنت ص ۲۶۶ میں لکھتے ہیں من جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند الجمیع لا یقبل اور آپ ہی اس کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں کہ جس شخص نے آج کوئی حدیث پیش کی جو کہ تمام محدثین کے نزدیک نہ ہو (اور جس کو انہوں نے ذکر نہ کیا ہو) تو وہ روایت ہرگز قبول نہیں کی جا سکتی۔

اب محترم خود ہی بتائیں کہ یہ قانونی ہتھیار صرف بریلویوں پر استعمال کرنے کے لئے ریزرو ہے اور آپ اس قانون سے مستثنیٰ ہیں؟ اگر آپ اس سے مستثنیٰ ہیں تو اس استثناء کی وحی (والعیاذ باللہ) آپ پر من جانب اللہ اتری ہے؟ آپ نے نبوت کا دعویٰ کب سے کیا۔ مرزا کا مال کی ہوا تو آپ کو کہیں سے لگ نہیں گئی؟

اگر آپ مستثنیٰ نہیں تو آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ من صلی علی عند قبری موطا امام محمد موطا امام مالک کتاب الآثار امام محمد و ابی یوسف و مسند احمد و صحاح ستہ و دارمی و دار قطنی و مسند ابو داؤد طیالسی و مسند ابو عوانہ و مسند حمیدی و مصنف عبدالرزاق وغیرہ تمام و جمیع محدثین سے ثابت موجود ہے ورنہ آپ کا اپنا لگایا ہوا فتویٰ آپ پر بھی بلا استثناء لاگو ہوگا کہ یہ روایت ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔ آپ نہیں لگائیں گے پر عوام آپ کو معاف نہیں کریں گے

مزید برآں میں نے حضرت زینب وغیرہا کی احادیث پیش کیں آپ نے ان کو عقلی ڈھکوسلہ کہہ دیا خوف خدا نہیں ہے؟ پھر عند کے بارے جو لغوی تحقیق کی ہے آپ نے اس کو بھی عقلی ڈھکوسلہ کہہ کر ٹال دیا حالانکہ آپ جیسوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ لغت میں قیاس نہیں چلتا

مولانا کا مفید مشورہ مگر خود اس کے پابند نہیں

سماع الموتیٰ ۳۰۳ میں لکھا اگر ہماری توجیہ پسند آئے تو اس کو قبول کریں وہ یہ ہے کہ ان عبارات میں رؤیت سے رؤیت بصری مراد نہیں ہے بلکہ رؤیت قلبی مراد ہے جس کو علم بھی کہتے ہیں الخ

جناب من! ہمیں کونسا عذر ہے ہم آپ کے اس مشورہ کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔ بلکہ آپ کے اس مشورہ سے پہلے ہی یہی توجیہ ان احادیث کی کرتے ہیں جن میں سمع کا لفظ وارد ہے لیکن نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ جن حضرات کی عبارات میں آپ ہمیں یہ توجیہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں وہ اس قسم کی ہیں کہ وہاں آپ کی یہ توجیہ کام نہیں آتی کیونکہ وہاں اس امر کی تصریح ہے کہ "زائر قبر مبارک کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سر کی طرف سے نہ آئے تاکہ دیکھنے والے کو دقت نہ ہو" تو یہ آپ کی توجیہ توجیہ بما لا یرضی بہ القائل ہوئی یعنی ایسی توجیہ جس پر خود صاحب عبارت خوش نہیں اب انصاف کی نظر سے ہمیں یہ بتایا جائے کہ یہ رؤیت قلبی مراد اس عبارت میں صحیح ہو سکتی ہے؟

اور اگر فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۳۴۶ ج ۲۴ اور مختصر الفتاویٰ المصریہ ص ۱۹۰ کی عبارت انہی حضرات کی عبارت مان لیں تو اس میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی توہین لازم آتی ہے۔ کیونکہ آپ کو علم ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات پر عوام

اور مشرک لوگ کس قدر غیر شرعی کام کرتے ہیں سجدے کرتے ہیں ناچتے کودتے ہیں زنا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اگر یہ سب وہ دیکھ رہے جان رہے ہیں اور اُن کو یہ سب واہیات دیکھ دیکھ کر رنج بھی پہنچتا ہے مگر دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں نہ ان شرع کے خلاف کام کرنے والوں کو ہاتھوں سے روک سکتے ہیں (ادھر اپنے دوست کو ملنے کے لئے اپنا ہاتھ نکال کر مصافحہ تو کر سکتے ہیں بلکہ اہل محبت کے ملنے کے لئے دور دور کا سفر بھی طے کر کے پہنچ جاتے ہیں) مگر مشرکوں کو مار نہیں سکتے اور نہ ان کو زبان سے تنبیہ کر سکتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام اضعف الایمان ہوئے۔ والعیاذ باللہ یا پھر وہ قبروں والے اولیاء اللہ نہیں۔ مگر ہم تو اولیاء اللہ سمجھتے ہیں اور کامل الایمان سمجھتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی قبروں پر جو کچھ مشرک لوگ یہ کرتوت کرتے ہیں ان میں سے ایک کرتوت بھی نہ دیکھتے ہیں نہ ان پر ان کے یہ کرتوت پیش ہوتے ہیں نہ ہی خدا کی اطلاع کے بغیر ان کو کچھ علم ہوتا ہے

دوسرے اس دعویٰ کی دلیل جو مختصر الفتاویٰ المصریہ صفحہ ۱۹۰ میں نقل کی ہے وہ خود اس کو ضعیف سمجھتے ہیں اسی لئے بصیغۂ تمریض رُوِیَ فرمایا اور محدثین کی اصطلاح میں رُوِیَ ضعیف حدیث کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بولا جاتا ہے دیکھو مسامرہ وغیرہ

پھر ہیثمی کا قول اول تو متاخرین میں سے ایک عالم ہونے کی حیثیت سے آپ ہی کے فرمان (سماع الموتیٰ صفحہ ۱۲۵) کے مطابق حجت نہیں ہے دوسرے رجالہٗ رجال الصحیحین صحت کا کوئی معیار نہیں جب اس میں کئی رجال ضعیف ہیں لوٗ رجالہ رجال الصحیحین کہنے کو ارسال وانقطاع کی نفی لازم نہیں۔

نیز سماع الموتیٰ صفحہ ۵۵ میں خود ہی لکھ رہے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر چپکے سے اگر سجدہ کرتا ہے، یا خاموش رہ کر طواف کرتا ہے یا قبر پر نذر و نیاز ہی آ کر رکھتا ہے تو بزرگوں کو اس کی کیا خبر ہے۔

جناب من! یہی بات اگر میں لکھتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ ان اکابر کا منکر ہے گستاخ ہے اور اگر یہی بات آپ خود اپنے قلم سے لکھیں تو ابن تیمیہ اور ہیثمی کے مسلک کا انکار اور گستاخی لازم نہیں آتی یا یہ تصحیح و تغلیط کا آپ کو ہے اور کسی کو نہیں؟

فقہا کا عذاب قبر کا نظریہ اور مسئلہ سماع موتیٰ

اور عذاب قبر کے متعلق علماء کرام کا نوشتہ صاف بتاتا ہے کہ مُردہ اہل دنیا کی بات نہیں سن سکتا اور نہ ان سے گفتگو کرتا ہے۔

چنانچہ جامع الرموز طبع نولکشور ص ۲۹۲ میں ہے والمعذب فی القبر یحیٰی بقدر ما یتألم بہ وہو الاقرب الی الحق یعنی میت کو قبر میں عذاب الٰہی کے لئے جو زندہ کیا جاتا ہے تو وہ صرف اسی قدر اس میں جان ڈالی جاتی ہے کہ اسے دُکھ درد محسوس ہو اور بس یعنی اتنی جان نہیں ڈالی جاتی جس سے وہ اہلِ دنیا کی بات سُن سمجھ سکے یا قبر پر آنے جانے والے کو جان پہچان سکے ؛ اور یہی بات اقرب الی الحق (بلکہ عین حق) ہے

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں بھی یہی ہے والمعذب فی القبر یحیٰی بقدر ما یتألم بہ وہو اقرب الی الحق

مقاصد میں ہے وقد ثبت بالضرورۃ من الدین ان للمیت فی القبر نوع حیٰوۃ قدر ما یتألم ویتلذذ اور شرح المقاصد میں ہے واتفق اہل الحق علی ان اللہ تعالیٰ یعید الی المیت فی القبر نوع حیاۃ قدر ما یتألم ویتلذذ ویشہد بذلک الکتاب والاخبار والآثار یعنی یہ بات ضروریات دین میں سے طے شدہ اور ثابت شدہ ہے اور تمام اہلِ حق کا اس بات پر اتفاق اور اجماع بھی کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کی طرف ایک خاص نوع کی حیات واپس لے آتا ہے اور وہ حیات صرف اس قدر ہوتی ہے جس قدر کہ وہ دکھ سکھ محسوس کر سکے یہی مضمون کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے (اب رہی یہ بات کہ ادھر یعنی دنیا اور اہلِ دنیا کی باتیں سننا اور ان باتوں سے مردہ کا مانوس ہونا وغیرہ یہ احساس مردہ میں نہیں ہوتا کیونکہ یہ احساس قدر ما یتألم ویتلذذ سے زائد اور غیر ثابت ہے۔

رُوح بذاتِ خود درّاک ہے

یہ بات مسلّم ہے کہ روح کو بدن سے جدا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف کا ادراک بے حد پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُس طرف سے ثواب ہے تو وُہ اس میں ہمہ تن مصروف ہے اور مشغول ہے اور اگر اس طرف سے عذاب ہے تو وہ ہمہ تن اس غم میں قید ہے اس روح کو اس طرف یعنی دنیا کی طرف کا ادراک نہ باقی رہتا ہے اور نہ اتنی مہلت ملتی ہے کہ اہلِ دنیا کی طرف متوجہ ہو۔

الحاصل روح کا زندہ رہنا یا مدرکہ رہنا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ اہلِ قبور کو اہلِ دنیا کا ادراک ہوتا ہے یا یہ ادراک ان کو لازم ہے۔ ممکن ہے کہ روح درّاکہ موجود ہو مگر کوئی حجاب ایسا مانع آجائے کہ وہ عالم دنیا کا ادراک چھوڑ دے۔ مثلاً اگر کوئی عاقل عالم سو جائے تب اس کے اندر درّاکہ روح موجود ہے مگر نیند کا پردہ حائل ہونے سے دنیاوی سماعت اور بصارت گھر باہر کا ادراک موقوف ہو گیا یا کوئی عاقل شخص کسی مرض سے بیہوش ہو جائے یا کسی کو بیہوشی کی دوا سنگھا کر

بے خود کیا جائے اور اس کا اپریشن کیا جائے حتیٰ کہ ہاتھ پاؤں کاٹا جائے تاہم اُسے خبر نہ ہوگی۔ حالانکہ اس میں روح دراکہ موجود ہے مگر ایک پردہ بے ہوشی کا جو بیچ میں آگیا ہے اِس لئے اس دراکہ کو اس طرف کا ہوش نہ رہا نہ سماعت نہ بصارت نہ کسی قسم کا احساس۔ کیونکہ بیچ میں بیہوشی کا پردہ حائل ہوا ہے۔ حالانکہ ادراک کرنے والی روح موجود ہے۔ پس اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ وفات کے بعد بھی مرنے والے کے بدن میں ادراک کرنے والی روح باقی رہتی ہے مگر موت کا پردہ حائل ہو جانے سے اِس طرف یعنی اہلِ دنیا کا ادراک باقی نہیں رہتا پس اللہ تعالیٰ کی طرف روح کا ادراک زیادہ ہونا اور اہلِ دنیا کی طرف ادراک کم ہونا ہی مطلب ہے اس مضمون کا جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے فتاویٰ عزیزی طبع مجتبائی ۵۳ میں لکھا ہے

سوال: اگر ادراک و شعور می ماند بعد حیات می ماند یا زیادہ و کم می شود ؟

جواب: ادراک و شعور اہلِ قبور بعد موت در بعض امور زیادہ می شود و در بعضے کم۔ آنچہ تعلق با امورِ غیب دارد ادراکِ آنہا زیادہ ہست و آنچہ تعلق در امورِ دنیویہ یا شعادراکِ آنہا کم

پس موت کا حجاب یا ثواب و عذاب میں مصروفیت کا حجاب واقعی قوی حجاب ہے جو اہلِ قبور کو اہلِ دنیا کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہے

پھر یہ بات اس امر پر موقوف ہے کہ روح کا اِن متعارف قبروں کے اندر موجود رہنا تسلیم کیا جائے حالانکہ یہ امر ابھی زیر بحث ہے کہ اموات کی ارواح کہاں رہتی ہیں ان متعارف قبروں میں رہتی ہیں یا علیین و سجین میں۔ اگر یہ ثابت ہی ہو جائے کہ ارواح انہیں متعارف قبروں میں رہتی ہیں تب بھی کسی کا کلام و سلام سننا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ارواح عالمِ غیب کی طرف مشغول ہیں اور اہلِ دنیا کی طرف سے بے توجہ ہیں اور اگر ارواح قبروں میں نہیں ہیں اور قبروں میں صرف نعشیں اور ڈھانچے ہیں تب بھی کلام سلام کا سننا نادرد ہے اور جثہ و نعش محض کا نہ سننا بدیہی طور پر بھی جانتے ہیں

عبارتوں کا تعارض

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے

حضرت مولانا محترم نے سماع الموتی ص۳۲ میں فرمایا اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ میت دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اور اگر وہ کارروائی اچھی ہو تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر بری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے لیکن اس کے برعکس اسی سماع الموتی ص۲۵۵ میں لکھتے ہیں

"اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پر چپکے سے اگر سجدہ کرتا ہے یا خاموش رہ کر طواف کرتا ہے یا قبر پر نذر و نیاز ہی آکر رکھ دیتا ہے تو بزرگوں کو ان کی اس عبادت کی کیا خبر؟

اب بریلوی کو بجا طور پر اعتراض کرنے کا حق ہے کہ کہہ دے مولانا صاحب بڑے گستاخ ہیں (والعیاذ باللہ) کہ ان کے نزدیک دوسرے مردے تو سب کچھ جو ان کے (ساتھ) کیا جاتا ہے دیکھتے جانتے ہیں مگر بزرگوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کی قبروں پر سجدہ کیا جائے یا طواف کیا جائے یا نذر و نیاز دی جائے انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ جبھی تو ہم کہتے ہیں کہ سارے دیوبندی پیروں فقیروں اور اولیاء اللہ کے منکر ہیں۔

ایک اہم سوال کا جواب

"سوال جمہور صحابہ وکثیر من التابعین وکثیر من تبع التابعین سماع اموات کے قائل ہیں...... مثلاً سید احمد طحطاوی حنفی۔ شیخ جمال مکی حنفی۔ بحر العلوم مولانا عبد العلی حنفی۔ شیخ الاسلام دہلوی حنفی۔ شیخ نظام الدین جامع فتاوی عالمگیری۔ مولانا عبد الحق محدث دہلوی حنفی۔ مولانا جامی حنفی۔ علامہ ابو السعود محمد حنفی۔ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی حنفی۔ علامہ خیر الدین رملی حنفی۔ محمد بن علی دمشقی حنفی صاحب در مختار صاحب حدیقہ ندیہ و صاحب فتاوی خیریہ و شارح تنویر۔ [۱۲]حسن بن عمار مصری شرنبلالی حنفی صاحب نور الایضاح و مراقی الفلاح۔ [۱۳]محمد بن احمد حموی حنفی استاذ شرنبلالی۔ [۱۴]ملا علی قاری مکی حنفی صاحب مرقاۃ۔ [۱۵]ابراہیم بن محمد حلبی حنفی صاحب غنیۃ المستملی۔ [۱۶]ابو بکر بن محمد حدادی حنفی صاحب جوہرہ نیرہ۔ [۱۷]محمد بن محمد حنفی صاحب کافی۔ [۱۸]امیر الحاج حنفی صاحب حلیہ۔ [۱۹]امام صاحب کبیر حسام الدین صاحب فتاوی کبیر حنفی۔ [۲۰]امام شہاب الدین بزازی حنفی۔ [۲۱]محمد بن یوسف کرمانی حنفی۔ [۲۲]علامہ

تفتازانی شافعی۔ [۲۳] صاحب عباب حنفی۔ [۲۴] محمود بن محمد بخاری حنفی۔ [۲۵] یوسف بن عمر صوفی حنفی صاحب مضمرات۔ [۲۶] امام شہاب الدین توربشتی حنفی۔ [۲۷] شمس الائمہ حلوائی حنفی۔ [۲۸] برہان الدین فرغانی حنفی۔ [۲۹] قاضی خان حسن بن منصور حنفی اوزجندی۔ [۳۰] ابوالقاسم صفار حنفی۔ [۳۱] عارف باللہ حکیم ترمذی۔ [۳۲] ابن عبدالبر مالکی۔ [۳۳] قاضی عیاض مالکی۔ [۳۴] امام غزالی شافعی۔ [۳۵] محی الدین طبری شافعی۔ [۳۶] علاؤالدولہ سمنانی شافعی۔ [۳۷] امام نووی شافعی۔ [۳۸] امام فخرالدین رازی شافعی۔ [۳۹] عزالدین بن عبدالسلام شافعی۔ [۴۰] قاضی ناصرالدین بیضاوی شافعی۔ [۴۱] امام یافعی شافعی۔ [۴۲] ابن حجر عسقلانی شافعی۔ [۴۳] امام سبکی صاحب شفاء السقام شافعی۔ [۴۴] امام سخاوی شافعی۔ [۴۵] امام سیوطی شافعی۔ [۴۶] امام قسطلانی شافعی صاحب مواہب۔ [۴۷] شہاب الدین رملی شافعی۔ [۴۸] ابن حجر مکی شافعی۔ [۴۹] امام محمد عبدری مکی مالکی۔ [۵۰] علامہ سمہودی شافعی۔ [۵۱] علامہ نورالدین حلبی شافعی۔ [۵۲] عبدالوہاب شعرانی شافعی۔ [۵۳] علامہ زرقانی مالکی۔ [۵۴] عبدالرؤف مناوی شافعی۔ [۵۵] شاہ ولی اللہ صاحب حنفی۔ [۵۶] شاہ عبدالرحیم صاحب حنفی۔ [۵۷] شاہ عبدالعزیز صاحب۔ [۵۸] مرزا جان جاناں۔ [۵۹] قاضی ثناءاللہ [۶۰] مولانا شاہ عبدالقادر صاحب۔ [۶۱] مولانا اسحاق صاحب۔ [۶۲] نواب قطب الدین خان صاحب! [۶۳] مولوی اسمٰعیل صاحب [۶۴] مولوی خرم علی صاحب وغیرہ

جواب یہ کہنا کہ جمہور صحابہ سماع موتیٰ کے قائل تھے دھوکہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک لاکھ سے زیادہ ہیں۔ دس صحابہ بھی انگلیوں پر شمار کر کے نہیں دکھا سکتے جنہوں نے فرمایا ہو کہ سماع موتیٰ برحق ہے۔ بلکہ ایک مجمع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں جب حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر قصۂ بدر کی نسبت لفظ یسمعون پر اعتراض کیا اور اس کو قرآن مجید کے خلاف بتایا۔ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لفظ یسمعون کا روایت کرنے والے اس مجمع صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول اور اعتراض سن کر خاموش رہے۔ کسی نے اعتراض نہ کیا۔ اور اجماع سکوتی کے طور پر سب نے عدم سماعت کو قبول فرمایا۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری مصری جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ قول البخاری اقال ابن عمر رضی اللہ عنہما شیئاً۔ قال الطیبی وغیرہ ظہرت لابن عمر الحجۃ فسکت نذعناً۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کے اعتراض پر کچھ نہ کہا۔ خاموش رہے۔ طیبی وغیرہ اس سکوت کا منشاء یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کی

صریح دلیل ظاہر ہو گئی۔ اس لئے خاموش ہوئے تسلیم فرماتے ہوئے۔

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کس دلیل کی بنیاد پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب بتایا جاتا ہے کہ مُردے سنتے ہیں پھر جن علماء کی فہرست لکھی گئی ہے وہ کل چونسٹھ ہیں جن میں سے چھبیس (۲۶) حنفی ہیں۔ باقی اڑتالیس (۳۹) شافعی مالکی حنبلی ہیں

۱ حنفی علماء میں سے علامہ طحطاوی نے تو شرح در مختار میں لکھا ہے لان المیت لا یسمع ولا یفہم (میت نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے) اور حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا والمیت لیس کذلک لعدم السماع قال اللہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور اور میت ایسا نہیں اس لئے کہ میت سنتا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبر والوں کو سنانا تیرا کام نہیں

۲ علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں لکھا قال المحقق ابن الہمامؒ وحمل اکثر مشائخنا ایاہ علی المجاز ای من قرب من الموت مبناہ علی ان المیت لا یسمع عندہم (محقق ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے اکثر مشائخ نے لقنوا موتاکم میں موتیٰ کے معنے قریب الموت کئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ اور نظریہ یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے۔

۳ ملا علی قاریؒ نے عقائد کی کتاب شرح فقہ اکبر میں لکھا ان المیت لا یسمع بنفسہ یعنی مُردے میں بالذات سننے کی کوئی قابلیت نہیں ہے

۴ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے مائۃ مسائل کے ۲۶ ویں سوال کے جواب میں لکھا اکثر حنفیہ کے نزدیک سماعتِ موتیٰ ثابت نہیں ہے پھر اس دعویٰ پر پانچ بڑے بڑے معتبر فقیہوں کی کتب فقہ حنفیہ سے عبارتیں دلیل میں لاکر دعوے کو ثابت کیا۔

۵ نواب قطب الدین صاحب دہلوی رحمہ اللہ (تلمیذ خاص حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ) اپنی تفسیر جامع التفاسیر سورۃ الملائکہ (سورہ الفاطر) میں فرماتے ہیں " تنبیہ : جاننا چاہئے کہ سماع اموات میں اگرچہ بعضے علماء نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن مذہب امام اعظم کا اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماعِ موتیٰ کا ہے بدلیلِ آیت وما انت بمسمع من فی القبور الخ اور کتاب وافی شرح وافی اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ صراحۃً واشارۃً کو قریب تصریح کے ہے اور مستخلص شرح کنز اور عینی شرح کنز اور کفایہ شرح ہدایہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اموات نہیں سنتے ہیں چنانچہ عبارتیں ان سب کی مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم نے مائۃ مسائل میں بعینہٖ نقل کی ہیں جن کو شبہ ہو اس میں دیکھ لے کہ ان سب علماء

نے مدلل اس مسئلہ کو لکھا ہے۔ اور مخالفین کے جوابوں اور دلیلوں کو خوب طرح رد کیا ہے۔ انتہیٰ۔

۶ جوہرہ ص۳۹۳ میں ہے وکذا الکلام لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ یعنی اسی طرح مردہ سے کلام کرنا کیونکہ کلام کرنے سے مقصود تو ہوتا ہے سمجھانا۔ سو موت "سمجھانے کے منافی ہے یعنی میت کسی انسان کے کلام کو اصلاً نہیں سمجھ سکتے

۷ نیز شرح ہدایہ فتح القدیر میں ابن ہمامؒ نے فرمایا الم تکلیف مُردہ کو پہنچانا نہیں ہو سکتا کیونکہ مردے میں کسی طرح کی حس باقی نہیں ہے۔ یہاں شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر قبر کے عذاب کا مردے کو حس کس طرح ہوتا ہے اس کے جواب میں علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں ولذا کان الحق ان المیت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیاۃ بقدر ما یحس بالالم یعنی حق یہ ہے کہ بوقت عذاب کے حق تعالیٰ صرف اسی قدر میت کو حس عطا کرتا ہے کہ جس قدر میں صرف قبر کے عذاب کو محسوس کر لے۔ یعنی اس قدر حس نہیں ہوتی کہ دنیا یا اہل دنیا کی جانب سے کسی اذیت والے فعل سے اس میت کو اذیت پہنچے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی لاش کو گھوڑوں سے کچلنے کی روایت اس کی تائید کرتی ہے پھر آگے مسئلہ کلام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ مقصود کلام کرنے سے کلام کا سمجھانا ہوتا ہے مگر موت اس کے منافی ہے اس لئے کہ تحقیق مردہ نہیں سنتا۔ جب سنتا ہی نہیں تب سمجھتا بھی نہیں

۸ عینی شرح ہدایہ طبع نولکشور جلد اول ص۱۰۲۳ سطر ۲۲ و ۲۳ میں ہے کہ میت کی نسبت یہ خیال کرنا کہ میت زندہ لوگوں کا کلام سنتا ہے یا سمجھتا ہے سو یہ تو ایک محال بات کا تسلیم کرنا ہے ثم ذکر انہ الذی قرب من الموت شئ بطریق المجاز باعتبار ما یؤل الیہ وذلک لان التلقین حقیقۃ ما یطاوعہ التلقن وحصول ذلک من المیت محال فالامر بہ حقیقۃ یکون امراً للعاجز عنہ والعقل یاباہ فوجب حملہ علی ہذا المعنی یعنی مُردہ سے کچھ کلام کرکے یا بات کہہ کر یا نصیحت کر کے یہ امید رکھنا کہ اس کلام سے میت میں کوئی اثر یا تاثیر پیدا ہوتی ہوگی یہ محال کا خیال ہے اور خلاف عقل ہے یعنی اس وجہ سے کہ مردہ نہ سنتا ہے نہ کچھ سمجھتا ہے۔ اسی طرح عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں باب الیمین فی الضرب میں فرمایا والموت ینافی الکلام لان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باہل للاسماع

حاشیہ بیضاوی ص۱۳۵ جلد ۴ میں خفاجیؒ نے لکھا اکثر مشائخنا ان المیت لا یسمع استدلالاً بہذہ الآیۃ ونحوہا۔ یعنی ہمارے اکثر مشائخ حنفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ مُردہ نہیں سُنتا اور ان کا استدلال اس آیت سے اور اس جیسی اور آیتوں سے ہے

حضرت ابن الہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں عند اکثر مشائخنا ہو ان المیت لا یسمع عندہم (معنے وہی پہلے بیان ہیں)

حاشیہ درمختار میں طحطاوی فرماتے ہیں لان المیت لایسمع و لایفہم یعنی اس لئے کہ مردہ نہ سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔

شرح عقائد میں تفتازانیؒ نے لکھا لا نزاع ان المیت لایسمع یعنی علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا اس میں کچھ نزاع نہیں ہے کہ مردہ نہیں سنتا بلکہ اسی صفحہ میں لکھا وقد اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ لم یخلق فی المیت القدرۃ والافعال الاختیاریۃ۔

یعنی تمام اہل حق (علمائے اہل عقائد و کلام و اہل السنۃ والجماعۃ) کا اس بات پر اتفاق ہے اور یہ اہل عقائد کا اجماعی مسئلہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مردہ میں قدرت اور افعال اختیاریہ کی طاقت پیدا نہیں فرمائی ہے۔

مولانا کا فہم حجت نہیں

مولانا یا تو شاہ صاحب کی بات نہیں سمجھے یا ہماری

تسکین الصدور طبع ۲ ص ۲۸۴ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "انسان کا مرنے کے بعد ادراک باقی رہتا ہے اس مقصد پر شرع شریف اور قواعد فلسفہ کا اجماع ہے...... خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مُردوں کے شعور و ادراک کا انکار اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے"

نیلوی پوچھتا ہے کہ مردوں کے شعور و ادراک سے کونسا شعور و ادراک مراد ہے؟ اگر برزخی مراد ہے یعنی یہ کہ عالم برزخ میں جو عذاب و ثواب ہوتا ہے مردہ اس کو جانتا پہچانتا اور محسوس کرتا ہے وہاں کے فرشتوں کی آواز سنتا ہے نکیرین کے سوال سمجھتا سنتا ہے اس کا جواب دیتا ہے گرزوں کی مار محسوس کرتا ہے آگ میں جلتا ہے جلن محسوس کرتا ہے آوازیں ہولناک سنتا ہے ڈرتا ہے روتا ہے چلاتا ہے اور نیک میت جنت کی بہار دیکھتا ہے پھولوں کی خوشبو سونگھتا ہے ہرے بھرے باغات دیکھتا ہے سیر کرتا ہے اڑتا پھرتا ہے وغیرہ وغیرہ تو آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ نیلوی اس کا منکر نہیں اور وہ خود اس کے منکر کو ملحد و بے دین سمجھتا ہے اگر نیلوی کے متعلق آپ کو یہ بدگمانی ہے تو اس کو دل سے نکال دینا آپ کو بہتر رہے گا ورنہ مفت کے بہتان میں آپ عنداللہ مجرم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بہتان تراشی سے دور رکھے۔

اور اگر آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت کا یہ مطلب سمجھے ہیں کہ مردوں کا شعور و ادراک اس طرح کا ہے کہ مردے دنیا والوں اور زیارت کرنے والوں کو جانتے پہچانتے اور دیکھتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان کی

باتوں کا جواب دیتے ہیں تو یہ قصورِ فہم ہے نیز اس طور پر اکثر حنفیہ کو ملحد و بے دین قرار دینا ہوگا اور یہ بات سراسر حضرت شاہ صاحبؒ پر بہتانِ عظیم ہے اور اتنی بڑی جرأت کا کام ہے جو آپ نے اکثر حنفیہ کو ملحد و بے دین قرار دے دیا اور وہ بھی حضرت امام الہند شاہ عبدالعزیزؒ کی زبان سے کہلوایا۔

پھر اسی صفحہ پر حضرت گنگوہیؒ کا بیانِ کرامت کے بارے لکھا۔ بھلا اس کا اس مقام پر کیا تعلق؟ کجا مسئلہ سماعِ موتیٰ اور کجا مسئلہ کرامت۔ ہاں اگر یہ کہو سماعِ موتیٰ بطورِ کرامت کے ہے تو یہ بات کئی وجوہ سے منظورِ فیہ ہے ایک تو یہ کہ جب آپ کے ہاں یہ مسلم ہے کہ ہر مردہ سنتا ہے تو یہ فعل عادی ہوا خرقِ عادت نہ ہوا اور کرامت وہی فعل ہو سکتا ہے جو خلافِ عادت ہو دوسرے یہ کہ کرامت وہ خلاف عادت فعل ہے جو کبھی ہو اور جو فعل ہر وقت ہو وہ کرامت نہیں کہلا سکتا تیسرے یہ کہ کرامت وہ فعل خلافِ عادت ہے جو اللہ تعالیٰ ولی کے ہاتھوں ظاہر فرماتے ہیں اور قبر میں جو دفن ہو جائے وہ کیا ولی ہو جاتا ہے؟ کیا العیاذ باللہ قلیب بدر کے مشرک مقتولین بھی مرنے کے بعد ولی اللہ بن گئے تھے؟۔ چلو مُردوں کی طرف سے ولایت کی نفی کریں تو زائرین کی ولایت کا اقرار کرنا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بھی قبر کی زیارت کرنے جائے تو وہ ولی ہو جاتا ہے اور اس کی آواز قبر والے تک پہنچ جاتی ہے مگر قدرتِ خدا کی کہ ولی قبر والا ہو یا قبر کی زیارت کرنے والا ہو دونوں ادھورے ولی۔ یعنی اگر قبر والا ولی ہے تو صرف اسی قدر کہ زائر کی کلام سن سکتا ہے اور بس آگے جواب دینے کے لئے ولایت مسلوب ہے اور اگر زائر ولی ہے تو صرف اسی قدر کہ اس کا کلام قبر والے تک پہنچ جاتا ہے اور بس۔ آگے قبر والے کا جواب سننے کے لئے اس کی ولایت مسلوب ہے۔

محترم! ہم کرامات و معجزات کے منکر نہیں۔ مگر اپنے گریبان میں آپ بھی منہ ڈال کر دیکھیں کہ دوسروں کو معجزات و کرامات کا منکر کہتے کہتے کہیں خود ہی اس دلدل میں پھنس گئے ہوں۔ اس کی تفصیل سننا ہو تو سنیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ سب مردے سنتے ہیں آپ اپنے قاعدہ کلیہ کے اثبات کے لئے قلیب بدر کی حدیث پیش کرتے ہیں جو ایک خاص واقعہ جزئیہ ہے جسے ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ سمجھتے ہیں اور محدثین و اہل السیر نے بھی اسے معجزاتِ نبوی میں شمار فرمایا ہے۔ درسی کتاب مشکوٰۃ شریف ہی اٹھا کر دیکھ لو حضرت ولی الدین خطیب دمشقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معجزات کے باب میں ذکر فرمایا ہے اور معجزہ خرقِ عادت فعل ہوتا ہے جو اللہ

تعالیٰ اپنے نبی کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مُردوں کا سُننا عام عادت نہیں بلکہ مردے نہیں سنتے ہاں خلافِ عادت اللہ تعالیٰ پیغمبر سے نکلی ہوئی بات جب چاہے تو مردوں تک پہنچا دے اور مردے وہ بات سُن لیں۔ اب اگر کہا جائے کہ نہیں۔ بلکہ اس حدیث سے ہر مردے کا سننا ثابت ہوتا ہے تو یہ قاعدہ کلیہ بن جائے گا خرق عادۃ نہ رہا تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا انکار ہوگا۔ اور سوچو کہ منکرِ معجزہ کس کھاتے جائے گا۔

چیلنج

جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ سماع موتی کے قائل تھے تو ان کے ذمہ لازم ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کا قول پیش کریں یا امام ابویوسف یا امام محمد یا امام زفر یا امام حسن بن زیاد یا کسی اور تلمیذ رشید کا قول پیش کریں اگر ان میں سے کسی ایک کا قول آپ کو نہ مل سکے تو جمہور فقہائے حنفیہ کا دعویٰ پیش کرے کہ اموات یا ارواحِ اموات اہلِ دنیا یا قبر کی زیارت کرنے والوں کا کلام سنتے ہیں اور ان کو دیکھتے پہچانتے ہیں

ایک اور بے سمجھی کی بات

صدائے باطل: سماع الموتیٰ ص ۲۱۰ میں ہے لو لم یسمع المیت لم یسلم علیہ اگر میت دستی ہوتی تو میت کو سلام بھیجنے کا حکم نہ ہوتا"۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے دو فرقے پیدا ہوگئے

ایک فرقہ بریلویہ جو کہتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور السلام علیک ایہا النبی جو ہر نماز کے تشہد میں تمام ربع مسکون کے مسلمان پڑھتے ہیں یہ اس دعویٰ کی صریح دلیل ہے کیونکہ جب آپ ہر جگہ حاضر و ناظر نہ ہوں اور ہر کسی کی بات نہ سنیں تو السلام علیک ایہا النبی بصیغۂ خطاب نہ کہا جائے لیکن چونکہ دنیا بھر مسلمان خطاب کے صیغے کر آپ کو سلام کہتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپؐ ہر ایک کا سلام سنتے ہیں لو لم یسمع النبیؐ لم یسلم علیہ ولم یخاطب

دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ تشہد میں السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھو صیغۂ غائب۔ اور کہتے ہیں کہ جو لوگ السلام علیک ایہا النبی بصیغۂ خطاب پڑھتے ہیں شرک کے مرتکب ہوتے ہیں یا ایہا النبی بھی یا محمد یا علیؑ کی طرح ہے اور ویسا ہی مشرکانہ ہے جیسے یا غوث یا حسین اور رام او بھگوان پکارنا۔ پھر علیک ضمیر مخاطب ہے یعنی اس کے

سے جو سامنے موجود ہو۔ کسی غائب کیلئے "علیک" استعمال کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے۔ اھ (فلسفۂ آل محمد)
معلوم نہیں محترم جناب مولنا صاحب اس کا کیا جواب دیں گے اگر کہیں کہ خطاب کو سماع لازم نہیں جیسے ہمارے
ثر رمنی کے حوالے سے بتاتے تھے تو واقعی یہ ایک ہی جواب ان دونوں فرقوں کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر
ب کیونکر دے سکتے ہیں جب کہ اس جواب کے ذریعے ان دو فرقوں کے ساتھ ہی ساتھ ان کی اپنی بنا کردہ عمارت
بھی دھڑام سے گر جائے گی

نیز سماعِ سلام کیلئے توجہ ضروری ہے۔ اقرارِ صفدر

اصل بات یہ ہے کہ جیسے عذاب ثواب میت کو برزخی ہے ایسے ہی سماع ابصار ادراک و شعور و احساس
سمجھنا بھی برزخی ہے جو محلِ کلام نہیں ہے بحث تو یہ ہے کہ دنیا والوں کی باتیں برزخ والے سنتے ہیں یا نہ؟ ہم
بر یہ السلام علیکم کہتے ہیں یہ ہمارا سلام قبر میں جو دھڑ پڑا ہے یہ سنتا ہے یا نہیں آپ کہتے ہیں کہ یہ دھڑ سنتا ہے وہ
ہو سننا بغیر دخولِ روح کے ہو جیسے آپ کے بھائی صاحبہ فرقہ معتزلیہ کہتے ہیں یا روح داخل کرنے کے بعد جیسے
دعویٰ ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ میت اہلِ دنیا کی آواز سے بے خبر ہے جیسے قرآن پاک میں صراحۃً ذکر ہے وہم عن
ہم غافلون جس کی تصریح آپ خود سماع الموتی ص۲۵۵ میں فرما چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس لئے پکارنے
کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں کہ وہ اپنے احوال میں مصروف ہیں اور پکارنے والوں کی پکار کی طرف ان کی توجہ
ات ہی نہیں ہوتی اور بغیر توجہ اور التفات کے سننا کیسا؟

آگے بحوالہ روح المعانی ص۔ پارہ ۲۶ لکھا ہے اور اگر وہ اللہ کے دشمنوں میں سے ہیں مثلاً شیاطین الانس و
ن کو من دون اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے تو وہ اگر مردہ ہیں تو وہ اپنی تکلیف میں مبتلا ہیں لہٰذا غافل ہیں)
اب جھگڑا کیا رہا۔ میت کے دو ہی حال ہیں یا نیک یا بد نیک اس لئے نہیں سنتا کہ وہ اپنے احوال میں مصروف
بد اس لئے نہیں سنتا کہ وہ تکلیف میں مبتلا ہے۔ بس مسئلہ تو حل ہو گیا کہ کوئی میت نہیں سنتا خواہ وہ
نیک ہو خواہ بد۔

رکھنے سے کیا فائدہ ہوا اور لکان ہذا الخطاب بمنزلۃ خطاب المعدوم کیسے آسان اور عام فہم عبارت تھی اور لکانوا بمنزلۃ خطاب المعدوم میں کس قدر عبارت میں تعقید پیدا ہو گئی اسی لئے مولانا صاحب کو بھی ترجمہ کرنے میں دقت ہوئی

نیز ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ "یہ سلام و خطاب اور ندا، اس موجود کو ہے جو سنتا ہے اور اس سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔ اور جو سمجھتا ہے اور سلام کا جواب دے سکتا ہے" (سماع الموتٰی ص۱۵۵)

خطاب کو سماع لازم نہیں

اگر اندھی تقلید نہ کی جائے تو یہ بات صحیح نہیں کیونکہ نحاۃ (نحویوں) نے کہا ہے کہ خطاب کو سماع لازم نہیں۔ کیونکہ عرف میں بھی ایسا خطاب شائع ہے کہ بولنے والا سمجھتا ہے کہ جس سے میں مخاطب ہوں وہ نہیں۔ صرف اس کو دعا دینا مقصود ہوتا ہے یا اظہار غصہ یا اظہار غم و حسرت کما لا یخفی علی من لہ مسکۃ من العلم

نیز تشہد میں ہر نمازی پڑھتا ہے السلام علیک ایہا النبی تو اس میں بھی سلام و خطاب و ندا ہے تو حسب فرمان ابن کثیرؒ کہنا چاہیئے کہ "یہ سلام و خطاب و ندا اس موجود (ہستی) کو ہے جو سنتے ہیں اور ان سے خطاب کیا جا سکتا ہے اور جو سمجھتے ہیں اور سلام کا جواب دے سکتے ہیں" پھر تو صاف ثابت ہو گیا کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب دنیا میں نماز پڑھنے والوں کا سلام باقاعدہ سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور سلام کا جواب دے سکتے ہیں بلکہ آپؐ کی صفت رؤف رحیم ہے امت پر مشفق ہیں اس لئے یقیناً جواب دیتے ہیں اور بیک وقت امت محمدیہؐ کا سلام سننا یہ صفت خداوندی تو ہو سکتی ہے مگر حضرت ابن کثیرؒ کی قطعی دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حضورؐ کی ذات کی بھی شراکت ہے۔ پھر حضرات بریلویہ سچے ہوئے۔ مگر اس بات کو کوئی خدا کا پرستار ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں

اگر یہ کہا جائے کہ دنیا کا معاملہ جدا ہے اور عالم برزخ کا معاملہ جدا ہے تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ کیا عالم برزخ میں پہنچ کر انسان میں الوہیت کی صفات آجاتی ہیں؟ اگر یہی بات ہے تو عبدۃ الاصنام (بتوں کے پجاری) بھی نیک اور صالح مرے ہوئے بزرگوں اولیاء اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و ایوبؑ وغیرہ پیغمبروں کے بارے یہی عقیدہ رکھتے تھے تو پھر ان کو کس ..... بنا پر مشرک کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کس مقصد کے لئے نازل ہوا کہ جب کہ وہ معظم ترین ہستیاں عالم برزخ میں پہنچ کر ادراک و شعور و احساس کی قوت میں بڑھ جاتی کا عقیدہ تھا اور یہ بات بھی صحیح تھی کہ اس جہان کو اس جہان پر

تماس نہیں کیا جاسکتا۔ تو منکروں کو یہ جواب نہ سوجھا تھا جو آج کل یہ جواب بڑی بڑی کتابوں کے حوالجات سے مسلح کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

یہ قول آپ کے عقیدہ و عمل کے بھی خلاف ہے

نیز یہ عبارت آپ کے اپنے عقیدہ کے خلاف ہے کہ آپ السلام علیک ایہا النبی پڑھتے ہیں اور پھر آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں سے نہیں سنتے۔ اب آپ خود ہی اس عبارت کو حل فرمائیں یا یہ تسلیم فرمائیں کہ واقعی یہ عبارت الحاقی ہے خود حضرت ابن کثیرؒ اس قسم کی عبارت نہیں لکھ سکتے۔ کسی نے سبکی کی عبارت دیکھ کر یہاں نقل کر دی۔

نیز جب مؤذن کہتا ہے الصلوٰۃ خیر من النوم تو سننے والا اپنے گھر میں لیٹا ہوتا ہے تو وہ مؤذن کے اس فقرہ کا جواب ان الفاظ میں دیتا ہے صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ

تو یہ الفاظ بھی خطاب کے ہیں۔ اس جگہ بھی ابن کثیرؒ کی عبارت چسپاں کی جائے کہ خطاب اس موجود کو ہوتا ہے جو سنتا ہو اور اس سے خطاب کیا جاسکتا ہو اور سمجھتا ہو۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ گھر میں چارپائی یا چٹائی پر بیٹھا ہوا نمازی جب کہتا ہے صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ تو مؤذن اس کی آواز سنتا اور سمجھتا ہے کہ فلاں نمازی نے میرے اس فقرہ کا جواب دیا ہے اور فلاں نے نہیں دیا اور جتنے نمازیوں نے جواب دیا سب کا بیک وقت سن لیا۔ عالم برزخ تو بعد کی بات ہے ابھی ہی دنیا میں سب کی آواز بیک وقت سن لینا جو خدائی صفت ہے زندہ انسان کو حاصل ہو گئی جو باطل ہے اور یہ خرابی اسی صورت میں آسکتی ہے جب اس عبارت کو صحیح مانا جائے لیکن ہم تو ابن کثیرؒ کو ایسی باتوں سے ملوث ہونے والا نہیں سمجھتے اسی لئے یہ عبارت حضرت ابن کثیرؒ کی ہرگز نہیں بعد میں کسی نے الحاق کر دی وہو المرام

نیز کسی شاعر کا شعر ہے باللہ یا ظبیات القاع قلن لنا ؛ لیلای منکن ام لیلیٰ من البشر

یعنی خدا کی قسم اے چٹیل میدان کی ہرنیو! بھلا یہ تو بتاؤ ہمیں کہ میری لیلیٰ تم ہرنیوں کی جنس میں سے ہے یا کہ لیلیٰ انسان کی جنس میں سے ہے۔ یہاں بھی خطاب اور ندا ہے اور خطاب و ندا حسب فرمان ابن کثیرؒ اس موجود کو ہوتا ہے جو سنتا ہو اور اس سے خطاب کیا جاسکتا ہو اور سمجھتا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ ہرنیاں بھی عقلمند ہوتی ہیں اور وہ جنگل میں رہ کر گاؤں یا شہر میں رہنے والے شاعر کی آواز سنتی سمجھتی تھیں اور اس کا سوال جو ہے اس کا جواب بھی دیتی ہیں مگر شاعر بیچارہ

بہرہ ہے جو اُن ہرنیوں کا جواب ممکن نہیں سکتا۔ آپ کیا سمجھے کہ ایسی عبارت اتنا بڑا محقق محدث مفسر لکھ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ پس نقل و عقل سے ثابت ہوگیا کہ یہ عبارت الحاقی ہے مسلوب العقل کو سمجھانا ہماری طاقت سے باہر ہے

کتاب خوانی تو ہے مگر کتاب دانی نہیں

رہی وہ حدیث جو سماع الموتیٰ ص۱۵۲ و ص۱۵۳ میں بحوالہ مسلم ص۳۱۶ ج۱ و ابوداؤد ص۴۴۱ ج۲ و سنن الکبریٰ ص۵۰ ج۴ و مسند احمد ص۳۰ ج۳ و مشکوٰۃ ص۱۵۰ و مسلم ص۳۱۳ ج۱ و مسند احمد ص۶ ج۶ و نسائی ص۲۲۳ ج۱ و ابن ماجہ ص۱۱۳ ج۱ و سنن الکبریٰ ص۹ ج۴ و مشکوٰۃ ص۱۵۳ ج۱ و شرح السنہ ص۴۰۲ ج۵ و مسلم ص۳۱۳ ج۱ و ابن ماجہ ص۱۱۲ ج۱ و سنن الکبریٰ ص۷۹ ج۴ و مسند احمد ص۲۵۳ ج۵ و ابن ابی شیبہ ص۳۴۰ ج۳ و شرح السنہ ص۴۶۹ ج۵ و نسائی ص۲۲۲ ج۱ و سنن الکبریٰ ص۹ ج۴ و مشکوٰۃ ص۱۵۴ و ترمذی ص۱۲۵ ج۱ اور مجمع الزوائد ص۶۰ ج۳ و تلخیص الحبیر ص۱۳۷ ج۲ پیش کر کے اپنے دعویٰ سماع موتیٰ کو ثابت کرنا چاہا ہے یہ حضرت مولانا صاحب کی خوش فہمی ہے

جناب مہربان من! اتنی کتابوں کا شاک جو آپ نے جمع فرمایا ہے اس سے یہی بات تو ثابت ہوتی ہے جو آپ نے تلخیص الحبیر ص۱۳۷ سے نقل فرمائی ہے کہ والسنۃ ان یقول الزائر السلام علیکم (یعنی قبروں کی زیارت کرنے والے کا السلام علیکم کہنا سنت طریقہ ہے جو دین محمدی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و عمل سے رائج ہے) بھلا اس کا کون انکار کرتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آپ کو ہمارے متعلق غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ ہم قبرستان کی علی الوجہ المسنون زیارت کو مانتے نہیں یا قبر والوں کو السلام علیکم یا اہل القبور یغفر اللہ لنا ولکم انتم لنا سلف ونحن لکم خلف و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون وغیرہ خطابی الفاظ سے کہنا والعیاذ باللہ ناجائز سمجھتے ہیں۔ مگر یہ محض غلط فہمی ہے ہم فرض کو فرض سمجھتے ہیں واجب کو واجب سنۃ کو سنۃ مستحب کو مستحب ہی سمجھتے ہیں۔ ہمارا ذہن بفضل اللہ تعالیٰ اہل السنۃ والجماعۃ کا ہی ذہن ہے اور والعیاذ باللہ پرویزی ذہن نہیں جیسے آپ نے ناحق کا طعن مجھ کو دیا ہے۔ خدا کے دربار میں پیش ہونا ہے۔ آپ اس جرم کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں کہ اللہ کے حکم ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب کی خلاف ورزی کی ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑتا میں نے تو آپ کے الفاظ معاف ہی کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی بخشے

لیکن اس حدیث پاک نبوی علی صاحبہا الف صلوٰۃ وتحیۃ سے یہ مسئلہ مستنبط کرنا کہ سماع موتیٰ کا ثبوت مل گیا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ حسب فرمان علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ (شارح صحیح بخاری) جو البرہان فی علوم القرآن ص

ص خطاب کے چالیس مقام آئے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس کو خطاب کیا جا رہا ہے وہ خواہ مخواہ خطاب کا اہل بھی ہو، سنتا بھی ہو اور سمجھتا بھی ہو۔ اور بعض بلکہ اکثر اوقات خود خطاب کرنے والا بھی سمجھتا ہے کہ جس کو میں خطاب کر رہا ہوں وہ نہ بوجھتا نہیں جیسے کسی کا باپ مرا ہے اس کا بیٹا بیچارہ روتا پیٹتا ہے اور کہتا ہے ابا ہمیں کیوں چھوڑے جا رہا ہے اور کہاں گیا ہے تو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب بیٹے سے کوئی پوچھے کہ تو جو اس کو بلا رہا ہے کیا وہ تیری آواز سن رہا ہے۔ وہ کبھی نہ کہیگا کہ ہاں سچ مچ وہ سن رہا ہے بلکہ وہ اس لفظ سے اپنے دکھ درد کا اظہار کر رہا ہے۔ اسی طرح آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے موقعہ پر کعبہ شریفہ کو اور مکہ شریفہ کو خطاب فرمایا تھا جس سے آپ کا مقصد اس بقعہ شریفہ کے ساتھ محبت کا اظہار تھا اور اس کی جدائی پر حسرت کا اظہار تھا۔

حضرت استاذی مفتی اعظم ہند رح کا فتویٰ

حضرت استاذی الکرم المحترم المفتی الاعظم فی الہند رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ سابغۃ نے کفایۃ المفتی ج۴ ص۱۸۲ میں فرمایا

قبرستان میں جاکر السلام علیکم یا اہل القبور کہنا جائز ہے۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مُردوں کو عذاب سے سلامتی کی دعا دینا مراد ہے۔ یا بیشک حرفِ نداء ہے۔ مگر نداء اور خطاب کبھی نہ سننے والے کو بھی کر دیا جاتا ہے جیسے ہَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ۔ یعنی حضورؐ کی انگلی زخمی ہوگئی تو آپ نے انگلی کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو ایک انگلی ہے کہ خون آلود ہو گئی۔ اور یہ تکلیف اللہ کے راستے میں تُو نے اٹھائی ہے۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سلام مُردوں کو سنا دیتا ہو۔ باقی اور کلام مُردے نہیں سنتے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔

استاذی رحمہ اللہ نے خطاب کی وجہ بھی بیان فرما دی اور ضمناً اس قول کی تردید بھی کر دی کہ خطاب صرف اسی کو کیا جا سکتا ہے جو سُنے اور بُوجھے اور صرف امکان عقلی بیان فرمایا کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سلام مُردوں کو سنا دیتا ہو۔ مگر صرف امکانِ عقلی سے وقوع بالفعل کوئی نہیں سمجھتا

کشف الغلطات ص۱۵ میں ہے یاد رکھنے کہ مسئلہ شرعیہ کے ثبوت کے لئے محض امکانِ مشیت اور امکانِ قدرت یا صرف تمنا کافی نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے نقلِ شرعی اور دلیلِ قطعی کا موجود ہونا فرض ہے جیسا کہ ہر ایک ماہر علم پر ظاہر ہے

یوں تو سارے ممکنات کو موجود ماننا پڑے گا پھر اب کسی دلیل شرعی کی ضرورت نہ رہے گی۔ صرف اس شئے کا ممکن بالذات ہونا کافی ہوگا۔ اب دلائل شرع بجائے چار یعنی قرآن و حدیث و اجماع امت و قیاس مجتہد کے صرف ایک ہی دلیل یعنی صرف امکان ہی امکان رہ جائے گا اور ہر ممکن کو موجود تسلیم کیا جائے گا اور جو جو آثار اور خواص اس ممکن کے موجود اور ثابت ہو جانے کے بعد مرتب ہوتے وہ صرف اس کے امکان کے تصور کے ساتھ ہی ثابت کر دئے جائیں گے

بیلوی کہتا ہے کہ فنِ اصولِ حدیث کے ماہرین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن پاک یا حدیث مشہور یا عقل سلیم کے مخالف ہو یا وہ واقعہ مشہورہ کے خلاف ہو تو سمجھ لو کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف اور یا موضوع ہے

کفایۃ المفتی کا ایک اور حوالہ

اور ص۳۹ میں فرمایا مُردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں

پس معلوم ہوا کہ سماع الموتی ص۱۶ میں بحوالہ مرقاۃ ص۲۱۲ لکھا ہے کہ تمام مُردے بھی سلام و کلام سنتے ہیں اور بحوالہ صراط مستقیم ص۱۸ لکھا ہے کہ مُردے کا سلام و قراءت کی آوازوں کو سننا حق ہے یہ کم از کم مذہب حنفی کا محقق مسلک نہیں ہے

مولوی وحید الزمان کا بیان

مولوی وحید الزمان غیر مقلد نے مؤطا امام مالکؒ کے ترجمہ ص۹ میں لکھا ہے

ف عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کے تشہد میں السلام علی النبی وارد ہے۔ اور بخاری نے روایت کیا ابن مسعودؓ سے کہ جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو ہم یوں کہتے تھے نماز میں السلام علیک ایہا النبی پھر جب آپ کی وفات ہو گئی تو ہم کہنے لگے السلام علی النبی۔ اور روایت کیا اس کو ابو عوانہ نے اور سراج اور جوزقی اور ابو نعیم اصفہانی اور بیہقی نے طرق متعددہ سے اور سب میں یہ ہے کہ جب آپ کی وفات ہوئی تو ہم السلام علی النبی کہنے لگے۔ اور ایسا ہی روایت کیا اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابو نعیم سے زرقانی نے کہا کہ یہ روایت ابن مسعود سے بلا شک صحیح ہے اور میں نے اس کا متابع قوی پایا ہے۔ ابن عبد الرزاق نے روایت کیا ہے اخبرنا ابن جریج انی عطاء ان الصحابۃ کانوا یقولون والنبی حی السلام علیک ایہا النبی فلما مات قالوا السلام علی النبی یعنی کہا عطا نے کہ صحابہ کہتے تھے جب آن حضرت صلی اللہ علیہ

وسلم زندہ تھے السلام علیک ایہاالنبی پھر جب آپ کی وفات ہوئی تو کہنے لگے السلام علی النبی۔ اور یہ اسناد صحیح ہے
اور سعید بن منصور نے روایت کیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بحث کی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ ہم السلام
علیک ایہاالنبی کہتے تھے جب کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے تو ابن مسعود رض نے جواب دیا کہ ہم کو آن حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سکھایا اور ہم ایسا ہی جانتے ہیں۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ ابوعبیدہ نے ابن مسعودؓ
سے نہیں سنا اور اسناد بھی ضعیف ہے۔ بلکہ صحیح روایت ابن مسعودؓ سے وہی ہے جو بخاری نے بواسطہ ابومعمر کے
روایت کیا۔ اور اخراج کیا اس کا بہت ائمہ حدیث نے طرق متعددہ اور اسانید صحیحہ سے۔

پھر جب ثابت ہوگیا یہ امر عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کہ وہ
بعد آپ کی وفات کے السلام علی النبی کہتے تھے تو واجب ہے اتباع اس کا ہم پر۔

ان آثار سے یہ امر صاف ہوگیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اعتقاد یہی تھا کہ بعد وفات کے آن حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سلام کو نہیں سنتے ہیں۔ پھر ندا کرنا ناجائز ہوگا۔

تو جب سلام پڑھنا ندا کے ساتھ مختلف فیہ ہوگیا تو پھر مطلق ندا کا کیا حال ہوگا۔ وہ کیونکر درست ہوگی؟
اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں۔ لیکن یہ زندگی دنیا کی سی
زندگی نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کی حیات برزخی ہے جس کا ادراک ہم لوگوں کو نہیں ہوسکتا ہے اور جو شخص یہ
سمجھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ اور ہر مقام میں پکار پکارنے والے کی سن لیتے ہیں اور اس کی حاجت روائی
کرتے ہیں تو وہ مشرک ہے۔ کیونکہ یہ صفت اللہ جل جلالہٗ کی ہے کہ ہر جگہ اور ہر مکان سے سنتا ہے اور ہر ایک کی
حاجت اور مراد بر لاتا ہے۔ سوائے اللہ جل جلالہٗ کے کسی ولی نبی میں یہ قدرت نہیں ہے۔

رسالہ سماع الموتیٰ کے چند مغالطات

سماع الموتیٰ ص ۲۸۶: جمہور نے ابن عمر کی اس روایت کو قبول کیا کہ مردے سنتے ہیں
نیلوی: امکان عام یا فعلیت کے درجے میں ہم بھی مانتے ہیں مگر دوام اور ضرورۃ کے درجے میں ہم قطعاً نہیں
مانتے کہ جب بھی کوئی زائر آئے میت اس کو جانے پہچانے اور اس کا سلام ان عنصری کانوں سے سن کر جواب دے۔

سماع الموتی ص ۲۰۰ : بیہقی نے کہا مردہ ہونے کی حالت میں نہیں سنتے

نیلوی : یہی تو قتادہ کہتا ہے پھر ص میں اس پر تردید کیوں کی

سماع الموتی ص ۱۷۳ : قول سیوطی کہ مُردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے اس سلسلہ میں کئی کتابوں کی حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں

نیلوی : سیوطی کا یہ قول آپ کو مسلّم ہے ؟ اگر ہے تو زندے (خصوصاً انبیاء علیہم السلام لاسیما ہمارے حضرت جو آپ کے مذہب میں دنیوی عنصری زندگی سے زندہ ہیں) بطریق اولیٰ تمام مخلوق کے کلام کو بلاشبہ سنتے ہیں۔ محمود عباسی بریلوی بھی یہی کہتے ہیں۔ پھر تبرید النواظر کے مضامین کاٹ کر احمد سعید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور پوری زندگی کے عقیدہ کفر اور گستاخی انبیاء و اولیاء سے معافی مانگئے ! نوٹ ناراضی معاف آپ نے خود قاعدہ لکھا ہے کہ نقل تفہیم ہے ،

سماع الموتی ص ۱۹۴ : ہم فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں یعنی کسی وقت نہ کہ ہر وقت ۔۔۔۔ اور بعض شخصوں کے لئے نہ کہ ہر ایک کے لئے اور بعض کلام نہ کہ ہر ایک

نیلوی : کیوں جناب بہت جلد توبہ کر لی ؟ اگر نہیں تو دونوں عبارتوں کو دیکھ عوام کیا سمجھیں گے آپ تو اپنی علمیت کے بل بوتے پر تاویل اور ہیرا پھیری کے چور دروازے سے نکل جائیں گے۔ بیچارے عوام تو سادہ ہیں

سماع الموتی ص ۱۹۴ : سماع ہے کسی وقت نہ کہ ہر وقت (کیونکہ مؤمن نم کنومۃ العروس کا مزہ بھی تو لیتے ہیں اور کسی وقت ان کی توجہ صرف الی اللہ تعالیٰ ہی ہوتی ہے)

نیلوی : جناب ! پھر تو آپ کے پاس ہر میت کا ٹائم ٹیبل محفوظ ہوگا جس میں درج ہوگا کہ اب فلاں میت کے آرام کرنے اور نیند کرنے کا اب اتنے بج کر اتنے منٹ اور اتنے سیکنڈ پر وقت ہے اور اب ان کی نماز کا وقت ہے اب جانا بے سود ہے جب آرام کر چکیں گے اور نماز و مناجات رب سے اتنے بج کر اتنے منٹوں پہ فارغ ہو جائیں گے اور زائرین کی انتظار میں بیٹھے ہوں گے تب اُن سے سلام علیک جا کریں گے ؛ وہ ٹائم ٹیبل کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے

سماع الموتی ص ۱۹۵ : مفتی صاحب کی عبارات سے واضح ہے کہ فی الجملہ سماع موتیٰ ثابت ہے ۔۔۔ اس کا انکار نصوص اور احادیث صحیحہ کا انکار مذموم ہے

نیلوی : آپ کے فرمان کے مطابق یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف آرہا ہے تو جو صحابہ منکر تھے ان پر بھی یہی فتویٰ

ہے؟ ابن الہمام پر کیا فتوٰی۔ خود مفتی صاحب کی قبر پر جا کر ان سے پوچھ لو وہ ابن ہمام کے بارے یہی فتوٰی دیتے ہیں۔

دوسرے: مفتی صاحب تو سچ فرماتے ہیں کہ قلیب بدر رد سلام میت کے، سو ہم ساکت ہیں لیکن یہ سکوت انکار کا نہیں بلکہ اس شخص کا سکوت ہے جو کسی ممکن الوقوع امر کے واقع ہونے کو نہیں جانتا... پس اگر دلیل سے اس کا وقوع ثابت ہو جائے تو ہم اس کے قائل ہیں ورنہ نہ   بتاؤ اب آپ کو کیا شکایت ہے؟

سماع الموتٰی ص ۲۰۲: مردے خمیس جمعہ ہفتہ میں اپنے زائرین کو پہچانتے ہیں

نیلوی: "ٹائم ٹیبل تو مل گیا مگر ساتھ ہی ابن قیم نے" ٹائم ٹیبل پھاڑ دیا کہ زائر جب بھی آئے مُردہ اسے پہچان لیتا ہے اور اس سے مانوس بھی ہوتا ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے آپ تو بیچارے اولیاء اللہ کدھر جائیں نہ آرام کرنے کی فرصت نہ اللہ سے مناجات کی فرصت

عدم القائل بالفصل

جو علماء سماعِ موتٰی کے قائل ہیں وہ سماع عند قبور الانبیاء کے بھی قائل ہیں اور جو سماع موتٰی کے منکر ہیں انہوں نے کہیں انبیاء کا استثناء نہیں کیا وہ مطلقاً سماع اموات کے منکر ہیں اور ایسی کوئی جماعت علماء کرام کی نہیں جو انبیاء کرام کے سماع عند قبورہم کی قائل ہو اور دیگر اموات کے سماع عند قبورہم کی منکر ہو۔ ومن ادعٰی فعلیہ البیان بالبرہان۔ اور فتاوٰی رشیدیہ کا حوالہ کافی نہیں کیونکہ جو شخص بخاریؒ جیسے امام المحدثین کی بات بغیر سند اور دلیل کے ٹھکرا سکتا ہے وہ تیرھویں و چودھویں صدی کے مولنٰا گنگوہیؒ کا حوالہ بے سند و دلیل و برہان کے پیش کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور قول ملفق تو شرعاً بھی منع ہے کہ سماعِ موتٰی کے انکار میں حنفیہ سادات کے اقوال دکھا دے اور سماع الانبیاء عند قبورہم کے اثبات میں مطلقاً سماع موتٰی کے قائلین کے اقوال دکھا دے جب اِس قائل کا زعم ہے کہ منکرین سماعِ موتٰی کا سماع عند قبر النبیؐ میں اتفاق ہے تو اسے چاہئے کہ اسلاف احناف کے صریح اقوال دکھائیں جو یہ کہیں کہ دوسرے اموات تو واقعی نہیں سنتے مگر انبیاء کرام عند قبورہم سنتے ہیں نیز جب یہ قائل سماع الانبیاء عندہم کا استثناء مانتا ہے تو دبی زبان سے یہ بھی مان چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اس وقت داخلِ اموات ہیں کیونکہ مستثنٰی، مستثنٰی منہ کی جنس سے ہوتا ہے کہ اصل استثناء میں اتصال ہے

سماع الموتیٰ ص ۱۸۲: ملا علی قاریؒ نے رسالہ لکھا ہے کہ اس مشہور قول کی ائمہ سے بالکل کوئی اصل نہیں
بلکہ یہ مسئلہ باب الایمان کے مسئلہ سے لیا گیا ہے الخ

نیلوی: اسی طرح ملا علی قاریؒ نے ایک اور رسالہ لکھا ہے جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین
ناری ہیں۔ جناب! ارشاد فرمائیے آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ صاف لکھیں ہیرا پھیری نہ کریں

سماع الموتیٰ ص ۱۸۳: تحقیق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سماع موتیٰ کے منکر نہیں

نیلوی: ہر آنچہ گفتی دلیلش بیار۔ دعویٰ بلا دلیل کوئی نہیں سنتا

سماع الموتیٰ ص ۱۸۵: حافظ ابن الہمام نے اگرچہ سماع موتیٰ کا انکار کیا ہے

نیلوی: سماع موتیٰ ص کے مطابق حافظ ابن الہمام مسلمان ہیں؟

سماع الموتیٰ ص ۲۶۵ اکثر فرح یا غضب کے غلبہ سے ایسا ہوجاتا ہے (کہ سلام کی خبر نہیں ہوتی)

نیلوی: میت یا جنتی (فرح میں) ہوتا ہے یا دوزخی (غضب میں) یا نہ؟ یا کبھو وہاں غلبہ فرح و غضب نہیں؟

سماع الموتیٰ ص ۲۶۷: داؤد بن سلیمان حنفی بغدادی سماعِ مقبول کی نفی آیۃ کریمہ سے مراد لیتا ہے

نیلوی: یہ تو امام البریلویہ تھا۔ کیا یہ آپ کا بھی امام اور مقتدیٰ ہے؟ نیز یہ جیسے خیر القرون میں نہ تھی

سماع الموتیٰ ص ۱۶۹: بعلی حنبلی نے سماع نافع کی نفی آیۃ سے مراد لی

نیلوی: یہ صاحب حنبلی کیا آپ ان کے مقلد ہیں؟

سماع الموتیٰ ص ۲۸۲: جمہور امت نے حضرت عائشہ کی اس رائے کی تائید نہیں.... اما رایہا فرائی النساء

نیلوی: دروغ گو را حافظہ نباشد ابھی ۲۸۰ میں لکھ آئے حضرت عائشہ صدیقہؓ انک لا تسمع الموتیٰ کی آیت سے
حضرت ابن عمرؓ کے وہم پر استدلال کیا

سماع الموتیٰ ص ۲۸۳ علم سماع کو مستلزم ہے

نیلوی: یعنی علم ملزوم اور سماع اس کو لازم ہے یعنی آگ ملزوم حرارت اس کو لازم ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ ہو
حرارت نہ ہو یہ نہیں ہوسکتا کہ علم کی صفت ہو سماع کی صفت نہ ہو۔ مگر ہم نے کئی بہرے بڑے بڑے عالم فاضل دیکھے

سماع الموتیٰ ص ۲۸۴: جائز ہے کہ وہ سننے والے بھی ہوں یا تو اپنے سر کے حسی کانوں سے

نیلوی: کیا بغیر روح کے دھڑ کو خدا تعالیٰ سنانے سے عاجز ہے؟

کلام ابن قیم کہ میت زائر کو پہچان لیتا ہے

سوال: تیسیر میں ج ۲ ص ۴۲۰ میں ہے من زار قبر ابویہ او احدہما فی کل جمعۃ مرۃ غفر اللہ ذنوبہ ای الصغائر وکتب براً بوالدیہ وان کان عاقاً لہما فی حیٰوتہما قال ابن القیم ہذا نص فی ان المیت یشعر بمن یزورہ والا لما صح تسمیۃ زائراً۔ واذا لم یعلم المزور من یزورہ لم یصح ان یقال زارہ ہذا ہو المعقول عند جمیع الامم وکذا السلام قال السلام علی من لم یشعر محال یعنی جو شخص ہر جمعہ میں ایک بار ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرے گا اس کے چھوٹے گناہ حق تعالیٰ بخش دے گا اور وہ بیٹا ماں باپ کی زندگی میں اگرچہ کتنا ہی نافرمان اور عاق رہا ہو اب وہ ماں باپ کی قبر کی زیارت کرنے کی وجہ سے اُسے ماں باپ کے حق میں نیک سلوک کرنے والا لکھ دیا جائے گا۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو دیکھ کر فرمایا کہ اس حدیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ میت کو زیارت کرنے والے کا شعور ہو جاتا ہے ورنہ اس کا نام زائر رکھنا درست نہ ہوتا اور جب مزور (جس کی زیارت کی جائے) کو زائر کا علم نہ ہو تو اس وقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے فلاں کی زیارت نہیں کی اور یہ بات تو تمام قوموں میں معقول ہے۔ اسی طرح میت کو سلام کہنے والے زائر کے سلام کا شعور بھی ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ایسے شخص کو سلام کہنا جسے اس کے سلام کا شعور ہی نہ ہو یہ تو ایک محال امر ہے

الجواب — زیارت قبروں کی ہوتی ہے نہ مُردوں کی

جواب: تیسیر میں اس کے ساتھ ہی یہ لفظ موجود ہے "الحکیم الترمذی عن ابی ہریرۃؓ واسنادہ ضعیف" یعنی یہ روایت حکیم ترمذی نے ابو ہریرہؓ سے بیان کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ نیز اس روایت میں حنفی مذہب کی تردید ایک دوسرے طریق پر بھی کی گئی ہے اور وہ اس طرح کہ تمام فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ صاف اور صریح موجود ہے کہ جب کوئی مسلمان قبر پر زیارت کرنے جاتا ہے تو وہ زیارت کرنے والا صاحبِ قبر کی زیارت نہیں کرتا بلکہ صرف قبر کی زیارت کرتا ہے جیسے ہدایہ ص ... میں ہے والمراد من الدخول علیہ زیارتہ وبعد الموت یزار قبرہ لاہو یعنی وفات کے بعد قبر کی زیارت ہوتی ہے صاحبِ قبر کی زیارت نہیں ہوتی۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں فرمایا والزیارۃ للمیت لیست حقیقۃً بل انما المزور قبرہ ولہذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت نہیتکم

عن زیارۃ القبور الا فزوروہا ولم یقل عن زیارۃ الموتی یعنی میت کی زیارت درحقیقت زیارت نہیں ہوتی بلکہ در حقیقت قبر کی زیارت ہوتی ہے کیونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کا کلام پاک ہر طرح سے قابل حجت ہے یہ فرمایا کہ تم کو میں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا۔ سن لو اب تمہیں اجازت ہے اب تم قبروں کی زیارت کر سکتے ہو تو یہاں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں نہیں فرمایا کہ میں تم کو مُردوں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب تم مُردوں کی زیارت کرنے کے لئے جایا کرو۔ اسی طرح شامی (ردالمحتار) حاشیہ دُرمختار اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق وغیرہ اکثر کتب فقہ حنفیہ میں صاف صاف لکھا ہے۔

جواب نمبر ۲

اور یاد رہے کہ تیسیر شرح جامع صغیر کے مؤلف حضرت علامہ مناوی رحمہ اللہ ہیں جو شافعی المسلک ہیں اور حضرت ابن القیم رحمہ اللہ حنبلی مسلک کے عالم ہیں ان کا قول ہمارے لئے کوئی حجت نہیں چہ جائے کہ ان کا استدلال بھی ایک ضعیف روایت سے ہو

سوال طحطاوی حنفی نے بھی ابن قیم کی بات کی

طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے شرح الصدور میں لکھا ہے "الاحادیث الآثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم به المزور وسمع کلامه یعنی احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں میت کی زیارت کرنے والا جب زیارت کرنے آتا ہے تو مزور اس کو پہچان جاتا ہے اور اس کی بات بھی سنتا ہے

الجواب

جواب : یہ روایت طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں تو موجود نہیں ہے البتہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے شرح الصدور ص۸۹ میں ابن القیم رحمہ اللہ کے حوالہ سے اس عبارت کو نقل کیا ہے اس طرح "قال ابن القیم الاحادیث والآثار تدل الخ" اور اس کا جواب پہلے سوال کے جواب میں گزر چکا ہے

سوال عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے بھی یہی کہا

سوال شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف مدارج النبوت میں سلام اموات کو حدیث سے نقل کیا "خطاب باکسیکہ نشنود و نہ فہمد معقول نیست و نزدیک ہست کہ شمار کردہ شود از قبیل عبث" یعنی ایسے خطاب کرنا جو نہ سنے اور نہ سمجھے یہ ایک نامعقول سی بات ہے اور عبث میں شمار ہے

الجواب خطاب کو سماع لازم نہیں

جواب: اس اعتراض کا جواب خود قرآن پاک میں موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو خطاب کر کے کہا الا تاکلون مالکم لا تنطقون اے بتو! تم یہ شیرینی کھاتے کیوں نہیں جو یہ تمہارے پجاری تمہارے آگے رکھ کر گئے ہیں۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے بولتے کیوں نہیں ہو۔ اور ظاہر بات ہے کہ اس موقع پر سوائے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے اور بتوں کے کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ کیا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پتھروں سے کلام کرنا نامعقول و عبث تھا۔ اسی طرح ایک عاشقِ رسول کہتا ہے ؎

اے صبا ان نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم　　بلغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

اے صبا! اگر تیرا گزر مدینہ منورہ تک ہو جائے تو میرا سلام ضرور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دینا عاشقِ رسول کا ہوا بادِ صبا سے خطاب ہوا جو نہ سنتی ہے نہ سمجھتی ہے کیا یہ کلام لغو عبث اور محال ہے۔ اسی طرح ہزاروں اشعار میں محاورات میں ایسے خطاب موجود ہیں۔ آج کے پیدا ہونے والے بچے کو اس کی ماں پیار میں کہتی ہے "اللہ تجھے صاحب نصیب کرے ایسا کرے اور ایسا کرے۔ کیا آج کا پیدا ہوا ہوا بچہ اس کلام سنتا یا سمجھتا ہے کچھ بھی نہیں کیا یہ ماں کا کلام لغو عبث اور محال ہے۔ یا کوئی شخص کسی اپنے مسافر کو خطاب کر کے کہے "اللہ تجھے خیریت سے لائے" زندہ رکھے خداوند کریم تیری خطائیں معاف کرے کیا تم نزد وہ مسافر سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے مگر باوجود اس کے دنیا میں لاکھوں جگہ ہر زمانہ میں ایسا موجود ہے کیا عبث اور لغو ہے؟ اسی طرح ایک شخص اپنے فرزند عزیز یا قریب کو جو عین نزع کی حالت میں بے ہوش ہے اور

اس کی جان نکل رہی ہے یہ کہے کہ اللہ تیری مشکل آسان کرے تجھے بخش دے ہمیں اور تمہیں ایک جگہ جنت میں جمع کر دے" یہ مرنے والا قطعاً کچھ نہیں سنتا نہ کچھ سمجھ سکتا ہے مگر کیا یہ خطاب اور دعائیں محال، لغو اور عبث ہے؟

پس اسی طرح قبرستان میں جا کر سلام کرنا دراصل دعائے مغفرت ہے کیونکہ وہ سلام سلام نہیں ہے بلکہ یہ سلام صرف دعا ہے۔ جب کہ یہ سلام درحقیقت سلام ہی نہیں ہے بلکہ خالص دعا ہے پس دعا کے لئے مدعو لہٗ کا سننا شرط نہیں ہے پس السلام علیکم دار قوم مؤمنین میں کوئی مُردوں کو سُنانا مقصود ہے نہ ان کا سُننا مطلوب ہے۔ یہ تو اللہ پاک سے ان کے لئے رحمت اور امان کا طلب کرنا ہے پس اللہ اس سلام کو سنتا ہے اور اسی کا سُننا کافی ہے وہ اس سلام کی وجہ سے مُردوں کے گناہ معاف کرے گا ان پر رحمت نازل فرمائے گا

میت سلام اور خطاب بالسلام کا اہل نہیں

دلیل اس امر کی کہ میت سلام کا اور اس سلام کے خطاب کا اہل نہیں ہے فقہاء کا یہ قول ہے کہ جب امام نماز جنازہ سے فارغ ہو کر سلام پھیرے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اس وقت داہنی طرف کے سلام میں ان لوگوں کی نیت کرے جو امام کی داہنی طرف ہیں اور بائیں طرف کے سلام میں ان مقتدیوں کی نیت کرے جو بائیں طرف ہیں۔ پس سوال پیدا ہوا کہ امام یا مقتدی اس سلام میں میت کی بھی نیت کرے یا نہیں۔ اکثر فقہاء نے فرمایا اور عامہ کتب حنفیہ میں صاف صاف یہی درج ہے کہ کوئی شخص میت کی نیت نہ کرے کیونکہ میت اس سلام کا اور اس خطاب کا اہل ہی نہیں ہے وہ اس خطاب کی قابلیت ہی نہیں رکھتا۔ بعض نے کہا کہ نہیں۔ اس سلام میں میت کی نیت بھی کی جائے لیکن نہ اس وجہ سے کہ میت خطاب اور سلام کو سنتا ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سلام طلب امان اور دعاءِ نزولِ رحمتِ الٰہی ہے اور اس دعاء میں شامل کرنے کا میت زیادہ مستحق ہے اس لئے اسے سلام میں شامل کیا جاتا ہے چنانچہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح اور حاشیہ درمختار میں فرمایا ان المقصود منہ الدعاء لا الخطاب یعنی میت کو سلام کے خطاب کرنے سے دراصل خطاب مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف میت کے لئے دعاء اور طلب امان مقصود ہوتا ہے اس لئے صیغۂ خطاب کا استعمال مضایقہ نہیں رکھتا۔ پس میت کو سلام مخاطب جاننا یا میت کو قابل خطاب سمجھنا یا میت میں قابلیت سلام و کلام کی تسلیم کرنا تمام کتب فقہ حنفیہ کے خلاف ہے۔

پس اہلِ قبور کو السلام علیکم کرنا جو درحقیقت ان کے حق میں دعا ہے اس کی وہی مثال ہے کہ جیسے ماں اپنے نوزائیدہ بچہ کو جو نہ کچھ سن سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے پیار کرے دعائیں دے کہ اللہ تجھے سلامت رکھے اللہ تیری عمر دراز کرے اللہ تجھے صاحبِ نصیب کرے اللہ تجھ سے راضی ہو جائے حالانکہ دیکھو خطاب بھی موجود ہے سلام بھی موجود ہے مگر جسے خطاب کیا جاتا ہے وہ نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے

دوسری مثال: ایک شخص حج کو گیا مگر والدین گھر والے اپنے وطن میں گھر بیٹھے کہتے ہیں اے حاجی! اللہ تجھے زندہ سلامت لائے۔ اللہ تجھے صحیح سلامت خیریت کے ساتھ پہنچائے اور اللہ ہمیں بھی تیرے ساتھ حج نصیب کرے۔ کیا یہ مسافر حاجی جس کو یہ خطاب کیا جاتا ہے وہ سنتا ہے؟ ہرگز نہیں! حالانکہ یہ دعائیں شرعاً و عرفاً صحیح و درست ہیں۔ بلکہ پیٹھ پیچھے کی دعا اور زیادہ مقبول ہے۔ خطاب صحیح سلام صحیح مگر جس کو خطاب کیا گیا وہ نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے اسی طرح اہلِ قبور کا سلام یقیناً دعا ہے جس کی تصریح حضرات فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کر چکے ہیں پس سلام اہلِ قبور میں خطاب بھی صحیح اور سلام بھی صحیح مگر میت کا سننا ثابت نہیں ہے۔ وہ نہیں سنتا جیسا کہ مسافر حاجی اپنے اہل و عیال والدین کی یا آج کا بچہ اپنی والدہ کی دعائیں نہیں سنتا پھر سلام اہلِ قبور کو اہلِ قبور اموات نہیں سنتے ان کے لئے صرف دعا ہی دعا ہے مگر گورستان میں مسلمانوں کے کندھوں کے فرشتے وہاں ہر وقت موجود ہوتے ہیں وہ اس سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ شرح مشکوٰۃ و فتاویٰ مجموعۃ النوادر وغیرہما میں موجود و مذکور ہے پس سلام قبور مسنون ہے کیونکہ یہ سلام اہلِ قبور کے لئے دعا مغفرت ہے اور اس سلام کا جواب فرشتے دیتے ہیں گو مُردہ نہ سُنے پس سلام اہلِ قبور کی روایت سے سماعتِ اموات ثابت کرنا بالضرور فقہ حنفی کا خون کرنا ہے۔ کذا فی کشف المغالطات۔

میت کی توجہ عالمِ برزخ کی طرف زیادہ اور عالمِ دنیا کی طرف کم ہے

ہمیں مسلم ہے کہ اولیاء اللہ کے روحانی کمالات موت کے بعد اسی طرح روح میں باقی رہتے ہیں۔ مگر نظارہ دیدار محبوب جمال و جلال الٰہی کا مشاہدہ بیحد مشغول اور اپنی جانب مصروف کر لیتا ہے دوسری جانب کا شعور و ادراک مٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے روحانی کمالات سب آپ میں موجود تھے مگر جب ہمکلامی اللہ ہوتے

حضور رب العزۃ آپ کو ہوا کرتی تھی بے ہوش اور بے خود ہو جاتے تھے۔ اصلاً دنیا و ما فیہا کا خیال تک باقی نہ رہتا تھا۔
پس بعض اوقات بعض بزرگانِ دین سے روایت سنی ہے کہ جناب ختم رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے محو مولیٰ تعالیٰ ہوتے تھے کہ آپ بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شناخت نہ کر سکتے تھے اور لی مع اللہ وقت کا سچا مصداق ہوتا تھا پس اس وقت اور اس محویت میں کمالاتِ محمدی کہیں الگ نہ ہو جاتے تھے جیسے ستاروں کا نور سورج کے نور میں محو ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کمالاتِ اولیاء اللہ رحمہم اللہ بعد وفات محو دیدار ہو جاتے ہیں اور اس طرف کا ادراک نہیں رہتا، ہمہ تن اُدھر ہی مشغول رہتے ہیں۔ اور اسی معنے کو خود حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تسلیم فرماتے ہیں اور اپنے فتاوٰی میں اور ادراکِ شعور میت کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں سوال اگر ادراک و شعور می ماند بقدرِ حیات می ماند یا زیادہ و کم می شود جواب ادراک و شعور اہلِ قبور بعد موت در بعض امور زیادہ می شود و در بعضے کم۔ آنچہ تعلق بہ امورِ غیب دارد ادراکِ آنہا زیادہ است و آنچہ تعلق در امور دنیویہ باشد ادراکِ آنہا کم۔

پس موت کا حجاب یا مصروفیتِ ثواب و عذاب کا حجاب بیشک قوی حجاب ہے جو اہلِ قبور کو اس طرف یعنی اہلِ دنیا کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہے پھر تبات بھی اس امر پر موقوف ہے کہ ارواح کا قبروں (عرفی قبروں) کے اندر موجود رہنا تسلیم کیا جائے جیسے ابن عبد البر وغیرہ کا خیال ہے مگر اس بات کے تسلیم کرنے پر طرح طرح کے اشکال وارد ہوں گے جن کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا تاہم ارواح کو اُس طرف یعنی عالمِ غیب کی طرف مشغولیت اور مصروفیت بے حد ہے پس اس طرف کا سلام اور کلام سننے کی اُسے مہلت نہیں ہے۔

اور اگر دلائل و براہین کے ساتھ یہ ثابت ہو جائے کہ ارواح قبروں میں نہیں رہتیں بلکہ ارواح ملاء اعلیٰ (علیین) یا سجین (ساتویں زمین سے نیچے) میں رہتی ہیں اور قبر میں صرف جثہ ہے اور وہ جثہ عند بعض الاحناف تھوڑی دیر کے لئے قبرِ عرفی میں نکیرین کے سوال کے لئے زندہ ہوتا ہے پھر مر جاتا ہے اور اس کے بعد میت میں صرف اور فقط اتنا ہی ادراک باقی رہتا ہے کہ ثواب کا لطف یا عذاب کا اَلم اور دُکھ محسوس کر سکے۔ اس سے زائد کا احساس نہ دارد ہو چکا ہے۔ پھر دنیا کی طرف توجہ کرنے کی اس میں قابلیت ہی نہیں ہے۔ اور یہی حق ہے

اگر بفرضِ محال روح اسی قبرِ عرفی میں ہے تب بھی کسی کا کلام و سلام نہیں سن سکتی کیونکہ وہ عالمِ غیب کی طرف مشغول ہے اور اس طرف سے بے توجہ ہے۔

دنیا میں بھی جس طرف توجہ زیادہ ہو اس کا شعور زیادہ ہوتا ہے، دوسرے کا کم

پھر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بلکہ اگر تأمل کردہ شود در دنیا نیز بسبب توجہ و التفات زیادتی وکمی در شعور واقع شود یعنی اگر غور کیا جائے تو دنیا کی زندگی میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے کہ جس چیز کی طرف توجہ اور التفات زیادہ ہوگی اس کا ادراک اور شعور بھی زیادہ ہوگا اور جس چیز کی طرف توجہ اور التفات کم ہوگی اس شے کا شعور اور ادراک بھی کم ہو جائے گا

مثلاً بعض اوقات دنیا دار کسی دنیاوی کام میں روپیہ کے حساب یا مقدمہ کی پیشی میں کھڑا ہوتا ہے اور اس قدر متوجہ ہوتا ہے کہ اس کے کان میں توپ اور بندوق کی آواز بھی نہیں جاتی وہ غافل توپ کی آواز نہیں سنتا ریل کے ٹکٹ خریدنے کے وقت اس قدر غفلت ہوتی ہے کہ جیبیں کٹ جاتی ہیں اور خبر نہیں ہوتی۔ شطرنج کھیلتے وقت تن بدن کا ہوش ندارد ہو جاتا ہے

سوچو تو سہی مقدمہ وغیرہ کی مشغولیت سے توپ کی آواز نہ سنائی دے باوجود اس کے کہ پورے طور سے کان اور دیگر تمام حواس سلامت موجود ہیں پس نظارۂ جنت، نظارۂ ملائکہ، نظارہ دیدار الٰہی جل جلالہ وعم نوالہ برزخ میں رہنے والے کو اگر اتنا مشغول کرلے کہ کسی آنے جانے والے کے کلام اور سلام کو نہ سن سکے تو کونسے تعجب کی بات ہے۔ ذرا انصاف کرو۔

اور سنئے حضرت سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اچھی خاصی ہوشیار عورتوں کو ایسا بے خود کر دیا تھا کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح اگر آخرت اور اس جہان کے عجائبات اور دیدار الٰہی برزخ والوں کو اتنا مشغول کرلیں کہ وہ کسی کا سلام اور کلام نہ سنیں تو کونسی بعید بات ہے۔

اور سنئے تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں لکھا ہے کہ حضرت امام ثوری رحمۃ اللہ خانہ کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے کسی دشمن نے آپ کے سجدہ میں جانے کے بعد آپ کے ایک پیر سے تین انگلیاں اور دوسرے پیر سے دو انگلیاں قلم کرلیں اور آں جناب کو اصلاً خبر نہ ہوئی حالانکہ آپ کے ہوش و حواس سب موجود تھے۔ اسی طرح اگر حضرات اولیاء اللہ اور مؤمنین کاملین اور عامہ اہل اسلام کو وفات کے بعد دیدار الٰہی جل مجدہ جنت

وغیرہ کا معاینہ ایسا محو اور مشغول کرے کہ کسی کے سلام اور کلام کو نہ سنیں اور خبردار نہ ہوں تو اس میں کونسے تعجب کی بات ہے بلکہ ضرور ایسا ہی ہوتا ہے۔

اور سنئے دنیا کے حکیم بے ہوشی کی دوا سنگھا کر زندہ انسان کے اعضا تراش لیتے ہیں اور اس زندہ انسان کو خبر تک نہیں ہوتی پس اگر قبر میں مؤمن مولیٰ کریم سے ہم کلام ہو اور اللہ تعالیٰ کا کلام صَدَقَ عبدی وغیرہ سن کر بے خود اور بے ہوش ہو جائے اور کسی آنے جانے والے کا سلام اور کلام نہ سُنے تو کیا کچھ دور بات ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ضرور اہلِ قبور یعنی عالم برزخ والے اہلِ ایمان محوِ آخرت ہوتے ہیں اور اس جانب سے یعنی دنیا والوں کی طرف سے بے خود اور بے خبر رہتے ہیں۔

اور سنئے بعض بعض خونی پھانسی کی خبر سن کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور بعض بعض شخص خوشی کی خبر سن کر بے ہوش ہو جاتے ہیں بلکہ مر جاتے ہیں اسی طرح اہلِ قبور کافر دوزخ کی بشارت سن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غم میں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور اہلِ ایمان جنت کی بشارت سن کر خوشی میں بے خود ہوتے ہیں اور اہلِ دنیا کی کوئی بات کلام اور سلام نہیں سنتے خاص کر کے جب فرشتے پوچھتے ہیں ما تقول فی حق ہٰذا الرجل تو عالمِ برزخ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم چہرۂ انور کی طرف دیکھتے ہی اہلِ ایمان عاشقِ رسول بے ہوش ہو جاتے ہیں اور پھر دیدارِ الٰہی ہونے کے بعد تو بھی بے خود ہو جاتے ہیں۔

اور سنئے حاجی لوگ جب مزار پُر انوار سید ابرار احمد مختار[عہ] رسول رب کردگار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چل کر والہانہ حاضر ہوتے ہیں پس جب اول ہی اول ہلہ میں حجرہ شریفہ بلکہ روضہ منورہ کا نظارہ ہوتا ہے تو ادنیٰ اعلیٰ کامل ناقص ہر ایک مسلمان حاجی اس قدر محو ہوتا ہے کہ اپنی جانُ اپنے تن بدن کا مطلقاً ہوش باقی رہتا حالانکہ سب زندہ ہیں صاحب ادراک و شعور ہیں۔ مگر محویتِ انوارِ محمدی نے ایسا کر دیا کہ دوسری جانب سے گویا مُردہ غافل اور بے خبر کر دیا۔ اسی طرح بعد وفات کے مسلمان کو حق تعالیٰ جل شانہ سے ہم کلامی اور مشاہدۂ انوارِ الٰہی میسر ہوتا ہے۔ پس جب خدا کے رسول کا مزار اتنا محو کرے اور سب طرف سے بیکار کر دے تو رب العالمین کا انوار تو ضرور بالضرور ہر مسلمان ہر ولی ہر نبی کو ہر طرف سے محو کریگا اور اپنے سوا دوسروں سے کام نہ رکھے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ قبور کسی کے سلام و کلام کو نہیں سن سکتے

اور سنئے حضرت امام ثالث امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

عہ مختار یعنی پسندیدہ اور تمام مخلوق سے چیدہ ہستی۔ بریلویوں والا مختار کل مراد نہیں جس کے معنے کرتے ہیں کہ ہر چیز ان کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ یہ صفت رب تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لہم الخیرۃ ۱۲ منہ غفرلہٗ

ہوئی تو بہت سے صحابہ منورہ ہوئے جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ سو میں بیٹھا تھا اتنے میں میرے پاس سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ گزرتے ہیں اور مجھے السلام علیکم کہتے ہیں تو اس ہول و غم کی وجہ سے مجھے ان کے سلام کا شعور نہیں ہوا۔ تو میری طرف سے جواب سلام نہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام اول خلیفہ بلا فصل ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر شکایت کر دی۔ اس کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما مل کر آئے اور مجھے دونوں نے السلام علیکم کہا۔ تب حضرت امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنے برادر عمر رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب نہیں دیا؟ تو میں نے کہا کہ میں نے یہ کام نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ نے مجھے سلام کہا ہو اور میں نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا ہو (یعنی اپنی دانست میں) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں نہیں قسم اللہ کی آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم مجھے اس بات کی خبر تک نہیں کہ آپ میرے پاس آئے اور مجھے السلام کہا۔ یہ بات سن کر امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عثمانؓ سچ کہہ رہے ہیں واقعی ان کو ایک بہت بڑے امر نے عمرؓ کا سلام سننے سے مشغول کر رکھا تھا۔

اس روایت میں حضرات خلفاء ثلثہ نے بتا دیا کہ زندگانی دنیویہ میں ایسے مشاغل میں انسان محو ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ باوجود قائمی ہوش و حواس کے آنے جانے والے کو پہچان نہیں سکتا اور نہ اس کا سلام سن سکتا ہے تو مرنے کے بعد جب وہ عالم ہی علیحدہ ہوگا اس عالم دنیا کی طرف کیسے توجہ ہو سکتی ہے۔

چونکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ولی کامل صاحب باطن اور روشن ضمیر تھے اس راز سے واقف ہوئے اور صاف فرمایا کہ مردہ نہیں سنتا کیونکہ وہ امور غیب اور آخرت کے مشاہدات میں محو اور مشغول ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اس راز کو کھول دیا جو عام لوگوں کو سمجھ نہیں آتا

برسبیل تذکرہ الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون کی مختصر سی تشریح

اس مضمون بالا کو غور سے پڑھیں پھر اس حدیث میں بھی غور فرمائیں الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون۔ اول تو اس حدیث میں بحث ہے چنانچہ اس کی مکمل مفصل بحث اپنے مقام میں موجود ہے

دوسرے اس حدیث کو ہم صحیح بھی تسلیم کر لیں تو یہ حدیث عدم سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام الزائر وکلامہ کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور برزخیہ میں برزخی حیات کے ساتھ زندہ

ہیں اور ہر وقت نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ اور یہ معنے مضارع کی وجہ سے پیدا ہوا کیونکہ مضارع استمرار پر دلالت کرتا ہے۔
جب انبیاء کرام علیہم السلام ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں تو نماز میں حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات کرتے رہتے ہیں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان العبد یناجی ربہ فی الصلوٰۃ کہ بندہ نماز میں اپنے محبوب حقیقی رب العزۃ کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے اور اسی میں محو اور مشغول رہتا ہے سوائے محبوب کے کسی دوسرے کی طرف نمازی کی توجہ اور التفات نہیں ہوتی بلکہ اس کا دل تمام ماسوائے اللہ سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز کی حالت میں آپ کو السلام علیکم کہا اور آپ نے جواب نہیں دیا تھا پھر نماز پڑھ کر فرمایا کہ نماز میں انسان کو بہت زیادہ مشغولی اور محویت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور ہم کلامی ہوتی ہے وہ مانع بن جاتی ہے لوگوں کے ساتھ کلام کرنے سے اور ان کے سلام کا جواب دینے سے۔

نمازی نماز میں دوسری طرف توجہ کرے تو خدا بھی مُنہ پھیر لیتا ہے

سنن ابی داؤد و نسائی و مسند دارمی میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بحالت نماز اللہ تعالیٰ عز و جل نمازی پر متوجہ رہتا ہے جب تک نمازی دوسری طرف توجہ اور التفات نہ کرے۔ اور جوں ہی کہ نمازی دوسری طرف توجہ اور التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عز و جل بھی اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔
جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی بزرگ ذات کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اور جب بندہ غیر اللہ کی طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! تو کس چیز کی طرف توجہ کر رہا ہے۔ کیا مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی چیز تیرے لئے بہتر ہے کہ تو اس کی طرف دیکھتا ہے۔ تو اپنا منہ میری طرف کر۔ اور جب وہ بندہ پھر دوبارہ دوسری طرف توجہ اور التفات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر وہی پہلی بات فرماتا ہے پھر جب تیسری بار وہ بندہ دوسری طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا روئے مبارک اس سے پھیر لیتا ہے
یہ تو عالم دنیا میں نماز پڑھنے کا حال ہے اور جب عالم برزخ میں ہو تو اس وقت خدا کی ہمکلامی کی وجہ سے اور زیادہ محویت و مشغولیت ہوگی خصوصاً شہداء و صدیقین کی پھر اُن سے بڑھ کر انبیاء کرام علیہم السلام کی عموماً اور خاتم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصاً۔ اب اتنی محویت و مشغولیت کے ہوتے ہوئے یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ نبی پاک

جیسی ہستی اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ نماز میں سرگوشیاں کرتے کرتے کسی زیارت کرنے والے کے بے موقع سلام دینے پر محبوب حقیقی کے ساتھ سرگوشیاں چھوڑ کر، اور نماز جیسی محبوب ترین عبادت توڑ کر اللہ تعالیٰ سے دل توڑ کر زائر کے سلام کا جواب دیں پھر ایک زائر نہیں بلکہ سیکڑوں زائرین کے سلام کا الگ الگ جواب دیں جس کا کوئی نام نہیں۔ لیکن یہ بات کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ سلم اپنے محبوب حقیقی کی طرف سے توجہ ہٹا دیں نہیں ہو سکتی اور نہ ہو سکتا ہے کہ آپ محبوب حقیقی سے توجہ ہٹا کر نماز کی حالت میں امت کے سلام کے جواب دینے میں لگ جاویں۔ اس حالت میں نہ تو توجہ الی اللہ رہتی ہے اور نہ نماز ہی رہتی ہے۔ پھر کونسا وقت زائرین کی زیارت سے خالی ہے جس میں آپ زائرین سے فارغ ہو کر نماز میں مشغول ہوں۔ پھر الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون کس طرح صادق آئے گا۔ پس دو باتوں میں سے ایک بات تسلیم کرنا ہو گی یا تو یوں کہنا ہو گا کہ الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون میں سقم ہے یا یوں کہنا ہو گا کہ حدیث اپنی جگہ درست ہے مگر زائرین کے سلام کی آپ کو کچھ خبر نہیں کیونکہ آپ مناجات رب میں محو اور مشغول ہیں وہو المطلوب۔

سوال مردوں کی روحیں جسموں کا سا کام کرتی ہیں

سوال: حضرت: مفتی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ میں لکھا ہے ارواحِ ایشان کارِ اجساد مے کنند یعنی ان کی ارواح فعال ہوتی ہیں اجساد کا سا کام کرتی ہیں۔

الجواب یہ غلط بات ہے

جواب: اول تو یہ کلیہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ جو کام جسم کرتے ہیں وہ روح کی مفارقت کے بعد روح کرتی ہے مثلاً نکاح کرنا تولید امات وغیرہ سیکڑوں کام ایسے ہیں جن کے کرنے سے روح عاجز ہے۔ اور وہ کام روح کے قابل ہی نہیں ہیں۔ نیز جسم بھی تو بعض اوقات مشغول ہو کر اہل دنیا کے کلام سلام پیام سننے سے عاجز ہو جاتا ہے پس اسی طرح روح بھی جو جسم کے مانند کام کرتی تھی امورِ آخرت میں محو اور مشغول ہو کر اہل دنیا کے کاروبار سے ان کے کلام و سلام سے بے خبر ہو گئی پس اس روایت سے سماعِ اموات ثابت کرنا غلط ہے۔

سوال صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے مُردے سنتے ہیں

سوال : نواب قطب الدین خان صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے مظاہر حق شرح مشکوۃ شریف میں لکھا ہے کہ پانچویں قسم مہربانی اور انس کے لئے ہوتی ہے حدیث میں آیا ہے کہ جو گزرے اوپر قبر مومن بھائی اپنے کے اور سلام کرے

الجواب ان کا مسلک عدم سماع کا ہے

جواب یہ حدیث صحیح نہیں ہے نیز نواب صاحب نے اپنی تفسیر جامع التفاسیر ص۱۱ طبع نظامی میں صراحت سے لکھا ہے" جاننا چاہئے کہ سماع اموات میں اگرچہ بعض علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن مذہب امام اعظم کا اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع کا ہے بدلیل آیت الخ۔ اب اس تحریر کے سامنے نواب صاحب کی دوسری تحریر معتمد اور معتبر نہیں ہو سکتی۔ اور مصنفین ایسا کرتے رہتے ہیں کہ ایک تصنیف میں مشہور اور غیر معتمد قول لکھ دیتے ہیں اور دوسری تصنیف میں محقق قول لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ایک رسالہ میں اپنی تحقیق لکھی کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک موحدین تھے کوئی ایک بھی مشرک نہ تھا مگر باوجود اس بات کے اللہ کے فرمان واذ قال ابراہیم لابیہ آزر میں کہا آزر لقبہ واسمہ تارخ تو یہ قول بنا بر مشہور کے لکھ دیا۔ کمالین میں ہے کہ قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا کا نام تھا اور آپ کے والد صاحب کا نام تارخ تھا اور یہی بات حضرت شیخ مفسر صاحب (علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ) نے اپنے بعض رسائل میں ذکر فرمائی ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ واجداد کے ایمان کو ثابت فرمایا ہے لیکن یہاں قرآن پاک کی تفسیر کرتے وقت مشہور توجیہ پر گئے ہیں دیکھو حاشیہ ۱۵ صفحہ ۱۱۶ جلالین۔ اسی طرح صفحہ ۲۰۱ میں لکھا والیاس ابن اخی ہارون اخی موسٰی اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسٰی علیہ السلام کے اخیافی بھائی ہیں جو قول ضعیف ہے اور خود حضرت مفسرؒ نے الاتقان میں اس قول کو صیغۂ تمریض کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لیکن یہاں تفسیر لکھتے وقت اپنے شیخ جلال الدین محلی کی اتباع کرتے ہوئے یہی قول لکھ دیا ورنہ مشہور یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی

نسل میں سے تھے جیسے امام المغازی حضرت محمد بن اسحٰق سے بیان کیا جاتا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تحقیقی (حقیقی اور سگے) بھائی تھے۔ دیکھو کمالین ۹ مدا جلالین۔

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ وان کادوا لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک کے بارے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا کہ (مدینہ شریف میں) بنو ثقیف کے بارے یہ آیت نازل ہوئی ہے حالانکہ خود حضرت سیوطی رہ کے نزدیک بھی یہ بات ضعیف ہے اور ابن مردویہ نے عوفی کے طریق سے بسند ضعیف ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے لیکن محقق اور صحیح بات جو علامہ سیوطیؒ کے نزدیک بھی معتمد علیہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت (مکہ معظمہ میں) قریش کے بارے اتری ہے اور حضرت سیوطیؒ نے اتقان میں لکھا کہ ابن مردویہ نے اور ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے جس کا اسناد بھی حسن ہے اور ابی الشیخ کے ہاں اس کا شاہد بھی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے موجود ہے جو درجہ صحیح تک پہنچ جاتا ہے۔ پس یہی قول معتمد علیہ ہے دیکھو ص۲۳۳ جلالین کا حاشیہ کمالین ۵۔

سوال شاہ محمد اسحاق صاحب نے فرمایا کہ میت مرد و عورت کا بھی امتیاز کر لیتا ہے

سوال: حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نبیرۂ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اربعین مسائل میں نصاب الاحتساب سے عورت کا زیارت قبور سے ممنوع ہونا ٹھیراتے ہیں کہ وہ جب نکلتی ہے ملعونہ ہوتی ہے اور ہر چہار طرف سے شیاطین اس کو گھیر لیتے ہیں واذا اتت القبر تلعنہا روح المیت۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روح عورت اور مرد کو بھی پہچانتی ہے۔ پھر مردہ کو جماد کس بنا پر کہا جاتا ہے۔

الجواب شاہ صاحب کا منشا اور ہے

جواب: یہ قول کسی نامعلوم الوصف قاضی کا ہے اور ہے بھی بے سند۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اول تو کچھ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جن میں عورتوں کے قبرستان جانے کی ممانعت ذکر ہے اس کے بعد اس مسئلہ کی تائید میں اس قول کو ذکر فرمایا ہے۔ اثبات عقیدہ کے لئے اس مجہول قاضی کا قول نقل نہیں فرمایا۔ اثبات عقیدہ کے لئے تو خود آپؒ نے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے نزد اکثر حنفیہ سماعت موتیٰ ثابت نیست۔ پس مسئلہ نزاعیہ میں تصریحات کو نظر انداز کرنا اور ادھر ادھر کے رطب و یابس اقوال یا تاویلات سے کام چلانا سخت غلطی ہے۔

سوال جھگڑو مت! روح سنتی ہے دھڑ نہیں سنتا

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونوں فریق سچے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ روح سنتی ہے جسم نہیں سنتا

الجواب یہ حنفیہ کا مسلک نہیں

جواب: حنفی مذہب میں یہ کہیں نہیں کہ روح سنتی ہے۔ حنفی علماء علی الاطلاق متوفی کی عدم سماعت کے قائل ہیں۔ جو لوگ جسم کے عدم سماع اور روح کے سماع کے قائل ہیں ان سے ہمارا سوال ہے کہ روح کا سننا بواسطہ جسد ہے یا بلا واسطہ جسد اگر کہا جائے کہ بواسطہ جسد ہے تب تو وہی صورت ہے جو کہ قدرت نے دنیا میں انسان وغیرہ کو سماعت کا طریق عطا فرمایا ہے کہ درحقیقت سماعت بصارت شم ذوق تکلم وغیرہ حواس کی مدرک روح ہے اور جسد یعنی کان ناک آنکھیں زبان وغیرہ واسطہ ہیں اگر روح مفارقت کر جائے گی تب روح بے ہوش اور بے خود ہو جائے گی۔ اور صرف جسد سے سماعت بصارت ناممکن ہے۔ اور اگر جسم سے واسطہ سماعت و بصارت یعنی آنکھیں اور کان وغیرہ تلف اور ضائع ہو جائیں تب بھی دیکھنا اور سننا نہیں ہو سکتا۔ بہر حال روح کے لئے جسد اور جسد کے لئے ہوشیار روح کا ہونا لازم و ملزوم ہے۔ بغیر ان دونوں کے سماعت و بصارت وغیرہ تام طور سے نہ ہوگی۔ پس اس صورت میں جب جسد قبر میں مٹی ہو جائے گا یا لاش جلا دی جائے گی یا شیر وغیرہ درندوں نے کھالی تو صرف روح ہی روح باقی رہ گئی اب صرف روح بغیر جسم کے کیسے سن سکتی ہے جب کہ یہ فرض کیا جا چکا ہے کہ روح کا سننا جسد کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ اب جب جسد فنا ہو گیا تو روح کی سماعت و بصارت بھی فنا ہو گئی ورنہ خلافِ مفروض لازم آئے گا اور خلافِ مفروض محال اور ناممکن و ناجائز ہے۔

اور اگر فرض کیا جائے کہ روح بلا وساطت جسد کے سنتی ہے اگرچہ جسد گل سڑ جائے یا جل جائے فنا ہو جائے بہر صورت روح باقی ہے وہ خود سنتی ہے۔ بیچ میں جسد کے واسطہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کو عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتی اور نقل صحیح بھی اس دعویٰ پر شہادت نہیں دیتی بلکہ نقلِ صحیح یعنی۔ صحیح احادیث اس بات کو صاف اور صریح طور پر بیان کرتی ہیں کہ جسم کے لئے سماعت ثابت ہے نہ روح کے لئے مثلاً مثلاً وہ روایت جو صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان

العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالہم اتاہ ملکان فیقعدانہ وفی روایۃ ویجلسانہ الخ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کو جب اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کو دفن کرنے والے ساتھی دفن کر کے واپس چلے جاتے ہیں تو وہ دفن کیا ہوا بندہ میت اُن واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز ابھی سن ہی رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آکر اسے اٹھا بٹھاتے ہیں۔" اس حدیث صحیح کی ظاہر عبارت بتاتی ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد نکیرین کے اس کے پاس آنے اور اٹھا بٹھانے سے پہلے وہ میت واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو یہ صرف جسم ہی تو ہے جس میں روح نہیں ہے اور اس جسم بے روح کے لئے سماعت ثابت ہو گئی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس العبد سے مراد جسد بلا روح ہے جسے قبر میں رکھا جا رہا ہے۔ اگر اس جسد میں روح ہوتا تو اسے دفن ہی کیوں کیا جاتا بلکہ ایسے موقع پر اگر سکتہ کا مریض ذرا بھی حرکت کرے تو اُسے واپس گھر لے جائیں گے کہ اس میں ابھی روح ہے جان ہے۔ پھر وتولی عنہ میں ضمیر مجرور اور اصحابہ میں مضاف الیہ ضمیر ان ہر دو ضمیروں کا مرجع وہی جسد ہے جو جسد بے روح سے عبارت ہے پھر انہ کی ضمیر بھی العبد کی طرف راجع ہے لیسمع کی ضمیر بھی اسی کی طرف راجع ہے پھر اتاہ میں ضمیر منصوب متصل کا مرجع بھی العبد ہے پھر فیقعدانہ میں بھی ضمیر منصوب متصل کا مرجع بھی العبد ہی ہے جو عبارت ہے جسد بے روح سے

اور قلیب بدر والی حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے کہ صرف جسموں نے سنا تھا جن میں روح نہ تھی۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کفار قریش سے خطاب کیا جن کے لاشے بدر کے کنوئیں میں تین روز سے پڑے سڑ رہے تھے اے فلان بن فلان! اے فلان بن فلان! تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اتکلم اجسادا لا ارواح فیہا یعنی کیا آپ ایسے جسموں سے باتیں فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی اس بات کی تردید نہیں فرمائی اور یوں نہیں فرمایا کہ اے عمرؓ! میں ان بے جان جسموں سے بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ ان کی ارواح سے باتیں کر رہا ہوں یا ان جسموں میں روح واپس آ گئی ہے اس لئے اجساد مع الارواح سے باتیں کر رہا ہوں بلکہ اسی سوال کو یعنی یہ کہ آپ بے جان اجساد سے باتیں کر رہے ہیں تسلیم فرماتے ہوئے جواب دیا کہ وہ جسم بے جان کے ایسے سنتے ہیں کہ جیسے تم سنتے ہو یا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے پس سوال میں جسم بلا روح مذکور ہے اور جواب

میں جسم مع روح کی سماعت ثابت ہو گئی ہے نہ فقط روح کی۔

نیز جو حدیث حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ اور منذری نے الترغیب والترہیب میں روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا حضرت! یہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ آپ گل گئے ہوں گے پھر آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش ہوگا۔ اس اشکال کے جواب میں آپؐ نے فرمایا اور اس سوال کی اپنی تردید فرمائی اور جواب دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام قبروں میں گلتے سڑتے نہیں ہیں ان کے جسم مبارک کا کھانا زمین پر حرام کر دیا گیا ہے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔

پس اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو زندہ لوگوں کے کلام سننے کے لئے جسد خاکی کا سالم ہونا ضروری ہوا۔ ورنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قول کی تردید میں یوں فرماتے کہ سماعت سے جسد کو کیا تعلق ہے۔ سماعت تو روح سے متعلق ہے اور روح ہمیشہ زندہ قائم ہے۔ مگر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جب کہ صحابہ کرامؓ کے اسی خیال کو کہ سلام اور صلوٰۃ کے سننے اور پیش ہونے کے لئے جسد کا ہونا ضروری ہے اور جب آن حضرتؐ کا جسد مبارک ہی گل سڑ گیا ہوگا تو پھر کس طرح آپؐ سن سکیں گے۔ تو آپؐ نے اس سوال کو برقرار رکھا اور اس کی تقریر فرماتے ہوئے یوں جواب دیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مبارک اجساد گلتے سڑتے نہیں۔

اور دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوئی کہ جب جسد نہ رہے تو سماعت بھی نہیں رہتی

خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ بعض فقہی کتابوں میں ہے کہ زیارت کرنے والا میت کے پاؤں کی طرف سے جائے۔ کیونکہ یہ صورت میت کے لئے آسان ہے سرہانے کی طرف سے نہ جائے کیونکہ اس میں میت کو اپنی نگاہ پھیرنے میں اور سرہانے کی طرف متوجہ ہونے میں دقت اور مشقت اور تکان ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب فقط روح سنتی ہے اور جسد خاکی نہیں سنتا تو پھر سرہانے کی طرف سے آنے کا امتیاز کیسا؟ ناچار یہ سب کچھ جسم کے خواص ہیں۔ پس اس فقہی روایت کا مضمون بھی جسد کو سماعت کے لئے مخصوص ثابت کرتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ کہ زیارت کے لئے سرہانے کی طرف سے جانا میت کے لئے اتعب ہے کہ میت کو نگاہ کرتے وقت دقت ہوتی ہے گردن پھیرنی پڑتی ہے" نہ قرآن پاک کی کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے ثابت

ہے اور نہ امام اعظم سے نہ صاحبین سے یا جمہور فقہائے حنفیہ سے رحمہم اللہ تعالیٰ۔ وہ محض ایک خیال ہے بعض علماء کا جو دین میں کسی طرح حجت نہیں ہو سکتا۔ ا۔

اور قلیب بدر والا معجزہ ہے اور قبر میں جسم کا صحیح سلامت رہنا اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہنا انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے اور جوتیوں کی آواز سننا جو ہے اس سے مراد ہے نکیرین کا جلدی آنا جیسے حدیث شریف میں ہے کہ ریح کے خارج ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ بو نہ آئے یا آواز نہ آئے سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر آواز آنے کے اور بغیر بو کے اگر ریح خارج ہو جائے تو وضو ہی نہیں ٹوٹے گا۔ بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ریح خارج ہونے کا یقین ہو جائے نرے وہم سے حکم نہیں لگایا جا سکتا

نیز حدیث میں تعرض علیّ ہے اور عرض سلام اور سماع سلام میں بڑا فرق ہے۔ عرض کو سماع لازم نہیں ہے۔ دیکھو آپؐ جب دنیا میں زندہ تھے تو آپؐ نے فرمایا تھا اَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ آپؐ تمام صحابہ کرامؓ کا درود نہیں سنا کرتے تھے اور نہ ہی سب کا سلام سنتے تھے حالانکہ آپ پر سلام پیش ہوتا تھا

سوال حدیث میں ہے کہ دور سے درود پڑھا جائے تب بھی آپ سن لیتے ہیں

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر دور سے درود پڑھیگا وہ بھی میں سنتا ہوں

الجواب ایسی کوئی حدیث نہیں

جس حدیث میں سننے کا ذکر آیا ہے وہ غلط ہے چنانچہ حضرت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الرد علی الاخنائی میں فرمایا "اور جو مسند ابن ابی شیبہ میں ہے من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا سمعتہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کا درود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود بھی سنتا ہوں) اس حدیث میں سمعتہ کی بجائے بُلِّغتہ صحیح ہے سمعتہ غلط ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض نے بلغتہ کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز یہ حدیث بیہقی میں بلغتہ کے لفظ کے ساتھ ہے لیکن امام بیہقی اس روایت

پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن مروان سدی راوی میں نظر ہے۔ پس امت محمدیہ کی جانب سے کثرت کے ساتھ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا جانا چاہئے۔ ابوداؤد کی حدیث میں اس کی تائید موجود ہے۔

قَالَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ؛ قالوا وکیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت یقولون بلیتَ فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام دنوں سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اس میں آدمؑ کی تخلیق ہوئی اسی میں وہ فوت ہوئے۔ اسی میں نفخہ ہوگا اسی میں بے ہوشی ہوگی، پس اس دن تم مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو، اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ پر کس طرح درود پیش ہوگا، جبکہ آپؐ بوسیدہ ہو چکے ہونگے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر ناجائز کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو بوسیدہ کرے۔

یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ نسائی، ابن ماجہ، ابوحاتم، بیہقی میں بھی موجود ہے۔ نیز ابن ماجہ وغیرہ میں اس کے شواہد اور بھی موجود ہیں، ابن ماجہ میں ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجو، وہ ایسا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور لوگوں کے درود مجھ پر پیش کرتے ہیں۔ صحابیؓ نے کہا حضرت! کیا موت کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں موت کے بعد بھی! اس لئے کہ مٹی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے

اسی مضمون کی حدیث کو ابن جریر طبریؒ نے تہذیب الآثار میں روایت کیا ہے۔ نیز ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو میلہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجتے رہو۔ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے جہاں سے بھی تم بھیجو اسکی شواہد مرسل روایات موجود ہیں جو اس کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ سعید بن منصور کی سنن میں بھی ان الفاظ کے ساتھ روایت موجود ہے۔ نیز سنن سعید میں ہے

قال سہیل بن ابی سہیل رآنی الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب عند القبر فنادانی وھو فی بیت فاطمۃ یتعشّٰی فقال ھلم الی العشاء فقلتُ لا اریدہ فقال رأیتک عند القبر فقلت سلمت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اذا دخلتَ المسجد فسلم علیہ ثم قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تتخذوا بیتی عیداً ولا بیوتکم مقابر لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد، وصلوا علیّ فان صلوٰتکم

تبلغنی حیثما کنتم انتم ومن بالاندلس منہ سواء یعنی سہیل بن ابی سہیل بیان کرتے ہیں کہ مجھے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے قبر نبوی کے قریب دیکھا تو مجھے آواز دی (جب کہ وہ فاطمہ کے گھر میں شام کا کھانا کھا رہے تھے) کہ آؤ شام کا کھانا کھاؤ، میں نے عدم رغبت کا اظہار کیا، اس پر اس نے پوچھا کہ تو قبر نبوی کے پاس کس لئے کھڑا ہے، میں نے کہا کہ سلام کہنے کے لئے! اس نے کہا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کہو، پھر اس نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے گھر کو میلہ نہ بنانا اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت ہو اللہ کی جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کر ڈالیں۔ اور مجھ پر درود بھیجو، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے جہاں بھی تم ہو۔ تم اور اندلس کے لوگ ایک جیسے ہو۔

اسی طرح اسماعیل بن اسحٰق قاضی نے فضل الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے کہ ایوب سختیانی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک فرشتہ اس کام پر متعین ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ آپ تک پہنچا دیتا ہے اور سلام کے پہنچانے کا ذکر نسائی میں موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے ایسے فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔

نیز علی بن حسین سے روایت ہے کہ اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ قبر نبوی کے قریب ایک کھڑکی سے داخل ہوا، تو اس نے اسے روکا اور کہا کہ میں تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بتاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میرے گھر کو میلہ نہ بنانا اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا۔ تم جہاں بھی ہو تمہارا سلام مجھ تک پہنچتا ہے۔

اس مضمون کی معروف حدیثیں متعدد طرق سے مروی ہیں، ان سب کا ملخص یہ ہے کہ امت سے جو شخص بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے اس کا صلوٰۃ وسلام آپ پر پہنچتا ہے۔ لیکن کسی روایت میں مذکور نہیں کہ آپ درود وسلام کی آواز کو سنتے ہیں، البتہ[1] وہ لوگ جو آپ کی قبر اطہر کے قریب کھڑے ہو کر آپ پر سلام کہتے ہیں تو آپ جواباً ان کو سلام کہتے ہیں جس طرح کہ تمام مومن بھی جب ان پر سلام کہا جاتا ہے تو وہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اور یہ سلام وہ نہیں ہے جس پر اللہ پاک دس بار سلام بھیجتا ہے جس طرح کہ ایک بار درود بھیجنے والے پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور یہ درود وسلام وہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے اور یہ درود کسی خاص جگہ کے ساتھ خاص نہیں۔ اور قبر کے قریب سلام کہنے اور آپ کا اسے جواب دینے کی

[1] یہ ابن تیمیہ اور سماع موتی کے قائلین کا خیال ہے جو حنفیہ کے لئے حجت نہیں

حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ اس کی سند قابل حجت نہیں، اگرچہ بعض دوسری حدیثوں سے اس کا مفہوم ثابت ہے لیکن سند میں محمد بن مروان ثقہ نہیں ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث کو تحریر نہ کیا جائے۔ جوزجانی نے اسے ذاہب الحدیث کہا۔ نسائی نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے اور بعض جارحین نے اس کی جملہ روایات کو غیر محفوظ قرار دیا ہے۔ البتہ دیگر احادیث کو ملاتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام کو پہنچانے کے لئے فرشتے مقرر ہیں ورنہ آپ کا سننا ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح بعض جاہل لوگوں کا یہ کہنا کہ آپ جمعہ کی رات اور دن کو خصوصیت کے ساتھ سنتے ہیں بالکل باطل ہے اور اسی طرح یہ نظریہ کہ آپ تمام مخلوق کی آوازوں کو سنتے ہیں بالکل لغو ہے یہ وصف تو رب العالمین کا ہے۔ جو تمام کی آواز سنتا ہے، ارشاد ربّ تعالیٰ ہے ام یحسبون ان لا نسمع سرھم ونجوٰھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون الزخرف (۸۰) کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟ (ہاں ہاں ہم سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ان سب کی باتیں لکھ لیتے ہیں۔

نیز فرمایا: ما یکون من نجوی ثلٰثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم (المجادلۃ ۷) یعنی کسی جگہ تین شخصوں کا مجمع اور کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے۔

پس جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ پاک کی طرح کوئی انسان بھی تمام بندوں کی آوازوں کو سنتا ہے تو ان کا نظریہ عیسائیوں والا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔

مناسک وزارت میں ہے زائرین مسجد نبوی میں داخل ہونے کے بعد قبر اطہر اور منبر کے درمیان نوافل ادا کریں اور حسب خواہش مسنون دعائیں کریں۔ پھر قبر اطہر کے نزدیک پہنچ کر السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علیک یا محمد بن عبد اللہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ کے کلمات پر ہی بس نہ کی جائے، بلکہ ذیل کے کلمات سے آپ کو خراج تحسین پیش کیا جائے اشھد انک بلغت رسالۃ ربک ونصحت لامتک وجاھدت فی سبیل اللہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وعبدت اللہ حتی اتٰک الیقین فجزاک اللہ افضل ما جزیٰ نبیاً عن امتہ ورفع درجاتک العلیا وتقبل شفاعتک الکبریٰ واعطاک سؤلک فی الاٰخرۃ والاولیٰ کما تقبل

من ابراھیم اللھم احشرنا فی زمرتہ وتوفنا علی سنتہ واوردنا حوضہ واسقنا بکاسہ شربا لا نظمأ بعدہ ابدا

یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ نے اپنے پروردگار کے پیغامات کو دلائل و کمالات سے پہنچا دیا اور اپنی امت کے ساتھ خیر خواہی فرمائی۔ راہ خدا میں حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ جہاد فرمایا۔ اللہ تم کی عبودیت میں محو رہے یہاں تک کہ تجھے اس سے بہت بہتر بدلہ عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے ملتا ہے۔ اللہ پاک تیرے بلند درجات کو مزید اونچا کرے اور تجھے شفاعتِ عظمیٰ کی قبولیت کے شرف سے نوازے۔ دنیا اور آخرت میں تیری مرادوں کو بر لائے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اے اللہ ہمیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرے میں اٹھا، اور اس کی سنت پر فوت فرما، حوض کوثر پر آپ کے ہاتھوں چھلکتے ہوئے جاموں سے ہمیں سیراب فرما تاکہ پھر کبھی بھی ہم پیاس سے دوچار نہ ہوں۔

کتب حدیث میں ان ثنائیہ کلمات کا تذکرہ نہیں ملتا۔ پس غیر مشروع کلمات کا آپ کی قبر اطہر کے پاس تذکرہ کرنا مشہور حدیث کے مفہوم کے خلاف ہے کہ میری قبر کو میلے کی حیثیت نہ دینا۔

پس قبر اطہر پر کھڑے ہو کر آپ کے لئے دعا کرنا درست نہیں، چہ جائے کہ وہاں آپ کے غیر کے لئے دعا کی جائے۔ ہاں ان کلمات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیگر ہر مقام پر دعا کرنا جائز اور درست ہے۔ اور آپ کے حق میں دعائیہ کلمات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دئے جاتے ہیں۔ ہاں عام مسلمانوں کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان کے لئے دعا مانگنا ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپ جب قبرستان پہنچتے تو فرماتے السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم للاحقون ویرحم اللہ المستقدمین منا ومنکم والمستأخرین

یعنی اے مومنو مسلمانو! یہاں آکر آباد ہونے والو! تم پر سلام ہو۔ ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے ساتھ آملیں گے۔ اللہ پاک ہمارے اور تمہارے پہلے اور بعد میں فوت ہونے والوں پر رحم فرمائے۔

یہ کلمات قبروں پر تو کہے جا سکتے ہیں لیکن دیگر مقامات میں ان کلمات کے کہنے کا کوئی جواز نہیں ملتا۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر اور عام قبروں کے احکامات میں فرق پایا جاتا ہے اور اگر عام قبروں کی زیارت کی مانند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کرنے سے صحابہ کرام رکتے رہے تو اس میں بھی آپ کے فضائل ہی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور امت مسلمہ کو انعامات سے نوازا گیا ہے۔

سوال مُردوں کو جوتوں کی آواز سے دکھ ہوتا ہے

سوال مراقی الفلاح میں ہے اخبرنی الشیخ محمد بن احمد الحموی الحنفی بانہم یتاذون بخفق النعال یعنی مُردے جوتوں کے آواز سے اذیت محسوس کرتے ہیں

جواب غلط ہے

جواب: اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا منع ہے حالانکہ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و صاحبین اور مذہب حنفیہ اور صحیح احادیث اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے خلاف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار مع گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازوں کے دفن کرنے کے لئے جوتے پہن کر قبرستان تشریف لے گئے جس کا ثبوت صحیح حدیثوں میں ملتا ہے اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار ص ۲۹۵ میں باب المشی بین القبور بالنعال لکھا جس میں ثابت کیا کہ حضرت امام اعظم و ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ کے مذہب میں جوتوں سمیت قبرستان میں جانا مکروہ نہیں ہے۔ اور مراقی الفلاح کے اس قول کی تردید علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے حاشیہ ص۳۰۲ میں کردی ہے چنانچہ فرمایا ولا یکرہ المشی فی المقابر بالنعلین عندنا ولنا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وانہ لیسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا یعنی قبرستان میں جوتوں سے چلنا ہمارے مذہب میں مکروہ نہیں ہے جس کی دلیل قرع نعال کی حدیث ہے

سوال قبرستان میں پیشاب منع ہے کہ میت کو دکھ ہوتا ہے

سوال: رد المحتار اور حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ قبرستان میں پیشاب نہ کرے لان المیت یتاذی بما یتاذی بہ الحی،
یعنی قبرستان میں پیشاب کرنا اس لئے منع ہے کہ جس چیز سے زندہ کو اذیت پہنچتی ہے اس چیز سے میت کو بھی اذیت پہنچتی ہے۔

جواب استنباط غلط ہے

جواب قبرستان میں پیشاب کرنا واقعی منع ہے مگر اس کی وجہ وہ نہیں جو سوال میں درج ہے اور نہ رد المحتار میں یہ وجہ

ذکر ہے اور نہ حاشیہ طحطاوی میں بلکہ یہ وجہ اصول مذہب حنفیہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ حنفیہ کا یہ محقق مسئلہ ہے کہ الایلام لا یتحقق فی المیت یعنی میت کو الم اور اذیت پہنچانا میت کے حق میں نہیں ہو سکتا نہ دفن سے پہلے اور نہ دفن کے بعد۔ اب اس مقام پر خواہ مخواہ دل میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ میت اذیت کے قابل نہ رہا تو پھر قبر کا عذاب کس طرح ہوگا اس سوال کا جواب یوں دیا ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیاۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم یعنی میت کو اس جہان کے دنیا والے تو کچھ اذیت نہیں پہنچا سکتے البتہ قبر کا عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جس کی صورت عام علماء کے نزدیک یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میت (میں) یا اس کے کسی جزء میں حیات پیدا کی جاتی ہو جس کی وجہ سے وہ شخص عذاب قبر کا دکھ درد محسوس کر سکے۔ باقی رہا اہل دنیا کی ایذا رسانی سو یہ کچھ ضرر اس میت کو نہیں پہنچا سکتے۔

قبرستان میں پیشاب کرنے کی ممانعت کی اصل وجہ

اصل وجہ قبرستان میں پیشاب کے ممانعت کی یہ ہے کہ مومنین کا قبرستان رہائش گاہ ہے ملائکہ رحمت کی جیسے بعض روایات میں آیا ہے کہ ملائکہ یعنی کراماً کاتبین کو انسان کی وفات کے بعد انسان کی قبر کے پاس رہنے کا اور وہاں رہ کر اللہ کی عبادت کرنے کا حکم ملتا ہے اور مجموعۃ النوادر فقہ حنفی قلمی ورق ۳۰۲ میں لکھا ہے فاذا انتھی الیھم یقول السلام علیکم لان ھناک من یجیبہ وھم الحفظۃ یعنی زائر جب قبرستان میں پہنچے تو السلام علیکم کہا کرے کیونکہ وہاں جواب دینے والے موجود ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ مردے سلام سنتے ہیں اور سلام سن کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ بلکہ صاف لفظ ہیں کہ انسان کے اعمال کے محافظ کراماً کاتبین فرشتے سلام کرنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔ پس جہاں فرشتے حاضر ہوں وہاں کچی پیاز کھا کر جانا منع ہے وہاں کسی بدبودار چیز کا ظاہر کرنا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا بھی منع ہے

سوال جس سے زندہ کو دکھ ہوتا ہے میت بھی دکھی ہوتا ہے

سوال دیلمی نے فردوس میں حدیث بیان کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے المیت یوذی فی قبرہ مایوذی الحی یعنی جو چیز زندہ کو اذیت دیتی ہے وہ چیز قبر میں میت کو بھی اذیت دیتی ہے۔

جواب دیلمی کی کتاب موضوعات سے پُر ہے

جواب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بستان المحدثین ص ۲۳ میں لکھا ہے اما دراتقان

معرفت و علم او قصور سے ہست درستقیم و صحیح احادیث تمیز نمی کنند و لہٰذا در ین کتاب او موضوعات و واہیات تودہ تودہ مندرج یعنی دیلمی کے علم اور اتقان اور معرفتِ حدیث میں قصور تھا اور وہ بیمار اور صحیح حدیثوں میں تمیز نہ کر سکتا تھا اس لئے دیلمی کی کتاب میں جھوٹی منگھڑت اور واہیات حدیثیں کثرت سے موجود اور مندرج ہیں۔

سوال قبروں اور ارواح کی باہم نسبت سے زائر کی پہچان

سوال شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جذب القلوب میں امام صدرالدین قونوی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ درمیانِ قبور سائر مؤمنین و ارواح ایشاں نسبتِ خاص ہست مستمر کہ بداں زائراں را می شناسند و سلام بر ایشاں می کنند بدلیل استحباب زیارت در جمیع اوقات یعنی تمام مؤمنین کی قبروں اور ان کے ارواح کے درمیان ہمیشہ کے لئے ایک خاص ایسی نسبت قائم رہتی ہے جس کے ذریعے زیارت کرنے والوں کو پہچان بھی لیتے ہیں اور ان کو سلام بھی کرتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بغیر کسی تخصیص کے تمام اوقات میں قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

جواب یہ دعویٰ بلا دلیل ہے

جواب: اول تو صدرالدین قونویؒ شافعی المذہب ہیں حنفی مذہب کے نہیں دوسرے ان کا یہ قول دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ زیارت کا ہر وقت مسنون و مستحب ہونا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ مُردے سنتے ہیں۔ زیارت کا اصل منشا تو حسبِ ارشاد گرامی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زندوں کو عبرت حاصل کرنا ہے۔ پس اس عبرت حاصل کرنے کا کوئی وقت خاص مقرر کرنا لغو ہے۔ اور زیارتِ قبور کا دوسرا منشا ہے اہلِ قبور کے لئے دعاء مغفرت (اور حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے یہ دونوں منشا کتاب الآثار میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان فرمائے ہیں) تو جیسے عبرت حاصل کرنے کا وقت خاص مقرر نہیں ہے ایسے ہی دعائے مغفرت کے لئے بھی کوئی وقت مقرر نہیں ہے اس لئے زیارتِ قبور بھی ہر وقت جائز ہوئی۔ اور ارواح کو من جانب اللہ ادراک ہونا برحق ہے۔ اہلِ قبور پر جو ثواب یا عذاب ہوتا ہے اسے وہ بخوبی کما حقہ ادراک کرتی ہیں اور وہاں برزخ کا ادراک دنیا کے ادراک سے کئی گنا زیادہ ہے۔ مگر وہ ادراک صرف اس ثواب یا عذاب کا ہوتا ہے جو عالم برزخ میں اس کے حصے میں ہے۔ دنیا اور اہلِ دنیا کے آمد و رفت سلام و کلام اور دیگر امور کا ادراک کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں اِلّا یہ کہ معجزہ ہو یا کرامت جو ہماری بحث سے خارج ہے۔

سوال مردہ مسکرا رہا تھا

سوال: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ قشیریہ میں باسند نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خزازؒ نے مکہ مکرمہ میں ایک جوان کو مردہ پایا جب میں نے نظر کی تو وہ مسکرایا

جواب کرامت تھی

جواب: ہم نے پہلے صراحت کر دی ہے کہ خرقِ عادات ہماری بحث سے خارج ہے اور سوال میں جو درج ہے اسے ہم کرامت سمجھتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کراماتُ الاولیاء حقٌّ اور جو لوگ اس جزئیہ واقعہ کو قاعدہ کلیہ کے تحت عام موتیٰ کے لیے ایسے امور ثابت کرتے ہیں وہ اسے خرقِ عادت نہیں سمجھتے تو اس طرح وہ لوگ کراماتِ اولیاء کے منکر بن کر فرقہ ضالہ معتزلہ کے ہمنوا ہو جاتے ہیں اعاذنا اللہ منہا۔

سوال عبدالحئیؒ لکھنوی سماعِ موتیٰؒ کے قائل ہیں

جناب مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے شرح وقایہ کے حاشیہ پر اور اپنے فتاویٰ میں سماعِ موتیٰ کے ثبوت پر بہت زور دیا ہے

جواب ان کا قول معتبر نہیں دلیل سنو!

مولانا عبدالحئی صاحب بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کا خلاف کرتے ہیں، جہاں اور خلاف تھے ایک سماعِ اموات بھی سہی۔ ان کا قول ہمارے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ یہاں حجت امام اعظمؒ کا قول ہے وہ پیش کیجئے۔ نیز مولوی عبدالحئی صاحب نے سوائے الفاظ جمع کرنے ...... کے اور کچھ بھی نہ لکھا۔ اگر دلیل لکھی تو یہ کہ اموات اور من فی القبور سے آیت میں کفار مُردہ دل مراد ہیں" مگر یہ یاد رکھئے کہ یہ قول شاذ اور خلافِ جمہور ہے۔ دیکھو فتح الباری باب عدۃ اصحاب البدر وقد اختلف اہل التاویل فی المراد بالموتیٰ فی قولہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتیٰ وکذا المراد بمن فی القبور فحملتہ عائشۃؓ علی الحقیقۃ وجعلتہ اصلاً احتاجت الی تاویل قولہ ما انتم باسمع لما اقول وہذا قول الاکثر وقیل مجاز

پس مولانا لکھنویؒ جو تاویل اختیار کرتے ہیں یہ جمہور کے خلاف اور شاذ قول ہے۔ پھر شاذ قول نتیاً

کرنے کے بعد بھی ہم سابق میں مولنا رشید احمد قدس اللہ سرہ العزیز کی تحریر سے اس کا جواب لکھ چکے ہیں کہ یہ استعارہ مصرحہ ہے اس میں غرض ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں اقوی اور اکمل ہو اور مشبہ میں کم۔ اور وہ اسی طرح ہے کہ اموات میں سماع مطلق کی نفی کی جائے اور کفار میں سماع قبول کی۔ ورنہ بلاغت قرآنی میں فرق آئیگا مولنا لکھنوی اپنے جوش میں لکھ گئے قواعد عربیہ کا اس وقت جناب کو خیال نہ رہا۔

نیز فقہائے حنفیہ مثل علامہ ابن ہمام وغیرہ صاف لکھتے ہیں کہ جب کفار کو میت سے تشبیہ دیا گیا ہے تب تو میت میں عدم سماعت نہ مان لیا جائے کسی طرح تشبیہ صحیح نہیں ہو سکتی۔

دوسری صورت مولنا لکھنوی یہ اختیار کرتے ہیں کہ میت اور من فی القبور سے یہ عرفی میت مراد لی جائے تب بھی آیت میں اسماع محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار ہے نہ انکار اسماع خداوندی کا الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اسماع خداوندی کا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کا ثبوت حسب قواعد شرعیہ مولنا عبد الحی کیا جہان بھر بھی مل جائے تو نہیں دے سکتا۔

آیت میں میت کے متعلق اسماع خداوندی معلق بالمشیۃ ہے اور سماع بالمشیۃ کا مسئلہ مولنا لکھنوی مرحوم نے شرح وقایہ اور ہدایہ کے حاشیہ میں خوب حل کیا ہے۔ مگر اس وقت .. بھول گئے ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ مولنا جن کتابوں کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں وہ اکثر شافعی مالکی حنبلی غیر حنفی لوگوں کی تالیفات سے ہیں جیسے کتاب الروح الصارم المنکی وغیرہ وغیرہ سوائے ایک عمدۃ القاری کے کہ یہ حنفی مذہب علامہ عینی کی ہے۔ اور علامہ عینی شرح ہدایہ اور شرح کنز میں صاف صاف سماعت اموات کا انکار کرتے ہیں جس کا دل چاہے عینی شرح کنز الدقائق اور ہدایہ کو دیکھے

باقی مولنا لکھنوی فرماتے ہیں کہ "مرکر دیکھ لے" یہ عورتوں کی طرح کوسنا ہے علماء کا یہ شیوہ ہے نہ ہم اس کا کوئی جواب دینا پسند کرتے ہیں۔ نیز اگر مولنا نے صحیح کا قول کیا ہے تو کیا ہوا ہم۔ خود آپ عدم سماع کا فتوی دیتے تھے

چنانچہ مولنا کے فتاوی میں سماع موتی کا انکار موجود ہے

مولنا عبد الحی صاحب کا فتاوی مطبوعہ موجود ہے اس میں سماعت اموات کا صاف انکار موجود ہے ملاحظہ کیا جائے فتاوی مولنا عبد الحی جلد اول ص ۳۳۲ نمبر ۲، ۳ - حوالہ ص ۹ پر گزر چکا

عالمِ وصال میں ان سے دعا کرانے یا واسطے حاجت روائی اپنے کے کسی طرح اُن کو تکلیف دینی یہ دستور
قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں اور زمانہ مجتہدین میں پایا نہیں گیا۔ بناءً علیہ ہمارے فقہائے حنفیہ اس میں مختلف
ہیں۔ اکثر عدم جواز کے قائل ہیں۔ اس بنا پر کہ سماعِ موتیٰ ثابت نہیں۔ جیسا کہ کتاب الایمان فتح القدیر حاشیہ ہدایہ
میں و مستخلص شرح کنز میں و کفایہ شرح ہدایہ و در مختار و دیگر فتاویٰ میں صراحۃً و اشارۃً لکھا ہے دیکھیے جس کا جی چاہے
اور واضح رہے کہ یہی مذہب اکثر فقہاء کا قابلِ فتویٰ ہمارے زمانے کے ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے جیسا کہ
واقفِ کتب فقہ پر مخفی نہیں۔

یہ مجموعہ فتاویٰ ہر دو جلد مولانا عبدالحیٔ نے اپنی حیات میں اپنے شاگردوں سے مرتب کرائے تھے جیسا کہ مجموعہ
جلد اول کے شروع میں درج ہے۔ (وہ فتویٰ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۳۳۳ بر خلاصۃ الفتاویٰ میں بھی بزبان فارسی دیکھیں)
"فتاوائے دستخطی مولانائے مرحوم کہ در زمانِ حیاتِ خود بہ نفسِ نفیس در دو مجلد ضخیم از تلمیذانِ خویش درج
کنانیدہ بودند" اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ عمرو نے کہاں سے مولانا مرحوم کا مذہب سماعِ اموات کا لکھ دیا خیر وہ جانے
کشف المغالطات ص ۱۶۱ و ص ۱۶۲ سے یہ عبارت لی گئی ہے اب آپ خود سمجھیں۔

برزخ والوں کو بھلا اہلِ دنیا کے حالات کا کچھ علم نہیں ہوتا

اس کے بارے ہم آپ کے سامنے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ غور فرمائیں

جواب نہیں

باب مایقال عند من حضرہ الموت الفصل الثالث نسائی کے حوالے جس کی سند اس طرح ہے اخبرنا عبیداللہ بن سعید
ثنا معاذ بن ہشام قال حدثنی ابی عن قتادۃ عن قسامۃ بن زھیر عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
اذا احتضر المؤمن اتت ملائکۃ الرحمۃ بحریرۃ بیضاء فیقولون اخرجی راضیۃ مرضیا عنک الی روح اللہ وریحان ورب غیر غضبان
فتخرج کاطیب ریح المسک حتی انہ لیناولہ بعضہم بعضا حتی یاتوا بہ ابواب السماء فیقولون ما اطیب ہذہ الریح التی جاءتکم من الارض
فیاتون بہ ارواح المؤمنین فلہم اشد فرحا بہ من احدکم بغائبہ یقدم علیہ فیسالونہ ماذا فعل فلان ماذا فعل فلان فیقولون

دعوہ فانہ کان فی غم الدنیا فیقول قد مات ا ما اتاکم؟ فیقولون قد ذہب بہ الی امہ الہاویہ الی آخر الحدیث (مشکوٰۃ ص ۱۴۲)
یعنی جب مومن کی موت آتی ہے تو سفید رنگ کا ریشمین کفن لے کر مومن کی روح کو اس کفن میں لپیٹنے کے لئے رحمت کے فرشتے آجاتے ہیں پھر اس روح کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اعلیٰ رزق کی طرف اور ایسے رب کی طرف جو غضب والا نہیں ہے راضی ہو کر نکلتی چلی آ اللہ بھی تجھ سے راضی ہے پھر وہ روح مشک کی بہترین خوشبو کی طرح مہکتی ہوئی فوراً نکل آتی ہے حتیٰ کہ اس روح کو فرشتے ایک دوسرے کے ہاتھوں سے لیتے ہیں تعظیم و تکریم کے طور پر حتیٰ کہ اس کو آسمان کے دروازوں تک لے آتے ہیں پھر فرشتے آپس میں ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ زمین کی طرف سے یہ جو تمہارے پاس خوشبو آئی ہے اس کے کیا کہنے۔ پھر اس روح کو وہ فرشتے وہاں لے جاتے ہیں جہاں مومنین کی روحیں رہتی ہیں یا جنت یا جنت کا دروازہ یا علیین یا عرش کے نیچے اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے پھر اس روح کو آتا ہوا دیکھ کر وہاں کی رہنے والی روحیں اس قدر خوش ہوتی ہیں جیسے کوئی مسافر دوست یا برادری کا بندہ گھر آئے باہر سے۔ تو اس کے گھر کے لوگ اس سے نہایت خوش ہوتے ہیں۔ پھر وہاں پر رہنے والی مومنوں کی روحیں اس دنیا سے جانے والی روح سے پوچھتی ہیں کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں نے کیا کیا یعنی ان آشناؤں کے حالات نام لے لے کر پوچھتی ہیں جن کو دنیا میں چھوڑ کر مرے تھے کہ فلاں کا کیا حال ہے اور فلاں کا کیا حال ہے۔ پھر آپس میں ہی ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہتی ہیں کہ ابھی اس کو رہنے دو کیونکہ دنیا کے غم میں تھی جب راحت پائے گی تب پوچھنا پھر راحت پانے کے بعد وہ روح کہتی ہے کہ جس کا تم حال پوچھتے ہو وہ تو مجھ سے پہلے مرگیا تھا کیا وہ تمہارے پاس یہاں نہیں آیا؟ تب وہ وہاں کی رہنے والی روحیں کہیں گی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہ بس تو اس کو یقیناً اس کی ماں دوزخ کی آگ ہی کی طرف لے گئے ہیں۔

پس یہ روایت صاف صاف بتاتی ہے کہ برزخ میں رہنے والی روحوں کو اہل دنیا کے حالات کا کچھ علم نہیں ہوتا کیونکہ وہ برزخ میں رہنے والی روحیں جنہے اُن مُردوں کا حال بھی پوچھتی ہیں جو مر کر اُن کے پاس نہیں گئے بلکہ کفار کے پاس چلے گئے ہیں کہ "اُن کا کیا حال ہے" پھر یہ روح کہتی ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے مرگیا ہے۔
پس بہم حدیثوں میں مُردوں کی ارواح کا اہل دنیا کے حالات سے غافل ہونا مذکور ہے

عذاب ثواب قبر کے بارے کس قدر عقیدہ رکھنا ضروری ہے

یہ بات بڑی پیچیدہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے تو کیسے رکھا جائے کہ قبر میں ہم ہوں گے تو نیکوں کو ثواب ہوگا اور بروں کو عذاب یہ کیفیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے

الجواب شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پوچھو

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۲۳ طبع دہلی میں لکھا ہے "واگر ہمیں قدر بداند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتے پیدا کند کہ بداں چیزے از الم و راحت دریابد در اعتقادِ صحیح کفایت است" یعنی اگر کوئی مسلمان صرف اسی قدر اعتقاد کرے کہ خداوند کریم مُردوں میں ایک حالت پیدا کرتا ہے کہ وہ اس کے سبب کچھ اَلم و راحت یعنی قبر کا عذاب یا ثواب محسوس کر لیتا ہے اس مسلمان کے صحیح الاعتقاد ہونے کے لیے یہی کافی ہے اور تکمیل الایمان ص ۱۶ میں ہے: بدانکہ در حدیث آمدہ است کہ در قبر عاصی بعقاد کژدم وگزیدنِ آن میت را درد و واقع است

و در ایمان و اعتقاد بداں دو طریق است یکے آنکہ وجودِ مار و کژدم و گزیدن ایشان میت را درد و واقع است و در خارج موجود است ...... و طریقِ اولیٰ آنکہ اعتقاد کند کہ دیدنِ ایں مار و کژدم بر مثال دیدن در خواب است۔ چہ مار و کژدم و گزیدنِ ایشان و متالم شدنِ نائم بہ نسبت بوے موجود و واقع است اگرچہ در خارج نبود اگرچہ مقصود ایں جا نیز حاصل است لیکن ایں اضعف الایمان است والاول احکم واسلم یعنی اگر کوئی عذاب قبر کی نسبت حقیقۃً سانپ بچھوؤں کا مُردے گنہگار کو کاٹنا اعتقاد کرے تو وہ شخص کامل اور اکمل الایمان شخص ہے۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یوں خیال کرے کہ جیسے کوئی خواب میں سانپ کا ٹنا دیکھے اور وہ اذیت پائے اور سوائے خواب دیکھنے والے کے دوسرے کو کچھ معلوم نہ ہو اسی طرح قبر میں کافر فاسق کو سانپ کاٹتے ہیں اور وہ مُردہ قبر والا خواب کی طرح سانپ کاٹتے دیکھتا ہے گو ظاہر میں کچھ نہ ہو۔ اگرچہ یہ اعتقاد ضعیف الایمان کا درجہ ہے مگر مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے یعنی صرف اسی قدر اعتقاد سے صحیح الاعتقاد اور مؤمن مصدق بن جاتا ہے گو ضعیف درجہ ہی۔

اب جو عبارت شیخ کی اس مقام پر پیش کی جاتی ہے کہ جب تک کوئی مُردہ ہو اور قبر والوں کو عالم اور واقف

دنیا اور اہل دنیا کے حالات سے پہچان رکھنے والے نہ تسلیم کرے گا وہ منکر دین رہے گا مسلمان نہ ہوگا معاذ اللہ سو یہ مضمون حضرت شیخ کے مضامین مذکورہ بالا کے ساتھ صریح معارض ہے اسی لئے صاحب کشف المغالطات نے ص۔ میں فرمایا ہے کہ حضرت شیخ رح کی اپنی عبارت نہیں ہے بلکہ الحاقی ہے۔ ورنہ شیخ سے عالم و محدث ایسی بے تکی بات نہیں فرما سکتے ورنہ حضرت شیخ پر بہت بڑا الزام عائد ہوگا۔ کیونکہ تمام فقہائے احناف اور علمائے علم کلام و عقائد اور محققین مفسرین و محدثین اور بڑے بڑے بزرگ سماع اموات و علم اموات کے منکر ہیں اب اگر حضرت شیخ رح کی اس عبارت کو تسلیم کر لیا جائے تو ایسی ایسی بزرگ ہستیوں کو جاہل یا منکر دین کہنا پڑے گا اور اس حدیث کا مصداق ہونا ہوگا کہ لعن آخر ہٰذہ الامۃ اولہا یعنی پچھلی امت اور پچھلے زمانہ والے اپنے اگلے بزرگوں کو لعنت ملامت کریں گے نعوذ باللہ منہ

سوال عذاب و ثواب قبر کا کوئی منکر بھی ہے ؟

جواب اہل السنۃ والجماعۃ کا تو متفق علیہا مسئلہ ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے اور سوائے بشر مریسی اور ضرار کے تمام معتزلی اور روافض بھی عذاب قبر کو برحق مانتے ہیں۔ چنانچہ

عذاب قبر شیعہ کے نزدیک بھی حق ہے

عن ابی جعفر علیہ السلام قال سورۃ الملک ہی المانعۃ من عذاب القبر (کافی کلینی ص ۶۴۱)

عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ من قرأ الہٰکم التکاثر عند النوم وقی فتنۃ القبر (ص ۶۶۶)

اہل سنۃ کا متفقہ عقیدہ

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۲ میں کہا ان الارواح باقیۃ لا تفنی فینعم المحسن ویعذب المسیٔ وقد جاء بہ القرآن والآثار وہو مذہب اہل السنۃ خلافا لطائفۃ من المبتدعۃ قالت تفنی یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ متفقہ مذہب اور عقیدہ یہی ہے کہ روحیں باقی رہتی ہیں فنا نہیں ہوتیں عالم برزخ میں اپنے اعمال و کردار کے مطابق جنت کی نعمتوں سے فائز یا اس کے برعکس عذاب جہنم میں مبتلا رہتی ہیں قرآن پاک اور احادیث و آثار صحیحہ میں اسی طرح آیا ہے البتہ ایک مبتدع گروہ اس عقیدہ کے خلاف ہے جو کہتا ہے کہ روحیں بھی فنا ہو جاتی ہیں

بعض مغالطات

سماع الموتی ص ۲۸۶ : مردے خود نہیں سنتے لیکن جب اللہ چاہے

نیلوی : بن مشیت الٰہی زندے خود ہی سن لیتے ہیں ؟

سماع الموتی ص ۲۸۶ : اللہ جب چاہے کہ ایسی چیز سنائے جس کی شان سننا نہیں

نیلوی : آخر مان ہی گئے کہ مُردوں کی شان نہیں کہ سنیں ہاں اللہ سنائے تو وہ قادر ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں

سماع الموتی ص ۲۸۷ : اس حالت میں نہیں سنتے جب وہ مردہ ہیں لیکن اللہ نے ان کو زندہ کر دیا

نیلوی : پھر جھگڑا کیا رہ گیا سیدھا کہو المیت لا یسمع مادام میتا (ای متصفا بوصف الموت) لا دائما قضیہ مشروطہ خاصہ لا عرفیہ خاصہ وہو المطلوب

فتح الباری کی عبارت سے سماع الموتی ۲۸۶ میں ۔ فوائد لکھے ہیں جن میں کلام ہے

۱ جمہور نے حضرت عائشہؓ سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ۲ جمہور نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو قبول کیا ہے کہ مردے سنتے ہیں

کلام ایک تو جمہور کا قول واجب الاتباع ہونے پہ کونسی شرعی دلیل ہے۔ اور اگر جمہور کا قول واجب الاتباع ہے تو اپنا حنفی مذہب چھوڑ کر جمہور کے مقلد بن جائیں کیونکہ اکثر مقامات میں حنفی جمہور کے خلاف ہیں۔ مثلاً

نووی نے شرح صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۱ میں کہا کہ حضرت سعدؓ کی حدیث صریح دلیل اس امر کی ہے کہ مدینہ طیبہ کا شکار اور درخت کاٹنا حرام ہے یہ جمہور کا قول ہے جو مذہب ائمہ ثلثہ کا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اس قول جمہور کے خلاف ہیں

نووی شرح مسلم ج ا ص ۳۱۳ : مسجد میں نماز جنازہ جمہور کے نزدیک جائز ہے ابو حنیفہؒ و ابن ابی ذئبؒ و مالکؒ کے نزدیک جائز نہیں۔

نووی ص ۱۷۶ : اکثر کہتے ہیں آمین باواز بلند پڑھیں۔ ابو حنیفہؒ کوفی، مالکؒ جہر بالتامین کے قائل نہیں۔

نووی ص ۱۶۴ : جمہور علماء کے نزدیک اقامۃ کے ۱۱ کلمے ہیں ؛ ابو حنیفہ رح کے نزدیک ۱۷ کلمے ہیں اور قول ان کا شاذ ہے

نووی ص ۲۱۱ : سلام سے پہلے سجدۂ سہو کرنا جمہور کا مذہب ہے ؛ ابو حنیفہ رح کے نزدیک سلام کے بعد سجدۂ سہو کرے

نووی ص ۲۱۴ : نماز میں بھولے سے بات کرے تو جمہور کے نزدیک نماز نہیں ٹوٹتی اور ابو حنیفہ و ثوری کے نزدیک ٹوٹ جاتی ہے۔

نیز ان جمہور کا نام بتایا جائے جنھوں نے سماعِ موتیٰ کی تصریح کی ہے صحابہ کرامؓ میں سے پھر تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین میں سے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اہل قلیب کے علاوہ دوسرے مُردوں کے سننے کی جہاں تصریح کی ہو تحقیق نقال کے ماسوا۔ اور اس میں شرط ہے کہ سند صحیح متصل الاسناد ہو۔ اجمالی دعویٰ کہ جمہور سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں مسموع نہیں ہوگا۔

۳ اس روایت کے بیان کرنے میں حضرت ابن عمرؓ متفرد نہیں ہیں بلکہ اور صحابہ بھی ان کے ہمنوا ہیں

کلام: جن صحابہ کا نام لیا جاتا ہے وہ حضرت انس و ابن مسعود و ابو طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن میں سے صرف حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موجود تھے حضرت انس بن مالک اور ابن عمر رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر میں موجود نہ تھے مگر ان حاضر باشوں کی روایت بسند صحیح دکھانا ضروری ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ اور باقاعدہ سند لکھی جائے تاکہ ان رجال کو دیکھ کر سند کی صحت کا یقین کیا جا سکے

اور یہ یاد رہے کہ اصحاب بدر میں سے عبداللہ بن سیدان رضہ میری نظر سے نہیں گزرے۔

۴ انک لا تسمع الموتیٰ سے ایسے سماع کی نفی ہے جو نافع اور مفید ہو

کلام :۔ آپ پہلے تو کہتے تھے کہ قرآن کریم میں اسماع کی نفی ہے۔ سماع کی نفی قرآن پاک میں کہیں نہیں مگر اب آگے کہتے جلدی بھول گئے اور مان گئے کہ قرآن مجید میں سماع کی نفی ہے۔ البتہ اتنا اضافہ کر دیا کہ سماع نافع اور مفید کی نفی ہے پھر لکھا کہ مرنے کے بعد جب تکلیفی زندگی ہی ختم ہوگئی تو اب ان کو اس سماع سے کیا فائدہ حاصل ہوگا

مگر یہ بھول گئے ہیں جو پہلے کہتے رہتے ہیں کہ مُردوں کو قرآن پاک سننے سے انس حاصل ہوتا ہے۔ کیا انس حاصل ہونا کوئی اور چیز ہے اور فائدہ حاصل ہونا اور چیز ہے

۵ اور یا مطلب یہ ہے کہ تو ان کو سنا نہیں سکتا یعنی تجھے اس پر قدرت نہیں ہاں اللہ تعالیٰ جب چاہے ان کو سنا دے۔

کلام: کیا زندوں کو سنانا داخل تحت قدرۃ محمدیہ ہے اور مُردوں کو سنانا داخل تحت قدرۃ الٰہیہ ہے؟ سوچ کر جواب دیں

۶ جمہور کے نزدیک یہ سماع روح اور بدن دونوں کے ساتھ وابستہ ہے۔

کلام: حضرت موسیٰ کے ساتھ چھٹے آسمان پہ جو مکالمہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام روح مع الجسد العنصری کے سنتے رہے جسد عنصری سماء سادسہ پہ پہنچ گیا تھا؟

۷ ہاں کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ سماعت روحانی ہے اور وہ رد الروح الی الجسد کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن جمہور کا یہ مسلک نہیں ہے والحق مع الجمہور

کلام آپ کے استاذ سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سماعت روحانی کے قائل تھے جب حق جمہور کے ساتھ ہوا تو اب اپنے استاذ کے متعلق کیا فرمائیں گے۔ اگر ان کی بات کی تردید آپ کر سکتے ہیں، تو دوسرا آدمی ان کی بات کی تردید کرنے کا کیوں مجاز نہیں؟

سماع الموتیٰ ص ۲۸: مردہ اپنے اہل وعیال اور دوستوں کے احوال کو جانتا ہے جو اُن کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور ... اور وہ دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے الخ

نیلوی: جب مشہور حدیث ہے تو پھر آپ نے ص ۲۵۵ میں کیسے لکھ دیا

اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر پہ جھکے سے آکر سجدہ کرتا ہے یا خموش رہ کر طواف کرتا ہے یا قبر پہ نذر ونیاز ہی آکر رکھ دیتا ہے تو بزرگوں کو اس عبادت کی کیا خبر ہے

نیلوی: بریلوی یہ دونوں عبارتیں دیکھ کر یہی کہیگا کہ دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ یہ اولیاء اللہ کے گستاخ ہیں اور دوسرے اموات تو جانتے دیکھتے ہیں مگر اولیاء اللہ کو خبر نہیں۔ اگر یہ حکم خاص یا عام ہے تو دو باتوں میں تعارض کون دور کرے

حقیقتِ حال

دراصل جہانوں کا اختلاف ہے ایک جہان والے ایک دوسرے کو دیکھ جان پہچان سکتے ہیں ایک دوسرے کی آواز سُن سُنا سکتے ہیں۔ مگر ایک جہان والا دوسرے جہان والوں سے بعید ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ جان پہچان سکتے ہیں نہ ایک جہان والا دوسرے جہان والے کو اپنی آواز سُن سنا سکتا ہے

دیکھتے نہیں کہ عالم ذر میں ہم سب میں عقل سمجھ بوجھ تھی سننے کے لئے کان تھے دیکھنے کے لئے آنکھیں تھیں بولنے کے لئے زبان تھی سوچنے سمجھنے کے لئے دل و دماغ تھا اللہ تعالیٰ کا فرمان الست بربکم ہم نے اپنے کانوں سے سنا تھا پھر اس کو ہم نے دل و دماغ سے سوچا سمجھا غور کیا فکر تو سمجھ بوجھ کر ہم نے دل میں تصدیق کی اور زبان سے اقرار کرتے ہوئے بلیٰ کہا اور جب دنیا میں آئے تو جہان بدل گیا بلکہ دوسرے جہان عالم بطن کو عبور کر کے اب تیسرے جہان عالم دنیا میں آگئے۔ پھر اس عالم دنیا میں دو حصے ہیں ایک عالم بیداری دوسرا عالم خواب۔ سونے والا عالم خواب میں جو حالات دیکھتا ہے وہ جاگنے والے سے پوشیدہ ہیں اور جاگنے والا سونے والے کے پاس جو حرکت کرتا ہے سونے والا اس سے بے خبر ہے۔ بعض اوقات تو سونے والے کی آنکھ کھلی ہوتی ہے مگر سونے والا اس آنکھ سے کچھ نہیں دیکھتا۔ کیونکہ خواب کا عالم اور ہے بیداری کا عالم اور ہے۔ اسی طرح بندہ عالم دنیا سے جب کوچ کرتا ہے تو اسے فرشتے نظر آتے ہیں وہاں جنت کی خوشبو محسوس ہوتی ہے اسے کفن ریشمین نظر آتا ہے اس تھوڑے سے وقفے میں اپنے جسد عنصری کی طرف نگاہ ڈالتا ہے لوگوں کی طرف بھی پھر فرشتوں کی معیت میں چلا جاتا ہے اُس عالم کے باشندوں کی باتیں سنتا ہے اپنی سُناتا ہے وہاں کی بہاریں دیکھتا ہے مگر دنیا والے اس کے حالات سے بے خبر اور وہ دنیا والوں کے حالات سے بے خبر کیونکہ جہان مختلف ہیں۔

ہاں دنیا میں عالم بیداری کے اندر جن کانوں سے دیکھتے ہیں اور جس زبان سے بولتے ہیں اور جن آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جس دل و دماغ سے سوچتے ہیں سمجھتے ہیں دوسرے جہانوں میں یہ کان زبان آنکھ دل وغیرہ کام نہیں آتے۔ وہاں کے مدرک آلات دوسرے کان زبان آنکھ دل ہوتے ہیں اُس جہان کے مناسب۔ جیسے ظاہر ہے کہ جب ہم کو آدم ؑ کی معصوم و مبارک پیٹھ سے نکالا گیا تھا تو اس وقت ہمارے یہ سب اعضا تھے مگر یہ اربعہ عناصر سے مرکب اعضا نہ تھے جو دنیا کے جہان میں ہمیں عمل کرنے کے لئے عطا ہوئے ہیں۔ اور عالم خواب میں انسان آنکھوں کے ساتھ چلتا پھرتا دوڑتا ہے ریل بس گاڑی کار گھوڑا گدھا پر سواری کرتا ہے پہاڑ پر چڑھتا ہے اترتا ہے۔ بولتا ہے ہنستا ہے روتا ہے دوستوں کی دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ کبھی کبھی اُڑتا ہے۔ درختوں پر چڑھتا ہے۔ دریا میں تیرتا ہے کسی کو مارتا ہے کسی اژدہا سے بھاگتا ہے مگر جسد خاکی عنصری اس کا چارپائی کے بستر پہ دراز ہوتا ہے اس کا چلنا پھرنا ان اعضا سے نہیں ہوتا۔ ایک اندھا بہرا اپنے آپ کو خواب میں چیزیں دیکھتا ہے باتیں سنتا ہے تو

بیداری میں اٹھ کر بتاتا ہے کہ میں خواب میں پیدل بھی چل سفر کیا رستے میں جنگلات دریا دیکھے جانوروں کے ریوڑ آواز کرتے دیکھے تو ظاہر ہے کہ ان عنصری اعضاء سے وہ خواب میں نہ چلا نہ دیکھا نہ سنا۔ اب وفات کے بعد ان عنصری اعضا کے ساتھ چلنا پھرنا سننا بولنا دیکھنا کیسے ہوگا خاص کر جب کہ یہ جسد عنصری خاک ہو جائے اور پانی آگ ہوا نہ رہے۔

بہر حال جسد عنصری میں روح واپس آئے بغیر اگر محض جسد کو ثواب وعذاب سے مسلط ہے تو اس جسد عنصری میں سے صرف خاک کا رہنا اور آگ پانی ہوا کا ختم ہونا مان لیں تو پھر بھی اسی جسد عنصری کو ہوگز اس کے دیکھنے سننے اور بولنے سمجھنے کا قول کرنا کس طرح مسلط نہیں ہے جب کہ یہ قول عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل یعنی قرآن وحدیث آثار صحابہ وقیاس مجتہدین کے بھی خلاف ہے

اس لئے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو سماع موتیٰ کے قائل ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں سمجھتا کہ ان کانوں سے میت سنتا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے سننے کے لئے دئیے ہیں اور ان آنکھوں سے دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دیکھنے کے لئے دی ہیں یہی وجہ ہے کہ چاروں مذہبوں والے میت کی آنکھیں بند کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اجماع کا مغالطہ

اجماع کی تعریف اصطلاح اصول میں تو یہ ہے کہ وہ اتفاق ہے امت محمدیہ کے مجتہدین صالحین کا ایک زمانہ میں کسی امر قولی یا فعلی پر۔ یا یوں کہو امت محمدیہ میں سے جو آدمی اہلیت رکھتے ہیں ان تمام کے ہر ایک زمانے میں کسی امر پر اتفاق کرنے کا نام اجماع ہے

مجتہدین کی قید سے مقلدین کا اتفاق نکل گیا اور صالحین کی قید سے ایسے مجتہدین کا اتفاق خارج ہو گیا جو بدعت وہوا میں مبتلا ہوں یا فاسق ہوں اور امت محمدیہ کی قید سے شرائع انبیائے سابقین کا اتفاق نکل گیا

مجتہدین کا اجماع صرف انہیں امور پر ہوتا ہے جو کتاب وسنت سے قطعاً ثابت نہ ہوں اور اتفاق سے مراد یہ ہے کہ اعتقاد یا قول یا فعل میں شریک ہو جائیں۔ اور ایک عصر کے تمام مجتہدین کے اتفاق کا اعتبار ہوتا ہے پس اگر ایک عصر کے بعض مجتہد کسی امر پر اتفاق کر لیں اور بعض نہ کریں تو وہ اجماع نہیں کہلائے گا

اجماع کے یہ معنے نہیں کہ جس شخص نے جیسا مناسب وقت دیکھا اپنی فکر سے ویسی ہی رائے دیدی۔ اور اس پر شرع سے کوئی دلیل نہ ہو بلکہ اجماع کے یہ معنے ہیں کہ اس اجماع کے ہر ایک آدمی نے دلیل شرعی سے استنباط کیا ہو

پھر علماء نے اجماع کی چار قسمیں بیان فرمائیں ۱۔ صحابہ کا اجماع کسی مسئلہ یا حادثہ پر بایں طور کہ سب زبان سے اپنا اتفاق بتائیں ۲۔ صحابہ کا اجماع بایں طور کہ بعض زبان سے قبولیت کا اقرار کریں یا عمل کریں اور دوسرے چپ رہیں اور قول یا عمل کو رد نہ کریں۔ یہ اجماع سکوتی ہے ۳۔ تابعین یا تبع تابعین کا ایسے مسئلہ پر اجماع جس میں صحابہ کرام کا قول نہ ملتا ہو ۴۔ سلف (صحابہ) کے اقوال میں سے ایک قول پر اجماع

اجماع کی پہلی قسم بمنزلہ کتاب اللہ و سنت متواترہ ہے اور تیسری بمنزلہ خبر مشہور کے اور چوتھی بمنزلہ خبر واحد"

اصولیین لکھتے ہیں کہ عوام (غیر مجتہدین) کے اجماع کا اعتبار نہیں اور نہ علم عقائد والوں کے قول کا اجماع میں اعتبار ہے اور نہ ان محدثین کے اجماع کا اعتبار ہے جن کو اصول فقہ کے سمجھنے کی بصیرت نہ ہو

اجماع کا رکن ہے ارباب حل و عقد کا کسی شرعی حکم پر اتفاقِ رائے کر لینا۔ اور ارباب حل و عقد سے مراد ہیں اہل اجتہاد ۔ اور جو لوگ اہل اجتہاد نہیں وہ عوام میں داخل ہیں اجماع میں ان کا کوئی دخل نہیں خواہ وہ جاہل ہوں یا عالم محدث یا علم کلام والے یا صوفیا وغیرہم:

پھر یہ اجماع دو قسم ہے ایک حقیقی کہ ہر ہر مجتہد صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس مسئلہ میں دوسرے مجتہدین کی رائے سے متفق ہوں دوسرا حکمی کہ بعض مجتہدین نے اپنی رائے کا اظہار کیا اور دوسرے خاموش رہے۔ یہ خاموش رہنا ان مجتہدین کا خود اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں بھی اس رائے سے اتفاق ہے کیونکہ یہ اس امر میں اگر اتفاقِ رائے نہ رکھتے تو اس ضرورت کے موقع پر ضرور بول اٹھتے کہ دیکھو ہمارا اس مسئلہ میں اتفاق نہیں اگر ان بعض مجتہدین کی رائے کو غلط سمجھ کر پھر خاموش رہیں تو الساکت عن الحق شیطان اخرس کے زمرے میں آئیں گے اور فاسق ہو کر اجماع کی اہلیت و رکنیت سے نکل جائیں گے تو جیسے عوام کا اجماع میں دخل نہیں ہے ایسے فاسقوں فاجروں اور نااہل ہونے کا بھی اجماع میں کچھ دخل نہیں ہے۔

اب رہی بات کہ اجماع سکوتی حجت شرعیہ ہے یا نہ ؟ سو اس میں اختلاف ہے ہمارے اکثر اصحاب حنفیہ اور بعض اصحاب شافعیہ اور امام احمد بن حنبل اجماع سکوتی کو حجت سمجھتے ہیں اور استاذ ابو اسحٰق اسفرائنی اہل سنت

والجماعت میں سے اور ابو ہاشم جبائی معتزلہ میں سے اسی کو مختار سمجھتے ہیں کہ اجماع سکوتی حجت ہے بشرطیکہ مرتے دم تک سکوت پر قائم رہے۔ اور حنفیہ میں سے عیسیٰ بن ابان اور اشعریہ میں سے ابوبکر باقلانی اور داؤد ظاہری اور بعض معتزلہ اور ابو حامد غزالیؒ اور مالکیہ میں شیخ ابن حاجبؒ اپنے مختصر الاصول میں اور آمدی احکام الاحکام میں اجماع سکوتی کو حجت نہیں سمجھتے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے اس بارے میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اجماع سکوتی حجت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اجماع سکوتی حجت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر مجتہد کا فتویٰ ہو تو اجماع ہے اور کسی حاکم کا حکم ہو تو اجماع نہیں اور شافعیہ میں سے علی بن ابی ہریرہ کا مختار یہی ہے۔ لیکن صواب اور حق یہی ہے کہ اجماع سکوتی حجت ہے کیونکہ مخالفین جو اتفاق الباقین نہ ہونے کا احتمال نکالتے ہیں یہ سب خلاف ظاہر ہے۔ علاوہ ازیں یہ گفتگو اس سکوت میں ہے جس میں خلاف کا قرینہ کوئی نہ ہو اور مقتضائے اجتہاد اور اقامت حق کو دیکھ کر بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان ساکتین کی رائے دوسروں کے ساتھ متفق ہے کیونکہ الساکت عن الحق شیطان اخرس حق بات سے خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے۔

التحریر میں دوسری بات ہے والشرط اجتماع الکل وخلاف الواحد مانع کخلاف الاکثر یعنی اجماع میں یہ شرط ہے کہ سب کی رائے ایک ہو اور ایک مجتہد کا اختلاف انعقادِ اجماع سے مانع ہے جس طرح اکثریت کا اختلاف انعقاد اجماع سے مانع ہے

البتہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے کہ اکثریت کی رائے انعقادِ اجماع کے لئے کافی ہے بعض کی مخالفت کا کچھ اعتبار نہیں جیسے کتب اصول میں صراحۃً مذکور ہے

اب جیسے کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عدم سماع موتی میں پیش پیش تھی تو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سماع الموتی کے قائل ہوئے تو ان بعض معتزلہ کا مذہب اختیار کریں تب تو کہا جا سکتا ہے کہ سماع موتی پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے (بشرطیکہ یہ بات تسلیم کریں کہ سوائے حضرت ام المؤمنینؓ کے کوئی ایک صحابیؓ بھی سماع موتی کا منکر نہ تھا) اور ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کا انکار والعیاذ باللہ کوئی وقعت نہیں رکھتا

لیکن اگر اہل السنۃ والجماعت کا مسلک اختیار کریں تو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اختلاف تسلیم کرتے ہوئے کسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سماع موتیٰ پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع تھا۔

اگر تسلیم کریں کہ یہ مسئلہ اجماعیہ ہے تو بعض محققین علماء مثل ابن الہمام و شاہ محمد اسحٰق

وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ اکثر مشایخ حنفیہ سماع موتی کے منکر ہیں یہ ان محققین نے بغیر تحقیق کے ایک غلط نسبت اکثر مشایخ حنفیہ کی طرف کر دی ہے یا سچ مچ اکثر مشایخ حنفیہ نے اجماع سلف امت کے خلاف کر کے گناہ کبیرہ وفسق وفجور کے مرتکب ہوئے ہیں ان دو شقوں کے علاوہ تیسری شق آپ اختیار نہیں کر سکتے بس یہی کہنا ہوگا کہ ان محققین کی تحقیق غلط اور اکثر حنفیہ کی طرف عدم سماع موتی کو منسوب کرنا غلط ہے یا پھر اکثر حنفیہ والعیاذ باللہ بقول شما فاسق وفاجر تھے

فائدہ

جب لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی الآیۃ نازل ہوئی تو قال ابن الزبیر فما کان عمر یسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یستفہمہ الحدیث (بخاری ج ۲ ص ۷۱۸) عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے آہستہ بولتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سنا سکتے تھے حتی کہ آپؐ خود حضرت عمرؓ سے سوال فرماتے کہ عمرؓ! تم نے کیا کہا ہے۔

مؤلف مذکور (بریلوی) تو فرش پر مان کر عرش وفرش کی آوازیں سننے کا باطل دعوی کرتے ہیں۔ مگر یہ صحیح روایت تو صاف بتاتی ہے کہ آپؐ فرش پر پاس بیٹھے ہوئے حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کی آہستہ آواز کو بھی نہیں سنتے تھے تاوقتیکہ آپؐ دریافت نہ فرما لیتے کہ عمرؓ! تم نے کیا کہا ہے؟

نیلوی کہتا ہے جب آپؐ اپنی دنیوی زندگی میں فرش پر خود بھی تھے اور فرش ہی پر حضرت عمرؓ پاس بیٹھے ہوئے دھیمی آواز سے بات عرض کرتے ہیں پھر بھی آپؐ نہیں سنتے تھے جیسے صحیح حدیث صاف بتاتی ہے تو یہ سمجھائیے دنیوی زندگی کے بعد گز دو گز گہری کھودی ہوئی قبر شریف مطہر ومعطر میں جسم اقدس تک آواز ایسے شخص کی کیسے پہنچ سکتی جو رتبہ کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کھربوں درجے کم ہے اور قبر شریف بھی بالشت بھر زمین سے اونچی ہے اور حجرہ شریفہ میں مستور ہے پھر حجرہ شریفہ چار دیواری میں بند ہے۔

اور چار دیواری سے باہر چاروں طرف گنبد خضراء حاوی ہے پھر گنبد خضراء کے آس پاس جالی ہے اور جالی سے چار گز پرے ہٹ کر کھڑے ہوتے ہیں اور مسجد نبوی کے احترام میں سلام بھی پست اور دھیمی آواز سے پڑھا جاتا ہے یہ کونسی قرآنی آیت یا کونسی صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے

اگر امام بخاری رح کی یہ تخریج کردہ حدیث بریلویوں کے باطل دعویٰ کو رد کرتی ہے تو بعینہٖ یہی صحیح حدیث آپ کے دعویٰ کو بھی رد کرتی ہے

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ عمرؓ کی پست آواز کو نہیں سنتے تھے اور صرف بقول آپ کے یہ آپ نے اس عبارت سے نکالا کہ ما کان عمر یُسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرت عمرؓ آپ کو نہ سنا سکتے تھے۔ یہاں اِسماع کی نفی ہے سماع کی نفی تو نہیں ہے پھر آپ نے یہ نتیجہ کیسے نکالا ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کی آواز کو نہیں سنتے تھے اِسماع کی نفی سے سماع کی نفی کیسے لازم آ گئی یہ تو آپ کے مسلک کے سخت مخالف ہے۔ نیز جب حضرت عمرؓ آپ کو نہ سنا سکتے تھے تو قبر میں پڑے ہوئے دھڑوں کو خدا سنا سکتا ہے اور آپ کے مسلک کے مطابق خدا ان کو ضرور سناتا ہے تو حضرت عمرؓ کی آواز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا پاک ضرور سناتا تھا پھر آپ کیسے فرماتے ہیں کہ آپ حضرت عمرؓ کی آواز نہیں سنتے تھے۔ یا یوں کہو کہ دنیوی زندگی میں پاس بیٹھنے والا فرشی دوسرے فرشی کی آواز نہ خود سنتا ہے نہ خدا سناتا ہے مگر مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی عادت مبارک ہے کہ فرشی کی آواز قبر والے تک پہنچا دیتا ہے مگر قبر والے کی آواز فرشی کو نہیں سننے دیتا تو اس صورت میں بریلوی مسلک کی تائید آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد حواس سمع و بصر کا ادراک بڑھ جاتا ہے اور وفات سے پہلے اس قدر تیز ادراک نہیں ہوتا کہ قبر والے کا ردّ سلام سُن سکے یا قبر والے کو باہر قبر پہ کھڑے ہو کر دیکھ سکے

ہاں فرق ہے تو صرف اتنا کہ آپ اس ادراک کو قبر کے پاس تک محدود رکھتے ہیں اور بریلوی لوگ قرب و بعد کا کوئی فرق نہیں کرتے

ایک معترض کی زبانی مسئلۂ سماع موتیٰ پر دلیل قرآنی

ایک المعترض کالاعمیٰ نے اندھے پن میں تیر پھینکا مگر نشانہ پر کیسے لگتا وہ تیر یہ ہے کہ کہتا ہے کہ قرآن پاک کی آیت سے ثابت ہے کہ مُردے سنتے ہیں دیکھا نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے مرغ مور کوا کبوتر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھ دیئے تھے پھر ان ٹکڑوں کو بلایا سن کر سب اُڑ اُڑ کر حضرتؑ کے پاس پہنچ گئے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اول تو خود معترض صاحب کا اپنا بیان فرمودہ قانون ہے کہ جس آیت سے سلف میں سے کسی نے

استدلال نہ کیا ہو وہ استدلال باطل اور مردود ہے اب معترض صاحب بتائیں کہ سلف میں سے کس نے اس آیت کریمہ سے سماع موتیٰ پر استدلال کیا ہے؟ اگر کسی سے ثابت نہیں کر سکتے تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے اس آیت سے استدلال کرنے کا جب کہ آپ لوگوں کو طعن دیتے ہیں جو اس سے پہلی آیت سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال کرتے ہیں دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

دوسری بات یہ ہے کہ یہ معترض صاحب پرویز کی طرح یا تو معجزاتِ انبیاء کے منکر ہیں یا پھر ہمارا دعویٰ نہیں سمجھے سب واقفِ قرآن پاک جانتے ہیں کہ اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کے مطالبہ پر اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا اور یہ نمونہ دکھا کر قیامت کے دن زندہ کرنے کی کیفیت بتا دی کہ اسی طرح اول بدنیہ اجزاء مختلف مقامات سے جمع ہو کر اجساد بنا دیئے ہوں گے پھر ان میں روح پڑ جائے گی۔ اور معترض جن پر اعتراض ہے وہ نہ تو قدرتِ خداوندی کے منکر ہیں اور نہ معجزات انبیاء کے منکر ہیں البتہ خود معترض صاحب اس آیت سے سماعِ موتیٰ پر استدلال کر کے اہلِ سنت کی راہِ راست سے ہٹ کر معتزلہ کی کج راہ پر گامزن ہیں کیونکہ جب اس آیت سے انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ انسان ہو یا جانور ہر مُردہ آواز سنتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے چلتا پھرتا بھی ہے تو یہ عام عادت ہر مُردہ کی ثابت ہو گئی خرقِ عادت نہ رہا جب خرقِ عادت نہ رہا معجزہ نہ رہا اور معجزہ کا انکار اہلِ سُنت کا کام نہیں۔ معتزلہ فرقہ کا کام ہے

◎

اصل محلِ نزاع

بلغۃ الحیران ص ۲۵۰ میں پیرِ طریقت حضرت حسین علی وانی رحمہ اللہ نے لکھوایا ہے کہ احناف و شوافع کا اختلاف روح کے سماع میں ہے۔ جسد تو اتفاقاً نہیں سنتا

مولانا حکیم الامۃ محمد اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن پارہ ۲۱ ص ۴۴ میں لکھا ہے، مُردہ حقیقی جسد ہے وہ نہیں سُن سکتا۔ مگر اس سے روح کی نفی سماع لازم نہیں آتی

شاہ عبدالقادر صاحب محدث و مفسر دہلوی رح نے موضح قرآن ص ۵۰۰ میں فرمایا ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے۔ اور قبر میں پڑا ہے دھڑ۔ وہ نہیں سنتا (نوٹ: اس میں اعادہ روح کی نفی ہو گئی)

علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فوائد میں لکھا ہے ۳۱ھ کہ یعنی جن احادیث میں مُردوں

سے خطاب کیا گیا ہے وہاں قبر میں پڑا دھڑ مراد نہیں۔ بلکہ روح سے خطاب ہے۔

حضرت سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے شرح املائی بخاری فیض الباری ص۴۹۱ میں فرمایا کہ تفتازانی وابن حجر کے باہم اختلاف کی تطبیق اس طرح ہے کلام التفتازانی فی حق الاجساد و فی حق الارواح وکلام ابن حجر فی حق الارواح یعنی تفتازانی کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے یعنی دھڑ نہیں سنتے۔ اور ابن حجر کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں یعنی ارواح سنتے ہیں

پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے اعلاء کلمۃ الحق ص۳۲ میں لکھا ہے ونیز مفاد آیۃ مذکورہ نفی اسماع است از موتیٰ۔ و آں اجساد اند نہ ارواح

حضرت سید حسین احمد مدنیؒ نے مکتوبات جوا مکتوب ۸۸ ص ۲۴۶ پر لکھا خلاصۂ کلام یہ ہے

کہ اگر مزار شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے الخ

محمد امیر گانگی نے تحقیق لاریب ص۱۹۳ میں لکھا "جو احادیث یا عبارات کتب نفی سماع کی ہیں وہ جسد پر محمول ہیں

احمد رضا خان بریلوی نے ملفوظ ص۴۴ و ص۴۵ میں لکھا عرض ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضہ کا انکار سماع موتےٰ سے رجوع ثابت ہے یا نہیں؟ ارشاد: نہیں! وہ جو فرماتی ہیں حق فرما رہی ہیں۔ وہ مُردوں کے سننے کا انکار فرماتی ہیں۔ مُردے کون ہیں؟ جسم! رُوح مُردہ نہیں۔ بیشک جسم نہیں سنتا۔ سنتی روح ہے (الملفوظ حصہ سوم صفحہ ۴۴ و ۴۵ از احمد رضا خان بریلوی۔

مولوی عبد الغفور ساکن پنجہ از مضافات مٹھہ ٹوانہ (تحصیل) ضلع خوشاب نے بھی اپنے رسالہ "سماعِ موتیٰ" میں اسی طرح لکھا ہے

مشکلات القرآن صفحہ ۲۲۳ میں علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے لکھا ہے المراد بما انت بمسمع من فی القبور هم الاجساد لا الارواح ویؤیدہ حدیث ابن حبان فی اعلام الموقعین من عذاب القبر۔ دیکھا یہ مسئلہ بھی حل کر دیا کہ قبر میں پڑا دھڑ ہے۔ نہ کہ

اس عرفی قبر میں اس جسد عنصری کے اندر پھر سے روح واپس آجاتی ہے۔ اور جسدِ عنصری محض میں احساس نہیں ہوتا جیسے حضرت علامہ محدث ابن حجر کنانی عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ میں تصریح فرمائی ہے کہ الموتیٰ لا احساس لہم مُردوں کو کسی طرح کا احساس نہیں ہوتا یعنی مُردہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے نہ سونگھتا ہے نہ چکھتا ہے نہ عقل وفہم رکھتا ہے نہ چلتا پھرتا ہے نہ گرمی سردی محسوس کرتا ہے نہ نرمی سختی۔

حضرت شاہ جی رحمہ اللہ نے ایسی عباراتِ ابن حجرؒ کو سامنے رکھ کر کلامِ تفتازانیؒ و کلام ابن حجرؒ کے مابین جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا تھا اس طرح تطبیق دی کہ علامہ تفتازانی رحؒ کی گفتگو اجساد کے بارے ہے کہ اجساد نہیں سنتے اور علامہ حافظ ابنِ حجرؒ کی گفتگو ارواح کے بارے ہے کہ سننا ارواح کا کام ہے نہ اجسادِ محضہ کا۔ تو یہ توجیہ بما یرضیٰ بہ قائلہ ہوئی۔ نہ توجیہ بما لا یرضیٰ بہ قائلہ۔

الفَرق بینَ الفِرَق صفحہ ۳۳۷ میں ہے ان من لیس بحیٍّ لا یصح ان یکون عالماً قادراً مریداً سامعاً مبصراً وھذا خلاف قول الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواہم جواز وجود العلم والقدرۃ والرؤیۃ والارادۃ فی المیت یعنی جو زندہ نہیں اس میں علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر میں سے کوئی صفت نہیں ہوتی۔ ہاں معتزلہ فرقہ کی ایک شاخ قدریہ (صالحی اور اس کے پیروکار) کا دعویٰ ہے کہ مُردہ دھڑ میں یہ سب صفتیں پائی جاسکتی ہیں۔ (جیسے آج کے معتزلہ کہتے ہیں کہ مُردہ ان کانوں سے سنتا ہے

اور التکشف ص ۴۲۷ میں لکھا غرض اس طرح جانبین میں (سماعِ روح کے بارے) کلام طویل ہے اور دونوں شقوں میں وسعت ہے۔ البتہ عوام کا سا اعتقادِ اثبات کہ اس کو حاضر و ناظر متصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں، یہ صریح ضلالت ہے۔ اگر اس کی اصلاح بدون انکار سماع کے نہ ہوسکے تو انکارِ سماع واجب ہے۔

الحاصل روح کا کام سننا ہے نہ جسم کا، قبر میں پڑا دھڑ ہے جو سنتا نہیں مگر صالحیہ کا مذہب ہے کہ دھڑ سنتا ہے، اور روح اس جسد عنصری میں قیامت سے پہلے نہیں آتی (بجز مستثنیات کے) اور رُوح جو عالم برزخ میں ہے اہلِ دنیا کی باتیں نہیں سنتی نہ ان کو دیکھتی پہچانتی ہے الا ان یشاء اللہ رب العٰلمین۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز جیسے اور خرق عادات اہلِ سنت کے ہاں مسلم ہیں۔

شفاء الصدور
فی تحقیق عدم سماع من فی القبور

عربی

محقق العصر شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید محمد حسین صاحب نیلوی مدظلہ

کی تصنیف

جو کہ مسئلہ عدم سماع من فی القبور کے موضوع پر نہایت مدلل و مکمل کتاب ہے اور کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے جو کہ آسان عربی میں لکھی گئی ہے۔ علماء کرام وطلباء اسلامیہ کے لئے نہایت لاجواب تحفہ ہے۔

کاغذ سفید۔ آفسٹ طباعت۔ صفحات ۲۲۸۔ قیمت /۲۰ روپے

مجلد پلاسٹک کور۔ /۲۵ روپے۔ طلباء کے لئے ڈاک خرچ معاف

رقِ منشور

★ فی ★

احکام الموتٰی والقبور

انسان کے مرنے سے لیکر کفنانے، دفنانے اور جنازہ سے متعلق اسلامی احکامات اور غیر اسلامی رسومات مثلاً تیجا، ساتواں، دسواں۔ چالیسواں، سالانہ عرس و میلہ اور بے شمار مسائل متعلقہ میت اور آداب وغیرہ درج ہیں جسے شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا علامہ سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ نے نہایت عرق ریزی سے مرتب فرمایا ہے اور ہر مسئلہ کو براہین و دلائل سے مبرہن فرمایا ہے۔ یہ کتاب علماء کرام وطلباء سے کر عوام الناس تک سب کے لئے یکساں مفید اور نہایت ہی علمی تحقیقی مواد کا ذخیرہ ہے اور خصوصاً آج کل کے درپیش فقہی پیچیدگیوں کا مکمل آسان حل پیش کیا گیا ہے۔

کاغذ سفید۔ صفحات ۱۱۲۔ رنگین سرورق اور آفسٹ طباعت کے ساتھ اوارہ گلستان اہل سنت نے شائع کیا ہے اور ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت /۱۲ روپے

ندائے حق
مع اضافات جدیدہ
مکتبہ اشاعت اسلام